ماہنامہ

کرن

مئی 2015

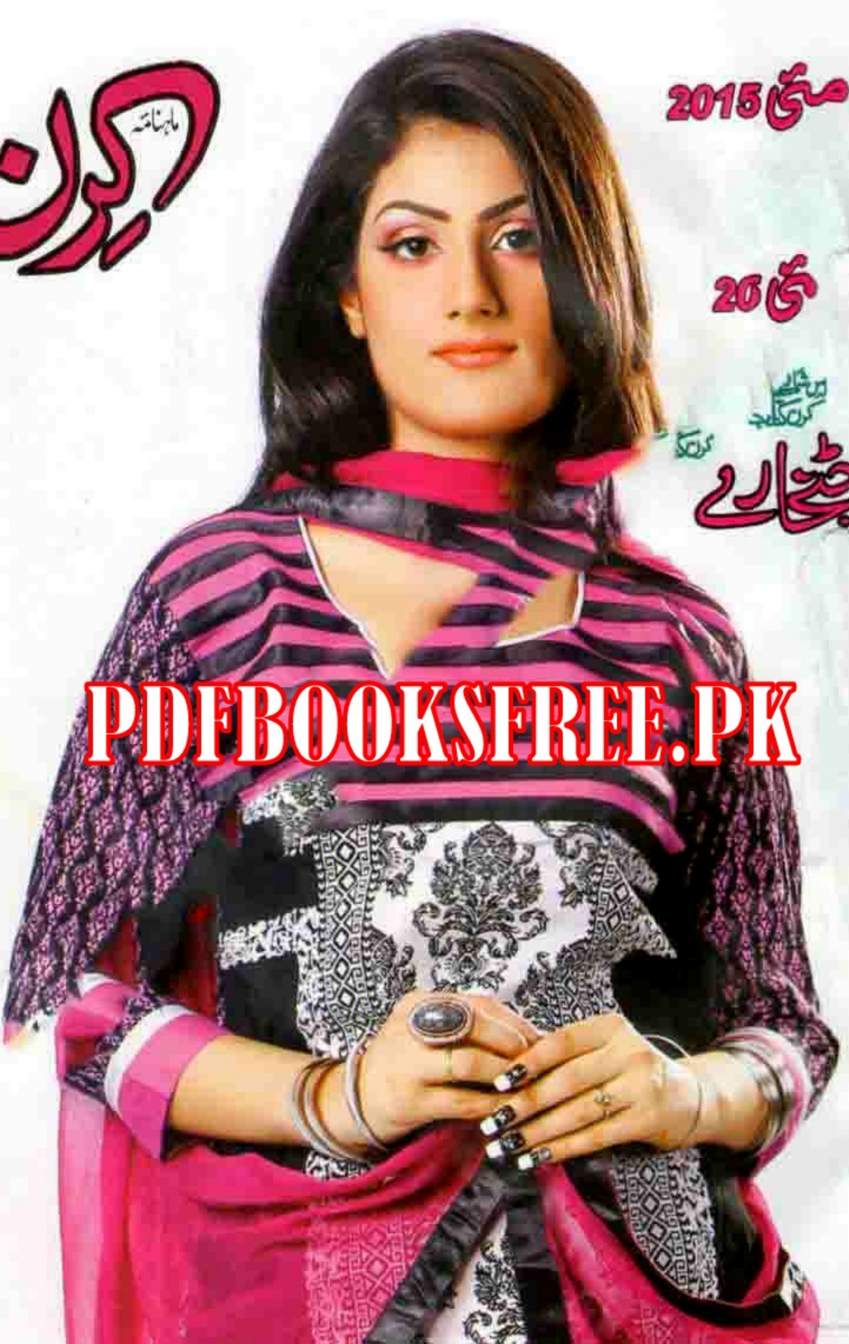

مئی 20
اس شمارے میں
کرن کتابچہ
کرن کا
چٹخارے

بانی ——— محمود بابر فیصل
نگران ——— محمود ریاض
مدیرہ ——— نادرہ خاتون
مدیر اعلیٰ ——— عامر محمود
نائب مدیرہ ——— شعاع عمیر
مدیرہ خصوصی ——— امت الصبور
اشتہارات ——— خالدہ جیلانی

چاند نگر گروپ آف پبلیکیشنز

کرن

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز
MEMBER
APNS
CPNE

Copyrighted material

حمد، عبیداللہ علیم 11
نعت، آصف راز 11

بیادِ محمود ریاض

بات سے بات، محمود ریاض 12
دُور تمہارا دیس ہے، ساجدہ بانو 14

انٹرویو

ماں ناراض ہو جائے تو شاہین رشید 20
عاصمہ جہانگیر، شاہین رشید 16
میری بھی سنیے، ماورا 28
مقابل ہے آئینہ، ستارہ آمین کومل 32

ناول

ایک ساگر ہے زندگی، نفیسہ سعید 34
ردائے وفا، فرحین اظفر 162

مکمل ناول

میں گمان نہیں، نبیلہ ابر راجہ 184
شام مسکرانے لگی، مریم عزیز 90

ناولٹ

شاید، فائزہ افتخار 68
ڈھول سانول، نازیہ جمال 144
سحر کو قرۃ العین فیصل چنا 216

افسانے

میں اور تم، صدف آصف 129
گانٹھ، سمیرا غزل 209
بدمزاج، راشدہ رفعت 60
مسافت، آسناتھ کنول 247

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ)------ 700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ---- 5000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا--- 6000 روپے

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

مستقل سلسلے

کرن کرن خوشبو" شعاع عمیر 262
یادوں کے دریچے سے" بشریٰ محمود 268
مجھے یہ شعر پسند ہے" شگفتہ سلیمان 270
مسکراتی کرنیں" روبینہ شریف 277
موتی چنتے ہیں" ادارہ 266
کرن کا دسترخوان" خالدہ جیلانی 272
حسن و صحت" ادارہ 281
نہلے پہ دہلا ذوالقرنین 283
نامے میرے نام" مدیرہ کرن 284

مئی 2015
جلد 38 شمارہ 2
قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ
کرن
37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی
Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیرہ

اداریہ

ماہ مئی کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

مئی کا تصور ذہن میں آتے ہی بھرپور گرمی اور حرارت زدہ ماحول کا نقشہ نظروں کے سامنے سے گھوم جاتا ہے۔ موسم کی یہ اچانک تبدیلی کی کروٹ رسم روزگار اور قدرت کا حسین کرشمہ ہے۔ پھولوں کا حسن مرجھا رہا ہے اور پودے بار آور ہو کر بیج یا پھل بنانے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ آسمان پر کبھی ہلکی بدلیاں موسم برسات کی آمد کی خبر دیتی ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ کسانوں کی محنت ٹھکانے لگتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ سیاست کے سمندر میں گرچہ تلاطم خیز موجیں نہیں ہیں۔ پھر بھی کبھی کبھار ہلکی طغیانی کا سماں پیدا ہوتا ہے اور پھر جلد ختم ہو جاتا ہے۔ وطن عزیز کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی سٹریٹیجک اہمیت سے نوازا ہے۔ عالم اسلام میں پاکستان کی حیثیت ایک رول ماڈل بلکہ ایک قائد کی سی ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنی پالیسیاں انتہائی سمجھ داری اور دانش مندی سے ترتیب دینی چاہئیں تاکہ ہمارے دشمنوں کو ہمارے خلاف سازش کا موقع نہ مل سکے اور وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

محمود ریاض صاحب،

حیات و موت کا سلسلہ روز اول سے جاری ہے۔ جو اس جہان میں آیا اس نے جانا بھی ضرور ہے۔ محمود ریاض صاحب کو ہم سے بچھڑے 14 برس کا عرصہ بیت گیا ہے۔ مگر ان کی یاد آج بھی ہمارے دلوں پر نقش ہے۔ یہ ادارہ انہی کا لگایا ہوا ایک پودا ہے جو آج تناور درخت بن چکا ہے۔ محمود ریاض صاحب انتہائی شفیق سیرت انسان تھے۔ وہ اپنی ذات میں ایک ادارہ اور تنظیم تھے۔ بلاشبہ وہ ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ ان سے بچھڑ جانے سے ہونے والا خلا شاید کبھی پر نہ ہو سکے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی مغفرت فرما کر انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔ قارئین سے بھی دعاؤں کی پرزور التجا ہے۔

فائزہ افتخار کا ناولٹ،

اس ماہ سے آپ کی پسندیدہ مصنفہ فائزہ افتخار کا دلکش ناولٹ "شاید" پیش کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ فائزہ کی اور تحریروں کی طرح ان کی یہ تحریر بھی آپ کو پسند آئے گی۔
خطوط کے ذریعے آپ کی رائے کے منتظر ہیں۔

اس شمارے میں،

- "بیاد محمود ریاض"،
- "ماں ناراض ہو جائے تو" شاہین رشید کا "ماں" کے حوالے سے خصوصی سروے،
- اداکارہ "عاصمہ جہانگیر" سے شاہین رشید کی ملاقات، اداکارہ "ماورا" کہتی ہیں "میری بھی سنیے"،
- اس ماہ "ستارہ آمین کومل"، "کے مقابل ہے آئینہ"،
- "اک ساگر ہے زندگی" نفیسہ سعید کا ناول، "ردائے وفا" فرحین اظفر کا سلسلے وار ناول،
- "میں گمان نہیں یقین ہوں" نبیلہ ابر راجہ کا مکمل ناول، "شام مسکرانے لگی" مریم عزیز کا مکمل ناول،
- اس ماہ کی خصوصی پیشکش ہے فائزہ افتخار کا ناولٹ "شاید"،
- صدف آصف، راشدہ رفعت، آسناتھ کنول اور سمیرا غزل کے افسانے اور مستقل سلسلے،

مفت،

اچار، چٹنیاں، سلاد اور رائتے کی تراکیب پر مشتمل کرن کتاب "چٹخارے" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔

حمد باری تعالیٰ

میرے خدا مجھے وہ تاب ِ نے نوائی دے
میں چپ رہوں بھی تو نغمہ مرا سنائی دے

گدائے کوئے سخن اور تجھ سے کیا مانگے
یہی کہ مملکت ِ شعر کو خدائی دے

نگاہِ دہر میں اہل ِ کمال ہم بھی ہوں
جو لکھ رہے ہیں وہ دنیا اگر دکھائی دے

چھلک نہ جاؤں کہیں میں وجود سے اپنے
ہنر دیا ہے تو پھر ظرف ِ کبریائی دے

مجھے کمال ِ سخن سے نوازنے والے
سماعتوں کو بھی اب ذوقِ آشنائی دے

عبیداللہ علیم

نعت رسول مقبول ﷺ

تعلق ان سے بنا لیا تو بہشت رستوں پہ ڈال دے گا
وہی تعلق تمہارے دِل سے تمام کانٹے نکال دے گا

وہ جس نے طائف میں کھا کے پتھر عطا و بخشش کی دی دعائیں
وہ کملی والا ہمارے سر پہ بھی اپنی رحمت کی شال دے گا

کسی بھی حصے میں زندگی کے کسی بھی شعبے میں بندگی کے
اگر ضرورت پڑی جہاں کو وہ آپ ہی کی مثال دے گا

درود پڑھ کر سلام پڑھنا سلام پڑھ کر درود پڑھنا
یہ وردِ ایسا ہے تیرے دل کو تیرے بدن کو اجال دے گا

یہ آرزو تھی کہ میں بھی آصف ثنائے خیر الانام لکھوں
خدائے برتر مجھے بھی اِک دن سخنوری کا کمال دے گا

آصف راز

محمود ریاض صاحب نے اپنی قلمی زندگی کا آغاز ناول نگاری سے کیا تھا' اس کے بعد کالم لکھنا شروع کیے۔ امروز اخبار میں ان کے کالم شائع ہوتے تھے۔ بعد میں پبلشنگ اور پھر پرچوں کی مصروفیت کی بنا پر یہ سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔ 1978ء میں کرن کا اجرا ہوا تو محمود بابر فیصل کے اصرار پر کالم نگاری کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔ وہ ہر ماہ کرن میں کالم لکھتے تھے۔ وہ شگفتگی اور برجستگی جو ان کے مزاج کا حصہ تھی' ان کالموں میں نمایاں نظر آتی ہے۔

ذیل میں ان کا ایک کالم دیا جا رہا ہے۔

بیادِ محمود ریاض

بات سے بات

محمود ریاض

حال ہی میں کسی پرچے میں ایک لطیفہ تھا۔ کہ امریکا کے ایک دور دراز مقام پر ایک صاحب نے بینک کھولا۔ بینک نہایت کامیابی سے چل نکلا۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ "تمہیں یہ کامیابی کیسے ملی؟"

اس نے جواب دیا کہ "میں یہاں نیا نیا آیا تو میں نے گھر کے دروازے پر بورڈ لکھوا کر لگا دیا "بینک" پہلے ہی دن اس میں تین آدمی پندرہ سو ڈالر جمع کروا گئے۔ دوسرے دن تین ہزار۔ اب تو میری ہمت بندھی اور میں نے اپنے بھی پانچ سو ڈالر جمع کروا دیے۔"

یہ لطیفہ سنانے کی اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ ہمیں لوٹنے' بے وقوف بنانے کے لیے روز نت نئے حربے استعمال ہوتے ہیں۔

پہلے فلیٹوں والے آئے۔

وہ گئے تو زمینوں والے' پلاٹوں والے آ گئے۔ ان سے جان بچی تو یہ فنانس کمپنیوں والوں نے ہمارا گھیراؤ شروع کر دیا۔

کراچی کی تو ہمیں زیادہ خبر نہیں کہ کتنے لوگ اس میدان میں ہیں۔ ہاں لاہور میں جگہ جگہ بورڈ نظر آ رہے ہیں۔

کسی کے گھر یہ بورڈ ہے' کسی کی دکان پر۔

فنانس کمپنی کے ایک صاحب کا ایک پرچے کے ہر صفحے پر ذکر بد ہے' ان ہی صاحب کا ایک دوسرے پرچے میں ذکر خیر ہے۔

دروغ بر گردن راوی فنانس کمپنی کے ایک صاحب نے ستر ہزار روپے دے کر ایک پرچے کے سرورق پر چار رنگی تصویر اس جگہ چھپوائی ہے جہاں ایک ماڈل کی تصویر چھپنی تھی۔

پچھلے ہفتے ہم لاہور گئے۔ پی آئی اے والوں کو ہم نے فون کر کے بتایا کہ وہ دیکھو' تمہارے جہاز سے ایک بہت اہم شخصیت سفر کرنے والی ہے۔ لہٰذا فوراً" ایک سیٹ بک کر لو۔

انہوں نے پوچھا۔ "وہ اہم شخصیت کون ہے؟"

ہم نے بتایا "وہ اہم شخصیت ہم خود ہیں اور تم کیسے پڑھے لکھے ہو کہ ہمارا نام بھی نہیں جانتے۔"

وہ بولے۔ "سیٹ نہیں ہے۔"

ہم نے کہا۔ "بھئی۔ وہ وی آئی پی والی سیٹ دے دو۔ کیونکہ ہم ایک کھیلوں کے مقابلے میں جج تھے تو سب نے ہمیں وی آئی پی کہا۔"

وہ بولے۔ "جی مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کی سیٹیں بھی نہیں ہیں۔"

ہم نے سوچا کہ اب تو ممکن ہی نہیں ہے۔

ہم اسی سوچ میں بیٹھے تھے کہ ایک خاتون آگئیں اور بولیں۔

"یہ چہرہ کیوں اترا ہوا ہے؟"

ہم نے کہا۔ "لاہور جانا تھا۔"

انہوں نے ٹیلی فون کیا اور کہا کہ "میں پی آئی اے کے فلاں آفیسر کی بیگم ہوں۔ لاہور کے لیے ایک سیٹ بک کرلو۔ میں پیسے بھجوا رہی ہوں۔"

وہ بولے۔ "بھجوادیں۔"

اور آدھے گھنٹے بعد ٹکٹ ہمارے ہاتھ میں تھا۔

تو اے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر صاحب! اور دی آئی پی محمود ریاض کچھ علاج اس کا بھی ہے کہ نہیں؟

لاہور گئے تو سب سے ملے۔ حمیدہ جبیں سے بھی ملے کہ ادیب ہیں' پندرہ سولہ ناولوں کی مصنفہ اور ہاٹ کیک کے بجائے لوگ ان کے ناول لے جاتے ہیں۔

آج کل ناول نگاری تو ترک کر رکھی ہے' البتہ زمینیں بیچ رہی ہیں' پلاٹ بیچ رہی ہیں' بنگلے بیچ رہی ہیں۔ لاہور میں اس دن 116 گرمی تھی اور ان کے کمرے میں 122 ۔ افسانہ نگار سیماں اور حمیدہ جبیں آئس کریم سے گرمی کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہی تھیں کہ ہم بھی جا پہنچے اور ہمارے ساتھ ہی قسمت گھیر گھار کر ایک اور صاحب کو لے آئی کہ نام ہے ان کا خاور۔

وہ وہاں بنگلے خریدنے آئے تھے اور بغیر دیکھے بغیر کچھ جانے انہوں نے اٹھارہ لاکھ کے چار بنگلوں کی خریداری منظور کرلی۔ حمیدہ جبیں نے ہمارا ان سے تعارف کروایا۔ خاور صاحب کے بارے میں پتا چلا کہ وہ کسی فنانس کمپنی کے بڑے صاحب ہیں۔ ریسیپشنسٹ سے وقت لے کر ملنا پڑتا ہے۔ ایئرکنڈیشن کمرہ ہے اور ملاقات کے لیے پرچی اندر بھجوانی پڑتی ہے۔ ہم نے کہا کہ۔

"خاور صاحب! ہمارے پاس وقت تو زیادہ نہیں ہے۔ لائیے' ذرا آپ سے ان فنانس کمپنیوں کے بارے میں دو دو ہاتھ ہو جائیں۔"

خاور صاحب تھوڑی دیر تک جواب دیتے رہے۔ اس کے بعد آپے سے باہر ہو گئے۔ پھر اپنی برہمی پر قابو پاکر جلد واپس کھال میں آگئے اور اعتراف کیا کہ 90 فیصد فنانس کمپنیاں فراڈ ہیں' لیکن ہمارا شمار ان میں نہیں' بلکہ وہ اپنے کھاتے تک چیک کروانے کو تیار ہو گئے اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ جس کسی کے پاس بورڈ لکھوانے کے پیسے تھے' اس نے فنانس کمپنی کھول لی ہے۔

حمیدہ جبیں کے پاس پروفیسر صاحب بیٹھے تھے۔ انہوں نے مرے پر سو درے والی مثل پوری کردی اور بتایا کہ چھانٹ چھانٹ کر لڑکیاں رکھتے ہیں' اور کسی لڑکی کو تین ہزار ماہوار سے کم نہیں دینا پسند کرتے۔"

ہم نے اپنا پرس دیکھا تو اس میں دو سو روپے تھے' لہٰذا ہم نے "ریاض فنانس کمپنی" کا بورڈ لکھنے کو دے دیا ہے۔ جو لوگ دوسری جگہوں پر بے وقوف بننے سے رہ گئے ہیں' وہ اپنی رقومات ہمارے ہاں جمع کروائیں۔

(جولائی 1979 میں لکھا گیا)

دور تمہارا دیس ہے مجھ سے

ساجدہ بانو

عجیب منزل دلکش عدم کی منزل ہے
مسافران عدم لوٹ کر نہیں آئے

نہ تو میں نے کبھی ان کو دیکھا نہ سنا نہ ملی لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں میرا دل ان کے بارے میں لکھنے کو چاہتا ہے۔ میں ان کے بارے میں صرف اتنا ہی جانتی ہوں جتنا کہ خواتین اور شعاع میں ان کے بارے میں رائٹر خواتین نے چھوٹے چھوٹے شخصی خاکوں کے اندر لکھا۔ ان خاکوں میں بھی محمود ریاض صاحب کے بارے میں کم اور ان سے اپنی ملاقاتوں کا احوال زیادہ ہوتا ہے۔

آسمان ادب پر روشن ستارے کی طرح چمکنے والے ان کے بڑ بھائی تو دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں ابن انشا جیسے ذہین‘ خوب صورت علم دوست بھائی اس دنیا سے رخصت ہوئے ہوں گے تو محمود ریاض کے دل پر کیا گزری ہوگی اس وقت ان کی عمر کیا ہوگی‘ ان کے گھرانے کا کیا حال ہوگا‘ کیا یہ وہی لمحہ تو نہ تھا جب بڑے بھائی کی تمام تر ذمہ داریاں محمود ریاض صاحب کے کندھوں پر آن پڑی ہوں گی اور انہوں نے یہ ذمہ داریاں اٹھانے کے لیے اپنی ہمت مضبوط کی ہوگی۔ اور انہوں نے وہ تمام ذمہ داریاں نہایت خوش اسلوبی سے نبھانا شروع کیں۔ میں نہیں جانتی کہ وہ اس دوران کن مسائل سے گزرے۔ کیونکہ میں تو کراچی سے بہت دور رہتی ہوں اور جیسا کہ میں نے بتایا میں ان کو ان کے چند ایک شخصی خاکوں کی حد تک جانتی ہوں۔ پھر بھی نہ جانے کیوں میرا دل کہتا ہے کہ محمود ریاض صاحب نے سب فرائض خوش اسلوبی سے نبھائے ہوں گے۔

جب انسان زندگی کے کچھ معاملات میں یہ سمجھنے لگ جاتا ہے کہ یہ صرف اور صرف اسی کی ذمہ داری ہیں تو پھر میرے خیال کے مطابق اللہ ضرور اس شخص کی مدد کرتا ہے۔

کچھ ایسا ہی محمود ریاض صاحب کے ساتھ بھی ہوا کیوں کہ جس طرح سے انہوں نے ایک جریدے سے کام شروع کیا اور اللہ کی کرم نوازی سے ایک پورا ادارہ وجود میں آیا تو اس سب میں انسان کی نیت اور اللہ کی کرم نوازی ساتھ ساتھ موجود ہوں تو ہی انسان اس قدر کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

اور پھر جب انسان اس حد تک کامیاب ہو جاتا ہے جہاں تک وہ چاہتا ہے وہ یقیناً” خوش ہوتا ہے اور خوش ہو کر سوچتا ہے کہ خدا کا شکر ہے میری محنت رنگ لائی۔

میں اس مقام پر موجود ہوں۔ اب میرے بچوں کو وہاں سے شروع کرنے کی ضرورت نہیں جہاں سے میں نے شروع کیا تھا بلکہ میرے بچوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم میسر ہے جہاں سے وہ آگے اور آگے کی طرف دیکھ سکتے ہیں اور زندگی میں عظیم کامیابیوں کے بارے میں سوچ سکتے ہیں پر زندگی ہو تو پھر ناں جب زندگی ہی ختم ہو جائے تو پھر کون سوچے گا کامیابیوں کے بارے میں یا پھر عظیم کامیابیوں کے بارے میں۔

کچھ ایسے ہی سانحے محمود ریاض صاحب کی زندگی میں پے در پے آتے رہے اور وہ جواں مردی سے ان کا مقابلہ کرتے رہے‘ لیکن نہیں جس انسان کے دو جوان بیٹے اس کی زندگی میں اس کی آنکھوں کے سامنے رخصت ہو جائیں‘ دنیا سے ناتا توڑ لیں اس انسان کے دل پر کیا گزرے گی یہ تو وہی شخص جان سکتا ہے جس کے ساتھ ایسا سانحہ ہو گزرا ہو۔ دوسرا کوئی اس درد کو محسوس نہیں کر سکتا یا یوں کہیے کہ اس قدر تکلیف محسوس نہیں کر سکتا جس قدر درد کا کوئی ساجھی محسوس کر سکتا ہے۔

جب اس طرح کے پہاڑوں جیسے غم انسان کے سینے میں سما جائیں تو وہ اندر سے بھربھری ریت کی طرح ہو جاتا ہے کہ نہ جانے کب ڈھے جائے کچھ ایسا ہی محمود ریاض صاحب کے ساتھ بھی ہوا۔ یہ سب تقدیر کی بازی گری ہے جس کے سامنے یہ پوری کی پوری دنیا بے بس ہے۔

عاصمہ جہانگیر سے ملاقات

شاہین رشید

نہایت بردبار اور دھیمے لہجے میں بات کرنے والی فنکارہ عاصمہ جہانگیر نے اب تک جتنے بھی ڈراموں میں کام کیا ہے بہت عمدہ کیا ہے ڈرامہ سیریل "کاش میرا بھی گھر ہوتا" اور "کھلا ہے دل کا دروازہ" ان کے مقبول ترین ڈراموں میں شمار ہوتے ہیں۔۔۔ آج کل آپ انہیں ڈرامہ سیریل "الوداع" میں دیکھ رہے ہیں۔

★ "کیا حال ہیں جی۔۔۔ اور بہت مصروف رہتی ہیں؟"

✱ "جی اللہ کا شکر ہے۔ بس کیا کروں۔ گھر کی مصروفیات بھی اتنی زیادہ ہو جاتی ہیں کہ مزید کاموں کے لیے وقت ہی نہیں ملتا۔"

★ "عاصمہ آپ بہت اچھی پرفارمر ہیں اسکرین پہ کم کیوں آتی ہیں؟"

✱ "میرا نہیں خیال کہ میں کم آتی ہوں۔ فنکار کو اتنا ہی آنا چاہیے، ہر وقت اسکرین پہ رہنے سے دیکھنے والے بھی بہت بور ہو جاتے ہیں اور میں کم کام لیتی ہوں مگر اچھا کام لیتی ہوں اور میں وہی کام لیتی ہوں، جس کے لیے میں سمجھتی ہوں کہ ناظرین کو نظر آئے گا اور وہ مجھے یاد رکھیں گے۔"

★ "آج کل کیا مصروفیات ہیں؟"

✱ "جو پروجیکٹ ختم ہونے تھے وہ تو ہو گئے۔ اب نیا کام لیا ہے جو کہ انڈر پروڈکشن ہے۔ نام ڈیسائیڈ نہیں ہوا اور "الوداع" تو آپ دیکھ ہی رہی ہیں۔"

★ "کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟ پھر آگے چلتے ہیں؟"

✱ "جی میں 28 جنوری کو کوئٹہ میں پیدا ہوئی، نام والدین نے رکھا اس لیے اپنے نام سے بہت پیار ہے۔ ہم دو بہنیں اور ایک بھائی ہے اور تعلیمی قابلیت گریجویشن ہے اور سائیکلوجی اور سوشیالوجی میں گریجویشن کیا ہے شادی ابھی نہیں کی کہ جب اللہ کا حکم ہو گا ہو جائے گی۔ بہن بھائی دونوں شادی شدہ ہیں۔"

★ "فیملی بیک گراؤنڈ؟"

✱ "امی پنجابی ہیں۔ راجپوت ہیں۔ ابو پٹھان ہیں۔ کوئٹہ سے ان کا تعلق ہے۔ (بلوچستان سے) تو بنیادی طور پر ہم پٹھان اچکزئی ہیں۔"

★ "اس فیلڈ میں آپ ہی ہیں کسی اور کو شوق نہیں کیا؟"

✱ "اس فیلڈ میں میری مما نے بہت کام کیا ہے۔" آمنہ خان "ان کا نام ہے اور ڈرامہ سیریل "چھاؤں" سے انہیں بہت زیادہ شہرت ملی تھی اور اب میں اس فیلڈ میں ہوں۔ دونوں بہن بھائی میں کسی کو شوق نہیں اس فیلڈ میں آنے کا۔"

★ ”کھلا ہے دل کا دروازہ“ میں آپ نے ”ینگ ٹو اولڈ“ رول کیا مشکل تو ہوئی ہو گی؟“

✳ ”نہیں کوئی خاص مشکل نہیں ہوئی، کیونکہ شروع سے ہی میرا کردار بہت سوبر تھا اور اس سے پہلے کہ سیریل ”کاش میرا بھی گھر ہوتا۔“ میں بھی میرا کردار سوبر ہی تھا اور میری پرسنلٹی ایسی ہے کہ مجھ میں سنجیدگی ہے، شرارتی بھی ہوں مگر اتنی نہیں اس لیے مجھے پرفارم کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی ۔۔۔ باقی میرے ساتھی فنکار بھی بہت اچھے تھے۔“

★ ”میڈیا میں آنے کا پلان تو ہو گا اپنی مما کی وجہ سے؟“

✳ ”میرا میڈیا میں آنے کا کوئی پلان نہیں تھا بلکہ مجھے بہت آگے تک پڑھنا تھا ۔۔۔ مجھے سائیکلوجی یا سوشیالوجی دونوں میں سے کسی ایک میں ماسٹرز کرنا تھا۔ لیکن مما کے ساتھ تھی تو ایک پروجیکٹ مل گیا تو میں نے کہا کہ چلو کر لیتے ہیں اس کے بعد آفرز ملنا شروع ہو گئیں تو پڑھنے کا ٹائم نہیں ملا تو اداکاری کے ساتھ ساتھ ایک بنک میں جاب بھی کر لی۔ مگر پھر بنک سے استعفیٰ دے کر باقاعدگی سے اداکاری کو جوائن کر لیا ۔۔۔ اور میں اس فیلڈ میں اپنے والدین کی اجازت سے آئی ہوں۔ دونوں کی حوصلہ افزائی نے ہی مجھ میں شوق بھی ڈالا اور میں ڈیسنٹ کام کر رہی ہوں اس لیے پوری فیملی مجھ سے خوش ہے اور میرا خیال ہے کہ اگر لڑکیاں ڈیسنٹ طریقے سے کام کریں تو کوئی بھی ان کے اس فیلڈ میں آنے پر اعتراض نہ کرے گا۔“

★ ”پہلا سیریل کونسا تھا؟“

✳ ”پہلا سیریل نہیں سوپ تھا مومل پروڈکشن کا ”مجھے روٹھنے نہ دینا“ اور اس سے مجھے پہچان ملی۔ حالانکہ وہ سوپ تھا اور لوگ سوپ اتنے شوق سے دیکھتے نہیں ہیں لیکن میرا کردار اس میں اتنا اچھا تھا کہ سب نے نوٹ کیا اور اس کے بعد سے ہی مجھے مزید آفرز آئیں۔ اس سوپ کی کاسٹ بھی بہت اچھی تھی۔“

★ ”فیلڈ کا ماحول اچھا ہے؟“

✳ ”میں تو مما کے ساتھ آتی جاتی رہتی تھی۔ مجھے ایسا کچھ نظر نہیں آیا اور لوگوں نے میڈیا کے لیے ایک امیج بنا دیا ہے اس کی وجہ سے لوگ اس فیلڈ سے نہ تعلق رکھتے ہیں اور نہ ہی اچھا سمجھتے ہیں ۔۔۔ مگر ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے ہر فیلڈ میں برائی تو ہوتی ہی ہے۔ بس سب کچھ انسان پر منحصر ہے اور مجھے یہی بات بری لگتی ہے کہ ہم کام بھی کر رہے ہوتے ہیں اور ہمارے سامنے لوگ اس کی برائی بھی کر رہے ہوتے ہیں۔“

★ ”گھر میں ہوتی ہیں تو کس طرح ٹائم گزارتی ہیں؟“

✳ ”میں اپنی فیملی کے بہت قریب ہوں۔ گھر میں ہوتی ہوں تو اپنی فیملی کے ساتھ ادھر ادھر کہیں گھومنے پھرنے نکل جاتی ہوں۔ مما کو کہیں لے کر جانا ہو یا پھر

ممّا کے ساتھ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتی ہوں۔“

★ ”مطلب فرینڈز کے ساتھ وقت گزارنے کا شوق نہیں ہے؟“

✳ ”میری دوستوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے اور نہ ہی گھر سے باہر وقت گزارنے کا شوق ہے بس بچپن کی دو تین دوست ہیں جو میری فیملی فرینڈز ہیں وہ بہت اچھی ہیں۔ فیملی کے ساتھ وقت گزارنا اچھا لگتا ہے۔“

★ ”اپنی آمدنی کے لیے اپنا اکاؤنٹ ہے یا مما کے اکاؤنٹ میں سب کچھ جاتا ہے؟“

✳ ”اکاؤنٹ تو میں نے ہمیشہ ہی کھولا ہے۔ چھوٹی تھی تو مما کے ساتھ جوائنٹ اکاؤنٹ تھا اور جب بڑی ہوئی تو اپنا پرسنل اکاؤنٹ کھول لیا کیونکہ ہر انسان کی اپنی ایک پرائیویسی بھی ہوتی ہے۔ مگر چونکہ میں اپنی فیملی کے ساتھ بہت کلوز ہوں تو مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے کہ سنگل ہو یا جوائنٹ ہو۔“

★ ”تعریف تو سب کو ہی پسند ہوتی ہے.... تنقید پر کیا ردعمل ہوتا ہے؟“

✳ ”مجھے تنقید پہ کوئی اعتراض نہیں ہے بشرطیکہ تنقید میں کوئی لوجک ہو۔ بلاوجہ کی تنقید تو کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اور تنقید بھی اگر کوئی پیار سے کرے ڈانٹ کے نہیں تو میں ضرور سنتی ہوں.... اور تعریف تو تعریف ہی ہوتی ہے۔“

★ ”کافی آرٹسٹوں کے ساتھ آپ کام کرچکی ہیں کوئی آرٹسٹ جس کے ساتھ کام نہ کیا ہو اور خواہش ہو؟“

✳ ”نعمان اعجاز کے ساتھ ابھی تک کام نہیں کیا اور ان کے ساتھ کام کرنے کی خواہش ہے۔ ان سے ملاقات بھی ہے' بات چیت بھی مگر اداکاری نہیں کی۔ شہود علوی اور نعمان اعجاز دونوں ہی میرے پسندیدہ ہیں۔ شہود علوی کے ساتھ تو ایک سیریل میں کام کر رہی ہوں ان شاء اللہ نعمان اعجاز صاحب کے ساتھ بھی موقع مل جائے گا۔“

★ ”کوئی کردار جو ابھی تک نہ کیا ہو؟“

✳ ”جس کردار کی مجھے خواہش تھی وہ میں نے ابتدا میں ہی کر لیا تھا اور زیادہ تر میں نے ایسے ڈرامے کیے ہیں جو رونے دھونے والے ہوتے ہیں۔ شاید ایسے ہی کردار مجھ پر سوٹ بھی کرتے ہیں.... خیر میں اپنے کردار کے بارے میں آپ کو بتا رہی تھی کہ میں نے ایک ابنارمل لڑکی کا کردار کیا تھا اور اس کردار کو کرنے کا مجھے شوق بھی تھا یہ ایک ایسا رول تھا جس میں ایک بگڑی ہوئی سائیکو لڑکی ہوتی ہوں اور اپنی ماں کے خلاف ہوتی ہوں.... اس طرح ایک اور پروجیکٹ میں' میں نے ”قوی خان“ صاحب کی بیوی کا رول کیا تھا' بڑا اچھا لگا تھا اور ابھی حال ہی میں ایک پنجابی لڑکی کا کردار کیا تھا وہ بھی بہت عمدہ تھا۔ ایسے کردار جو میری پرسنلٹی سے مختلف ہوں مجھے پسند ہیں۔ جس میں مجھے کوشش کرنی پڑے محنت کرنی پڑے۔“

★ ”قوی صاحب کی بیگم؟“

✳ ”جی وہ کردار کچھ ایسا تھا کہ میرا باپ مجھے بیچ دیتا ہے اور میں صرف پندرہ سولہ سال کی ہوتی ہوں اور قوی خان سے میری شادی ہو جاتی ہے.... تو یہ بھی ایک اچھا رول تھا۔“

★ ”کونسا کردار کر کے پچھتائیں اور کونسا بہت ہٹ ہوا؟“

✳ ”نہیں ایسا کوئی کردار نہیں ہے کیونکہ میں بہت سوچ سمجھ کر اور اسکرپٹ کو پڑھ کر کردار لیتی ہوں اور جہاں تک ہٹ کی بات ہے تو کافی سارے کردار پسند کیے گئے ہیں۔“

★ ”اداکاری آسان کام ہے؟“

✳ ”نہیں.... ایسا نہیں ہے کہ کوئی کردار ملا اور کر لیا۔ بلکہ ہر کردار کو اپنے اندر اتارنا پڑتا ہے اور جب تک آپ کردار کو اپنے اوپر طاری نہیں کریں گے آپ کبھی بھی اس کو حقیقت کا رنگ نہیں دے پائیں گے....“

★ ”شہرت نے کبھی پریشان کیا؟.... کبھی مسئلہ ہوا؟“

✳ ''شہرت پریشان نہیں کرتی' شہرت خراب کرتی ہے۔ اگر آپ سمجھیں کہ جتنی آپ عزت کی مستحق ہیں اور اتنی عزت آپ کو نہیں مل رہی تو پھر ایسا ہوتا ہے... اور اگر لوگ آپ کو عزت دیں اور آپ بھی انہیں عزت دیں تو میرے خیال سے پھر کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔''

★ ''کامیابی کا کیا پیمانہ ہے آپ کی نظر میں؟''

✳ ''میرے خیال میں اگر آپ والدین کی مرضی' ان کی اجازت اور ان کی خوشی سے کسی کام کا آغاز کرتے ہیں تب کامیابی آپ کے قدم چومتی ہے۔ میرا تو یہی خیال ہے... باقی لوگوں کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔''

★ ''موبائل فون کی زندگی میں کیا اہمیت ہے؟ اس کی اہمیت کم ہوئی ہے یا زیادہ؟''

✳ ''ارے بہت زیادہ... کال وغیرہ کرنے کی ضرورت ہو تو جہاں ہیں با آسانی کر لیتے ہیں۔ لیکن اب اور بھی سہولتیں آگئیں تو پہلے جیسی ایکسائٹمنٹ نہیں رہی... اس لیے میرے خیال میں جب موبائل سروس آف ہوتی ہے تو لوگوں کو کچھ زیادہ محسوس نہیں ہوتا۔ ویسے بھی اب کال کی ضرورت کم ہی ہوتی ہے whats app ''فیس بک... بہت کچھ ہے لوگوں سے رابطہ کرنے کے لیے۔''

★ ''ویسے ہم ان چیزوں میں وقت ضائع نہیں کرتے کیا؟''

✳ ''ارے بھئی بہت وقت ضائع کرتے ہیں ہم سب' ایک دوسرے پر تبصرہ کر کے' ایک دوسرے کی غیبت کر کے' دوسروں کے بارے میں باتیں کر کے... اللہ کا شکر ہے کہ مجھے ایسی کوئی عادت نہیں ہے... میں تو ٹو دی پوائنٹ باتیں کرتی ہوں۔''

★ ''گویا گپ شپ نہیں کرتیں؟''

✳ ''بالکل نہیں... میں تو جب فارغ ہوتی ہوں تو اپنے کاموں میں ہی مصروف رہتی ہوں۔ یا پھر اپنے پسندیدہ گانے سنتی رہتی ہوں۔''

★ ''ہوں... گڈ... آج کل حجاب کا بہت فیشن چل پڑا ہے' کیا یہ فیشن ہے یا ضرورت؟''

✳ ''میرا خیال ہے کہ ہر کوئی اسے اپنے ماحول کے

حساب سے ہی لیتا ہے اگر فیشن ہوتا تو ہر لڑکی حجاب میں ہی نظر آرہی ہوتی۔"

★ "شاپنگ کے لیے آپ کا انتخاب کوئی خاص جگہ ہوتی ہے؟"

✳ "نہیں کوئی خاص جگہ نہیں جہاں سے مجھے میری پسند کی چیزیں مل جائیں وہیں سے شاپنگ کر لیتی ہیں۔"

★ "ماشاء اللہ آپ جہاں جاتی ہیں لوگ آپ کو پہچان لیتے ہیں تو کبھی ڈر لگتا ہے کہ اگر شہرت نہ رہی تو؟"

✳ "نہیں ایسا کچھ نہیں سوچتی۔ مجھے یقین ہے کہ لوگ مجھے اچھے لفظوں کے ساتھ یاد رکھیں گے اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری شہرت کو ہمیشہ برقرار رکھے اور ختم بھی کرے تو عزت کے ساتھ۔"

★ "ماڈلنگ کی آپ نے؟"

✳ "ماڈلنگ کا مجھے بالکل شوق نہیں ہے۔ بہت لوگ کر رہے ہیں اور بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ مجھے بھی آفرز ہیں مگر میں خود ہی نہیں کرتی ماڈلنگ ایک "بولڈ" کام ہے اور میں اتنی بولڈ نہیں ہوں۔"

★ "اور پھر تو بولڈ رومانٹک رول بھی مشکل لگتے ہوں گے؟"

✳ "بالکل جی.... رومانٹک رول میں بھی بالکل بھی ایزی فیل نہیں کرتی شاید اس لیے مجھے سنجیدہ اور رونے دھونے والے رول ملتے ہیں جنہیں میں آسانی سے کر لیتی ہوں۔"

★ "گھر کے کاموں سے لگاؤ ہے؟"

✳ "بہت زیادہ شوق ہے اگر میں کہوں کہ پاگلوں کی طرح تو غلط نہ ہوگا صفائی ستھرائی، کوکنگ.... کا بے انتہا شوق ہے۔ جب سے ہوش سنبھالا ہے مما کے ساتھ کام کرواتی ہوں.... اور لڑکی کا پرسنلٹی میں نکھار ہی گھرداری سے آتا ہے۔ آپ خود تو صاف ستھری ہیں مگر گھر صاف نہیں تو میری نظر میں یہ بہت ہی بری بات ہے.... میں جب صبح اٹھتی ہوں تو میرا پہلا کام یہ ہوتا ہے میں اپنا کمرہ صاف کروں۔ اپنا کمرہ صاف کر کے میں کمرے سے باہر آتی ہوں اور یہ سب کچھ میں نے اپنی ماں سے سیکھا ہے۔"

★ "اپنے ڈرامے شوق سے دیکھتی ہیں؟"

✳ "ہاں جی.... بہت شوق سے دیکھتی ہوں.... اور موقعہ نکال کر ضرور دیکھتی ہوں اور یہ بھی دیکھتی ہوں کہ لوگوں کو کیا پسند آرہا ہوگا اور کیا نہیں اور غور سے اس لیے دیکھتی ہوں کہ لوگ کیا نوٹس کریں گے کہ کہاں اچھا کیا، کہاں نارمل کیا۔"

★ "بہت سارا پیسہ ہاتھ آجائے تو کیا کریں گی؟"

✳ "اپنے گھر والوں کو دے دوں گی وہ اس پیسے کو جیسے چاہیں استعمال کریں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

★ "کن چیزوں کی شاپنگ آپ زیادہ کرتی ہیں؟"

✳ "مجھے پرفیومز کا بہت شوق ہے تو شاپنگ بھی اس کی زیادہ کرتی ہوں۔"

★ "**عاصمہ** میں نے اس انٹرویو سے اندازہ لگایا کہ آپ اپنی والدہ کے بہت نزدیک ہیں ان کی کہی ہوئی کوئی بات جو آپ بتانا چاہیں؟"

✳ "ہاں ایک بات کہ میری امی کہتی ہیں کہ اچھائی تو ہم انسان میں دیکھتے ہیں آپ انسان کے اندر برائی کو بھی دیکھیں اور کوشش کریں کہ وہ برائی آپ کے اندر نہ آنے پائے۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے **عاصمہ جہانگیر** سے اجازت چاہی۔

⁂

سرورق کی شخصیت

ماڈل ---------- عفرا
میک اپ ---------- روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافر ---------- موسیٰ رضا

ماں ناراض ہو جائے تو

شاہین رشید

صباحت بخاری : (آرٹسٹ)

(1) میری ماں بہت دیر تک مجھ سے ناراض رہ ہی نہیں سکتیں کیونکہ وہ مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں اور میری کسی بات سے وہ ناراض ہوتی ہیں تو میں منا لیتی ہوں کہ ماں کو منانا کونسا مشکل کام ہے۔

(2) مائیں تو ہر وقت نصیحتیں کرتی رہتی ہیں۔ بیٹیوں کو سکھاتی رہتی ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ جب میری شادی ہونے لگی تھی تو میری ماں نے کہا کہ اپنی ساس کو ساس نہیں سمجھنا بلکہ ماں سمجھنا۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ مائیں اپنی بیٹیوں کو سسرال کے ماحول سے ڈرا دیتی ہیں ہماری ماں نے کبھی ایسا نہیں کیا بلکہ یہ ہی کہا کہ اپنے سسرال کو اپنا گھر سمجھنا سب کی عزت کرنا تب ہی تمہاری عزت ہوگی ورنہ نہیں۔

فاخرہ گل : (رائٹر+شاعرہ)

(1) تمہیں ناراض کرنے کا تصور کیسے کرلوں ماں
کہ تم سے ہی تو میری زندگی کی سانس چلتی ہے
تمہارے دم سے ہی تو زندگی کے ساز میں دھن ہے
تمہاری ہی دعاؤں سے بلا ہر ایک ٹلتی ہے

Mother's Day

سخت راستوں میں بھی آسان سفر لگتا ہے
یہ مجھے ماں کی دعا کا اثر لگتا ہے
اک مدت سے میری ماں سوئی نہیں تابش
میں نے اک بار کہا تھا ماں مجھے ڈر لگتا ہے

کائنات کی سب سے خوب صورت اور حسین چیز "ماں" ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ جو "ماں" کہلاتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ عورت مکمل ہی تب ہوتی ہے جب وہ "ماں" بنتی ہے۔ ماں دنیا کی وہ واحد ہستی ہے جس کی لغت میں اولاد سے ناراضی کا لفظ ہی موجود نہیں ہے۔ اس کی ناراضی میں بھی پیار پوشیدہ ہوتا ہے اور کوئی اچھائی ہوتی ہے۔ اولاد تو پیار سے بلائے تو ماں "نہال" ہو جاتی ہے۔

مدرز ڈے کے موقع پر ایک سروے حاضر ہے کہ

(1) ماں ناراض ہو جائے تو آپ کس طرح مناتے ہیں رمناتی ہیں۔
(2) ماں کی کوئی نصیحت جو آپ نے گرہ سے باندھ لی ہو۔

تم ہی تو ہو کہ جیسے جس میں اک نرم سا جھونکا
تمہاری مسکراہٹ سے غموں کی دھوپ ڈھلتی ہے
دعائے گل ہے میری ماں کہ رب تم سے رہے راضی
تمہاری ہی محبت میں مثل اس کی بھی ملتی ہے

جب سے آپ کا سوال پڑھا ہے تب سے سوچ رہی ہوں کہ ”امی“ مجھ سے کب ناراض ہوئی تھیں؟ اور میں نے انہیں کیسے منایا تھا؟ لیکن باوجود کوشش کے میرے ذہن ایسا کوئی سین نہیں آرہا جب امی مجھ سے ناراض ہوئی ہوں۔ جس بھی زاویہ سے ان کو سوچا ان کا چہرہ مسکراتا ہوا ہی تصور میں آیا‘ ویسے بھی میں اپنی امی سے ”فیشن‘ مذہب‘ سیاست“ سے لے کر اپنی ذات کے ہر گوشے تک ایک دوست کی طرح ڈسکس کرتی ہوں، ہم ماں بیٹی کا تعلق بڑا جمہوری ہے یعنی کسی بات پر اختلاف ہو بھی تو ایک دوسرے کی رائے کا احترام کیا جاتا ہے اور ناراضی تو ہوتی ہی تب ہے جب کوئی ناپسندیدہ فیصلہ یا بات تھوپی جارہی ہو الحمدللہ میرے ساتھ ایسا کوئی ایشو نہیں ہوا اب تک‘ اس لیے امی کا مجھ سے ناراضی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ میں ایک اچھی بچی ہوں۔

(2) میرا تو خیال ہے کہ ماں کا ہر عمل بہ ذات خود اولاد کے لیے نصیحت ہوتا ہے‘ ضروری نہیں کہ وہ نصیحت الفاظ کے ذریعے اولاد تک پہنچائی جائے اور امی نے ہمیں کچھ بھی کہنے کی بجائے اپنے عمل سے کر کے دکھایا ہے اور میری کسی بھی عادت کو اگر کوئی خوبی کے طور پر بیان کرتا ہے تو وہ والدین سے ہی لی گئی ہے‘ البتہ خامیاں سب میری اپنی ہیں۔ آپ نے کسی ایک نصیحت کا پوچھا ہے تو بتاتی چلوں کہ ”امی“ نے ہمیشہ ”عاجزی“ اور ”خوش اخلاقی“ اختیار کرنے کی تاکید کی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ہم گرمیوں کی چھٹیوں میں حیدر آباد سے گاؤں دیکھنے کے شوق میں پنجاب جایا کرتے تھے اور امی خاص سمجھایا کرتی تھیں کہ گاؤں جا کر جہاں سب بیٹھے ہوں وہاں ہی بیٹھنا ہے۔ کھانے میں نخرا نہیں کرنا‘ بہت زیادہ فرمائشیں نہیں کرنی‘ اپنے کسی بھی عمل سے شو نہیں کرنا کہ بہت بڑی چیز ہوں۔ یہ سب باتیں اب تک ذہن میں زندہ بھی ہیں اور شخصیت کا حصہ بھی۔ اللہ ہم سب کے والدین کو صحت و ایمان کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے۔ (آمین)

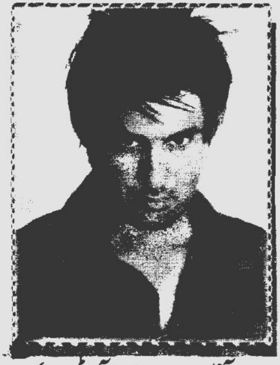

آفان وحید : (آرٹسٹ)

(1) میں ایک بہت Expressive انسان ہوں۔ لیکن جہاں اعتماد کے رشتے ہوں مجھے لگتا ہے کہ وہاں یہ لفظ بعض اوقات ختم ہو جاتے ہیں اور اظہار ختم ہو جاتا ہے۔ تو امی جب ناراض ہوتی ہیں تو امی اور مجھے پتا ہوتا ہے کہ ایک دو دن بعد یا چند گھنٹوں کے بعد ہم دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے بات کرلے گا۔ کبھی کبھار تو ایسا ہوتا ہے کہ میں گاڑی ڈرائیو کر رہا ہوں اور امی سے کسی بات پہ میری بحث ہو گئی تو ہم دونوں خاموش ہو جاتے ہیں اور پھر جب میں پانچ منٹ کے بعد انہیں فون کروں گا تو وہ بالکل نارمل طریقے سے مجھے جواب دیں گی اور وہ فون کرلیں گی تو میں نارمل طریقے سے بات کروں گا۔

(2) ایک نصیحت جو ابھی تک کرتی ہیں اور بار بار کرتی ہیں کہ ہمیشہ بڑوں کا ادب کرو اگر میں کہیں جا رہا ہوتا ہوں تو اور محسوس کرتا ہوں کہ کوئی بڑا مسائل پیدا کر رہا ہے یا جس کی وجہ سے میں ٹربل میں ہوں یا وہ ٹربل پیدا کر رہا ہے روڈ پہ۔ تو اس وقت مجھے ان کی

نصیحت بیاد آجاتی ہے۔

مدیحہ رضوی : (آرٹسٹ)

(1) ماں ناراض ہو تو پھر ایک دن تو ناراضی میں گزر ہی جاتا ہے۔ پھر جا کر انہیں گلے لگا لیتی ہوں۔ مائیں تو آسانی سے مان جاتی ہیں۔

(2) جب میں اس فیلڈ میں قدم رکھ رہی تھی تو انہوں نے مجھے ایک ہی بات کہی تھی کہ بیٹا پیسے کی اتنی اہمیت نہیں ہوتی' اچھے کام کی اور عزت کی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں ہاتھ سے مت جانے دینا' کیونکہ میں نے بھی اپنی زندگی میں کمپرومائز نہیں کیا تو پیسہ بھلے نہ ہو مگر عزت ضرور ہو' تو اسی نصیحت کو میں نے پلے سے باندھا ہوا ہے۔

شمع حفیظ : (شاعرہ+نثر نگار)

(1) میری امی کو گزرے ہوئے کئی سال گزر چکے ہیں' ان کو منانا ممکن ہی نہیں رہا۔ ہاں میرے بچے میری خفگی کی بہت فکر کرتے ہیں اور اس وقت تک میرے سامنے سے نہیں ہٹتے جب تک میں انہیں دیکھ کر مسکرا نہ دوں۔ اللہ تعالیٰ سب ماں باپ کو میرے بچوں جیسی اولاد دے۔ میری امی عام عورتوں سے تھوڑی مختلف نیچر رکھتی تھیں۔ وہ بہت صابر و شاکر خاتون تھیں' ہمیں تو کیا کسی غیر کو بھی خفا ہونے کا موقع نہیں دیتی تھیں' ہاں کبھی انہیں خاموش یا اداس دیکھتی تو ڈھیروں باتیں کیا کرتی تھی اور جب تک ان کا موڈ نہیں بدلتا' ہزاروں قصے سنا ڈالتی تھی' ایک بات البتہ خاص ہے امی کو کوئی بھی معمولی تحفہ اس لیے خوش کر دیتا تھا کہ میں انہیں صاف کہتی تھی کہ میں آپ کو مکھن لگا رہی ہوں اور اس مکھن لگانے پر میری ماں فوراً" راضی ہو جاتی تھیں۔

(2) جیسا کہ میں نے کہا میری امی ایک صابر و شاکر خاتون تھیں' انہوں نے ہم سب بہنوں کو ہمیشہ تحمل' رواداری اور درگزر کرنے کی ہی تلقین کی اور باخدا میں نے ان تینوں حالتوں کو اپنا کر اپنی زندگی میں بے حساب خوشیاں اور محبت پائی ہے۔ اللہ میری امی کو آخرت میں بلند درجات پر فائز کرے اور ان سے ہمیشہ خوش رہے۔

علی عباس : (آرٹسٹ)

(1) میں ذرا Expressive قسم کا انسان ہوں تو جب والدہ ناراض ہوتی ہیں تو میں ان کے پاس جاتا ہوں۔ انہیں گلے لگاتا ہوں۔ انہیں چومتا ہوں۔ انہیں پیار کرتا ہوں۔ اپنی غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ کوشش کرتا ہوں کہ ان کی پسند کا انہیں تحفہ دوں۔

(2) بچپن سے ہی ہم چاروں بہن بھائیوں کو

انہوں نے یہی سکھایا ہے کہ اپنے والد کی بہت عزت کرنی ہے اور آپس میں بہت پیار محبت سے رہنا ہے کیونکہ اس سے خاندان مضبوط ہوتے ہیں اور آنے والی نسلوں کی بنیادیں مضبوط ہوتی ہیں اور جناب اس نصیحت کو میں نے گرہ میں باندھا ہوا ہے۔

تحریم منیبہ : (نعت خواں + آر جے)

(1) امی جب ناراض ہو جائیں تو میں گھر کا کام کرنا شروع کر دیتی ہوں۔ کچن میں کوئی کام کر دیا۔ کیونکہ عام طور پر میں نہیں کرتی۔ تو پھر وہ سمجھ جاتی ہیں کہ تحریم مجھے منانے کی کوشش کر رہی ہے اور بس پھر اس طرح ہماری دوستی ہو جاتی ہے۔

(2) امی ہمیشہ سے یہی کہتی ہیں کہ بیٹا کسی سے کچھ مانگنا نہیں۔ ایسی خواہش نہیں رکھنا کہ کسی سے کچھ مانگنا پڑے اور اگر خواہش بہت مضبوط ہے تو پھر خود اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ ہاتھ نہیں پھیلانا کبھی۔

بلال قریشی : (آرٹسٹ)

(1) میرے خیال میں اس دنیا میں سب سے آسان کام ماں کو منانا ہے ایک ”جپھی“ اور ایک ”پپی“ ہی بہت ہوتی ہے۔ یہ تو ہم لوگ ہی ہیں جو نخرے دکھاتے ہیں اور منہ بناتے ہیں۔ ماں کے لیے تو پپی اور جپھی جادو کا کام کرتی ہے۔

(2) مجھے یاد ہے کہ ہم جب بھی اسکول سے آتے تھے اور ڈرائیور ہمیں لے کر آتا تھا تو اگر کبھی اتفاق سے گھر میں کھانا کم ہو تو امی کہتی تھیں کہ پہلے ڈرائیور کو کھانا دے دو تم لوگ بعد میں کھا لینا۔ تو وہ جو ”احساس“ کی تربیت ہے وہ میں نے ہمیشہ اپنے پلے سے باندھ کر رکھی کہ جو لوگ ہمارے ساتھ کام کر رہے ہوتے ہیں اور جو لوگ ہمارے لیے کام کر رہے ہوتے ہیں ان کی Care بہت ضروری ہے اور وہ میں ہمیشہ کرتا ہوں۔

عنیزہ سید : (افسانہ نگار + ڈرامہ رائٹر)

(1) میری ”ماں“ تو مجھ سے ایسی دور گئیں کہ روٹھنا منانا سب خواب بن کر رہ گیا ہے جب وہ حیات تھیں اور ناراض ہو جاتی تھیں تو میں کانوں کو ہاتھ لگا کر معافی مانگتی تھی اور انہیں منا لیتی تھی۔

(2) امی کی ساری نصیحتیں گرہ سے ہی باندھی رکھی ہیں۔ ایک نصیحت تو یہ کہ جب بھی کسی کو چیز پکڑاؤ تو سیدھے ہاتھ سے پکڑاؤ اور یہ نصیحت میں کبھی نہیں بھولتی اور ایک بات اور کہ میری امی جب بھی دیکھتیں کہ ہم کسی کام میں سستی دکھا رہے ہیں تو وہ ہمارے ارد گرد چلتے پھرتے یہ شعر پڑھا کرتی تھیں کہ۔

یہ صوفے تیرے افرنگی یہ قالین تیرے ایرانی

لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی یہ تن آسانی
اور یہ کہ کچھ کر لو نوجوانو کہ اٹھتی جوانیاں ہیں۔

امی کی یہ باتیں ایسی نصیحتیں ہیں کہ جو آج بھی پلو سے باندھ رکھی ہیں بلکہ میں اپنے بچوں کو بھی یہی نصیحتیں کرتی ہوں۔

یمنیٰ زیدی : (آرٹسٹ)

(1) امی ناراض ہو جائیں تو انہیں ایسے مناتی ہوں جیسے وہ ہمارے بچپن میں ہمیں مناتی تھیں۔

(2) امی کی نصیحت جو ہمیشہ یاد رکھتی ہوں کہ "اخلاق کا دامن نہیں چھوڑنا اور کسی کے برا ہونے سے اپنی اچھائی نہیں گنوا دینا۔"

فضیلہ قیصر : (آرٹسٹ)

(1) اول تو مائیں ناراض ہوتی ہی نہیں ہیں، لیکن اگر ناراض ہو بھی جائیں تو میں سمجھتی ہوں کے ماں کو منانا دنیا کا آسان ترین کام ہے اور کوئی بھی اولاد اپنی ماں کو بہت آسانی سے منا سکتی ہے۔ دو لفظ پیار کے بول کے۔ ان کے گلے میں باہیں ڈال کے' ماں کو منا لیتی ہوں۔ دور ہوتی ہوں تو فون کر کے سوری کر لیتی ہوں۔ ویسے وہ اب تو ناراض ہوتی بھی نہیں ہیں۔ پہلے پھر بھی کبھی ہو جایا کرتی تھیں۔ ان کی ناراضی یہی ہوتی ہے کہ تم اتنے دن سے آئیں کیوں نہیں' تو کام زیادہ ہوتا ہے تو نہیں جا پاتی تو پھر ایک دن ان کے ساتھ گزارتی ہوں۔ انہیں شاپنگ پہ لے جاتی ہوں۔ انہیں گھماتی پھراتی ہوں۔ کھانا کھلاتی ہوں تو وہ خوش ہو جاتی ہیں۔

(2) مائیں تو ہر وقت ہی نصیحت کرتی رہتی ہیں اور میری ماں بھی کرتی رہتی ہیں۔ ہم بھی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے تجربات سے کچھ سیکھ لیں۔ کچھ نصیحتوں پہ عمل نہیں بھی کر پائی تو بعد میں افسوس ہوا کہ ماں نے جو کہا تھا ٹھیک کہا تھا۔ تو یہ سب چیزیں تو زندگی کے ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہیں۔ امی تو ابھی بھی نصیحتیں کرتی رہتی ہیں جو کہ بہت کام آتی ہیں اور آ رہی ہیں۔ اللہ امی کو ہمت دے اور ان کا سایہ ہمارے سروں پہ برقرار رہے۔ (آمین)

حنا عباس : (آر جے' ماڈل)

(1) "ماں" تو وہ ہستی ہے کہ جس کا ظرف سمندر سے بھی زیادہ بڑا ہوتا ہے اولاد کی بہترین دوست بھی وہی ہوتی ہے اور بہترین نقاد بھی یہ وہ ہستی ہے جو ہمارے تمام عیب جانتی ہے مگر کبھی شرمندہ نہیں کرتی۔ میری ماں بھی میری ایسی ہی دوست ہے جو میرے تمام عیب و ہنر سے آشنا ہیں۔ دنیا میں شاید ہی کوئی بیٹی اپنی ماں سے اتنی فری ہو گی جتنی میں ہوں۔ ان کی ناراضی بھی ان کے پیار کا اظہار ہے جب بھی

بیمار ہو جاؤں تو اس ناراضی کا اظہار خاموشی کی صورت میں کرتی ہیں اور پھر باخدا راضی بھی ہو جاتی ہیں۔ مجھے کبھی منانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

(2) نصیحت تو یہی ہوتی ہے کہ جو بھی کرو، جہاں بھی جاؤ، اپنے ابو کی عزت کا خیال رکھنا، بیٹیاں نازک آبگینہ ہوتی ہیں اور ماں باپ کی عزت کی محافظ تمہارے ابو تم پہ اندھا اعتماد کرتے ہیں اس لیے ان کے اعتماد کو ہمیشہ قائم رکھنا۔

عادل مراد : (آرٹسٹ)

(1) اگر والدہ کبھی ناراض ہوتی ہیں تو ان کے پاس جا کر سوری کہتا ہوں اور گلے سے لگا لیتا ہوں تو وہ معاف کر دیتی ہیں۔

(2) ماں کی سب سے بڑی نصیحت تو یہ ہے کہ زندگی میں بہت مشکلات آئیں گی، مگر کبھی بھی ہمت مت ہارنا اور ہمیشہ اپنے خدا پر یقین اور بھروسا رکھنا۔

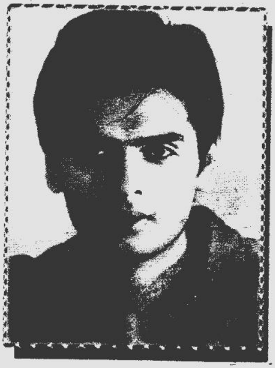

یاسر شورو : (آرٹسٹ)

(1) جب بھی والدہ ناراض ہوتی ہیں تو میں ان کے پیر پکڑ کر معافی مانگ لیتا ہوں۔ کیونکہ ماں جیسی ہستی تو پوری دنیا میں کوئی نہیں ہے۔

(2) سب کو عزت دینی چاہیے۔ سب کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا چاہیے اور آپ کی سوچ مثبت ہونی چاہیے۔ اور میں اس کو فالو کرتا ہوں۔

رابعہ انعم : (نیوز کاسٹر)

(1) امی جب بھی ناراض ہوتی ہیں تو ان کو منانے کا بہت آسان طریقہ ہے ان کو مسکرا کر دیکھتی ہوں۔ چھوٹا سا سوری بولتی ہوں اور گلے سے لگا لیتی ہوں تو وہ فوراً" مان جاتی ہیں۔

(2) ان کی ایک نصیحت جو ہمیشہ یاد رہتی ہے۔ کہ جب مجھے نیا نیا فیشن کا شوق ہوا تو انہوں نے کہا کہ بے شک فیشن کرو جو دل میں آئے کرو، مگر یاد رکھنا کہ "فیشن اور بے حیائی" میں بہت باریک لکیر ہوتی ہے یہ

نہ ہو لہ ٹینشن میں بھی اس کو کراس کر جاؤ۔ تو اب جب بھی کچھ خریدنے جاؤں تو اس بات کو اس نصیحت کو مدنظر رکھتی ہوں۔

صائمہ قریشی : (آرٹسٹ)

(1) امی ناراض ہوں تو ایک اچھا سا گفٹ دے دیتی ہوں اور مسلسل بات کرتی رہتی ہوں تو پھر مان جاتی ہیں۔

(2) نصیحت یہ کرتی ہیں کہ زندگی میں کوئی بھی فیصلہ کرو تو بہت سوچ سمجھ کر کرو کیونکہ میں بہت جلد باز ہوں اور جلد بازی میں ہی فیصلہ کرتی ہوں تو اس سے نقصان بھی ہوتا ہے۔ تو اب تو یہ گرہ سے باندھ لی ہے کہ میں جو بھی فیصلہ کروں، بہت سوچ سمجھ کر کروں۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بسا طِ دل	آمنہ ریاض	500/-
زرد موسم	راحت جبیں	750/-
زندگی اِک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہرِ دل کے دروازے	شازیہ چودھری	500/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	250/-
دل ایک شہرِ جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	500/-
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	600/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	250/-
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار	300/-
مین سے عورت	غزالہ عزیز	200/-
دل اُسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	350/-
بکھر نا جائیں خواب	آسیہ رزاقی	200/-
زخم کو ضد تھی مسیحائی سے	فوزیہ یاسمین	250/-
اماوس کا چاند	بشریٰ سعید	200/-
رنگ خوشبو ہوا بادل	افشاں آفریدی	500/-
درد کے فاصلے	رضیہ جمیل	500/-
آج گگن پہ چاند نہیں	رضیہ جمیل	200/-
درد کی منزل	رضیہ جمیل	200/-
میرے دل میرے مسافر	تسیم سحر قریشی	300/-
تیری راہ میں رُل گئی	میمونہ خورشید علی	225/-
شام آرزو	ایم سلطانہ فخر	400/-

[illegible]

ماورا

شاہین رشید

1 ''میرا نام؟''
''ماورا۔''

2 ''پیار سے کیا بلاتے ہیں؟''
''پیار کے بہت نام ہیں جو کامن ہیں وہ ببلو اور چٹکی ہے۔''

3 ''میری عمر؟''
''1992ء کی پیدائش ہوں تو بتائیے کہ کتنے سال کی ہوں؟''

4 ''میری سالگرہ کا دن؟''
''28 ستمبر۔''

5 ''میرا ستارہ؟''
''لبرا۔''

6 ''بہن بھائی؟''
''میں اور عروہ اور ایک بھائی۔ میں سیکنڈ نمبر پر ہوں۔''

7 ''میری تعلیم؟''
''فیشن ڈیزائننگ میں گریجویٹ ہوں۔''

8 ''شادی؟''
''ابھی نہیں۔ کچھ کرنا چاہتی ہوں۔''

9 ''مجھے شہرت کی بلندیوں پہ پہنچایا؟''
''ڈرامہ سیریل ''میرے حضور'' اور ''یہاں پیار نہیں ہے۔''

10 ''پریکٹیکل لائف میں کب آئی؟''
''جب 9th گریڈ میں تھی۔ ایک شو ہوسٹ کیا تھا تو سولہ ہزار ملے تھے۔ بہت خوشی ہوئی تھی۔ بس پھر اس کے بعد کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھی۔''

11 ''جب خوش ہوتی ہوں تو؟''
''تو پھر سب کو گفٹ دیتی ہوں' بہت اچھے اچھے۔''

12 ''میری ماں کی ایک پیاری عادت؟''
''میری ماں مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ گرمیوں میں صبح ہی صبح ٹھنڈی لسی دے کر اٹھاتی ہیں اور سردیوں میں گرما گرم بیڈ ٹی دے کر۔ ایسی ماں کسی کی نہیں ہوگی۔''

13 ''فارغ وقت میں کیا کرتی ہوں؟''

”فیس بک سے بہت لگاؤ ہے۔۔۔ پھر اچھی میوزک سننے کا بہت شوق ہے اور گھر والوں کے ساتھ گھر سے باہر ڈنر کرنے کا شوق ہے اور اچھا بھی لگتا ہے۔“

14 ”ایس ایم ایس کرنا بہتر ہے یا کال؟“

”کال۔۔۔ کون لکھنے کی زحمت کرے۔ ٹائم بھی تو ضائع ہوتا ہے اور سچی بات ہے اب ٹائم کی بہت قلت ہے۔“

15 ”میرے پاس ذخیرہ ہے؟“

”کپڑوں کا اور جوتوں کا۔۔۔ بیگز کا بھی شوق ہے، مگر بہت زیادہ نہیں۔“

16 ”میں حیران ہوتی ہوں؟“

”ان لوگوں پر جو وقت کی قدر نہیں کرتے۔ میں وقت کی بہت زیادہ پابندی کرتی ہوں۔“

17 ”ایک شخصیت جس سے میں ملنا چاہتی تھی؟“

”اربع کریم سے۔ مگر اسے زندگی نے مہلت نہیں دی اور مجھے وقت نے۔“

18 ”مجھ میں گُر ہے کہ؟“

”کہ گھر میں کسی کا موڈ خراب ہو تو میں ٹھیک کر دیتی ہوں۔ بہت اچھی فنکارہ ہوں۔ سچ میں۔“

19 ”مجھے بن مانگے جو ملا؟“

”بہت کچھ۔۔۔ اگر اس فیلڈ کی بات کروں تو شہرت میں تو شوقیہ آئی تھی۔ کامیابیاں اور شہرت سے اللہ نے جھولی بھر دی۔“

20 ”کوئی لڑکا Misbehave کرے تو؟“

”تو پوچھ لیتی ہوں کہ پرابلم کیا ہے؟ سنا دیتی ہوں۔ ڈرتی نہیں کسی سے۔“

21 ”چھٹی انجوائے کرتی ہوں؟“

”کراچی میں عروہ کے ساتھ اور اسلام آباد میں مما کے ساتھ شاپنگ، گھومنا پھرنا اور اچھا سا ڈنر کر کے اپنی چھٹی گزارتی ہوں۔“

22 ”میں کام کرنا چاہتی ہوں؟“

”عظمیٰ گیلانی صاحبہ کے ساتھ، صبا حمید صاحبہ کے ساتھ سکینہ سموں، بدر خلیل صاحبہ اور دیگر سینئر فنکاروں کے ساتھ۔“

23 ”گھر سے نکلتے وقت کیا چیزیں لازمی لیتی ہوں؟“

”سیل فون، والٹ اور اپنا بیگ جس میں مزید ضرورت کی چیزیں ہوتی ہیں۔“

24 ”گھر میں میری آئیڈیل شخصیت؟“

”میں اور عروہ میری پیاری بہن۔“

25 ”گھر آتے ہی کیا دل چاہتا ہے؟“

”کہ بس کھانا مل جائے۔“

26 ”دنیا میں خدا کی حسین تخلیق؟“

”مور۔۔۔ مجھے بہت پسند ہے۔“

27 ”کب زیادہ کھانا کھاتی ہوں؟“

”جب غصے میں ہوتی ہوں تاکہ طاقت آجائے اور اپنا دفاع اچھی طرح کر لوں۔“ (قہقہہ)

28 ”جھوٹ کب بولتی ہوں؟“

”نہیں بولتی۔ کیونکہ میں کسی بھی بات کے لیے دوسروں کے آگے جواب دہ نہیں ہوں۔ کسی کو یقین کرنا ہے میری بات کا تو کرے۔ نہیں تو نہ کرے۔“

29 ”شاپنگ کے لیے میری پسندیدہ جگہ؟“

”کراچی اور دبئی۔۔۔ شاپنگ تو میری کمزوری ہے۔“

30 ”بیڈ پہ کب جاتی ہوں؟“

”جب نیند کا غلبہ طاری ہونے لگتا ہے۔ ورنہ تو گھر والوں کے ساتھ گپ شپ ہوتی رہتی ہے۔“

31 ”کب فریش ہوتی ہوں؟“

”شام کے وقت۔۔۔ اور جب گھر جانے کا وقت ہوتا ہے۔“

32 ”کونسا ملک بہت پسند ہے؟“

”اپنے ملک کے علاوہ جرمنی۔۔۔ مگر رہنا ہمیشہ اپنے پاکستان میں ہی چاہوں گی۔“

33 ”رونے لگتی ہوں؟“

”جب گر جاؤں اور چوٹ لگ جائے تو۔“

34 ”کب مشکلات کا شکار ہوتی ہوں؟“

”جب گھر والوں کے ساتھ کہیں گھومنے پھرنے نکلوں یا دوستوں کے ساتھ نکلوں اور کوئی پہچان لے اور ارد گرد لوگ اکٹھے ہو جائیں تو بس پھر بڑے مسئلے ہو جاتے ہیں۔“

35 ”چڑچڑی ہو جاتی ہیں؟“

”جب بہت بھوک لگی ہو اور کچھ کھانے کو نہ ہو تو۔“

36 ”لوگ بھولتے جا رہے ہیں؟“

”اپنی روایات کو...... **مثلاً** “اب 14 اگست میں وہ جوش و خروش نہیں ہوتا جو بچپن میں ہم دیکھتے تھے‘ اب عید کی وہ ایکسائٹمنٹ نہیں ہوتی جو بچپن میں ہوتی تھی۔ ...... ہم تو اپنے بچپن میں عید بھی بہت انجوائے کرتے تھے آج کل کے بچے تو بہت جلدی بڑے ہو گئے ہیں۔“

37 ”مجھے انتظار رہتا ہے؟“

”اپنی برتھ ڈے کا...... حالانکہ زندگی کا ایک سال کم ہو جاتا ہے۔ مگر پھر بھی مجھے سالگرہ منانا اچھا لگتا ہے۔“

38 ”میرے اٹھنے کے اوقات؟“

”چھٹی کے دن کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ شوٹ کے حساب سے اٹھتی ہوں جلدی ہو تو جلدی‘ دیر سے ہو تو دیر سے اور جب یونیورسٹی جاتی تھی تو لازمی سات بجے اٹھنا پڑتا تھا۔“

39 ”گھر میں کس کا غصہ تیز ہے؟“

”میری سویٹ بہن عروہ کا۔“

40 ”میں اکثر آئینہ دیکھ کر سوچتی ہوں؟“

”کہ کاش میں تھوڑی لمبی ہوتی۔“

41 ”میرے لیے سرپرائز تھا جب؟“

”جب میری مما نے نئی زیرو میٹر گاڑی کی چابی میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا کہ اب تم یونیورسٹی گاڑی میں جاؤ گی۔“

42 ”میں شوقین ہوں؟“

”کھانے پینے کی‘ اداکاری کی۔“

43 ”کسی وجہ سے یہ فیلڈ چھوڑنی پڑی تو؟“

”تو پھر اپنی تعلیم کو کام میں لاؤں گی۔ فیشن ڈیزائننگ میری اصل فیلڈ ہے۔“

44 ”اپنے ملک کی کیا بات بری لگتی ہے؟“

”کہ سارے قوانین غریبوں کے لیے ہیں۔ امیروں

کے لیے نہیں، جبکہ دوسرے ممالک میں سب کے لیے ایک جیسے قوانین ہیں۔“

45 ”گھر میں کھانے کے لیے میری پسندیدہ جگہ؟“
”ڈائننگ ٹیبل۔“

46 ”دنیا میں سب سے قیمتی چیز کیا ہوتی ہے؟“
”میرے خیال میں خونی رشتے، کیونکہ دنیا میں آپ کو سب کچھ آسانی سے مل جاتا ہے۔ مگر خونی رشتوں کا کوئی نعم البدل نہیں۔“

47 ”میری چیخیں نکل جاتی ہیں؟“
”جب میں لال بیگ، چھپکلی اور رینگنے والے کیڑے مکوڑوں کو دیکھتی ہوں۔“

48 ”کس قسم کے لوگ بہت برے لگتے ہیں؟“
”جھوٹے، منافق اور غیبت کرنے والے لوگ۔“

49 ”شادی میں پسندیدہ رسمیں؟“
”ساری رسمیں ہی بہت مزے دار ہوتی ہیں۔ بہت انجوائے کرتی ہوں۔“

50 ”مجھے شرم محسوس نہیں ہوتی؟“
”اپنی غلطی پہ سوری کرتے ہوئے۔“

51 ”میری ایک عادت جو اچھی بھی ہے اور بری بھی؟“
”دوسروں کے ساتھ فرینڈلی ہونا... کچھ لوگ اچھا سمجھتے ہیں۔ کچھ لوگ اس کا غلط مطلب لے لیتے ہیں۔“

52 ”کوئی گہری نیند سے جگا دے تو؟“
”تو نہ صرف غصہ آتا ہے بلکہ رونا بھی آجاتا ہے۔“

53 ”زندگی میں change آیا؟“
”جب میں شوبز میں آئی، نہ صرف اپنی صلاحیتیں دکھانے کا موقع ملا، بلکہ عزت و شہرت بھی بہت ملی۔“

54 ”بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ کیا کیا رکھتی ہوں؟“
”ڈھیروں چیزیں ہوتی ہیں۔ جیسے فون چارجر، فون، پانی اور اپنی تصویر بھی... فریم میں۔“

55 ”کون سا تہوار منانا اچھا لگتا ہے؟“
”مجھے سب تہوار منانا اچھا لگتا ہے۔ خواہ عید ہو مدر ڈے ہو یا پھر ویلنٹائن ڈے... اور ویلنٹائن ڈے منانا تو بہت ہی اچھا لگتا ہے۔“

JW
SEEN
PDC L'OR
BRIDAL

56 ”اپنے لیے کہنا چاہوں گی کہ؟“
”کہ میں بہت خوش قسمت ہوں کہ جسے اللہ تعالیٰ نے بہت سی نعمتوں سے نوازا ہوا ہے۔“

57 ”سکون کہاں ملتا ہے؟“
”جب میں اسلام آباد اپنی مما کے گھر جاتی ہوں اور ان کی گود میں سر رکھ کر ڈھیروں باتیں کرتی ہوں۔“

58 ”پسندیدہ لباس؟“
”وہ جو ہماری روایات کے مطابق ہو اور مجھ پر اچھا لگے۔“

59 ”میں خرچ کرتی ہوں؟“
”اپنے گھر والوں کے لیے اپنی مما کے لیے اپنی بہن اور بھائی کے لیے۔“

60 ”جب تھک جاتی ہوں تو؟“
”تو مما کی گود میں سر رکھ کر سو جاتی ہوں۔“

* *

ستارہ آمین کومل

ادارہ

س "آپ کا پورا نام، گھر والے پیار سے کیا پکارتے ہیں؟"

ج "ستارہ آمین کومل، گھر والے ستارہ اور دوست احباب کومل بلاتے ہیں۔"

س "کبھی آئینے نے آپ سے یا آپ نے آئینے سے کچھ کہا؟"

ج "آئینہ کہتا ہے۔ گلاب چہرے پہ مسکراہٹ، چمکتی آنکھوں میں شوخ جذبے۔"

س "آپ کی سب سے قیمتی ملکیت؟"

ج "میرا قلم، میرا علم، میرے تنہائی کے ساتھی، کتابیں، ڈائجسٹ، میری فیملی میری تحریریں، میری شاعری، میری سب سہیلیوں کی محبت میرا قیمتی اثاثہ ہے۔"

س "آپ اپنی زندگی کے دشوار لمحات بیان کریں؟"

ج "زندگی کا ہر لمحہ دشوار ہے۔ بے شمار ہیں۔ جانے دیں جو گزر گیا سو گزر گیا۔"

س "آپ کے لیے محبت کیا ہے؟"

ج "اے محبت تو انداز بدل لے اپنا۔ حسین جذبہ جو رشتوں کو جوڑتی بھی ہے اور توڑتی بھی۔ اے محبت ترے انداز نرالے دیکھے۔"

س "مستقبل قریب کا کوئی منصوبہ جس پر عمل کرنا آپ کی ترجیح میں شامل ہے؟"

ج "لکھنا، بہت سارا اچھا لکھنا۔ قلم کا حق ادا کرنا۔"

س "پچھلے سال کی کوئی کامیابی جس نے آپ کو مسرور و مطمئن کیا ہو؟"

ج "پچھلا سال دکھوں، پریشانیوں کا سال رہا۔ بہت زخم دے گیا۔"

س "آپ اپنے گزرے کل، آج اور آنے والے کل کو ایک لفظ میں کیسے واضح کریں گی؟"

ج "اللہ پاک پر توکل۔"

س "آپ اپنے آپ کو بیان کریں؟"

ج "حساس، نڈر، سادہ سی، باوقار، صاف گو لڑکی جسے محبت ہو تو بے حد ہو، نفرت ہو تو بے پایاں۔"

س "کوئی ایسا ڈر جس نے آج بھی اپنے پنجے آپ میں گاڑے ہوئے ہیں؟"

ج "اب کیسا ڈر کیسا خوف؟ جس کا یار م اللہ ہو اسے کسی کا ڈر خوف نہیں۔"

س "آپ کی کمزوری اور طاقت کیا ہے؟"

ج "کمزوری کوئی خاص نہیں، طاقت خاص الخاص ہے میرا اللہ جو میرے ساتھ ہے۔"

س "آپ خوش گوار لمحات کیسے گزارتی ہیں؟"

ج "اللہ جی کا شکر ادا کرتے ہوئے۔ اپنی دوستوں کے ساتھ شیئر کر کے۔"

س "آپ کے نزدیک دولت کی اہمیت؟"

ج "اتنی تو ہو کہ بندہ گزارہ کر سکے اور اللہ کی راہ میں دونوں ہاتھوں سے لٹائے۔"

س "گھر آپ کی نظر میں؟"

ج "میرا گھر میری جنت..... ہر عورت کا خواب میر اک گھر ہو۔"

س "کیا آپ بھول جاتی ہیں اور معاف کر دیتی ہیں؟"

ج "جی معاف بھی کر دیتی ہوں اور بھول بھی جاتی ہوں۔ اسے بھول جا اسے بھول جا۔"

س "اپنی کامیابیوں میں کسے حصہ دار ٹھہراتی ہیں؟"

ج "ماں کی دعاؤں۔ اللہ پاک کی رحمت و کرم کو۔"

یہ کامیابیاں یہ عزت یہ نام تم سے ہے
خدا نے جو بھی دیا ہے مقام تم سے ہے

س "سائنسی ترقی نے ہمیں مشینوں کا محتاج کر کے کاہل کر دیا یا واقعی ترقی ہے؟"

ج "اس ترقی کے مثبت اثرات بھی ہیں پر منفی کہیں زیادہ ہیں۔"

س "کوئی عجیب خواہش؟"

ج ”آج سے چودہ سو سال پہلے کے وقت میں چلی جاؤں کاش۔“

س ”برکھا رت کیسے انجوائے کرتی ہیں؟“

ج

بارش کی رم جھم ہو یا اشکوں کی ہو دھار
میرے پاگل من کی خاطر دو دھاری تلوار
بارش برسے رات کی رات اور دل روئے برسات
من کی کشتی آر لگے نہ پار پھنسے بیچ منجدھار

اداس ہو کر سب اپنے بچھڑے دوستوں کو یاد کرتے، ان کے لیے دعا کرتے۔

س ”آپ جو ہیں وہ نہ ہوتیں تو کیا ہوتیں؟“

ج ”ارے ستارہ آمین کومل تو میں ہر حال میں ہوتی۔ ہاہاہا۔“

س ”آپ بہت اچھا محسوس کرتی ہیں جب؟“

ج ”محفل نعت میں حاضری ہو۔ صائمہ اکرم چوہدری کے اسٹیٹس پر نظر پڑے۔“

س ”آپ کو کیا چیز متاثر کرتی ہے؟“

ج ”پرخلوص رویہ، بناوٹ سے پاک شخصیات، سادگی اور پھول کلیاں۔“

س ”کیا آپ نے اپنی زندگی میں وہ سب پالیا ہے، جو آپ پانا چاہتی تھیں؟“

ج ”میں کیا پانا چاہتی تھی؟ جو اللہ نے دیا اس کا لاکھوں بار شکر، جو نہ دیا اس پہ کوئی شکوہ نہیں۔“

س ”آپ کی ایک خوبی یا خامی جو آپ کو مطمئن یا مایوس کرتی ہے؟“

ج ”میں کسی سے حسد نہیں کرتی اپنا دل صاف رکھتی ہوں۔ خامی یہ کہ دیر تک سونا۔“

س ”کوئی ایسا واقعہ جو آج بھی آپ کو شرمندہ کر دیتا ہے؟“

ج ”اللہ کا خاص کرم ہے ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے۔“

س ”کیا آپ مقابلہ انجوائے کرتی ہیں یا خوف زدہ ہو جاتی ہیں؟“

ج ”مقابلہ کیا ہو تو بتاؤں نا۔“

س ”متاثر کن کتاب مصنف، مووی؟“

ج ”اشفاق احمد سے بڑھ کر کوئی متاثر کن نہیں۔ کتاب جو سب کتابوں کی سردار ہے یعنی قرآن پاک ترجمہ کے ساتھ پڑھنا، عمل کرنا پسند ہے۔“

س ”آپ کا غرور؟“

ج ”بندہ خاکی پہ غرور جچتا نہیں۔“

س ”کوئی ایسی شکست جو آج بھی آپ کو رلاتی ہے؟“

ج ”مجھے تو چھوٹی سی بات بھی رلا دیتی ہے۔ رویے کا بدلنا، لہجہ میں آنے والی تبدیلی بہت دکھ دیتی ہے۔ پھر میں خود میں مزید سمٹ جاتی ہوں۔ اپنی ذات میں تنہا لڑکی، شکر ہے شکست کوئی نہیں نہ مالک دے۔“

س ”کوئی شخصیت یا کسی کی حاصل کی ہوئی کامیابی جس نے آپ کو حسد میں مبتلا کیا ہو؟“

ج ”شکر ہے مولا تیرا، تو مجھے حسد میں مبتلا نہیں کرتا نہ ہی کرنا کبھی بھی۔“

س ”مطالعہ کی اہمیت آپ کی زندگی میں؟“

ج ”میں تو زندہ ہوں اس مطالعہ کی وجہ سے مجھے کھانے کو کچھ نہ دو بس اک اچھی کتاب ضرور دو، جس سے میری روح کو تسکین ملے۔“

س ”آپ کی پسندیدہ شخصیت؟“

ج ”بے شمار ہیں ڈاکٹر مجید نظامی۔ یہ دور حاضر کی میری پسندیدہ شخصیت، میں خود بھی ان کو فالو کرتی ہوں۔ دعا گو ہوں اللہ پاک مجھے بھی مجید نظامی جیسا اچھا انسان بنائے۔ قائداعظم کا سپاہی، علامہ محمد اقبال کا شاہین بنائے۔ پیارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا غلام خاص بنائے۔ آمین۔“

س ”ہمارا پیارا ملک سارا کا سارا خوب صورت ہے آپ کا کوئی خاص پسندیدہ مقام؟“

ج ”اے وطن پیارے وطن پاک وطن، پاک وطن پاکستان میری جان، آن، شان، میری زندگی، سارا ہی خوب صورت ہے، ہر جگہ پسندیدہ ہے، ہر مقام بہشت ہے۔“

✲ ✲

نفیسہ سعید

ایسا گر ہے زندگی

ملک صاحب اپنے گھر والوں کو بے خبر رکھ کر اپنے کم سن بیٹے ایشال کا نکاح کر دیتے ہیں جبکہ ایشال اپنی کزن عریشہ میں دلچسپی رکھتا ہے اور سن بلوغت تک پہنچتے ہی وہ اس نکاح کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے‘ ملک صاحب ہار مانتے ہوئے اس کی دوسری شادی عریشہ سے کر دیتے ہیں. جس کی شرط صرف اتنی ہے کہ وہ اپنی پہلی منکوحہ کو طلاق نہیں دے گا۔

حبیبہ تعلیم حاصل کرنے کراچی آئی ہے جہاں وہ شاہ زین کے والد کے آفس میں جاب کرنے لگتی ہے. جس دوران شاہ زین حبیبہ میں دلچسپی لینے لگتا ہے‘ مگر حبیبہ کا ردعمل اس معاملے میں خاصا عجیب و غریب ہے وہ شاہ زین کو اپنا دوست تو مانتی ہے‘ مگر اس کی محبت کا مثبت جواب نہیں دے پاتی۔

فرہاد تین بھائی ہیں اس کے دونوں بڑے بھائی معاشی طور پر مستحکم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی بیوی‘ بچوں کی ضروریات بھی کھلے دل سے پوری کرتے ہیں جبکہ فرہاد اس معاملے میں خاصا کنجوس ہے یہ ہی سبب اس کی بیوی زینب کو فرہاد سے بدظن کرنے کا باعث بن جاتا ہے۔

فضا‘ زینب کی جٹھانی ہے. جو اس کی خوب صورتی سے حسد کرتی ہے اور اپنی اس حسد کا اظہار وہ اکثر و بیشتر اپنے رویہ سے کرتی رہتی ہے۔ سالار‘ صباحت کا کزن ہے. جو شادی شدہ ہونے کے باوجود زینب کو پسند کرنے لگتا ہے‘ اسی لیے وہ بہانے بہانے اسے قیمتی تحائف سے بھی نوازتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

١١

گیارہویں قسط

“شاہ زین”

وہ جیسے ہی سیڑھیوں کی جانب بڑھا، حبیبہ تیزی سے بھاگ کر اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

“اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو مجھے ہوسٹل چھوڑ دیں گے۔”

اسے خاصی حیرت ہوئی شاید اتنے عرصہ دوستی میں پہلی بار حبیبہ نے اس کے ساتھ جانے کا خود کہا تھا۔

“وائے ناٹ شیور۔”

وہ آگے کی جانب بڑھ گیا۔

“ایک سیکنڈ......”

اس کے ساتھ چلتی حبیبہ کو جیسے پھر سے کچھ یاد آگیا۔

“کل سنڈے ہے نا؟”

پہلے کی طرح اس کا یہ سوال بھی خاصا غیر معقول سا تھا۔

“ظاہر ہے آج اگر سیٹرڈے ہے تو یقیناً ”کل سنڈے ہی ہوگا۔”

“تو پھر ٹھیک ہے مجھے دوپہر میں پک کر لینا، میں کل لنچ آپ کی فیملی کے ساتھ کروں گی۔”

اس نے تیزی کے ساتھ اپنی بات مکمل کی، آج کی اس کی ساری گفتگو ہی خاصی غیر متوقع تھی۔ شاہ زین چلتے چلتے رک گیا۔

“میری نک چڑھی مما کے ساتھ لنچ کرتے ہوئے تمہیں عجیب سا محسوس نہیں ہوگا۔”

حبیبہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے اپنی بات مکمل کی۔

“اب کیا کروں مجبوری ہے۔”

حبیبہ کندھے اچکاتے ہوئے ہنس دی۔

“تمہاری ناراضی سے بہتر ہے تمہاری نک چڑھی مما کے ساتھ لنچ کر لیا جائے۔”

“بائی دا وے تم انہیں آنٹی کہہ سکتی ہو۔”

“اوکے، ویسے گھر میں تمہاری مما کے علاوہ اور کون کون ہوگا۔” شاہ زین کے ساتھ چلتے چلتے اس نے دریافت کیا۔

“کوئی بھی نہیں صرف میں اور مما کیوں کہ پاپا تو تم جانتی ہو آج کل شہر میں نہیں ہیں شاید ایک دو دن تک آجائیں۔”

“اچھا اور تمہاری بہن......”

“بہن......” اس نے حبیبہ کی جانب دیکھ کر دہرایا۔

“شاید تم جاذبیہ آپا کی بات کر رہی ہو۔”

“ہاں ہاں وہ ہی۔”

“وہ میری بہن نہیں کزن ہیں، آج کل اپنے سسرال میں ہیں۔”

“اوہ اچھا تم ہمیشہ ایسے ذکر کرتے تھے کہ مجھے لگا وہ تمہاری سگی بہن ہیں۔”

“میرے لیے تو وہ سگی بہن سے بھی بڑھ کر ہیں، ویسے بھی ان کے والدین کی وفات کے بعد ان کی زیادہ تر پرورش میری ماں نے ہی کی ہے، سمجھ لو کہ میری مما نے ہی انہیں پالا ہے ان کی شادی بھی ہمارے ہی گھر سے ہوئی تھی۔”

“اوہ گڈ یہ سب جان کر تو مجھے یقیناً ”آنٹی کے بارے میں اپنی رائے کو مکمل تبدیل کرنا ہوگا۔”

حبیبہ کا لہجہ ستائشی تھا۔

“ہاں جب تم ان سے ملوگی تو مجھے یقین ہے کہ تمہارے تمام سابقہ خیالات غلط ثابت ہو جائیں گے کیوں کہ میری ممانہ صرف ایک بہترین ماں بلکہ ایک عظیم ترین عورت بھی ہیں۔ ”

“شاید ہر اولاد اپنی ماں کے بارے میں ایسے ہی خیالات رکھتی ہے۔ ”

حبیبہ نے پلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

“یقیناً” کیوں کہ ماں ایک ایسا رشتہ ہے جو ہر غرض سے پاک ہے۔ ”

“بے شک۔ ”

حبیبہ نے صرف اتنا کہا اور خاموش ہو گئی۔

“بہر حال میں مما سے بات کر کے تمہیں فون پر بتا دوں گا اگر وہ کل گھر پر ہوئیں اور ان کی کوئی اور مصروفیت نہ ہوئی تو میں تمہیں بارہ بجے تک پک کر لوں گا۔ ”

“ٹھیک ہے میں انتظار کروں گی۔ ”

ہوسٹل آگیا تھا وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

* * *

“میرا نام زینب ہے۔ ”

سامنے فرش پر بیٹھی لڑکی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے وہ دھیرے سے بولی۔

“زینب بنت ہاشم۔ ”

وہ لڑکی ہاتھ میں کاغذ قلم تھامے مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ تھی' اور چاہتی تھی کہ زینب اپنی بات دوبارہ شروع کرے' مگر وہ اس طرح خاموش ہوئی جیسے الفاظ ختم ہو گئے ہوں۔ “آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔ ”

بالآخر ایک طویل خاموشی سے اکتا کر وہ لڑکی بول اٹھی۔

“ہاں میں کہہ رہی تھی کہ تم میرا نام صرف زینب لکھنا یا پھر ام مریم لکھ دینا' ویسے بھی ہمارے مذہب میں عورت کی شناخت اس کے باپ یا شوہر کے نام سے نہیں ہوتی ہر عورت اپنی شناخت خود ہے اور میں بھی صرف زینب ہوں' اپنی بچیوں کی ماں زینب' اس کے علاوہ میری اور کوئی پہچان نہیں۔ ”

اپنی بات ختم کر کے وہ سانس لینے کے لیے رکی۔

“میں چاہتی ہوں تم میری کہانی لکھو بالکل سچ سچ جو میں تمہیں بتاؤں تاکہ دنیا جان سکے کیا صحیح تھا اور کیا غلط۔ وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ میں ایک لالچی' خود غرض اور عیاش عورت ہوں جس نے اپنے شوہر کے اعتماد کو دھوکا دیا اور اپنے شوہر کی قدر نہ کی' اسے دنیا میں رسوا کر دیا وہ جان سکیں کہ سچ کیا تھا۔ ”

اتنا کہہ کر وہ رونے لگی۔

“دیکھیں پلیز آپ روئیں مت' اور مجھ سے وہ سب کچھ کہہ دیں جو آپ کے دل میں ہے' وہ سب کچھ جس نے آپ کو آج یہاں اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ اپنی اولاد کی جدائی بھی آپ کا مقدر ٹھہر گئی۔ آپ دنیا کو بتائیں کہ کن حالات کے تحت آپ نے یہ انتہائی قدم اٹھایا کیونکہ میں جانتی ہوں آپ ایک ماں بھی ہیں اور کسی بھی ماں کے نزدیک اس کی اولاد سے بڑھ کر کوئی اہم نہیں ہوتا۔ ”

لڑکی نے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے زینب کا سر اپنے کندھے سے لگاتے ہوئے اسے تسلی دی۔

“میں تمہیں جو کچھ بتاؤں گی اسے من و عن لکھ دینا تاکہ دنیا یہ فیصلہ کر سکے کہ کون صحیح تھا اور کون غلط اور شاید اسی طرح میرے ماتھے پر لگی عیاشی اور بدکردار عورت کی مہر مٹ جائے۔ ”

وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے آہستہ آہستہ بولی۔

”ٹھیک ہے۔ بس اب آپ مجھے سب کچھ بتائیں وہ سب۔ جو سچ ہے۔“

لڑکی اس کے قریب ہی بیٹھ گئی' اس نے اپنا کاغذ اور قلم ایک بار پھر سے سنبھال لیا اب وہ پوری طرح متوجہ تھی کہ زینب جو کچھ کہے اسے پوری طرح اپنے پاس محفوظ کر سکے۔

* * *

”مما آپ پورے ٹائم پر اریشہ کو ایئرپورٹ سے پک کر لیجئے گا کیونکہ وہ اکیلے آتے ہوئے ویسے بھی کافی گھبرا رہی ہے۔“

فون کے دوسری طرف ایشال تھا۔

”کیوں کیا تم اس کے ساتھ نہیں آرہے؟“

مما کو ایشال کی بات سن کر حیرت کا جھٹکا لگا۔

”میں تھوڑا لیٹ آؤں گا مجھے ابھی چھٹی نہیں ملی۔“

”بیٹا ضرور آجانا تم اچھی طرح جانتے ہو حبا بھابھی کی اکلوتی بیٹی ہے اور تم تو پچھلے سال حذیفہ کی شادی پر بھی نہیں آئے تھے اسے لے کر بھی وہ تم سے ناراض ہیں۔“

مما نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”میں جانتا ہوں مما کہ آنٹی مجھ سے ناراض ہیں اس سلسلے میں میری حنظلہ اور حذیفہ دونوں سے بات ہوئی ہے میں نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ ان شاءاللہ شادی سے ایک ہفتہ قبل پہنچ جاؤں گا آپ آج پلیز رات نو بجے تک اریشہ کو پک کر لیجیے گا بھولیے گا مت۔“

”تم فکر مت کرو میں ڈرائیور کے ساتھ اسے خود لینے جاؤں گی بس تم شادی تک پہنچ جانا۔“

”ان شاءاللہ مما ضرور' اللہ حافظ اپنا خیال رکھیے گا۔“

* * *

”میری تیسری بیٹی کی پیدائش نے ہی شاید میری زندگی کو یکسر تبدیل کر دیا' میں جو اپنی ماں کے گھر سے ایک ایسی خوشگوار اور مکمل زندگی کا تصور لے کر اس گھر میں آئی تھی' جہاں شاید سب کچھ میرے ایک اشارے کا منتظر ہوگا' میں سمجھی تھی کہ وہ تمام خواہشات جو میری ماں پوری نہیں کر سکی' شوہر کے گھر نا کسی مشکل کے میرے حصول میں ہوں گی مگر شادی کے بعد پتا چلا زندگی وہ نہیں ہے' جس کا تصور ہمیشہ یہ رہا کہ شوہر کے گھر جا کر ہر خواہش پوری کرنا یہاں تو شاید زندگی ماں کے گھر سے بھی زیادہ مشکل تھی۔

جہاں یہ سمجھا گیا کہ عورت ایک بے جان کٹھ پتلی ہے۔ جس کی اپنی کوئی خواہشات نہیں ہوتیں' بلکہ اس کی ڈوری ایک مرد کے ہاتھ میں ہے وہ اسے جیسے چاہے اپنی مرضی کے مطابق چلائے۔ مجھے دوسرے مردوں کا نہیں پتا مگر فرہاد ایک ایسا ہی مرد تھا جو مجھے اپنی مرضی کے رنگ میں ڈھالنا چاہتا تھا وہ چاہتا تھا کہ میرا سونا' جاگنا' کھانا پینا' غرض کے پہننا اوڑھنا بھی اس کے مرضی کے تابع ہو' بازار جا کر اپنی مرضی کی شاپنگ کرنا میری ایک ایسی خواہش تھی جو گزرتے وقت کے ساتھ دم توڑ گئی۔ میں وہ ہی پہنتی جو مجھے فرہاد لا دیتا' چاہے وہ مجھے ناپسند ہی کیوں نہ ہو' مگر میں انکار کا حق نہ رکھتی تھی یہاں تک بھی ٹھیک تھا میں اپنی بچیوں کی خاطر سب کچھ برداشت کرنے کو تیار تھی مگر جیسے ہی میں تیسری بار ماں بنی سب کچھ ایک دم تبدیل ہو گیا۔

میں تین دن اسپتال رہی' فرہاد ایک بار بھی مجھے یا بچی کو دیکھنے نہ آیا حتیٰ کہ اس نے میری خیریت دریافت کرنے

کے لیے ایک فون بھی نہ کیا شاید بیٹی کی پیدائش میری ایک ایسی خطا تھی جس کی میں واحد ذمہ دار تھی۔

صباحت بھابھی کے ساتھ ساتھ مجھے صمد بھائی نے بھی فون کیا دونوں نے ہی مجھے بیٹی کی پیدائش پر مبارک باد دی، فضا بھابھی اور ان کے بچے بھی اسپتال آئے، میرے بھائی بھابھی، سب آئے، نہ آیا تو فرہاد نہ آیا، ڈسچارج ہونے کے بعد اماں نے چاہا کہ میں ایک ماہ کے لیے ان کے ساتھ گھر چلی جاؤں مگر میں نے صاف انکار کر دیا مجھے اپنی بچی کے ساتھ اپنے ہی گھر جانا تھا میری ضد کے آگے اماں خاموش ہو گئیں اور مجھے احسان کے ساتھ آ کر گھر چھوڑ گئیں وہ گھر جہاں میرا استقبال کرنے کے لیے کوئی بھی نہ تھا۔

فرہاد دکان پر تھا، اس نے مجھے آتے دیکھا ضرور مگر گھر آنے کی زحمت نہ کی۔ البتہ سادیہ میرے ساتھ ہی آ گئی، دونوں بچیوں کو کھانا بنا کر دینے کے علاوہ اس نے میرے لیے بھی پرہیزی کھانا تیار کیا، گھر کی صفائی میں میری مدد کی اس کے جانے کے بعد میں رات تک منتظر رہی کب فرہاد دکان بند کر کے آئے اور میں اس کے تاثرات جان سکوں جو مجھے امید تھی کہ اچھے نہ ہوں گے، مگر میرے لیے اس دنیا میں سب سے زیادہ اہم وہ ہی ایک شخص تھا کیونکہ وہ میرے بچوں کا باپ ہونے کا اعزاز رکھتا تھا۔

* * *

مہندی کے فنکشن میں ہر طرف بکھرا گرین کلر ایشال کو وہ سب کچھ یاد کروا رہا تھا جو وہ یاد کرنا نہ چاہتا تھا۔ اسے رہ رہ کر آج وہ ہرے دوپٹے والی لڑکی یاد آ رہی تھی جو جانے کہاں اور کس حال میں تھی۔ اس نے تو اریشہ سے شادی کے بعد سے لے کر آج تک اپنی ماں سے بھی اس کا ذکر نہ کیا۔

وہ جب سے پاکستان آیا تھا پاپا کا رویہ اس سے خاصا ریزرو تھا، اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ انہوں نے اسے اور اریشہ کو اپنے گھر رکنے کی اجازت دے دی تھی ورنہ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ پاکستان میں قیام کا تمام عرصہ اسے ماموں کے گھر رہنا ہو گا۔

مگر آج اس تقریب نے جانے کیوں اسے کئی سال پیچھے ماضی میں پہنچا دیا۔ آج اسے احساس ہوا اس نے جو کچھ کیا شاید اس لڑکی کے ساتھ زیادتی تھی اسے ایک دفعہ اس لڑکی سے ملنا ضرور چاہیے، یقیناً وہ لڑکی ابھی تک اس کے نام پر بیٹھی تھی کیونکہ طلاق اس نے دی نہ تھی اور خلع اس لڑکی نے لی نہ تھی۔

”مجھے پاپا سے بات کرنی چاہیے جو بھی ہو اس دفعہ میں اس سے مل کر اسے طلاق دے کر جاؤں گا تاکہ وہ اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کے لیے کسی بھی دوسری جگہ شادی کر سکے۔“

یہ سوچ کر اس نے ایک نظر کچھ دور بیٹھی اریشہ پر ڈالی جو زور و شور سے گانے بجانے میں مصروف تھی۔

”کبھی کبھی تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میرے یہاں اولاد کا نہ ہونا بھی شاید اسی لڑکی کے دل سے نکلی کسی بددعا کا نتیجہ ہے۔“

اپنے سامنے کھڑے حنظلہ کے چھوٹے سے بیٹے کو دیکھتے بے اختیار اس کے دل میں یہ خیال آیا جس کی اس نے تردید نہ کی، حنظلہ کی شادی اس کی شادی کے صرف دو ماہ بعد ہوئی تھی اور آج وہ دو بچوں کا باپ تھا جبکہ اس کا آنگن ابھی تک سونا تھا۔

”بس تو طے ہے اب میں اس لڑکی سے ضرور ملوں گا تاکہ پاپا کی شرط کے مطابق اسے طلاق دے دوں اور وہ کہیں اور شادی کر سکے شاید اسی طرح میرے گھر کے سونے آنگن میں بہار آ جائے۔“ پاپا پر نظر ڈالتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا۔

* * *

"مجھے علم تھا تیسری بھی بیٹی ہی پیدا ہوگی۔"

فرہاد کا لہجہ خاصا ہتک آمیز تھا یا شاید مجھے ایسا محسوس ہوا میں نے چونک کر اس کی جانب دیکھا وہ فون کان سے لگائے غالباً" اپنی بہن سے مصروف گفتگو تھا جس کی تصدیق اگلے ہی پل ہوگئی۔

"آپا میری ذمہ داری تو صرف دودھ لا کر دینا تھی اب مجھے علم نہیں کہ اس نے کھائی یا نہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے میرے چہرے پر ایک نظر ڈالی جہاں پھیلی ناگواری صاف محسوس کی جاسکتی تھی، وہ اپنی آپا سے میرے بارے میں بات کر رہا تھا جبکہ یہ سب مجھے سخت ناپسند تھا۔

"نہیں آپا طبیعت تو نہیں خراب، بس یہ بچی ساری رات روتی ہے اور مجھے بالکل بھی سونے نہیں دیتی اور صبح دکان پر جانا ہوتا ہے۔"

مجھے قطعی نظر انداز کر کے وہ آپا سے مصروف گفتگو تھا، مجھے صرف فرہاد کی آواز سنائی دے رہی تھی دوسری طرف آپا کیا کہہ رہی تھیں میں وہ سب سننے سے قاصر تھی۔

"ہاں میں بھی یہ ہی سوچ رہا تھا چلیں ٹھیک ہے اللہ حافظ۔"

آپا نے مجھ سے بات کرنے کی زحمت نہ کی اور فون بند کر دیا۔

"تم ذرا فارغ ہو کر ساتھ والا کمرہ صاف کر دینا، میں آج سے وہاں سونا شروع کروں گا کیونکہ یہ ساری رات بہت روتی ہے اور میری نیند خراب ہونے کے باعث صبح مجھ سے دکان پر صحیح کام نہیں ہوتا۔"

یقیناً" یہ وہ ہدایت تھی جو ابھی آپا نے چند پل قبل ہی اسے دی تھی اور اب اس پر عمل درآمد فرہاد کی زندگی کا اولین مقصد تھا۔

"ٹھیک ہے۔"

میرا موڈ اس سے کوئی بحث کرنے کا نہ تھا، اور پھر شام تک کمرہ صاف ہوگیا اور اس رات جو فرہاد اس کمرے میں تنہا سویا تو اس نے پھر کبھی رات اٹھ کر یہ بھی دیکھنے کی زحمت نہ کی کہ مجھے اس کی ضرورت ہے یا نہیں دوسرے معنوں میں وہ دیگر تمام باتوں کے ساتھ ساتھ میری ہر ضرورت سے فارغ ہوگیا۔

* * *

پاپا کا فون کب سے بج رہا تھا، ایشال نے دیکھا وہ کمرے میں نہ تھے وہ اپنا فون صوفہ پر ہی بھول گئے تھے جب تک ایشال نے فون اٹھایا وہ بند ہو چکا تھا ایشال ان کا سیل ہاتھ میں لیے مما کی جانب آگیا۔

"پاپا کہاں گئے ان کا فون کتنی دیر سے بج رہا ہے۔"

"حبا کی شادی میں شرکت کے لیے سالار آرہا ہے وہ اسے ریسیو کرنے ایئرپورٹ گئے ہیں اب کال آئے تو ریسیو کرلو کہیں کوئی ضروری فون نہ ہو۔"

مما کی بات ختم ہی ہوئی تھی کہ فون ایک بار پھر سے بج اٹھا، سالار نے دیکھا نمبر کسی بھی نام سے محفوظ نہ تھا، اس نے یس کا بٹن دبا کر سیل اپنے کان سے لگالیا۔

"السلام علیکم انکل۔"

ایک نہایت خوب صورت آواز اس کے کان سے ٹکرائی۔

"وعلیکم السلام کون بات کر رہی ہیں آپ۔"

اس نے مما کی جانب دیکھتے ہوئے دھیرے سے سوال کیا۔

"سوری کیا یہ ملک انکل کا نمبر نہیں ہے؟"

ایشال کی آواز سن کر وہ لڑکی، تذبذب کا شکار ہو گئی۔

"جی یہ ان کا ہی نمبر ہے مگر اتفاق کی بات ہے پاپا اپنا فون گھر بھول گئے ہیں۔"

"آپ کون بات کر رہے ہیں؟"

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد وہ لڑکی قدرے **جھجکتے** ہوئے بولی۔

"میں ان کا بڑا بیٹا ایشال بات کر رہا ہوں اور آپ؟"

جانے کیوں ایشال کا دل چاہا وہ اس لڑکی سے اس طرح بات کرتا رہے اس کی آواز نہایت ہی مدھر اور رسیلی تھی بالکل دل میں اتر جانے والی۔

"ایشال۔"

لڑکی نے زیر لب دہرایا، ایشال اس کے جواب کا منتظر تھا مگر دوسری طرف مکمل خاموشی طاری تھی ایسے جیسے لائن پر کوئی تھا ہی نہیں، شاید دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا تھا۔

"ہیلو۔"

ایشال نے اپنے خیال کی تصدیق چاہی اب دوسری طرف کوئی بھی نہ تھا۔ لائن ڈسکنیکٹ تھی۔

"کون تھا؟"

مما نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"پتا نہیں۔" وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔

"میں نے نام پوچھا تھا مگر اس نے بتایا نہیں۔"

پاپا کا سیل مما کے حوالے کر کے وہ باہر نکل گیا۔

* * *

شاہ زین نے ایک نظر مما کے قریب بیٹھی حبیبہ پر ڈالی اسے یہ منظر بالکل مکمل لگا، مما کے پاس بیٹھی کسی بات پر مسکراتی حبیبہ اور اس کی جانب شفقت سے دیکھتی مما "کاش یہ منظر یہیں تھم جائے اور حبیبہ کبھی اپنے گھر واپس نہ جائے۔"

بے اختیار ہی اس کے دل سے دعا نکلی، گرے اور پنک فراک میں ملبوس حبیبہ آج پہلے سے کئی گنا حسین دکھائی دے رہی تھی۔

شاہ زین محویت کے عالم میں اسے تک رہا تھا جب مما کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"شیزی....

"جی مما۔"

وہ یک دم چونک اٹھا۔

"بیٹا دیر ہو گئی ہے اسے ہوسٹل چھوڑ آؤ۔"

مما کی بات سنتے ہی حبیبہ اٹھ کھڑی ہوئی، شاہ زین کا دل چاہا وہ اسے روک لے، کم از کم آج ایک رات کے لیے وہ یہاں رک جائے ویسے بھی پاپا یہاں نہ تھے وہ اور مما گھر میں اکیلے تھے مگر وہ صرف یہ سوچ سکتا تھا کہہ نہیں سکتا تھا کیونکہ جانتا تھا حبیبہ اس کی ایسی بچکانہ خواہش کبھی ماننے پر آمادہ ہونے والی نہ تھی۔

"اچھا آنٹی اللہ حافظ۔"

وہ بڑے پیار سے مما کے گلے لگی۔

"اللہ حافظ بیٹا۔"

اس کے ساتھ ہی مما نے ایک خوب صورت چھوٹا سا پیکٹ اس کی جانب بڑھایا۔

"یہ کیا ہے؟"

حبیبہ ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے رک گئی۔

"کچھ بھی نہیں ایک معمولی سا تحفہ ہے، تم آج پہلی بار میرے گھر آئی ہو اسی لیے دے رہی ہوں۔"

مما نے اسے ایک بار پھر خود سے لگاتے ہوئے وضاحت دی۔

"مگر آنٹی یہ تو خاصا قیمتی ہے۔"

حبیبہ نے باکس ہاتھ میں تھامتے ہی کھول کر دیکھا۔

"ہاں مگر تم سے زیادہ نہیں۔"

"لیکن آنٹی۔"

"کوئی لیکن ویکن نہیں تم میری بیٹی ہو اور بیٹیاں کبھی بھی ماں کا دیا ہوا لینے سے انکار نہیں کرتیں۔"

اس کی بات درمیان سے کاٹ کر وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

جب کہ اس ساری گفتگو کے دوران شاہ زین بالکل خاموش کھڑا تھا۔

"اور ویسے بھی تم میرے گھر آج پہلی بار آئی ہو اور ہماری روایت ہے کہ پہلی بار اپنے گھر آنے والے مہمانوں کو خالی ہاتھ نہیں جانے دیتے۔"

وہ اس کے کندھے پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔

"اوکے آنٹی اللہ حافظ اینڈ تھینک یو آپ کا گفٹ بہت خوب صورت ہے۔"

"ہاں اور میں ایک بار پھر کہوں گی تم سے زیادہ نہیں۔"

جواباً وہ ہلکا سا ہنستے ہوئے بولیں۔

حبیبہ ان سے مل کر شاہ زین کے قریب سے گزرتے ہوئے آگے کی جانب بڑھ گئی' اس کے لباس سے اٹھتی کلون کی مہک نے شاہ زین کو مبہوت سا کر دیا اور وہ جانے کتنی دیر اپنی جگہ ساکت کھڑا رہتا اگر مما اسے آواز دے کر نہ پکارتیں۔

"کہاں گم ہو جاؤ اسے چھوڑ کر آؤ آٹھ بجنے والے ہیں۔"

وہ ٹیبل پر رکھی گاڑی کی چابی اٹھا کر خاموشی سے اس کے پیچھے چل دیا۔

* * *

"السلام علیکم پاپا۔"

ملک صاحب نے اپنے سامنے پھیلا اخبار سرکاتے ہوئے ایک ہلکی سی نظر ایشال پر ڈالی جو کرسی کھینچ کر عین ان کے سامنے بیٹھ چکا تھا۔

"وعلیکم السلام۔"

سلام کا جواب دیتے ہی انہوں نے اخبار ایک بار پھر سے اپنے چہرے کے سامنے کر لیا' ایشال کی سمجھ میں نہ آیا وہ آگے بات کیسے شروع کرے۔

"پاپا.... آپ مجھ سے ابھی تک ناراض ہیں؟"

اپنی ساری ہمت مجتمع کرتے ہوئے وہ ایک بار پھر سے بول اٹھا۔

”نہیں تو۔“

نہایت ہی مختصر جواب، وہ اخبار میں بری طرح مصروف تھے۔

”پاپا پلیز ہو سکے تو مجھے معاف کردیں، اس نافرمانی پر جو مجھ سے سرزد ہوئی“

وہ لندن واپس جانے سے قبل اپنی ہر غلطی کا ازالہ کرنا چاہتا تھا۔

”کس بات کی معافی ایشال شاید تم نے سنا نہیں میں نے ابھی کہا تھا کہ میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔“

ملک صاحب نے نہایت نرمی سے جواب دیتے ہوئے اخبار لپیٹ کر اپنے سامنے موجود ٹیبل پر رکھ دیا۔

”بلکہ مجھے تو افسوس ہے میرا ایک غلط فیصلہ انجانے میں کسی معصوم کی زندگی برباد کرنے کا سبب بنا، معافی مجھ سے نہیں اس سے مانگو جس کی زندگی تمہارے نام پر خراب ہوئی۔“

”ہاں پاپا کبھی کبھی تو مجھے بھی ایسا فیل ہوتا ہے جیسے یہ سب اسی کی بددعا کا نتیجہ ہے جو میں آج تک اولاد جیسی نعمت سے محروم ہوں۔“ وہ دھیرے سے بولا۔

”شاید اولاد کی کمی نے تمہیں، تمہاری زیادتی کا احساس دلا دیا اسی لیے کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں مصلحت پوشیدہ ہے ورنہ آج اگر تم صاحب اولاد ہوتے تو کبھی مجھ سے معافی مانگنے کی زحمت نہ کرتے صحیح کہہ رہا ہوں نا۔“

اپنی بات ختم کرکے انہوں نے ایشال سے تائید چاہی جو جواب میں بالکل خاموش، سر جھکائے بیٹھا رہا۔

”بہرحال اولاد کا ہونا نہ ہونا اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے، اور یہ سب کچھ کسی کی بددعا کا نتیجہ نہیں ہوتا، ہمیں ہر چیز اپنے ٹائم پر اسی وقت ملتی ہے جب وہ ہمارے نصیب میں لکھ دی جاتی ہے، تمہاری اولاد جب تمہارے نصیب میں ہوگی تمہیں ضرور مل جائے گی تم بلاوجہ غلط سوچوں کو اپنے دماغ میں جگہ مت دو۔“ وہ آہستہ آہستہ اسے سمجھاتے ہوئے بولے۔

”پاپا مجھے آپ سے ایک اور بات بھی کرنی ہے۔“

ملک صاحب کی بات ختم ہوتے ہی وہ جلدی سے بول اٹھا۔

”پاپا میں آپ کی عائد کردہ شرط کے مطابق اس لڑکی سے ملنے کو تیار ہوں تاکہ اس سے مل کر اسے طلاق دے سکوں میں چاہتا ہوں پاپا آپ اس کی شادی کسی اور اچھی جگہ کردیں تاکہ وہ بھی اپنی زندگی سکھ کے ساتھ گزار سکے مجھ سے انجانے میں جو حق تلفی ہوئی اس کا ازالہ اس طرح ہی ممکن ہے کہ ہم اسے ایک خوشگوار زندگی دینے کی کوشش کریں۔“

وہ جب تک بولتا رہا ملک صاحب اس کا چہرہ تکتے رہے۔

”فی الحال یہ ناممکن ہے۔“

ایشال کی بات ختم ہوتے انہوں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

”کیونکہ وہ آج کل یہاں نہیں ہے اس کی ماں کی برسی ہے اور ہر سال وہ ان دنوں لاہور جاتی ہے یہ وہ دن ہیں جو اسے خاصا ڈپریسڈ کردیتے ہیں لہٰذا ان دنوں اس سے، اس قسم کی کوئی بات نہیں ہو سکتی بہرحال وہ جیسے ہی واپس آتی ہے میں کوشش کروں گا تمہاری اس سے ملاقات کرواسکوں۔“

ملک صاحب نے ہر بات تفصیل سے بتائی۔

”ایک بات پوچھوں پاپا۔“

ایشال آج ان سے ہر بات کرلینا چاہتا تھا۔

”ہاں پوچھو۔“

”ماں تو وہ مریم آپا اور جاذبیہ کی بھی ہیں تو پھر برسی وہ اکیلی کیوں مناتی ہے یہ دونوں اپنی بہن سے کیوں نہیں ملتیں۔“

”بہت سارے سوال ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی جواب نہیں ہوتا یا شاید کچھ فیصلے ہم اپنی عدالت میں خود ہی کر کے دوسرے فریق کو سزا بھی سنا دیتے ہیں تمہاری ماں کی طرح شاید ان دونوں کو بھی ایسا لگتا ہے جیسے وہ ان کی بہن نہیں ہے میری بات سمجھ رہے ہو نا تم۔“

”جی میں سمجھ گیا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں مگر پاپا اگر یہ سب سچ نہیں ہے تو آپ نے کیوں ان دونوں کو سب کچھ سچ سچ نہیں بتایا۔“

”کیا بتاتا بیٹا تم تو جانتے ہی ہو کہ ایک کی ساس فضا بھابھی ہیں اور دوسری کی تمہاری والدہ محترمہ اور ان دو خواتین کے ہوتے ہوئے تم امید کر سکتے ہو کہ ان دونوں بچیوں کو صحیح بات بتانے کا موقع مل سکے تمہاری طرح ان کے برین بھی واش کر دیے گئے ہیں، تمہیں تو شاید اریشہ کی محبت نے کچھ صحیح سننے نہ دیا اور ان دونوں کو دنیا کی باتوں نے بہرحال وقت نے ان دونوں کے ساتھ بھی کافی زیادتی کی پھر بھی میں داد دوں گا۔

تمہاری ماں اور تائی کو جنہوں نے مریم اور جاذبیہ کو نہ صرف ماں بن کر پالا بلکہ بہو کا رشتہ جوڑ کر ساری زندگی اپنی آنکھوں کے سامنے بھی رکھا تمہاری ماں نے مریم اور جاذبیہ کو ہمیشہ اپنی سگی اولاد سے بڑھ کر چاہا یہ ہی سبب تھا جو تمہارا نکاح کرتے ہوئے میں نے یہ نہ سوچا کہ معاملہ اس قدر خراب ہو جائے گا مجھے امید تھی کہ تھوڑا غصہ کرنے کے بعد تمہاری ماں اس بچی کو قبول کر لے گی مگر ایسا نہ ہوا جس پر مجھے افسوس ضرور ہے غصہ نہیں، بہت ساری باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمیں درست فیصلہ نہیں کرنے دیتیں یا شاید قسمت میں جو جیسے لکھا ہو ویسا ہی ہو کر رہتا ہے اور اس سلسلے میں ہم سب بے اختیار ہیں۔“

ملک صاحب نے اپنی بات ختم کر کے، ٹیبل پر رکھا اخبار ایک بار پھر سے اٹھا لیا جس کا مطلب تھا وہ کسی ٹاپک پر مزید بات کرنا نہیں چاہتے۔

”او کے پاپا۔“

ایشال اٹھ کھڑا ہوا۔

”پلیز آپ میری بات یاد رکھیے گا اور کوشش کیجئے گا کہ اگر وہ میرے واپس جانے سے قبل آجائے تو میری اس سے ملاقات ضرور کروا دیجئے گا۔“

”ٹھیک ہے۔“

ملک صاحب نے ایشال کی جانب دیکھے بنا جواب دیا اور اخبار کے مطالعہ میں کھو گئے۔

* * *

پتا نہیں میرے اور فرہاد کے درمیان اتنا فاصلہ کیسے آیا کہ میں صرف اس کی ضرورت بن کر رہ گئی، محبت تو جانے کہاں گئی وہ محبت جو میاں بیوی کے رشتہ کا لازمی جزو ہے ہم دونوں کے درمیان سے بھاپ بن کر اڑ گئی، وہ محبت جو ایک شوہر اپنی بیوی سے کرتا ہے میرے لیے صرف ایک خواب تھی، میں مانتی ہوں کہ فرہاد کی بے رخی اور سرد رویہ نے مجھے اس سے دور کر دیا۔

اس عرصہ میں فرہاد میں صرف ایک اچھی تبدیلی یہ آئی کہ وہ نماز پنجگانہ کے ساتھ تہجد بھی پڑھنے لگا، وہ رات باوضو سوتا، صبح چار بجے کے لگ بھگ اٹھ جاتا نماز اور قرآن کی باقاعدہ تلاوت کرتا۔ اپنے سارے دن کی اپنی سرگرمیاں رات وہ یاسمین آپا سے ضرور شیئر کرتا، جو اسے دل کھول کر خراج تحسین پیش کرتے سمے کبھی یہ سوال

نہ کرتیں کہ تم حقوق اللہ پورا کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوتے ہوئے حقوق العباد تو نہیں بھول گئے؟ کہیں وہ حق تو نہیں فراموش کردیا جو اللہ نے تمہارے ذمہ بیوی کا لگایا تھا۔

کاش وہ یہ سب سوال کرتیں فرہاد کو احساس دلاتیں تو شاید آج وہ سب نہ ہوتا جو ہوا' لیکن نہیں سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے نصیب میں جو لکھ دیتا ہے وہ ہر حال میں پورا ہو کر رہتا ہے یقیناً" اگر میرا رب مجھے اس بری گھڑی سے بچانا چاہتا تو وہ حادثہ نہ ہوتا جو اس دن ہوا۔ جس نے مجھے اور فرہاد کو ایک دوسرے کے لیے قطعی اجنبی کردیا۔

* * *

"حبیبہ"

"ہاں بولو۔"

وہ کی بورڈ پر مسلسل انگلیاں چلاتے ہوئے ذرا کی ذرا رکی۔

"تمہیں میری مما کیسی لگیں؟"

اس نے حبیبہ کے چہرے پر ایک گہری نظر ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

"بہت اچھی اور نائس' میری ان کے بارے میں جو ابتدائی آبزرویشن تھی وہ انتہائی غلط تھی۔"

کمپیوٹر اسکرین سے نظر ہٹا کر اس نے شاہ زین کی جانب دیکھتے ہوئے نہایت صاف گوئی سے جواب دیا۔

"تھینک گاڈ' ورنہ میں تو ڈر رہا تھا جانے تمہاری رائے ان کے بارے میں کیا ہو۔ شاہ زین ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے ہنس دیا۔

"دراصل حبیبہ مما تمہارے گھر والوں سے ملنا چاہتی ہیں۔"

وہ فوراً" سے بیشتر اپنے اصل مدعا کی جانب آگیا۔

"میرے گھر والے۔"

حبیبہ کا کی بورڈ پر تیزی سے چلتا ہاتھ یک دم ساکت ہوگیا۔

"ہاں تمہاری امی یا پھر وہ آنٹی جس سے اس دن میں ملا تھا یعنی کوئی بھی تمہارا ایسا فیملی ممبر جس سے مما مل سکیں۔"

وہ سمجھ نہیں پارہا تھا کہ حبیبہ کو اپنی بات کس طرح سمجھائے۔

"میرے والدین حیات نہیں ہیں اور یہ بات شاید میں پہلے بھی آپ کو بتا چکی ہوں۔" وہ ایک بار پھر سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

"حبیبہ تم ایک سیکنڈ کے لیے اپنا یہ کام چھوڑ کر میری بات نہیں سن سکتیں۔" اب وہ پوری طرح جھنجلا گیا۔

"ہاں بولو میں سن رہی ہوں۔"

حبیبہ شٹ ڈاؤن کرتے ہوئے' پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور ظاہر ہے رشتہ طے کرنے کے لیے میری مما کا تمہارے کسی فیملی ممبر سے ملنا ازحد ضروری ہے۔"

اس نے جلدی جلدی اپنی بات مکمل کی۔

"واٹ....."

شاہ زین کی بات سنتے ہی حبیبہ کو ایک جھٹکا سا لگا۔

"مجھ سے شادی....."

وہ بے ساختہ ہنس دی' اس کو اس طرح ہنستے دیکھ کر شاہ زین کچھ شرمندہ سا ہو گیا' ہنستے ہنستے حبیبہ کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔

''آپ میرے بارے میں کیا جانتے ہیں؟''

اس نے سیدھا شاہ زین کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''میں کون ہوں؟ کس خاندان سے تعلق رکھتی ہوں؟ میرا فیملی بیک گراؤنڈ کیا ہے؟ کیا آپ یہ سب جانتے ہیں حیرت ہے شاہ زین اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے قبل آپ نے مجھ سے کچھ پوچھا ہی نہیں۔''

وہ اب مکمل طور پر سنجیدہ تھی۔

''تم کون ہو؟ کس خاندان سے تعلق رکھتی ہو؟ یہ سب جاننا میرے لیے انتہائی غیر ضروری ہے میرے لیے ضروری صرف اتنا ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں' اور تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں' بس اس سے زیادہ میرے لیے کوئی بات اہمیت نہیں رکھتی۔''

اس کا لہجہ قطعی اور حتمی تھا۔

''حیرت تو اس بات کی ہے کہ میرے بارے میں اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے قبل آپ نے یہ جاننا بھی ضروری نہیں سمجھا کہ آیا میں بھی آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں یا کہ نہیں۔''

وہ کرسی پیچھے کھسکاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تو سچ یہ ہے کہ میں آپ سے شادی کر ہی نہیں سکتی کیونکہ آئی ایم آل ریڈی میرڈ۔''

وہ شاہ زین کے اس قدر قریب تھی کہ اس کے بالوں سے اٹھتی مہک شاہ زین کے نتھنوں میں گھس کر اسے بے چین کر گئی۔

''واٹ۔''

اب جھٹکا لگنے کی باری شاہ زین کی تھی' حبیبہ کی قربت کی مدہوشی سے وہ ایک دم ہی باہر نکل آیا۔

''کیا بکواس ہے یہ۔''

اس کی آواز بے اختیار ہی بلند ہو گئی۔

''یہ بکواس نہیں سچ ہے سو فیصد سچ' میرے ہزبینڈ پاکستان سے باہر ہیں جس کے باعث میں ہاسٹل میں تنہا رہائش اختیار کرنے پر مجبور ہوں اور ایسے میں آپ جیسے لوگ جانے کب کیا اندازے لگاتے رہتے ہیں۔''

وہ اس کے قریب سے گزر کر باہر جاتے ہوئے بولی' شاہ زین کچھ بول نہ سکا' حبیبہ کے اس انکشاف نے اسے سن کر دیا اور وہ اپنی جگہ ساکت کھڑا رہ گیا۔

* * *

''میں مریم اور جاذبیہ کو اسکول سے لے کر گھر واپس آ رہی تھی جب وہ خوفناک حادثہ رونما ہوا جس نے میرے ہوش و حواس کو کچھ دیر کے لیے مفلوج کر دیا ایک منٹ پوری بات بتانے سے قبل میں آپ کو واضح کر دوں جاذبیہ کون تھی؟

جاذبیہ دراصل جگنو کا وہ نام تھا جو اس کے برتھ سرٹیفکیٹ پر درج تھا جبکہ جگنو تو میں اسے صرف پیار سے پکارتی تھی۔ ہاں تو میں آپ کو اس حادثہ کے بارے میں بتا رہی تھی' جب روڈ کراس کرتے ہوئے بالکل اچانک ہی ایک تیز رفتار گاڑی مریم کو ٹکر مارتی گزر گئی۔ اس کا سر فٹ پاتھ سے ٹکرایا اور وہ وہیں بے ہوش ہو کر گر گئی اسے اس طرح خون میں لت پت دیکھ کر میں اپنے حواس کھو بیٹھی' مریم کے گرد ایک جم غفیر اکٹھا ہو گیا بھانت بھانت کی

آوازیں میرے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں مجھ کو سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ کیا کرنا ہے جب یک دم مجمع کو چیرتا ہوا ایک شخص آگے بڑھا۔

“ہٹیں سب لوگ یہاں سے ...... بجائے بچی کو اسپتال لے جانے کے آپ سب لوگ یہاں کھڑے باتیں بنا رہے ہیں۔”

لوگوں کے لتاڑنے کے بعد اس نے میری جانب دیکھا۔

“گھبرائیں مت کچھ نہیں ہوا اسے معمولی زخمی ہے اسپتال جا کر مرہم پٹی ہوگی تو ٹھیک ہو جائے گی۔”

مجھے تسلی دینے کے بعد اس نے مریم کو گود میں اٹھالیا یہ دیکھے بنا کہ مریم کا خون اس کے سفید کلف شدہ لباس کو خراب کر رہا ہے۔

“پلیز آپ میرے ساتھ آئیں۔”

اور میں خاموشی سے روتی ہوئی جگنو کو گود میں لیے اس اجنبی شخص کی گاڑی میں جا بیٹھی کیونکہ اس وقت میرے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا وہ شخص کون ہے؟ یہ جاننے سے زیادہ ضروری میرے نزدیک میری بچی کی زندگی تھی اس کی بے ہوشی میرے دل کو ہولا رہی تھی مگر میں خدا پر مکمل بھروسا کیے اس کی گاڑی میں سوار اسپتال کی جانب رواں دواں تھی۔

* * *

“دیکھو بیٹا کوئی بھی مسئلہ اس طرح رونے دھونے سے حل نہیں ہوتا۔”

سالار نے اپنے سامنے بیٹھی، بری طرح روتی اس لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھ کر سمجھایا۔

“میرا مشورہ مانو ایک دفعہ ایشال سے مل لو اور ختم کرو اس کہانی کو جس نے تمہاری ساری زندگی کو ایک اذیت بنا دیا، میں نے صمد کو پہلے ہی سمجھایا تھا کہ تمہیں ایشال سے طلاق دلوا دے تاکہ ہم تمہاری بھی کہیں اور شادی کر سکیں اور تم ایک خوش گوار زندگی میں داخل ہو کر ماضی کی تمام تلخیوں کو بھلا سکو مگر جانے کیوں اس وقت تم دونوں نے ہی میری بات نہ مانی بہرحال اب بھی کچھ نہیں بگڑا صمد کی شرط کے مطابق ایشال تم سے ملاقات کرنے کو تیار ہے دوسرے لفظوں میں وہ تم سے مل کر تمہیں طلاق دینا چاہتا ہے۔”

اس نے روتے روتے اپنا سر اٹھایا۔

“ظاہر ہے بیٹا اگر وہ تمہارے ساتھ رہنا چاہتا تو اریشہ سے شادی بھی کیوں کرتا۔” سالار کی دلیل معقول تھی۔

“مگر انکل......”

طلاق کا خوف اس کے دل میں کسی ناگ کی طرح پھن پھلائے بیٹھا تھا اور یہ بات سالار سے زیادہ بہتر کون جان سکتا تھا۔

“کوئی اگر مگر نہیں۔ حقیقت کا سامنا کرو بچے زندگی ریت میں سر دے کر نہیں گزرتی اسے فیس کرنا پڑتا ہے ویسے بھی جب تک ایک مشکل ختم نہ ہو ہم آسانیوں کی راہ پر قدم نہیں رکھ سکتے میری بات سمجھ رہی ہو نا؟”

سالار آج اسے ہر بات کھل کر سمجھانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

“تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ تم ایشال سے طلاق لو تاکہ تمہاری کہیں اور شادی کی جا سکے ساری جوانی اس طرح تنہائی کا عذاب سہتے ہوئے نہیں گزر سکتی یہ ایک بہترین وقت ہے ٹھیک فیصلہ کرنے کا، اپنی مری ہوئی ماں کی روح کو سکون دینے کا اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ ہمت کرو اور اپنے حق میں فیصلہ کی خاطر ایشال کا سامنا کرو۔”

سالار انکل ٹھیک کہہ رہے تھے یہ ہی تو وہ وقت تھا جس کا انتظار جانے اسے کب سے تھا۔

"ٹھیک ہے انکل میں ایشال سے ملنے کے لیے تیار ہوں۔"

اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اس نے سالار کی جانب دیکھا۔

"مجھے تم سے یہ ہی امید تھی یاد رکھنا بیٹا مجھے اپنے رب پر پورا بھروسا ہے اس نے ضرور تمہارے لیے ایک ایسا متبادل رکھا ہوگا، جو پہلے سے کئی گنا بہتر ہوگا اور ان شاء اللہ وہ تمہیں ضرور مل کر رہے گا، جو تمہارے نصیب میں لکھا جا چکا ہے۔" وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولے۔

* * *

"تم نے حبیبہ سے بات کی تھی۔"

مما نے صوفے سے سر ٹکائے، آنکھیں موندے شاہ زین کا کندھا ہلایا۔

"جی مما۔"

وہ جلدی سے سیدھا ہو بیٹھا اس کی آنکھیں بالکل سرخ تھیں شاید اس کی نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔

"پھر کب ملوا رہے ہو مجھے اس کی آنٹی سے۔"

"شاید کبھی نہیں۔"

وہ نظریں چراتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

"کیوں۔"

مما کو حیرت ہوئی۔

"حبیبہ نے انکار کر دیا ہے کیا؟"

اس کے علاوہ کوئی وجہ ان کی سمجھ میں نہ آئی۔

"جی مما۔"

اس کی آواز رندھ گئی۔

"مما وہ شادی شدہ ہے اور مجھے دیکھیں میں اتنا بے خبر تھا کہ مجھے اس بات کا آج تک علم ہی نہ ہوا یہاں تک کہ کرن بھی اس کی شادی کے بارے میں قطعی کچھ نہیں جانتی، پتا نہیں مما مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا کہ حبیبہ نے اپنی شادی کے حوالے سے جو کچھ مجھ سے کہا آیا وہ سچ بھی ہے یا جھوٹ۔"

ایک بے بسی سے اس کے لہجہ میں در آئی۔

"شوہر کہاں ہے اس کا؟"

مما اس کی کسی بھی بات پر توجہ دیے بنا تیزی سے بولیں۔

"شاید کہیں باہر رہتا ہے کسی اور ملک میں میں نے پوچھا نہیں۔"

"اوہ میرے خدایا، اس کا مطلب میں جو کچھ سمجھ رہی تھی وہ سچ تھا۔"

ان کی آواز کپکپا رہی تھی یا شاید شاہ زین کو ایسا محسوس ہوا۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

وہ تیزی سے اوپر جانے والی سیڑھیوں کی جانب بڑھیں شاہ زین عالم حیرت میں گھر ان کے ساتھ ہولیا۔ جب وہ اسٹڈی کا دروازہ کھول کر پاپا کے عین سامنے جا کھڑی ہوئیں۔

"سالار۔"

انہوں نے پاپا کو پکارا' شاہ زین کو ان کی آواز رندھی ہوئی محسوس ہوئی ان کی آنکھیں سرخ تھیں یقیناً" وہ رو رہی تھیں۔

"حبیبہ کون ہے؟"

پاپا کے کچھ کہنے سے قبل ہی انہوں نے وہ سوال کردیا جسے سنتے ہی پاپا حیرت کے عالم میں منہ کھولے ان کی جانب دیکھنے لگے۔

"مجھے بتائیں سالار حبیبہ کون ہے؟"

اب وہ باقاعدہ رو رہی تھیں' شاہ زین کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا یہ سب کیا ہو رہا ہے وہ ہکا بکا ان دونوں کی جانب تک رہا تھا۔

"تم جو سمجھ رہی ہو وہ بالکل درست ہے نازیہ۔"

پاپا اپنا قلم ٹیبل پر رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے' آہستہ آہستہ چلتے وہ مما کے قریب آن کھڑے ہوئے۔

"حبیبہ زینب کی بیٹی ہے۔"

"اوہ میرے خدایا آپ نے آج تک مجھ سے یہ بات چھپائی اس لیے میں جب اسے دیکھتی تھی مجھے زینب کی یاد آجاتی تھی۔" پاپا خاموشی سے سر جھکائے کھڑے تھے۔

"وہ تمہاری بھابھی ہے شاہ زین' تمہارے بھائی ایشال کی منکوحہ جسے طلاق دیے بنا اس نے اریشہ سے شادی کرلی۔"

مما نے پلٹ کر شاہ زین کی جانب دیکھا جو اپنی جگہ بالکل ساکت کھڑا تھا یہ ایک ایسا انکشاف تھا جس نے اسے بالکل سن کردیا تھا اور وہ کچھ بھی بولنے کے قابل بھی نہ رہا تھا ایک کے بعد ایک انکشاف نے اسے دنگ کرکے رکھ دیا تھا۔

* * *

"پلیز آپ روئیں مت آپ کی بچی اب بالکل ٹھیک ہے صرف خوف کے باعث بے ہوش ہوگئی تھی اب ماتھے پر لگی چوٹ کی ڈریسنگ ہوگئی ہے' بچی بھی ہوش میں ہے آپ چاہیں تو میرے فون سے اپنے گھر اس حادثہ کی اطلاع دے سکتی ہیں۔"

سامنے کھڑے شخص نے موبائل میری جانب بڑھایا۔

میں جیسے یک دم ہوش میں آگئی مجھے یاد آیا حبیبہ صبح سے اوپر فائزہ کے پاس تھی' فرہاد جب دوپہر میں گھر آیا ہوگا تو ہمیں نہ پاکر یقیناً" پریشان ہوا ہوگا سوچ رہا ہوگا میں جانے کہاں گئی' یہ بھی سب سوچتے ہوئے میں نے اپنے پرس سے وہ پرچی نکالی جس پر فرہاد کا موبائل نمبر درج تھا اور خاموشی سے سامنے کھڑے شخص کی جانب بڑھادی اس نے نمبر ملایا اور فون میری سمت بڑھادیا۔

"ہیلو فرہاد میں زینب بات کررہی ہوں۔"

فرہاد کے فون ریسیو کرتے ہی میں بے قراری سے بولی۔

"کہاں ہو تم فائزہ کئی بار پوچھ چکی ہے' بچی نے رو رو کر اپنا برا حشر کرلیا ہے اور یہ کس کے نمبر سے بات کررہی ہو تم۔"

اسے جیسے اچانک ہی یاد آیا کہ میرے پاس تو موبائل فون ہی نہیں ہے۔ جواباً" میں نے اسے ساری بات بتادی۔

"اوہ کہاں ہو تم اس وقت' میرا مطلب کس اسپتال میں ہو اور مریم کیسی ہے؟"

اس کے لہجہ کی بے قراری مجھے اچھی لگی۔

”اب تو اللہ کا شکر ہے کہ وہ ٹھیک ہے۔“

جواب کے ساتھ ہی میں نے اسپتال کا نام بھی بتا دیا۔

”کیا ضرورت تھی اتنے مہنگے پرائیویٹ اسپتال جانے کی۔“

اسپتال کا نام سنتے ہی فرہاد کا موڈ آف ہو گیا۔

”قریب ہی ایک سرکاری ڈسپنسری تھی وہاں لے جاتیں مگر اب تمہیں کون سمجھائے تمہیں تو صرف ایک ہی شوق ہے کسی بہانے فرہاد کا روپیہ برباد کرنے کا۔“

وہ وقت ان باتوں کا نہیں تھا‘ میری کچھ دیر قبل والی خوشی کافور ہو گئی۔

”بہرحال میں آرہا ہوں۔“

میرا جواب سنے بنا اس نے فون بند کر دیا۔

”میرے ہزبینڈ آرہے ہیں۔“

میں نے فون اپنے سامنے کھڑے شخص کی جانب بڑھا دیا جو میری طرف ہی متوجہ تھا۔

”میرا خیال ہے آپ مسز فرہاد ہیں۔“

فون تھامتے ہی اس نے اپنا خیال ظاہر کیا جو سو فیصد درست تھا۔

میں حیران ہو گئی وہ مجھے کیسے جانتا تھا۔

”آپ شاید مجھے نہیں جانتیں میں فائزہ کا بھائی ہوں آپ کے گھر اس دن چابی کے لیے آیا تھا۔“

”اوہ۔۔۔“

تو یہ ہی سبب تھا جو وہ شخص مجھے کہیں دیکھا ہوا لگ رہا تھا۔

”آپ کی بچیاں تو اکثر مجھے فائزہ کے گھر دکھائی دیتی ہیں. بہرحال آپ کی بیٹی ڈسچارج ہو چکی ہے‘ میں فائزہ ہی کی طرف جا رہا ہوں آپ اگر چاہیں تو آپ کو بھی ڈراپ کر دوں گا۔“ وہ سوالیہ انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

”نہیں شکریہ آپ کا‘ بس فرہاد ابھی آتے ہی ہوں گے۔“

جانتی تھی اگر اس وقت میں فرہاد کو اسپتال میں نہ ملی تو کئی دنوں تک اس کا موڈ آف رہتا تھا نہ صرف یہ بلکہ اس نے مجھے بہت باتیں بھی سنانی تھیں اس لیے بہتر تھا سامنے کھڑے شخص کو صاف منع کر دیا جائے۔

”جیسے آپ کی مرضی۔“

مریم کو نرس نے میرے قریب ہی رکھی کرسی پر لا بٹھایا‘ ساتھ ہی ایک چھوٹا سا پلاسٹک کا بیگ. جس میں اس کی دوائیاں تھیں۔

”میں نے بل پے کر دیا ہے کچھ زیادہ نہیں تھا۔“

مجھے الجھن میں مبتلا دیکھ کر وہ فوراً“ ہی سمجھ گیا۔

”ویسے اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات پوچھوں۔“

وہ شخص گہری نظروں سے میری جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

”جی پوچھیں۔“

میں نے چادر کو اپنے گرد اچھی طرح لپیٹ لیا۔

”آپ استانی فضیلت کی بیٹی تو نہیں ہیں وہ جو مغل پورہ میں بچوں کو قرآن شریف پڑھاتی ہیں غالباً“ اس کا نام بھی زینب ہی تھا۔۔۔“

مجھے حیرت ہوئی فائزہ نے تو کبھی مجھ سے اس حوالے سے بات نہیں کی تھی۔

"پلیز آپ کچھ غلط مت سمجھیں میں بھی وہیں کا رہائشی ہوں، ہمارا گھر آپ کی دوسری گلی میں تھا آپ نے یقیناً مجھے نہیں دیکھا ہوگا مگر میں نے اکثر آپ کو اسکول سے گھر آتے جاتے دیکھا تھا۔"

"آپ نے ٹھیک پہچانا استانی فضیلت میری والدہ ہیں۔"

کسی شخص کی یادداشت اتنی اچھی بھی ہو سکتی ہے میں حیران تھی۔

"اچھا اللہ حافظ میں اب چلتا ہوں۔"

شاید وہ میری بے چینی بھانپ گیا تھا اس لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

میں نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کیوں کہ میں نہیں چاہتی تھی کہ فرہاد کے آنے تک وہ یہاں موجود رہے۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ آپ نے آج میری بہت مدد کی۔"

مجھے بروقت یاد آیا کہ اس شخص کی مہربانی کے باعث ہی آج مریم اسپتال پہنچ پائی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔"

مجھے جواب دے کر وہ شخص باہر نکل گیا۔

* * *

"بی بی جی آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔"

"کون ہے؟"

حبیبہ نے الماری کے پٹ بند کر کے رابعہ کی جانب دیکھا جو اسی ہاسٹل کی ملازمہ تھی۔

"پتا نہیں جی کوئی بیگم صاحبہ ہیں۔"

"بیگم صاحبہ۔" حبیبہ نے حیرت سے دہرایا۔

"یہ مجھ سے ملنے کون آگیا؟"

اس نے دل ہی دل میں سوچا ضرور مگر بولی نہیں۔

"اچھا انہیں بٹھاؤ میں آرہی ہوں۔"

بالوں کو اچھی طرح سنوار کر، گلے میں دوپٹا ڈالے جیسے ہی وہ ویٹنگ روم میں داخل ہوئی خلاف توقع اپنے سامنے موجود نازیہ کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"آنٹی آپ....."

وہ اتنی ایکسائیٹڈ ہوئی کہ سلام کرنا بھی بھول گئی۔

"ہاں بیٹا میں....." وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"پلیز آنٹی، بیٹھیں آپ۔"

"مجھے معاف کر دینا حبیبہ میں نہیں جانتی تھی کہ تم کون ہو۔"

حبیبہ کے قریب آکر اسے سینے سے لگاتے ہوئے وہ اتنا بے اختیار رو لیں کہ حبیبہ ہکا بکا رہ گئی۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو سالار انکل نے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

نازیہ آنٹی کے رویے نے اس پر ہر بات واضح کر دی۔

"ہاں بیٹا وہ سب کچھ جس کا تعلق تمہاری ماں کی ذات سے تھا آج ہم وہ سب جان گئے جو نہ جانتے تھے اور اللہ

تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے ہم اس کے لیے بہت کچھ غلط سمجھتے رہے، ہمیشہ اس غلط فہمی کا شکار رہے کہ تم شاید فرہاد کی بیٹی ہی نہیں ہو یہ سب وہ غلط باتیں ہیں جو فضہ بھابھی نے شروع دن سے ہی ہمارے دلوں میں ڈال دی تھیں ایسی باتیں جو میں اور صباحت چاہ کر بھی دل سے نہ نکال سکے۔ بہرحال بیٹا اب ہو سکے تو ہمیں معاف کر دو بے شک گزرا وقت واپس نہیں آسکتا پھر بھی ہم یہ چاہیں گے کہ تمہارے ساتھ جو بھی زیادتی آج تک ہوئی ہے اس کا کسی حد تک ازالہ کیا جاسکے۔“

وہ رو رہی تھیں جواباً حبیبہ کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا۔

”رات میری مریم اور جاذبیہ دونوں سے بات ہوئی ہے وہ دونوں بھی بے حد شرمندہ ہیں اور تم سے ملنا چاہتی ہیں بس بیٹا تم ہم سب کو معاف کر دو۔“

انہوں نے روتی ہوئی حبیبہ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

”پلیز آنٹی آپ مجھے شرمندہ مت کریں۔“

اتنی محبت کا تو حبیبہ نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا‘ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر نازیہ کے بندھے ہاتھ کھول دیے۔

”آنٹی میری اماں آپ سے بہت محبت کرتی تھیں انہوں نے ہمیشہ آپ کو اچھے الفاظ میں یاد کیا۔“

”ہاں بیٹا میں جانتی ہوں وہ مجھ سے اپنی سگی بہن سے بھی بڑھ کر محبت کرتی تھی بس میں ہی اپنی ناسمجھی کے باعث دوسروں کی باتوں میں آگئی میں تمہیں یہاں سے لینے آئی ہوں اپنا سامان پیک کرو تمہیں آج اور اسی وقت یہاں سے جانا ہے تم یہ ہاسٹل چھوڑ رہی ہو اور یہ ہم سب کا متفقہ فیصلہ ہے۔“

وہ شاید سب کچھ طے کر کے آئی تھیں۔

”مگر آنٹی.....“

”اگر مگر کچھ نہیں جلدی جلدی سامان پیک کرو اور ہمارے ساتھ گھر چلو۔“

پشت کی جانب سے آئی یہ آواز یقیناً سالار انکل کی تھی حبیبہ حیرت سے پلٹی۔

”ہاں بیٹا ہماری کوتاہیوں کے باعث تم نے بہت قید تنہائی کاٹ لی اب ہم میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتا کہ تم مزید ایک پل بھی یہاں رہو۔“

سارے فیصلے ہو چکے تھے حبیبہ کے پاس انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”میں تمہارا ویٹ کر رہی ہوں تم اپنا سامان لے آؤ۔“

”او کے آنٹی۔“

جواب دے کر وہ باہر نکل آئی۔

* * *

”کیا ضرورت تھی اتنے مہنگے اسپتال جانے کی‘ قریبی کسی کلینک سے پٹی کروالیتیں بلاوجہ اتنا پیسہ برباد کیا۔“

یہ وہ جملہ تھا جو جانے دن میں کتنی بار مجھے فرہاد سے سننا پڑتا جبکہ بل کی مد میں خرچ ہونے والی رقم وجاہت نے ہم سے نہیں لی تھی۔ فرہاد کی اس گفتگو نے مجھے جی بھر کر بدظن کر دیا‘ مریم اب بالکل ٹھیک تھی ماتھے پر زخم کا نشان بھی خاصا مندمل ہو چکا تھا۔ مریم کے ساتھ پیش آنے والے اس اتفاقی حادثہ نے مجھے فائزہ کے خاصا قریب کر دیا شاید اس کی ایک وجہ وجاہت بھی تھا عموماً جب بھی میں اوپر جاتی وہ پہلے سے ہی موجود ہوتا ورنہ فائزہ مجھے نیچے سے بلا کر لے جاتی‘ ان دونوں بہن بھائیوں کی سنگت میں میرا وقت اتنا اچھا گزرنے لگا کہ میں آہستہ آہستہ اپنے گھر

کی تلخیاں بھولنے لگی۔

وجاہت اپنی بہن کے لیے جب بھی کچھ لاتا میرا حصہ ضرور ہوتا اور پھر جانے کیسے ایسا ہوا کہ ہم دونوں کے درمیان سے فائزہ نکل گئی اب صرف میں اور وجاہت ہی رہ گئے یہ سب کیسے ہوا مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ وہ میری اتنی تعریفیں کرتا کہ میرا دل چاہتا وہ اسی طرح بولتا رہے اور میں اس کے سامنے بیٹھی سنتی رہوں اور اس دن تو میں بہت ہی حیران ہوئی جب وجاہت نے بتایا کہ وہ مجھے شادی سے پہلے پسند کرتا ہے اس نے اعتراف کیا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا تھا اور وجاہت کی یہ بات سن کر جانے کتنے دنوں تک میں ایک صدمے کی سی کیفیت میں مبتلا رہی۔

"کاش وجاہت مجھے شادی سے پہلے مل جاتا تو یقیناً" آج فرہاد کی جگہ وہ ہوتا اور پھر صورت حال قدرے مختلف ہوتی۔"

رفتہ رفتہ اس سوچ نے میرے دماغ کو بالکل مفلوج کردیا۔ فرہاد سے مجھے بالکل انسیت نہ رہی وہ میرے لیے قطعی اجنبی بن گیا، پہلے وہ مجھے اگنور کرتا تھا اب میں نے اسے اگنور کرنا شروع کردیا وقت نے مجھے ضرورت اور محبت کے درمیان فرق سمجھا دیا۔ وجاہت کی محبت نے مجھے اپنی نظروں میں دنیا کی حسین ترین عورت قرار دے دیا، میں بھول گئی کہ ایک شادی شدہ عورت ہونے کے ناطے میرے فرائض کیا ہیں؟ میں اپنی تینوں بچیوں کو یکسر فراموش کرکے وجاہت کی محبت میں غرق ہوگئی۔

اس کا تعریفیں کرنا، میری ہر ضرورت کا خیال رکھنا، یہاں تک کہ محبت سے میری جانب تکنا، یہ سب وہ کچھ تھا جو مجھے آٹھ سالہ ازدواجی زندگی میں کبھی نہ ملا وجاہت نے میری ترسی روح کو سیراب کردیا۔ کیا گناہ کیا ثواب اپنے نفس کی تسکین کے لیے میں سب کچھ بھلا بیٹھی۔ کسی نے صحیح کہا ہے "عورت اور مرد کی تنہائی میں تیسرا وجود شیطان کا ہوتا ہے۔" وہ شیطان ہم دونوں کے درمیان داخل ہوچکا تھا اپنے آپ کو تباہی کے دہانے کی طرف دھکیل کر شاید میں فرہاد سے انتقام لے رہی تھی۔ میں سارا دن نک سک سے تیار رہتی میری یہ تیاری وجاہت کے لیے ہوتی فرہاد میری طرف متوجہ ہے یا نہیں اس بات کی اہمیت میرے نزدیک بالکل ختم ہوگئی تھی۔

* * *

آج ملک انکل کے ساتھ آنٹی اور ایشال بھی آرہے تھے، شاید اریشہ بھی ان کے ساتھ تھی، مگر اسے کسی سے بھی کوئی دلچسپی نہ تھی اس کے لیے پریشانی کی بات تو صرف یہ تھی کہ شاہ زین اسے مسلسل اگنور کررہا تھا وہ جب سے یہاں آئی تھی اس کا سامنا بہت کم ہی شاہ زین سے ہوتا، مگر جب بھی کبھی اتفاق سے وہ اس کے سامنے آتا ایک دم ہی اجنبی سا بن جاتا اور یہ بھی بات حبیبہ کے لیے باعث تکلیف تھی ابھی کچھ دیر قبل ہی اسے نازیہ آنٹی نے بتایا تھا کہ انکل اور آنٹی صباحت کے ساتھ ایشال اور اریشہ اس سے ملنے آرہے ہیں لہٰذا وہ اچھی طرح تیار ہوکر نیچے آجائے، مگر وہ نہایت بددلی سے بیڈ پر بیٹھی جانے کیا سوچ رہی تھی جب کمرے کا دروازہ کھول کر کوئی اور داخل ہوا۔

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں نیچے مما تمہارا انتظار کررہی ہیں۔"

یہ آواز یقیناً" شاہ زین کی تھی اس نے چونک کر سر اٹھایا وہ اس کے عین سامنے سینے پر دونوں ہاتھ باندھے کھڑا اس کی ہی جانب متوجہ تھا۔ شاہ زین کو آج اتنے دنوں بعد خود سے مخاطب دیکھ کر وہ یک دم ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی آنسو خود بخود اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔

"تم آن حبیبہ خود کو مضبوط کرو، ایشال کو احساس دلاؤ کہ وہ تمہارے لیے اتنا ہی غیر اہم ہے جتنی تم اس کے لیے، اس کا سامنا خود اعتمادی سے کرو، جتنے آنسو بہانا ہے ابھی بہالو اور رولو جتنا رونا ہے مگر خدا کے لیے اس کے سامنے

اس طرح مت رونا اس کے سامنے بہنے والا ایک آنسو کا قطرہ بھی تمہاری اہمیت ختم کردینے کے مترادف ہے میری بات سمجھ رہی ہونا۔"

حبیبہ کے آنسو اسے بے چین کرگئے۔

"میں اس کے لیے نہیں رو رہی۔"

حبیبہ نے تیزی سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے وضاحت دی۔

"میں تو صرف اس لیے رو رہی ہوں کہ آج اتنے دنوں بعد تم نے مجھے مخاطب کیا، مجھ سے بات کی، تمہیں اس طرح اچانک اپنے سامنے دیکھ کر مجھے اتنی خوشی ہوئی ہے کہ بے اختیار ہی آنسو آنکھوں سے بہہ نکلے ورنہ ایشال میرے لیے اتنا اہم نہیں کہ اس کے لیے اپنے قیمتی آنسو ضائع کروں۔"

اس کی فطری خود اعتمادی لوٹ آئی۔

"گڈ مجھے ایسی ہی حبیبہ چاہیے خود اعتماد اور حاضر جواب، اب وہ کچھ ہی دیر میں پہنچنے والے ہیں جلدی سے تیار ہو کر نیچے آجاؤ۔"

شاہ زین کا دل بہت کچھ کہنے کو چاہا، مگر وہ اتنا ہی کہتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ گیٹ کے دوسری طرف تیز ہارن کی آواز سنائی دی اس نے کھڑکی کا پردہ ذرا سا سرکا کر نیچے جھانکا گاڑی ملک انکل کی تھی، خان چاچا نے گیٹ کھول دیا تھا وہ پردہ چھوڑ کر تیزی سے الماری کی جانب بڑھی اپنا ڈریس نکالا اور باتھ روم میں گھس گئی۔

* * *

آج فضہ بھابھی کے گھر میلاد تھا، میں فرہاد کے ساتھ جب وہاں پہنچی تقریباً" میلاد ختم ہونے والا تھا۔ میلاد کے بعد کھانے کا اہتمام خواتین کے لیے چھت پر ہی تھا سب سے فارغ ہو کر میں نیچے آئی جہاں لاؤنج میں فرہاد، اسفند بھائی کے ساتھ موجود تھا، مجھے جلدی واپس گھر جانا تھا کیوں کہ صبح مریم اور جاذبہ (یہ جگنو کا اصل نام تھا اور وہ جب سے اسکول داخل ہوئی تھی میں اسے اسی نام سے پکارنے کی عادی ہو چکی تھی) کا اسکول تھا اور جاذبہ اگر کسی وجہ سے سونے میں لیٹ ہو جاتی تو صبح اٹھتے سے بہت تنگ کیا کرتی۔

"فرہاد کھانا کھالیا ہے تو آجائیں گھر چلیں۔"

تیزی سے بولتے ہوئے میرا جملہ درمیان میں ہی رہ گیا، لاؤنج میں فرہاد اور اسفند بھائی کے ساتھ ایک تیسری شخصیت بھی موجود تھی جس پر پڑنے والی پہلی نظر نے ہی مجھے ساکت کردیا میرے عین سامنے والے صوفے پر سالار موجود تھا۔

"السلام علیکم زینب کیسی ہیں آپ....؟" مجھے دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"شکر الحمدللہ بالکل ٹھیک ہوں، آجائیں فرہاد دیر ہو رہی ہے۔"

اسے جواب دے کر میں نے فرہاد کو مخاطب کیا اور خود لاؤنج سے باہر نکل آئی۔ سالار اور نازیہ نے پچھلے کچھ عرصہ میں مجھے اگنور کیا تھا جس کا احساس ابھی بھی میرے دل میں پوری طرح موجود تھا یہ ہی وجہ تھی جو میرا دل سالار سے زیادہ بات کرنے کو بالکل نہیں چاہا۔

* * *

"تم نے ایک بات نوٹ کی؟"

فضہ بھابھی نے حسب عادت سسپنس پھیلاتے ہوئے سوال کیا۔

"کون سی بات؟" صباحت جانتی تھیں ان کی پٹاری میں ضرور کوئی نئی بات موجود ہوگی۔

"زینب خاصی بدل گئی ہے۔"

جانے کیوں زینب ہمیشہ ان کی خصوصی توجہ کا مرکز رہی اور یہ بات صباحت سے زیادہ بھلا کون جان سکتا تھا۔

"میں آپ کی بات سمجھی نہیں بھابھی آپ کس تبدیلی کی بات کررہی ہیں؟"

"زینب کے رویہ کی جو پہلے سے بالکل بدل چکا ہے پہلے والی اپنائیت اور لگاوٹ تو اب اس میں سرے سے غائب ہو چکی ہے اس کی جگہ عجیب سی سرد مہری اس کے مزاج کا حصہ بن گئی ہے۔"

جانے ان کا پیش کردہ تجزیہ درست تھا یا غلط، صباحت سمجھ نہ پائیں۔

"میری تو ایک ماہ قبل فون پر اس سے بات ہوئی تھی مجھے تو ایسا کچھ محسوس نہیں ہوا۔"

"اچھا۔۔۔"

فضہ بھابھی کچھ مایوس سی ہو گئیں۔

"ہو سکتا ہے، مگر جانے کیوں مجھے زینب کچھ عجیب سی لگنے لگی ہے۔" وہ اپنی بات سمجھا نہیں پا رہی تھیں۔

"چلو خیر ہمیں کیا۔"

وہ سمجھ چکی تھیں کہ صباحت ان کی گفتگو میں دلچسپی نہیں لے رہیں اس لیے ہی انہوں نے بات کو ختم کرتے ہوئے کہا۔

"لگتا ہے مسلسل بچیوں کی پیدائش نے اسے تھوڑا سا بددل کر دیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔"

صباحت نے ان کی بات سے مکمل طور پر اتفاق کیا۔

* * *

فرہاد کافی دیر سے فون پر بزی تھا اس کی گفتگو سے میں اندازہ لگا چکی تھی کہ یقیناً" دوسری جانب یاسمین آپا ہیں، مگر اب میں نے ان فون کالز سے پریشان ہونا چھوڑ دیا تھا، وہ دونوں بہن بھائی کیا بات کر رہے تھے مجھے اب یہ سب جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ فرہاد کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے میں ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھی جب اچانک اوپر جانے والی سیڑھیوں سے فائزہ نے مجھے آواز دی۔

"زینب آپی۔۔۔ زینب آپی۔"

"ہاں کیا ہوا؟" ٹی وی آف کر کے میں فوراً" صحن میں نکل آئی۔

"مچھلی کھائیں گی وجاحت بھائی لے کر آئے ہیں۔"

وہ سیڑھیوں کے اوپر منڈیر پر جھکی مجھ سے پوچھ رہی تھی وجاہت پچھلے دو دن سے اپنے چھوٹے بھائی کے پاس حیدر آباد گیا ہوا تھا اب فائزہ کی بات سنتے ہی میں سمجھ گئی کہ وہ واپس آ چکا ہے میرا دل یک دم ہی خوشی سے بھر گیا۔

"میں اوپر ہی آ رہی ہوں۔"

اسے جواب دے کر میں نے جلدی جلدی اپنا حلیہ درست کیا اور اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ مجھے پیچھے کی کوئی فکر نہیں تھی کیوں کہ جانتی تھی کہ میں کتنی ہی دیر بعد گھر واپس آؤں فرہاد نے کوئی پروا نہیں کرنی یہاں تک کہ بستر میں جانے سے قبل اس نے آواز دے کر مجھے نیچے بھی نہیں بلانا" اس کے اس قسم کے رویہ نے ہی مجھے شاید اس قدر آزاد اور خود سر بنا دیا تھا یا شاید میں بھی دوسروں کی طرح اپنی غلطیوں کا الزام خود سے منسلک دوسرے افراد پر ڈالنے کی عادی ہوتی جا رہی تھی۔

* * *

بے چینی ایشال کے چہرے سے چھلک رہی تھی‘ اریشہ نے ایک نظر بغور اس کے چہرے کی جانب تکا اور دوسری نظر اپنے بالکل سامنے بیٹھی صباحت آنٹی پر ڈالی جو نہایت اطمینان سے نازیہ آنٹی سے محو گفتگو تھیں وہ نفرت جو حبیبہ کا نام سنتے ہی ان کے چہرے پر چھا جایا کرتی تھی آج سرے سے غائب ہو چکی تھی یعنی کافی کچھ بدل چکا تھا اور جو رہ گیا تھا وہ کچھ ہی دیر میں تبدیل ہونے والا تھا۔ وہ کہانی جو آج کئی سال قبل شروع ہوئی تھی بہت سارے لوگوں کو کئی عرصہ تک تکلیف میں مبتلا رکھ کر آج ختم ہونے والی تھی۔

اس نے بے چینی سے پہلو بدلا جانے حبیبہ اب تک کیوں نہیں آئی تھی وہ بڑی شدت کے ساتھ اس کی آمد کی منتظر تھی وہ اسے دیکھنا چاہتی تھی اس سے ملنا چاہتی تھی حبیبہ نامی وہ تلوار‘ جو کئی سالوں سے ان دونوں میاں بیوی کے سر پر لٹک رہی تھی آج اس سے نجات کا دن تھا‘ وہ چاہ رہی تھی کہ ہر عمل بخوبی انجام پا جائے اور جتنی جلد ہو سکے ایشال حبیبہ کو طلاق دے دے۔

وہ ان ہی سوچوں میں غرق تھی جب دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اس نے فوراً“ گردن گھما کر دیکھا اندر داخل ہونے والا شاہ زین تھا اس کے ساتھ ساتھ ایشال کے چہرے پر بھی ایک مایوسی سی چھا گئی۔

* * *

”ایک بات کہوں زینب۔“

وجاہت نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟“ میں نے سر اس کے کندھے سے ٹکاتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

”مجھ سے شادی کرو گی۔“

”کیا......“

میں نے جھٹکے سے آنکھیں کھولتے ہوئے سیدھی ہو گئی‘ کچھ سال قبل یہ جملہ اسی طرح میرے کانوں نے سنا تھا‘ مگر کہنے والا شخص کوئی اور تھا آج پھر میں اسی جگہ کھڑی تھی وہ ہی جملہ اور ویسی ہی محبت‘ مگر کہنے والا کوئی اور......

”میری بات کا جواب دو زینب۔“

میری خاموشی نے شاید اسے پریشان کر دیا۔

”مگر یہ کیسے ممکن ہے میں تو پہلے ہی شادی شدہ ہوں۔“

اس دفعہ میرا لہجہ پہلے سے خاصا کمزور تھا وہ مضبوطی جو سالار کو جواب دیتے ہوئے میرے انداز میں تھی آج وہ کہیں نہ تھی شاید فرہاد کے رویہ نے مجھے اندر سے توڑ دیا تھا۔

”ہمارے مذہب میں طلاق رکھی ہی اس لیے گئی ہے کہ ہم اپنی ناپسندیدہ زندگی سے نجات حاصل کر سکیں‘ ہمیں کہیں پابند نہیں کیا گیا کہ ایک مسلسل ازیت میں رہتے ہوئے جیسے تیسے اپنی زندگی پوری کرو اور مر جاؤ۔ قرآن میں کہیں عورت کے لیے یہ حکم نہیں ہے کہ وہ دوسری شادی نہیں کر سکتی۔“ وہ مجھے سمجھاتے ہوئے بولا۔

”مگر وجاہت میری بچیاں......“

ایک اور کمزور دلیل۔

”مجھے تمہاری بچیاں پالنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے‘ لیکن یہ تم پر منحصر ہے اگر تم چاہو تو......“

”دنیا کیا کہے گی اگر میں فرہاد کو چھوڑ کر تم سے شادی کر لوں پورا خاندان مجھ پر تھو تھو کرے گا۔“ میری آواز خاصی دھیمی تھی۔

"ایک ناجائز تعلق دنیا کے سامنے آنے سے بہتر ہے کہ اسے جائز کرلو۔ دنیا سے زیادہ اللہ کا خوف دل میں رکھو سب آسان ہوجائے گا۔" وجاہت کی ہر بات درست تھی میں سوچنے پر مجبور ہوگئی۔

"تقدیر بدلنے کا ایک موقع ہر انسان کو ضرور ملتا ہے۔"

سالار کے الفاظ ایک بار پھر میرے کان سے ٹکرائے، مجھے تو قدرت نے ایک کے بعد دوسرا موقع فراہم کردیا تھا اب مجھ پر منحصر تھا میں اس موقع سے فائدہ اٹھاؤں یا ایک بار پھر سے رد کرکے پرانی زندگی میں لوٹ جاؤں، مگر اب کی بار میرا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔

"پھر کیا سوچا زینب؟" وہ منتظر انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے کچھ ٹائم دو میں اچھی طرح سوچ لوں۔" یہ میری طرف سے نیم رضامندی تھی۔

"جتنا چاہو ٹائم لے لو، مگر میں یہ چاہوں گا کہ تمہارا فیصلہ میرے حق میں ہو کیوں کہ میں اب تمہارے بنا زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔"

اس نے ایک محبت بھری نگاہ میرے چہرے پر ڈالی ایسی نگاہ جس نے مجھے ساری دنیا بھلا کر صرف اسی کا ہی کردیا تھا۔ ویسے بھی وہ شادی شدہ نہ تھا۔ سالار کے ساتھ نازیہ کی موجودگی مجھے اس سے دور کرنے کا باعث بنی تھی اور یہاں ایسا کچھ نہ تھا اسی لیے میں مطمئن تھی۔

(آئندہ ماہ آخری قسط ملاحظہ فرمائیں)

* *

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے 4 خوبصورت ناول

میرے خواب لوٹا دو	کسی راستے کی تلاش میں	شریک سفر	ساری بھول ہماری تھی
نگہت عبداللہ	میمونہ خورشید علی	زہرہ ممتاز	راحت جبیں
قیمت -/400 روپے	قیمت -/350 روپے	قیمت -/550 روپے	قیمت -/300 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی

فون نمبر: 32735021

راشدہ رفعت

بدمزاج

میرے گھر کی اوپر' نیچے کی دو منزلوں میں تین کنبے بستے تھے اور ان تین کنبوں کے کل افراد کی تعداد پندرہ تھی۔ ان پندرہ لوگوں میں دادی کو شامل کرلیا جاتا تو تعداد سولہ ہوجاتی۔ ان سولہ افراد کے ساتھ میں پچھلے بائیس برس سے زندگی گزار رہی تھی۔ ظاہر ہے سب کے ساتھ میرا خون کا رشتہ تھا ہاں دادی کے ساتھ خون کے رشتے کے ساتھ دل اور روح کا بھی رشتہ تھا۔ میں دو سال کی تھی کہ امی دوسرے بچے کی پیدائش کے وقت زچگی میں پیچیدگی کے باعث زندگی کی بازی ہار گئیں۔ امی کی پہلی برسی سے بھی پہلے ابا دوسری بیوی بیاہ لائے تھے۔ سوتیلی ماں کے روایتی ظلم و ستم کی داستانیں کہانیوں فلموں اور ڈراموں میں بار بار دہرائی جاتی ہیں لیکن مجھے سوتیلی ماں کا کوئی عتاب نہ سہنا پڑا کیونکہ امی کے انتقال کے بعد دادی نے مجھے اپنی پرشفقت آغوش میں سمیٹ لیا تھا۔

سوتیلی ماں کو تو میں اپنے تایا کے بچوں کی دیکھا دیکھی ایک عرصے تک چچی کہہ کر پکارتی رہی تھی پھر جب ہوش سنبھالا تو ایک روز میرے سر میں تیل کی مالش کرتے ہوئے دادی نے مجھے بہت پیار سے سمجھایا کہ زرینہ چچی صرف تایا کے بچوں کی چچی ہیں ابا کی بیوی ہونے کے حوالے سے وہ میری ماں کے رتبے پر فائز ہیں سو مجھے انہیں امی کہہ کر بلانا چاہیے۔ میں بچپن میں بہت ضدی قسم کی بچی تھی۔ کسی بات پر اڑ جاتی تو اڑ جاتی' کوئی مجھ سے زور زبردستی بات نہ منوا سکتا تھا۔ دادی مجھے جو بات سمجھا رہی تھیں وہ اس سے پہلے میری تائی' پھوپھی اور حتی کہ زرینہ چچی تک سمجھا چکی تھیں لیکن میں انہیں امی کہنے پر تیار نہ ہوتی تھی۔ میری امی کی فوٹو تو دادی کے بکسے میں پڑی تھی' جس میں امی گوٹے والا غرارہ پہنے ابو کے ساتھ کھڑی مسکرا رہی تھیں۔

خیر دادی کی بات میری عقل میں سما ہی گئی اور میں نے زرینہ بیگم کو امی کہنا شروع کردیا تھا لیکن وہ صرف نام کی ہی امی تھیں عملی طور پر دادی میری ماں تھیں اور میں دادی کی بیٹی تھی۔ دادی مجھے صبح جگاتیں۔ ہاتھ' منہ دھلوا کر ناشتا کرواتیں پھر انگلی پکڑ کر خود اسکول چھوڑ کر آتیں حالانکہ تائی' چچی اور امی کے بچے بھی اسکول جاتے تھے لیکن وہ گھر کے پاس والے اسکول میں ہی جاتے تھے۔ دادی نے مجھے سڑک پار والے زیادہ اچھے اسکول میں داخل کروایا تھا میں پڑھائی میں اپنے گھر کے سب بچوں میں سب سے اچھی تھی۔ ہمارے گھر میں پڑھائی کا خاص رجحان نہ تھا۔

ابو' تایا اور چچا کی مین بازار میں کراری کی تین بڑی دکانیں تھیں۔ تایا کے دونوں بیٹے چھوٹی عمر سے ہی اسکول چھوڑ چھاڑ کر تایا کے ساتھ دکانیں سنبھال چکے تھے۔ چچا کی کوئی اولاد نرینہ ہی نہ تھی اور میرا چھوٹا بھائی (ابو اور زرینہ امی کا بیٹا) بھی تایا کے بچوں کے نقش قدم پر چلنے کا ارادہ ظاہر کرچکا تھا۔ خیر ابو اسے زبردستی پڑھنے بھیجتے تھے باقی بچی گھر کی لڑکیاں تو انہیں انڈین فلمیں دیکھنے گانے سننے اور جیز اکٹھا کرنے کا شوق تھا۔ سب سے پہلے میری تایا زاد بہن نوشین کی شادی ہوئی۔ اس کی شادی میری پھوپھو کے بیٹے سے ہوئی تھی فہد بھائی کی کاسمیٹکس شاپ تھی۔ پھر تایا ابو

کے ذیشان کی شادی چچا کی فرح سے ہو گئی۔ چچا کی دوسری دو بیٹیوں کے رشتے چھوٹی عمر میں ان کے ننھیال میں طے پا گئے۔ ہمارا پورا گھرانہ بنیادی طور پر کاروباری گھرانہ تھا صرف مجھے ہی پڑھنے کا شوق تھا اور دادی کو مجھے پڑھانے کا لیکن جب میں نے ہائر سیکنڈری اسکول سے ایف اے کا امتحان پاس کر لیا تو جیسے دادی کے شوق کو قرار مل گیا۔

"خیر سے بہت پڑھ لیا فریحہ۔ اب کچھ گھرداری بھی سیکھ لے۔"

"ابھی سے گھرداری سیکھ کر کیا کروں گی دادی' ابھی تو میں نے بی اے کرنا ہے پھر ایم اے' اس کے بعد ایم ایڈ پھر۔۔۔"

"بی اے کالج سے ہو گا اور کالج بہت دور۔ تیرا باپ کبھی جانے کی اجازت نہ دے گا۔" دادی نے ترنت میری بات کاٹی تھی۔

"آپ اجازت دلوائیں گی تو کیوں نہ ملے گی اجازت

Copyrighted material

آخر آپ میرے باپ کی ماں ہیں۔"

"ماں ہوں اس کی اسی لیے جانتی ہوں اس کے مزاج اور عادتوں کو وہ تیرے ہاتھ پیلے کرنے کی سوچ رہا ہے۔ اس کے نزدیک تجھے آگے پڑھانا وقت اور پیسے کا ضیاع ہے۔" دادی ذرا افسردگی سے بولی تھیں۔

"اچھی دادی، پیاری دادی آئیں آپ کے سر میں تیل لگاؤں کتنے دن سے آپ نے تیل کی مالش نہیں کروائی۔" میں نے دادی کا ہاتھ پکڑ کر انہیں چارپائی پر بیٹھایا اور جھٹ تیل کی شیشی اٹھالائی۔ تیل کی اس شیشی کا ہم دادی، پوتی کی زندگی میں بڑا گہرا عمل دخل تھا۔ جب میں دادی کی کوئی بات ماننے سے انکاری ہوجاتی تو دادی مجھے زبردستی اپنے پاس بٹھا کر سر میں تیل کی مالش شروع کردیتیں۔ دادی کی انگلیوں کی حرکت سے عجیب سا سرور میرے رگ و پے میں سرایت کرجاتا یا یوں سمجھیں کہ میں ہپناٹائز سی ہوجاتی اور دادی نے مجھ سے جو بات منوانی ہوتی منوالیتیں۔

جب میں کچھ بڑی ہوئی تو میں نے دادی کا وار ان ہی پر الٹانا شروع کردیا۔ اب میں دادی کے سر کا مساج کرتی اور غنودگی میں جاتی دادی سے اپنی ضد منوالیتی۔ دادی سے کالج جانے کی اجازت اسی تیل کی شیشی کے طفیل ملی تھی اور جب دادی نے اجازت دے دی تو ابا کو بھی اجازت دیتے ہی بنی تھی۔ دادی چونکہ ابا کی ماں تھیں اس لیے ان کی بات ماننا ابا کی مجبوری تھی ویسے اس گھر میں عورتوں کی بات ماننے کا کوئی رواج نہ تھا۔ اس گھر کے مرد عورتوں کو اچھا کھلاتے، عمدہ پہناتے، لیکن انہیں رعایا سے زیادہ درجہ دینے پر تیار نہ ہوتے۔ رعایا بھی اپنے حال میں مست اور مگن تھی انہیں بادشاہ سلامت سے کوئی شکایت نہ تھی۔

لیکن اگر کبھی ابا یا تایا کی دکان پر میرا جانا ہوتا تو میں حیران رہ جاتی کہ گھر کی خواتین سے تیوریا چڑھا کر بات کرنے والے جب گاہک خواتین کو سودا بیچ رہے ہوتے ہیں تو خوش خلقی کتنے عروج پر ہوتی ہے۔ میں گھر کی جملہ خواتین کو سمجھاتی کہ وہ صرف اچھا کھانے اور عمدہ پہننے پر اکتفا نہ کریں بلکہ اپنے شوہروں سے اپنے حقوق بھی مانگیں کم از کم یہ حق تو تسلیم کروائیں کہ مرد انہیں کڑک دار اور بارعب انداز میں مخاطب کرنے کے بجائے دھیمے اور نرم لہجے میں پکاریں۔ میری بات سن کر ہمارے گھر کی عورتیں ہنسنے لگتی تھیں۔ اور جب میں نے فرسٹ ڈویژن میں بی اے پاس کرلیا تو دادی سے کہا کہ وہ مجھے ابا سے کہہ کر ایم اے کی کتابیں منگوادیں۔ میں نے یونیورسٹی جانے کی فرمائش کرکے دادی کو آزمائش میں نہ ڈالا تھا میرا خیال تھا کہ میں گھر بیٹھے کسی آسان سبجیکٹ میں ایم اے کرلوں گی۔

"بی اے پاس کرلیا۔ یہ ہی بہت ہے میری بچی۔ تیرا باپ آج کل بہت شدومد سے تیرے لیے رشتہ ڈھونڈ رہا ہے۔ نوشین، افشین کی شادیاں کتنی چھوٹی چھوٹی عمروں میں ہوگئی تھیں۔ تیرے باپ کے خیال میں تو تیری شادی بھی بہت پہلے ہوجانی چاہیے تھی وہ تو میں نے زور زبردستی سے تجھے بی اے کروا دیا، لیکن بس اب ایم اے کا خیال دل سے نکال دے۔" دادی رسانیت سے گویا ہوئی تھیں۔

"اچھا دادی، کتابیں تو منگوادیں جیسے ہی ابا نے میرے لیے رشتہ ڈھونڈ لیا۔ میں کتابیں الماری میں رکھ کر جہیز کی خریداری شروع کردوں گی۔" میں نے لجاجت سے دادی کو مخاطب کیا۔ دادی نے کتابیں منگوادیں تھیں اور ابا نے رشتے کی تلاش مزید تیز کردی۔ میں رات دن یہی دعا مانگتی تھی کہ ابا کی رشتہ ڈھونڈو مہم دو سال سے پہلے ختم نہ ہو۔ کوئی معجزہ ہوجائے اور میرا ماسٹرز کمپلیٹ ہوجائے۔

* * *

میرا پہلا رشتہ پارٹ فرسٹ کے پیپرز کے دوران آیا تھا۔ پیپر کی تیاری کے بجائے مجھے گھر آئے مہمانوں کے لیے تیار ہونا پڑا تھا۔ لڑکے والے مجھے پسند کرگئے تھے اور اب گھر والوں نے لڑکا دیکھنے ان کے گھر جانا تھا۔ لڑکے کا بڑا بھائی میرے پھوپھی زاد بھائی کا دوست تھا۔ فہد بھائی کی طرح ان لوگوں کی بھی کاسمیٹکس شاپ تھی۔ لڑکے کی چھوٹی بہن چپکے سے مجھے اپنے

بھائی کی تصویر دے گئی تھی اس تصویر کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ ان لوگوں کی واقعی کاسمیٹکس شاپ ہے۔ موصوف نے اتنا میک اپ تھوپ رکھا تھا کہ خاصا زنانہ ٹچ دے رہے تھے۔ دادی‘ دوسرے گھر والوں کے ساتھ جب ان کے گھر جانے لگیں تو میں نے دادی کے سر میں ڈھیر سارا تیل لگا کر ان کی چوٹی بنائی اور التجا کی تھی کہ وہ لڑکے والوں کے گھر جا کر کوئی ایسا پوائنٹ نوٹ کر آئیں جس کو بنیاد بنا کر انکار کیا جا سکے۔ شومئی قسمت اس گھر کی بڑی بہو اور دادی کو تنہائی میں چار باتیں کرنے کا موقعہ مل گیا اس نے دادی کو اپنے سسرال والوں کے ظلم و ستم کی دو‘ تین داستانیں سنا دیں۔ پھر ابا نے دادی کی نا‘ کو ہاں میں بدلوانے کے لیے بہتیرے جتن کر ڈالے دادی نے رشتے کی منظوری نہ دی۔

پھر ایک رشتہ اور آیا‘ لیکن انہیں میرے بجائے تایا کی سب سے چھوٹی ارم پسند آگئی میرے فائنل ایر کے امتحانوں کے دو ہفتے بعد ارم کی شادی تھی۔ خیر و عافیت سے میرا ماسٹرز مکمل ہوا تھا میری خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ ارم کی شادی میں‘ میں نے لہک لہک کر شادی کے گیت گائے تھے اور شادی کے اختتام پر میرا ایک اور رشتہ آگیا تھا۔ حاجی رب نواز میرے تایا کے دوست تھے۔ وہ مین بازار کے سب سے بڑے کلاتھ ڈپو کے مالک تھے۔ ان کے سارے بیٹے اسی کاروبار سے منسلک تھے۔ حاجی صاحب کی بیوی نے مجھے ارم کی شادی میں دیکھا اور اپنے چھوٹے بیٹے کے لیے میرا رشتہ مانگ لیا۔ اس بار تو میرے ضبط کی ساری حدیں ٹوٹ گئیں میں دادی کے سامنے بلک بلک کر رو پڑی تھی۔

”آخر ہمارے خاندان کی لڑکیوں کے نصیب میں یہ ہی دکان دار رہ گئے ہیں کیا۔“

”تو پڑھ لکھ کر سمجھ رہی تھی کہ تیرے لیے ڈپٹی کمشنر کا رشتہ آئے گا؟“ دادی میرے رونے دھونے سے ذرا متاثر ہوئے بنا تنک کر بولی تھیں۔

”کسی بڈھے ڈپٹی کمشنر کے رشتے سے مجھے کوئی سروکار بھی نہیں‘ لیکن کوئی ڈاکٹر‘ انجینئر یا کوئی ٹیچر ہی میرا طلب گار بن جاتا۔ کم از کم پڑھا لکھا تو ہوتا۔“ میرے رونے کی شدت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

”عادل بھی جاہل نہیں ہے۔ چودہ پڑھا ہوا ہے اور تو اسی پر شکر منا فریحہ ورنہ اپنے خاندان میں دیکھ ذرا کوئی لڑکا بارہ سے آگے نکلا ہے کیا‘ لیکن اللہ کا شکر ہے سب اچھا کماتے ہیں۔ عادل بھی کھاتے پیتے گھر کا لڑکا ہے‘ مارکیٹ میں سب سے زیادہ چلتی ہے حاجی صاحب کی دکان۔ تو راج کرے گی میری بچی۔ کیوں الٹی سیدھی باتیں کر کے کفران نعمت کر رہی ہے۔ ایسے رشتے تو نصیبوں والوں کو ملتے ہیں۔“ دادی اب میرے آنسوؤں سے پسیج کر مجھے پچکار رہی تھیں۔

”دادی‘ پیاری دادی کسی طرح اس رشتے کو بھی انکار کر دو ہو سکتا ہے اللہ نے میری قسمت میں دکان دار نہ لکھا ہو۔ اگلی بار کوئی ڈھنگ کا رشتہ آجائے میرا۔“ میں نے دادی کے ہاتھ تھام کر التجا کی۔

”اچھا فضول باتیں مت کر۔ ادھر آ تیرے سر میں تیل لگاؤں بال کتنے بے رونق ہو رہے ہیں۔“ دادی نے ہاتھ بڑھا کر سرہانے دھری تپائی سے تیل کی شیشی اٹھائی تھی پھر سر میں تیل کی مالش کرتے ہوئے دادی بہت پیار سے مجھے اس رشتے کے لیے قائل کرتی رہیں۔ میرے ساتھ کی خاندان‘ برادری کی سب ہی لڑکیاں بیاہی جا چکی تھیں اگر میری عمر اور بڑھ گئی تو کوئی مجھے پوچھے گا بھی نہیں اور یہ کہ دادی اپنی زندگی میں ہی مجھے گھر بار کا کر کے اپنی زندگی کا مشن پورا کرنا چاہتی ہیں۔ وہ قیامت والے دن میری ماں کے سامنے سرخرو ہونا چاہتی‘ مزید یہ کہ دکان داروں کے حوالے سے جو وہم میں نے اپنے ذہن میں پال رکھے ہیں۔ وہ قطعاً درست نہیں۔

بے شک ہمارے گھر کے مرد حضرات عورت کو قطعی اہم نہیں دیتے‘ لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کا پیشہ دکان داری ہے بلکہ مزاج کی یہ سختی اور اکڑ انہیں ورثے میں ملی ہے۔ دادی نے آس پڑوس اور دور و نزدیک کے بہت سے شریف النفس اور بھلے مانس

دکاندار گنوا گنوا کر مجھے قائل کر ہی ڈالا کہ میں محض اپنے خاندان کے مردوں کا مزاج دیکھ کر دوسروں کے بارے میں حتمی رائے قائم نہیں کر سکتی۔

میں نے دادی سے مزید بحث و تمحیص نہ کی اور جب حاجی صاحب (سسر) کے گھر والے مجھے انگوٹھی پہنانے آئے تو چپ چاپ عادل رب نواز کے نام کی انگوٹھی پہن لی۔

* * *

آس پڑوس کی خواتین کو جب میری منگنی کا پتا چلا تو دادی کو مبارک باد دینے آنے لگیں اور جب انہیں یہ پتا لگتا کہ میری منگنی حاجی صاحب کے چھوٹے بیٹے سے ہوئی ہے تو دادی کی شناسا خواتین حق دق رہ جاتیں۔

”ہائے خالہ جی، حاجی صاحب کا چھوٹا بیٹا تو بہت اکھر اور بد مزاج ہے۔ اپنی فریحہ کے لیے کیا وہ ہی کھڑوس شخص رہ گیا تھا۔“ یہ کمنٹس ساتھ والوں کی منجھلی بہو کے تھے۔ اس کی بات سن کر میرا دل ڈوب سا گیا۔ اس وقت تو دادی نے مجھے چائے لانے کا کہہ کر منظر سے ہٹا دیا، لیکن دادی مجھے کس کس کی بات سننے سے روک پاتیں ہمارے محلے کی سب ہی عورتوں کی گواہی حاجی صاحب کے بد مزاج بیٹے کے خلاف جاتی تھی۔

”میری ایک نہ سنی دادی آپ نے لے کر مجھے ایک اکھڑ دکان دار کے پلے باندھ دیا تھا۔“ میں عورتوں کی باتیں سن کر روہانسی ہوئے جاتی تھی۔

”ایسے ہی بکتی ہیں سب۔ میں نے دیکھا ہے عادل کو۔ بھلا مانس لڑکا ہے۔ میرا دل مطمئن ہے۔“ دادی مجھے تسلی دیتیں۔

”پھر میں نے بھی دیکھنا ہے اسے تاکہ میرا دل بھی مطمئن ہو۔“ میں نے ضدی سے لہجے میں فرمائش کی۔ دادی نے مجھے ایسے دیکھا جیسے میرا دماغ چل گیا ہو۔

”کیسے دیکھے گی تو اسے۔ تصویر دیکھ لی کافی نہیں ہے کیا۔“ دادی خفگی سے گویا ہوئیں۔

”برقعہ پہن کر اس کی دکان پر جاؤں گی ویسے بھی سنا ہے نئے سیزن کی بہت اچھی ورائٹی آئی ہے حاجی صاحب کی دکان پر۔ ایک دو سوٹ ہی خرید لاؤں گی۔“ میں نے دادی کو اپنے پروگرام سے آگاہ کیا۔

”اگر کسی کو پتا چل گیا تو.....“ دادی میرا پلان سن کر سخت متوحش ہوئیں۔

”آپ میرے ساتھ ہوں گی نا۔ پہلے آپ کو حکیم گلزار کے مطب پر بٹھاؤں گی۔ چار قدم آگے حاجی صاحب کا ڈپو ہے۔ عورتوں کا اتنا رش ہوتا ہے وہاں۔ کسی کو کیا پتا چلے گا کہ کپڑا دیکھنے آئی ہوں یا لڑکا دیکھنے۔ پانچ سات منٹ میں میری واپسی ہو جائے گی۔ اتنے آپ خمیرے اور جوشاندے خرید چکی ہوں گی پھر دونوں دادی پوتی گھر کی راہ لیں گے۔“

”اور اگر تجھے لڑکا پسند نہ آیا فریحہ تو.....“ دادی کا دل انہونے خدشات سے کانپ رہا تھا۔

”میں ایسا ویسا کچھ نہیں کروں گی دادی۔ بس آپ میری یہ بات مان لیں۔“ میں نے دادی کی منت کی۔

”بہت تنگ کرتی ہے مجھے۔“ دادی خفگی سے بس اتنا ہی بولی تھیں، لیکن یہ ہی ان کا اقرار تھا۔ اگلے روز حکیم صاحب کے ہاں جانے کا کہہ کر میں اور دادی گھر سے نکل لیے تھے۔ ہمارے گھر کی خواتین عموماً" بازار نہیں جاتی تھیں۔ مرد حضرات بہترین سے بہترین چیز گھر بیٹھے فراہم کر دیتے تھے انہیں گھر کی خواتین کا دکان، دکان پھرنا معیوب لگتا تھا۔ ہاں چونکہ حکیم گلزار کا مطلب بھی اتفاق سے مین بازار میں تھا سو دادی کے ساتھ میرا وہاں کا چکر لگ جاتا تھا۔ حاجی صاحب کی دکان اس سے کچھ ہی فاصلے پر تھی۔

دادی کو مطب میں بٹھا کر دھڑکتے دل کے ساتھ میں بازار میں آگے چل پڑی۔ دادی کو تو میں نے اطمینان دلایا تھا کہ میں ایسا ویسا کچھ نہیں کروں گی، لیکن دل میں یہ پکا تہیہ کر رکھا تھا کہ اگر حاجی صاحب کا بیٹا عورتوں کے کہے کے مطابق اکھڑ، بد مزاج اور بد لحاظ ٹائپ کا لگا تو میں گھر جا کر کسی نہ کسی طرح دادی کو قائل کر لوں گی کہ وہ یہ منگنی توڑ دیں۔

دکان پر عورتوں کا جم غفیر تھا میں بھی اس ہجوم کا

حصہ بن گئی تھی۔ دکان کے آخری حصے میں ایک بنچ پر دو خواتین پہلے سے براجمان تھیں‘ میں اسی بنچ پر جاکر بیٹھ گئی۔ سیلز مین ان خواتین کو کپڑے کے تھان کھول کھول کر دکھا رہا تھا۔ میری نگاہیں کچھ اور کھوج رہی تھیں۔

ذرا فاصلے پر میرے جیٹھ صاحب خواتین سے بارگیننگ میں مصروف تھے۔ عادل کے یہ بھائی صاحب دو چار بار اپنے والد کے ساتھ ہمارے گھر آچکے تھے اور میں نے ڈرائنگ روم کے دروازے کی جھری سے انہیں خوب اچھی طرح دیکھ رکھا تھا۔ خواتین نازو انداز دکھاتے ہوئے آصف بھائی سے قیمت میں کمی کا مطالبہ کررہی تھیں۔ وہ ان کی باتوں پر مسکرا رہے تھے۔ بات سے بات نکل رہی تھی۔ آصف بھائی کی خوش اخلاقی عروج پر تھی اور پھر انہوں نے خواتین کو منہ مانگے دام دینے پر راضی کرہی لیا۔ وہ ہی خواتین کپڑوں کی کچھ مزید ورائٹی دیکھنا چاہ رہی تھیں۔

”عادل! یار عریبک لینن انہیں بھی دکھاؤ۔“ آصف بھائی نے پکارا تھا۔ میرا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔ ابھی تک جو شخص رخ موڑے کھڑا تھا وہ ہی تو تھا جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے میں مشن زیرو‘ زیرو سیون پر نکلی تھی۔ عادل ان خواتین کی طرف متوجہ ہوا تھا اور میں جی جان سے اس کی جانب وہ خوب صورت تھا اس میں کوئی شک نہیں‘ لیکن مجھے اس کی شکل کی خوب صورتی سے کوئی سروکار نہ تھا آج میں اس کا مزاج پرکھنے آئی تھی۔ ویسے تو چار‘ پانچ منٹ کے مختصر سے وقت میں جانچ پڑتال کی یہ خواہش سراسر احمقانہ تھی پھر بھی میں اپنے دل کی تسلی کے لیے یہ حماقت کر بیٹھی تھی۔

”آپ کو کیا چاہیے باجی۔“ اتنے میں ایک سیلز مین میری جانب متوجہ ہوا۔

”میں یہ پرنٹ ہی دیکھ رہی ہوں۔“ میں نے دھیرے سے جواب دیا۔ کچھ فاصلے پر بیٹھی خواتین کو دو سوٹ پسند آگئے تھے وہ اب عادل سے بھاؤ تاؤ کرنے لگی تھیں۔ ایک عورت شوخ مزاج تھی وہ ویسے ہی مسکراتے جملے عادل کی طرف لڑھکا رہی تھی جو ابھی ذرا دیر پہلے آصف بھائی پر آزما چکی تھی حالانکہ آصف بھائی بھی گھاک دکان دار تھے بات اپنی ہی منوائی تھی‘ لیکن عورتوں کی خوش مزاجی کا جواب بھرپور خوش مزاجی سے دیا تھا‘ لیکن عادل کا چہرہ عورتوں کی باتیں سن کر بھی بالکل سپاٹ تھا وہ ان کی باتیں سنی ان سنی کررہا تھا‘ لیکن اس کے ماتھے پر پڑنے والی بل اب واضح ہوتے جارہے تھے۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ اس کے چہرے کو تک رہی تھی۔ پھر اس نے کچھ درشتگی سے عورتوں کو مخاطب کیا تھا۔

”میں نے بالکل جائز اور مناسب ریٹ لگائے ہیں بی بی۔ اگر آپ کو لینا ہے تو لیجیے ورنہ۔۔۔“ ورنہ کے آگے بات ادھوری تھی‘ لیکن مطلب واضح تھا کہ ورنہ آپ اپنی راہ لے سکتی ہیں۔ عورتوں کا منہ بنا تھا‘ لیکن جانے کیوں میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ اپنے کھڑوس منگیتر کی یہ بدمزاجی مجھے قطعاً“ بری نہ لگی تھی‘ بہرحال عورتوں نے دو سوٹ مزید کٹوائے تھے اتنے میں آصف بھائی فون پر بات کرتے کرتے عادل کے قریب آئے تھے۔ ان کا مزاج کچھ اکھڑا اکھڑا لگ رہا تھا۔

”میں ”احسان شوز“ سے جوتوں کے چار‘ پانچ ڈیزائن لے کر گھر بھجوا دیتا ہوں۔ حمنہ کو جو پسند آئے گا رکھ لے گی۔“ آصف بھائی فون پر کسی سے مخاطب تھے۔ میں ذرا چونکی حمنہ ان کی بڑی بیٹی تھی میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی۔ بہت ہنس مکھ اور پیاری بچی تھی۔ حمنہ کے ذکر سے اندازہ ہوا کہ فون ان کے گھر سے ہی آیا ہے۔

”کیسی باتیں کرتی ہو شمسہ۔ مجھے الہام تو ہونے سے رہا کہ حمنہ کی دوست نے کیسا سینڈل خریدا ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ اسکول کی پارٹی میں ایک جیسے کپڑے‘ جوتے پہن کر جانا فرض کا درجہ نہیں رکھتا۔“ آصف بھائی بری طرح چڑ کر بولے تھے اب معاملہ کچھ کچھ میری سمجھ میں آگیا۔ فون کے دوسری جانب یقیناً“ شمسہ بھابھی (میری جیٹھانی) تھیں وہ اپنی بیٹی کی کسی

فرمائش سے اس کے والد صاحب کو آگاہ کر رہی تھیں والد صاحب کے تیور بگڑے، اکھڑے سے تھے اور جب ہی عادل نے ان سے فون مانگا تھا۔

“دکان گاہکوں سے بھری پڑی ہے ان بے وقوف عورتوں کو اندازہ ہی نہیں کہ فضول باتوں میں الجھا کر کیسا قیمتی وقت برباد کرتی ہیں۔” آصف بھائی بگڑے موڈ کے ساتھ بڑبڑائے تھے میں کھڑے ہو کر دوسرے ریک میں لگے کپڑوں کے پرنٹ دیکھنے کی ایکٹنگ کرنے لگی تھی۔ فون پر محو گفتگو عادل کی آواز بخوبی میری سماعت تک پہنچ رہی تھی۔

“بھابھی آپ میری حمنہ سے بات کروائیں۔” اس نے نرمی سے اپنی بھاوج کو مخاطب کیا تھا۔

“ہاں بیٹا بتاؤ کیسا سینڈل چاہیے۔” وہ یقیناً” اب بھتیجی سے مخاطب تھا۔ دوسری طرف یقیناً” جزئیات کے ساتھ سینڈل کا ڈیزائن سمجھایا جا رہا تھا۔

“یار، تم نے تو جو تفصیل بتائی ہے دکان پر جا کر میں تو بھول بھال جاؤں گا۔ تم یوں کرو خضر یا نومی کا ہاتھ پکڑ کر دکان پر آجاؤ، میں تمہیں خود ”احسان شوز“ لے جاؤں گا اپنی پسند کا جوتا خرید لینا۔” اس نے پیار سے بھتیجی کو مخاطب کیا تھا۔

“ارے بابا، نہیں ہوں گے بابا ناراض۔ میں کہہ دوں گا ان سے۔” وہ اب بھتیجی کو تسلی دے رہا تھا۔ میں عورتوں میں سے جگہ بناتی غیر محسوس طریقے سے دکان سے باہر نکل گئی۔ پریشان بیٹھی دادی کو مطب سے لیا اور گھر کی راہ لی۔

“میرا تو دل ہولتا رہا فریحہ کہ کہیں تجھے کوئی پہچان نہ لے بتا تو سہی دیکھ پائی اپنے منگیتر کو یا جانا فضول ہی رہا۔” گھر آ کر میری بوڑھی ہمجولی راز داری سے مجھ سے مخاطب ہوئی۔ تیکھے نقوش والے اس مغرور سے دکان دار کی شبیہ میرے ذہن کے پردے پر لہرائی تھی۔

“دیکھ بھی لیا دادی، اسے پاس بھی کر دیا لیکن....” میں نے بات ادھوری چھوڑی۔

“لیکن کیا۔” دادی پھر پریشان ہوئیں۔

“لیکن اپنا دل ہار آئی ہوں۔” شرمایا، لجایا سا اقرار کر کے میں دادی کے بوڑھے شفیق وجود سے لپٹ گئی تھی۔

* * *

مشہور مزاح نگار اور شاعر

انشاء جی کی خوبصورت تحریریں،

کتاب کا نام		قیمت
آوارہ گرد کی ڈائری	سفرنامہ	450/-
دنیا گول ہے	سفرنامہ	450/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	سفرنامہ	450/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	سفرنامہ	275/-
نگری نگری پھرا مسافر	سفرنامہ	225/-
خمار گندم	طنز و مزاح	225/-
اردو کی آخری کتاب	طنز و مزاح	225/-
اس بستی کے کوچے میں	مجموعہ کلام	300/-
چاند نگر	مجموعہ کلام	225/-
دل وحشی	مجموعہ کلام	225/-
اندھا کنواں	ایڈگر ایلن پو/ابن انشاء	200/-
لاکھوں کا شہر	او ہنری/ابن انشاء	120/-
باتیں انشاء جی کی	طنز و مزاح	400/-
آپ سے کیا پردہ	طنز و مزاح	400/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

فائزہ افتخار

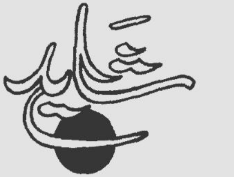

وہ حویلی آج بھی ویسی ہی تھی جیسی پہلے تھی۔

وہی سرخ اینٹوں کی دیواریں۔۔۔
وہی بوگن ویلیا میں لپٹے کاہی رنگ کے جھروکے۔۔۔
وہی سفید، سرخ، وہی اس کے ستونوں پہ لگی چقیں۔۔۔ وہی کیلے کے درختوں کے جھنڈ کے اس پار سے جھانکتے کھنڈر کے مینارے۔۔۔

اور جب میرے قدموں کے نیچے چرمراتے زرد پتوں نے آہ بھری تو مجھے احساس ہوا کہ نہیں۔
یہ حویلی آج ویسی نہیں جیسے پہلے تھی۔

ناولٹ

سرخ اینٹوں کی دیواروں میں کائی جمی تھی۔

جھروکوں سے لپٹی بوگین ویلیا کسی جوان بیوہ کی اجاڑ کلائیوں کی طرح ٹنڈ منڈ تھی۔

اور اس سفید، سرخ، سبز اور سیاہ چپس کے فرش والے برآمدے کی خنکی میں اب ہڈیوں تک کو جما دینے والی برف تھی اور کیلے کے درختوں کے جھنڈ سے جھانکتے کھنڈر کے میناروں کا بہت سا حصہ بھربھرا ہو کے گر چکا تھا۔ اور آج اس حویلی میں نہ قلقاریاں تھیں۔۔۔ نہ کسی کی چہکار۔۔۔ ایک سناٹا مکمل سکوت۔۔۔ پردے ہوا سے سرسرا ضرور رہے تھے لیکن شاید ہوا نے بھی اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھی ہوئی تھی۔

یہ وہ زمین تھی۔۔۔ وہی آسمان۔۔۔ وہی در و دیوار۔۔۔ وہی پھول پتے۔۔۔ وہی جھروکے۔۔۔ وہی آنگن تھا۔۔۔ جہاں میری محبت نے پہلی بار آنکھیں کھولیں۔

* * *

وہ گہری نیند سو رہا تھا مگر پھرپٹ سے اس نے آنکھیں کھول دیں جیسے کسی نے اسے بری طرح جھنجھوڑ کے جگایا ہو۔ وہ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔۔۔ مگر کمرے میں سوائے اس کے اور کوئی نہ تھا وہ دم سادھ کے باہر سے آتی سسکیوں کی آواز سننے لگا۔ یہ سسکیاں جیسے اسے کھینچ کر پہلے بستر سے اتار کے کھڑکی تک لائیں، پھر انہی سسکیوں نے اسے پردہ ہٹا کے باہر جھانکنے پہ مجبور کیا۔۔۔ ہال میں سامنے والے بڑے سے طاؤسی تخت پہ بیٹھی وہ لڑکی سر جھکائے سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ اس سے پانچ چھ سال تو بڑی ہو گی۔ شاید پندرہ سال کی یا پھر زیادہ سے زیادہ سولہ سال کی۔۔۔ اس نے چہرہ آگے کرکے کچی نیند سے جاگی آنکھیں سکوڑ کے اس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی وہ چہرہ جو اس کی محبت کا پہلا چہرہ بننے والا تھا۔

مگر بھلا محبت کا چہرہ بھی یونہی آسانی سے نظر آیا کرتا ہے۔ ہونہہ بدھو۔

اس کے ننگے پیر اسے بے اختیار کمرے سے باہر ہال تک لے گئے۔

* * *

میری نظریں ہال کے وسط میں بچھے اس طاؤسی تخت پہ تھیں جس پہ آج بھی گہرے قرمزی رنگ کا مخملیں بچھونا تھا۔۔۔ دونوں اطراف میں گاؤ تکیے۔۔۔ مگر آج وہ خالی تھا اس پہ وہ نہ تھی۔

Copyrighted material

ہال میں آج بھی جا بجا بہت سی شمعیں رکھیں تھیں۔ مگر سب کی سب بجھی ہوئیں۔

وہی بڑے دادا کی جلالی تصویر۔۔۔ جسے بچپن میں دیکھ کے میں شرارت کرتے کرتے سہم جایا کرتا تھا اور لڑکپن میں دیکھ کے شرارت سے ہنس پڑتا تھا۔۔۔ لیکن آج اس قد آدم تصویر میں جھانکتے بڑے دادا کے نقوش میں جلال نہیں ملال نظر آرہا تھا۔

یہ ہال پوری حویلی کا مرکز تھا۔۔۔ ہمہ وقت بھرا بھرا رہتا۔۔۔ جسے کسی کو ڈھونڈتا ہوتا۔۔۔ وہ ہال میں آجاتا۔۔۔ لیکن آج یہاں کوئی نہیں تھا۔

بس ایک چیز تھی۔۔۔ جو سالوں پہلے بھی تھی آج بھی ہے اور جانے کب تک رہنے والی ہے۔

اس کی سسکیوں کی گونج۔۔۔

میرے قدم مجھے اسی طاؤسی تخت کی جانب لے گئے' جہاں سے کئی سالوں سے اس کی سسکیاں ابھر رہی تھیں۔ میرے ترسے ہوئے ہاتھ اس کے مخملیں بچھونے کو سہلانے لگے۔

اس کی سسکیوں نے پہلی بار مجھے جھنجوڑا تھا مجھے پہلی بار یہ احساس ہوا تھا کہ کسی اور کے آنسو آپ کے دل کو گیلا کیسے کرتے ہیں۔

* * *

نائٹ سوٹ میں ملبوس اس نو سالہ بچے کے چھوٹے چھوٹے قدم ہال کے چکنے سفید فرش پر بے اختیار اٹھ رہے تھے اور نظریں طاؤسی تخت پہ اب تک گھٹنوں میں سر دیے کر روتی اس سیاہ لباس والی لڑکی پہ مرکوز تھیں۔۔۔ وہ سیاہ رنگ جیسے سارے ہال پہ چھا چکا تھا۔ اسے اس سیاہ رنگ کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

ہال کے وسط میں بچھی سفید چادریں بھی نہیں۔۔۔ ان پہ بیٹھی سیپارے پڑھتی وہ سب آنٹیاں بھی نہیں' جو اب تلاوت کرتے کرتے سر اٹھا کے اسے دیکھ رہی تھیں۔

اسے ان سسکیوں کے علاوہ کچھ سنائی بھی نہیں دے رہا تھا۔ اپنی ماں نائلہ کی آواز بھی نہیں۔۔۔ جو دوپٹے سے نم آنکھوں کے گوشے خشک کرتی اس سے پوچھ رہی تھی۔

"سعد۔۔۔ بیٹا آپ آج اتنی جلدی جاگ گئے؟" وہ سب کے درمیان سے گزرتا بس اس سیاہ رنگ کی جانب بڑھ رہا تھا جو جلد ہی اس کے وجود کو اپنے رنگ میں رنگنے والا تھا۔

"بس کرو بیٹی۔۔۔ جانے والوں کو آنسوؤں سے تکلیف ہوتی ہے۔" رقیہ خالہ نے اسے تسلی دی اور وہ سوچنے لگا۔

"جانے والوں کو؟ آنے والے کو بھی ہو رہی ہے تکلیف ان آنسوؤں سے۔"

"باپ اور ماں دونوں کو کھویا ہے اس نے' اس اتنی سی عمر میں اتنا بڑا صدمہ۔"

نائلہ نے افسوس سے اس سیاہ وجود کو دیکھا تو وہ بے چین ہوا تھا۔

"نہیں۔۔۔ کوئی مت دیکھے اسے کوئی نظر نہ ڈالے اس پہ۔۔۔ سوائے میرے۔"

یہ بے چینی اس کے قدموں میں بجلی بھر گئی اور وہ اگلے ہی پل اس کے سامنے کھڑا تھا۔۔۔ اس کے ہاتھ اٹھے اور اس جھکے ہوئے سر کے بکھرے بکھرے بھورے ریشمی بالوں پہ ٹھہر گئے۔۔۔ اس لمس پہ وہ سسکیاں تھمیں اور اس لڑکی نے سر اٹھا کے اپنے سامنے کھڑے اس حیران آنکھوں والے لڑکے کو دیکھا۔ وہ آنکھوں میں آنسو بھرے اسے دیکھ رہی تھی۔ اور وہ آنسوؤں سے رندھے گلے کو تر کرتا اب اپنا ہاتھ اس کے بالوں سے اس کے رخسار تک لایا اور اپنی انگلی سے اس کے آنسو صاف کرنے لگا۔ ایسا کرتے ہوئے اسے احساس تک نہ ہوا کہ اس کے اپنے گال گیلے ہو چکے ہیں۔

نائلہ کے ساتھ ساتھ کچھ دوسری رشتے دار عورتیں بھی اس بچے کے اس عجیب و غریب عمل کو حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ پھر اچانک اسے نجانے کیا

ہوا۔۔۔ وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا۔ اور وہ سیاہ ملبوس والی لڑکی اپنا غم بھول کے اسے سینے سے لگا کر چپ کرانے لگی۔

اب ہال میں دونوں کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

وہ میں تھا۔۔۔ سعد رضوان۔۔۔ نو سال کا سعد رضوان۔۔۔ اور وہ ام ہانی تھی۔۔۔ پندرہ سال کی ام ہانی سلمان۔۔۔ میری ہنی۔۔۔

پہلا رشتہ آنسوؤں کا تھا۔ اس کے آنسوؤں سے میرے آنسوؤں کا۔۔۔ پھر جب جب میں نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔۔۔ میرے بھی آنسو بہہ نکلے۔۔۔ "کیا یہ محبت ہے؟"

میرے سوال نے اس سنسان ہال کو اور بھی اجاڑ اور بیابان کر ڈالا۔

وہ سسکیاں تک سوچ میں پڑ گئی تھیں۔۔۔ تبھی تو ایک سکوت چھا گیا۔ اس جان لیوا سکوت کو توڑنے کے لیے میں نے اپنا سوال پھر سے دوہرایا۔

"کیا یہ محبت تھی؟ کیا یہ محبت ہے؟"

میرا سوال اس سناٹے میں گونج کے رہ گیا۔۔۔ اور پھر ہوا نے سرگوشی کی۔

"شاید۔۔۔"

اور ہوا کی اس سرگوشی نے ہال میں واحد جلتی اس شمع کو بھی بجھا ڈالا۔۔۔ جس کی پگھلتی موم کچھ حرفوں میں ڈھل رہی تھی اور یہ حروف اسی جواب میں ڈھل رہے تھے۔

"شاید۔"

* * *

رسالپور کے اس نواحی قصبے میں گرمیوں کے آغاز تک بھی راتیں کافی ٹھنڈی رہتی تھیں۔ اور آج تو شام کو ہونے والی ہلکی ہلکی بوندا باندی نے الماری کے اوپر والے خانے میں سنبھال کے رکھی گرم شالیں پھر سے نکلوا دی تھیں۔

نائلہ نے شال اوڑھتے ہوئے بڑی حیرت سے رضوان سے کہا تھا۔ "سعد نے کتنی عجیب حرکت کی۔"

"بچہ ہے۔۔۔ بچوں کا دل نرم ہوتا ہے۔ ام ہانی کا رونا اس سے دیکھا نہیں گیا۔"

رضوان کو ہر بات کی گہرائی میں جانے کی عادت نہیں تھی۔ وہ قہوے کے گھونٹ بھرتے کھڑکی کے پاس کھڑے باہر اترتی دھند کو دیکھ رہے تھے۔

"ہاں مگر سعد عام بچوں جیسا نہیں ہے۔ وہ تو کبھی کسی بات کو دل پہ نہیں لیتا اور مجھے تو یاد بھی نہیں کہ آخری بار وہ کب رویا تھا اور کل اپنے چچا اور چچی کے ایکسیڈنٹ اور وفات کا سن کے بھی اس نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا۔۔۔ یونہی کھیل میں مگن رہا جیسے اسے کوئی فرق نہ پڑا ہو۔"

"ظاہر ہے۔۔۔ اس نے سلمان کا صرف نام سن رکھا تھا چچا سے کوئی وابستگی تھی کہاں۔۔۔ یوں بھی بچوں کے لیے موت اتنی سفاک حقیقت نہیں ہے جتنی ہمارے لیے۔"

"اسی لیے تو حیرت ہے اس کے یوں رونے پر۔" اپنے قہوے کی پیالی لبوں سے لگائے ہوئے بھی نائلہ ابھی تک اس حیرت میں تھی۔

"نائلہ وہ اکیلا ہے۔۔۔ نہ بہن۔۔۔ نہ بھائی۔۔۔ تم اس

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

دیمک زدہ محبت
قیمت -/300 روپے
صائمہ اکرم چوہدری

لیے ام ہانی کے یہاں آنے پہ پریشان تھیں کہ پتا نہیں سعد اس کے آنے اور مستقل یہاں رہنے کو کیسا لے گا کہ اب اس کے ساتھ ساتھ کوئی اور بھی اس گھر میں رہے گا تو تمہارا یہ مسئلہ تو حل ہو گیا۔ اس نے دل سے ام ہانی کو قبول کرلیا، بلکہ اکیلے پن کی وجہ سے اس میں جو عجیب سی تنہائی پسندی آگئی تھی۔ وہ بھی اب ختم ہو جائے گی۔ اس کا ام ہانی کے دکھ میں رونا ظاہر کر رہا ہے کہ وہ اب نارمل بچوں کی طرح ری ایکٹ کر رہا ہے۔“

رضوان کے مفصل جواب نے بھی نائلہ کی تشفی نہ کرائی۔

”مگر سوال یہ ہے کہ کیا ام ہانی یہاں ایڈجسٹ ہو جائے گی۔ سعد کے تو صرف بہن بھائی نہیں ہیں۔ ورنہ وہ رہا تو ایک بھرے پرے کنبے میں ہے جبکہ سلمان بھائی نے محبت کی شادی کی بہت بھاری قیمت چکائی... ساری عمر خاندان سے کٹ کے رہے ہم سب ام ہانی کے اپنے سہی... مگر اس کے لیے اجنبی ہیں۔ کیا وہ ہمارے ساتھ رہ لے گی۔“

”سمجھ دار بچی ہے وہ جانتی ہے اب ہمارے سوا اور کوئی نہیں ہے اس کا۔“ رضوان اب عادت سے مجبور اس بحث سے ذرا بے زار نظر آرہے تھے۔

”کہیں تمہیں اس کی فکر تو نہیں کہ اب ایک اور ذمے داری تمہارے سر پہ آگئی ہے؟“ اور اس سوال نے تو نائلہ کے دماغ کا فیوز ہی اڑا دیا۔

”کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ میں اتنی کم ظرف ہوں؟“ اس نے قہوے کی پیالی میز پہ پٹخی اور ہو گئی شروع۔

جب سے بیاہ کے آئی ہوں ذمے داریاں ہی تو نباہ رہی ہوں... ساس سسر کی... پھر دادا جان ہیں اور رہاں وہ آپ کی ہمشیرہ ایک مستقل عذاب۔“

رضوان نے کمبل منہ تک تاننے میں ہی عافیت سمجھی۔ نائلہ نے سر جھٹک کے بڑبڑاتے ہوئے قہوے کی پیالی دوبارہ اٹھائی۔

”ہونہہ... ہمشیرہ صاحبہ کے ذکر پہ چپ سادھ لیتے ہیں۔“ مگر نند کے تذکرے نے منہ کا ذائقہ ایسا کڑوا کر دیا تھا کہ قہوہ بھی تلخ سا لگنے لگا۔

* * *

اور رضوان کی ہمشیرہ مہ پارہ بیگم کے مزاج کی تلخی کو تو کسی کے تذکرے کے بہانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ یہ خدا کا خاص کرم تھا ان پر... اس وقت بھی ماتھے پہ بل ڈالے۔ اپنی ستواں ناک کو ایک خاص زاویئے تک چڑھائے وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے مختلف شیلفوں میں سے رنگ برنگ کی دوائیں اپنی ہتھیلی پہ نکالتی جارہی تھیں۔ اور بڑے سے نواڑی رنگلے پلنگ پہ لیٹے بڑے دادا کھانستے تھے... آہ بھرتے تھے۔

”ھک ھا... میں بڈھے ویلے جوان اولاد کے صدمے اٹھانے جوگا ہی رہ گیا... پہلے پتر گیا پھر اب جوان پوترا... جانے کی عمر تے میری تھی۔“

”تو چلے جاتے ناں۔“

مہ پارہ نے بڑبڑا کے گلاس میں پانی انڈیلا... پانی کے پیتل کے گلاس میں چھن چھن گرنے کی آواز میں مہ پارہ کی بڑبڑاہٹ نہ بھی دبتی تو تب بھی بڑے دادا کی سماعتیں اب ایسی نہ رہی تھیں کہ وہ سن پاتے۔

”کی کہیا؟“

”کچھ نہیں... یہ دوائیں کھالیں۔ یہ نیلی والی گولی... یہ رہی سفید والی گولی اور یہ پیلی گولی۔“

اس نے پی آئی اے کی ایئرہوسٹس کے سے انداز میں گلاس آگے کیا۔ قطرے چھلک کے بڑے دادا کے کرتے پہ گرے۔

”گولیاں بھی ایسے دیتی ہے جیسے گولا مار رہی ہو۔ بڈھے دادا کی خدمت کرنا تجھے بار لگتا ہے پوری حویلی میں اور کام کیا ہے تجھے۔“

چلا کے بولنے سے ان کی پسلیوں نے احتجاجاً دوبارہ کھانسی کا دورہ شروع کر دیا۔

* * *

یہ بڑے دادا تھے۔ یعنی دادا کے بھی بڑے... میرے ابو رضوان کے دادا... جب سے ہوش سنبھالا

تھا انہیں اسی رنگلے نواڑی پلنگ پہ کبھی کھانستے تو کبھی ڈانٹتے ہی دیکھا تھا۔ ان کی جوانی کی یادگار ایک بارعب اور جلالی تصویر ہال میں آویزاں تھی... اور یہ جلال اور رعب صرف اس تصویر میں نہیں تھا۔ بڑے دادا کے مزاج سے آج بھی سب خائف رہتے تھے۔ وہ دواؤں کے سہارے چل رہے تھے اور پوری حویلی کو چلا رہے تھے۔ آج بھی ابو ان کی اجازت اور مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتے تھی۔ حتیٰ کہ مہ پارہ پھوپھو کی شادی بھی۔

ہمارے خاندان میں شادی بیاہ کے معاملات آپس میں ہی نمٹائے جاتے ہیں۔ پھوپھو کی قسمت... ان کے جوڑ کا یا تو ذات برادری میں کوئی تھا ہی نہیں۔ یا تھا تو ان کو نہ ملا اور باہر سے آئے رشتے کے لیے کبھی بڑے دادا مانے ہی نہیں... ابو کے دبے دبے دلائل کے باوجود... اور یہ اصول صرف گھر کی عورتوں کے لیے نہیں تھے... سلمان چچا نے جب اپنی پسند سے انہیں آگاہ کیا تو ان کے آڑے بھی یہی اصول آئے۔ مگر وہ کوئی مہ پارہ پھوپھو تھے جو ماتھے پہ بل لے کر' بڑبڑاتے ہوئے حویلی کی دیواروں میں تلخ زندگی گزار دیتے... انہوں نے ڈنکے کی چوٹ پہ اپنی پسند کو اپنایا اور اسی پاداش میں انہیں خاندان سے الگ کردیا... ساری زندگی انہوں نے اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ ایبٹ آباد میں گزاری... ابو ان سے رابطے میں رہے... شاید کبھی کبھی چھپ چھپ کے مل بھی آتے تھے' مگر بڑے دادا سے ان کو کبھی معافی نہ دلا سکے... یہاں تک کہ چچا اپنی چہیتی بیوی کے ساتھ ایک کار حادثے کا شکار ہو کے یہ دنیا ہی چھوڑ گئے۔ اور ان کی اکلوتی بیٹی ام ہانی، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حویلی میں آگئی۔

نہیں شاید... شاید ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میری زندگی میں بھی۔

اس کی روئی روئی آنکھیں اداس اداس چہرہ مجھے ذرا اچھا نہیں لگتا تھا... میں خود خاصا آدم بے زار اور سڑیل قسم کا بچہ تھا... لیکن اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ لانے کے لیے ہر جتن کرنے پہ تیار تھا...

پیارے بچوں کے لئے
پیاری پیاری کہانیاں

بچوں کے مشہور مصنف
محمود خاور
کی لکھی ہوئی بہترین کہانیوں
پر مشتمل ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے
آپ اپنے بچوں کو تحفہ دینا چاہیں گے۔
ہر کتاب کے ساتھ 2 ماسک مفت
قیمت -/300 روپے
ڈاک خرچ -/50 روپے
بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ ءعمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

اس کی خاطر جو کر تک بننے پہ۔۔۔ میں جو کمرے میں گھسا گیمز کھیلتا رہتا تھا اب کبھی اس کو چھت پہ پتنگ اڑا کے دکھا رہا ہوتا تو کبھی اس کے لیے آم کے درخت پہ چڑھا کیریاں توڑ رہا ہوتا۔۔۔ اسے آنکھ مچولی کھیلنا بہت پسند تھا اور مجھے اسے آنکھوں پہ دوپٹا باندھے میری تلاش میں گھومتے دیکھنا۔۔۔ اور میں چپ چاپ ایک جگہ کھڑا اسے تکتا رہتا۔ چھپنے کی کوشش کبھی نہ کرتا۔۔۔ بھلا میں اس کی نظروں سے اوجھل کیوں رہنا چاہتا اور جب وہ مجھے کاندھوں سے تھام کے خوشی سے چلاتی۔

"ڈھونڈ لیا میں نے۔۔۔ سعد مل گیا مجھے۔" تو میرے اندر سکون سا اتر آتا۔۔۔ میں اسے مل جانا چاہتا تھا۔

اور ایک میں ہی تو تھا پوری حویلی میں۔ جس کے ساتھ وہ باتیں کرتی تھی۔ ہنستی تھی۔ کھیلتی تھی۔۔۔ باقی سب کے ساتھ وہ کھل ہی نہ پا رہی تھی۔ امی اس کا بے حد خیال رکھتیں' ابو اس پہ اتنا پیار لٹاتے' بڑے دادا تو لگتا تھا سلمان چچا کے ساتھ ہونے والی ہر زیادتی کی تلافی اسی کے لاڈ اٹھا کے کرنا چاہتے تھے۔ بس ایک مہ پارہ پھوپھو تھیں جو ذرا لیے دیے رہتیں اس کے ساتھ۔ مگر وہ کوئی اتنی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ ان کا رویہ سب کے ساتھ ہی ایسا تھا اس معاملے میں وہ رواداری اور انصاف سے کام لیتیں۔ سب کو ایک سی بے مروتی اور سرد مہری سے نوازتی تھیں۔ پھر بھی وہ جیسے اپنے اندر سمٹی رہتی وہ اپنے نہیں' کسی اور کے گھر میں رہ رہی ہے۔ ایک ایسے گھر میں جہاں اس کی ماں کو کبھی قدم رکھنے کی اجازت نہ ملی۔ ایک ایسے گھر میں جس کے دروازے ہمیشہ کے لیے اس کے باپ پہ بند کر دیے گئے تھے۔ یہ احساس اس کے اندر سے نہیں جاتا تھا۔

حویلی کی نسبت وہ حویلی کے پچھلے گوشے والے اس کھنڈر نما حصے میں زیادہ خوش تھی۔ جو بڑے دادا کے بھی دادا کے وقتوں کی یادگار تھا۔ اس کی خاطر میں بھی وہیں جانے لگا اس کے ساتھ۔۔۔ اور چونکہ اس کا دل وہاں لگتا تھا میرا بھی لگنے لگا۔ ہم نے اس کھنڈر کو ایک نام دیا۔۔۔ خواب نگر۔۔۔ یہ خواب نگر ہمارا تھا۔۔۔ ہم دونوں کا۔۔۔ ہم پہروں یہاں بتا دیتے۔ وہ کالج سے اور میں اسکول سے آنے کے بعد' کتابیں بھی یہاں اٹھا لاتے۔ پڑھتے' کھیلتے' باتیں کرتے۔۔۔ اسے دیواروں پہ کارٹون بنانے کا بہت شوق تھا۔۔۔ بہت اچھی ڈرائنگ بھی تھی اس کی۔ جب دل چاہتا کمال قسم کے اسکیچز اور پینٹنگز بھی بناتی۔۔۔ مگر خواب نگر کی شکستہ دیواروں پہ صرف کارٹونز۔۔۔ مزے مزے کے کارٹونز اور میں۔۔۔ میری ڈرائنگ تو ہمیشہ سے بہت بری تھی۔۔۔ مگر اس کے لیے کچھ تو کرنا تھا میں نے۔۔۔ ایک دن چاک اٹھایا۔۔۔ اور ایک دیوار پہ اس کا اور اپنا نام لکھ دیا۔۔۔ اس سے کچھ دیر پہلے میں کسی بات پہ اس سے ناراض ہوا تھا۔ نہیں۔۔۔ ناراض نہیں ہوا تھا۔۔۔ ناراض ہونے کا ڈرامہ کر رہا تھا تاکہ وہ مجھے منائے اور اس نے مجھے منایا۔ میں مان گیا پھر اپنا اور اس کا نام دیوار پہ لکھتے ہوئے میں نے کہا۔

"ہنی۔۔۔ آج کے بعد جب بھی ناراضی کے بعد ہماری پھر سے دوستی ہوا کرے گی۔۔۔ میں یہاں اپنا اور تمہارا نام لکھوں گا۔" وہ ہنس پڑی تھی۔

"بدھو۔۔۔ پھر تو جلد ہی یہ سب دیواریں تمہارے اور میرے نام سے بھر جائیں گی۔۔۔ پھر میں کارٹونز کہاں بناؤں گی۔"

"تو ہم کم کم ناراض ہوا کریں گے ناں۔۔۔"

میں نے حل نکالا اور وہ پھر سے ہنس پڑی اور زمین پہ کوئلے سے لکیریں کھینچنے لگی۔ یہ اس کا پسندیدہ کھیل تھا اسی سے متعارف ہوا تھا میں اس کھیل سے اور اس کا نام سن کے ہنس بھی پڑا تھا۔

"اشٹاپو۔۔۔ یہ کیسا گیم ہے بھلا۔۔۔ کتنا فضول نام۔"

"بدھو۔۔۔ تمہیں کیا پتا تم اپنے روم میں بیٹھے بس ویڈیو گیمز کھیلا کرو۔۔۔ جو مزا ایسے کھیلوں میں ہے وہ ویڈیو گیمز میں کہاں۔"

پھر میں بھی اکثر اس کے ساتھ اشٹاپو کھیلنے لگا اور اکثر رات کو وہ مجھے کہانی بھی سنایا کرتی۔ مجھے کہانی سننے سے زیادہ کھلے آسمان کے نیچے ستاروں کی چھاؤں میں' آنگن میں بچھے پلنگ پہ اس کے برابر لیٹ کر اسے

محسوس کرنا زیادہ اچھا لگتا تھا۔

"اس کے زخم گہرے تھے مگر شہزادی کو محسوس نہ ہوئے کیونکہ شہزادہ اس سے بے حد محبت کرتا تھا۔ اس لیے اس کے زخم بھرتے گئے۔"

"تمہارے زخموں میں بھی کبھی درد نہیں ہوگا ہنی ... کیونکہ میں بھی تم سے بے حد محبت کرتا ہوں۔"

میں نے کہانی میں دخل دیا تو اس کی کھلکھلاہٹ دور اوپر ستاروں سے جا ٹکرائی۔

"بدھو... وہ والی محبت نہیں شہزادے کو شہزادی سے دوسری والی محبت تھی اور قسم کی۔"

"کیا محبت کی بھی قسمیں ہوا کرتی ہیں ہنی؟"

یہ میرا پہلا سوال تھا جس نے اسے لمحے بھر کے لیے چپ کر دیا تھا۔ پھر اس کے لبوں سے ایک سرگوشی سی آزاد ہوئی۔

"شاید۔"

* * *

اور میں اس ویرانے میں کھڑا ہوں... اسی بازگشت میں۔

"شاید... شاید... شاید۔"

میں نے اس حویلی کے سنسان' اجاڑ ویرانے میں کسی کو کھوجنا چاہا... کسی بھی جانب کوئی نہیں تھا اور ہر جانب وہ تھی۔

اس کے ہونے اور اس کے نہ ہونے کے درمیان ہی معلق تھا میں کب سے...

"ہاں... محبت کی بھی قسمیں ہوا کرتی ہیں۔" مجھے طاؤسی تخت پہ پھر سے سیاہ وجود سسکیاں لیتا نظر آیا۔

"کہیں محبت عبادت کے وضو سے پاک ہوتی ہے۔" اور پھر مجھے برآمدے کے سرخ' سبز' سفید اور سیاہ چپس والے سرد فرش پہ وہ جائے نماز بچھائے سفید دوپٹے کے ہالے میں سجدہ کرتی نظر آئی میرے قدم آگے بڑھے۔

"تو کہیں محبت' غرض کے کالے بادلوں میں دھندلائی ہوئی ہوتی ہے۔"

اور جیسے ہی حسد' غرض اور رقابت کی آگ سے سیاہ ہوتے چہرے والے سعد رضوان پہ میری نظر پڑی ... میرے بڑھتے قدم رک گئے۔ اس بے پناہ مکروہ چہرے کو دیکھ کے میں نے حیرت سے سوچا تھا۔ کیا واقعی یہ میں تھا؟

"کہیں محبت ہوس کی تپش سے گھبرائی ہوتی ہے۔"

اور دور کہیں ہانی کے کمرے کی کھلی کھڑکی سے اندر کا منظر نظر آ رہا تھا... زرد لباس میں مایوں کی دلہن ہراساں چہرے والی امہ ہانی... اور وحشت کے عالم میں اسے کاندھے سے پکڑ کے جھنجوڑتا سعد رضوان۔

"اور کہیں محبت طلب کی پیاس میں بے کل۔"

میں نے گھبرا کے اس کے کمرے کی ادھ کھلی کھڑکی سے نظر ہٹائی تو سامنے ایک اور مکروہ منظر تھا۔

شکست خوردہ' زخم خوردہ' مایوس سعد رضوان آنسوؤں کے ساتھ روتا' گڑگڑاتا ام ہانی کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑے کھڑا تھا اور وہ اس کی وحشت و دیوانگی سے سہمی' لرز رہی تھی۔

"اور کہیں... کہیں محبت نفرت کے زہر میں ڈوبی ہوئی۔"

اور جب دھندلی آنکھوں کے سامنے دلہن بنی ام ہانی نے سعد رضوان کو شدت کے ساتھ تھپڑ دے مارا تو میں اس منظر کی تاب نہ لا سکا اور آنکھیں بند کر لیں ... مگر بند آنکھیں اور بہت کچھ دکھانے لگیں۔

* * *

"کیوں جاؤں میں ہاسٹل؟"

میں جھنجلا اٹھا تھا ابو کے اس نئے آرڈر پہ... مگر ان پہ میری جھنجلاہٹ اور احتجاج کا کوئی اثر نہ پڑا۔

"کیونکہ میں کہہ رہا ہوں۔"

ان کے لہجے کی سختی اور قطعی پن کا اثر زائل کرنے کے لیے امی نے وہی بات ذرا مکھن میں بھگو کے کی۔

"تمہارے ابو نے تمہارے مستقبل کے لیے ہی یہ فیصلہ کیا ہے سعد یہاں اس چھوٹے سے شہر میں تم کیا تعلیم حاصل کرو گے؟"

"اچھا؟ تو جب ہنی نے لاہور جا کے NCA میں ایڈمیشن لینا چاہا تھا تب آپ سب نے مخالفت کیوں کی تھی اور یہ کیوں کہا تھا کہ ایسی کون سی پڑھائی ہے۔ جو اس شہر میں رہ کے نہیں ہو سکتی۔"

"سعد' وہ لڑکی ہے۔" امی نے جیسے اپنی دانست میں کوئی انکشاف کیا تھا مجھ پہ۔۔۔۔

"اچھا تو وہ لڑکی ہے اس لیے اس کے فیوچر کی کوئی پروا نہیں۔۔۔۔ میرے فیوچر کی ہے؟ میں نہیں جانے والا نہیں۔"

دو ڈھائی سال پرانا مقدمہ نکال کے میں اب لڑ رہا تھا اس کی حمایت میں وہ بالکل صحیح مجھے بدھو کہتی تھی۔

"سعد۔۔۔۔ تم۔"

اس سے پہلے کہ ابو ڈانٹ کا ایک لمبا سیشن شروع کرتے امی نے ان کا ہاتھ دبا کے انہیں منع کر دیا۔

"میں بات کرتی ہوں رضوان۔"

"پاگل ہو گیا ہے کیا یہ؟"

"گھر سے دور کبھی نہیں رہا ناں۔۔۔۔ اس لیے۔"

"تو کیا ساری عمر تمہاری گود میں بیٹھا رہے گا۔"

ان کو بحث میں الجھا دیکھ کے میں پیر پٹختا وہاں سے نکل گیا۔

* * *

اور بھلا دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ام ہانی سے بہتر سامع اور خواب نگر سے بہتر جگہ اور کون سی تھی۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں وہ۔۔۔۔ یہاں کیا پڑھ لو گے تم؟"

کوئلے سے دیوار پہ کارٹون بناتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

"وہی۔۔۔۔ جو تم نے پڑھا۔"

"بدھو۔۔۔۔ میں نے تو ہسٹری اور لٹریچر کے ساتھ بی اے کیا اور تم نے کرنی ہے انجینئرنگ اور اس کے لیے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا ہو گا۔"

"تم بھی تو آرٹسٹ بننا چاہتی تھیں اور اس کے لیے نیشنل کالج آف آرٹس جانا چاہتی تھیں۔۔۔۔ مگر تمہیں تو کسی نے اجازت نہ دی۔"

"تو میں بن تو گئی آرٹسٹ۔" وہ کوئلہ پھینک کر ہاتھ جھاڑتے ہوئے فخر سے مجھے دیوار پہ بنا کارٹون دکھانے لگی۔

"یہ دیکھو۔۔۔۔ مگر انجینئر ایسے خود بخود نہیں بنا جاتا۔"

"نہیں تو نہ سہی۔۔۔۔ نہیں بنوں گا۔ اگر اس کے لیے ہاسٹل جانا شرط ہے۔" میں اڑا ہوا تھا وہ میرے برابر بیٹھ گئی۔

"سمجھ گئی۔۔۔۔ تم کیوں نہیں جانا چاہتے۔" اس کی بات پہ میں نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

"اچھا۔۔۔۔ تو تم واقعی جانتی ہو کہ وہ کیا ہے۔ جو مجھے یہاں باندھے ہوئے ہے۔۔۔۔ کیوں نہیں جا سکتا میں دور؟"

"ہاں۔۔۔۔ تمہارا ڈر۔۔۔۔" اس کے اطمینان بھرے جواب پہ میں جل اٹھا۔۔۔۔

"ڈر؟"

"ہاں ناں۔" وہ میرے جلنے کڑھنے کا مزا لے رہی تھی۔

"ڈرتے ہو اکیلے رہنے سے۔۔۔۔ چہ چہ۔۔۔۔ بے چارہ ننھا سا بچہ۔۔۔۔ کیسے رہے گا اکیلے۔"

"میں بچہ نہیں ہوں سمجھی۔۔۔۔ آئی بڑی۔" میری ناراضی پہ وہ ہنس پڑی۔

"ہاں۔۔۔۔ ہوں تو بڑی اور تم چھوٹے۔"

"اچھا؟ ذرا اٹھنا تو۔" میں جھٹ کھڑا ہو گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کے بھی اپنے برابر کھڑا کرنے کے لیے کھینچنے لگا۔

"یہاں کھڑی ہو ذرا۔۔۔۔ ساتھ ایسے اب بتاؤ یہ میں چھوٹا ہوں؟ تم چھوٹی ہو پورے پانچ انچ۔"

"اور تم پورے پانچ سال۔۔۔۔ اتنا ہی شوق ہے نہ بڑا بننے کا تو جاؤ۔۔۔۔ جا کے دکھاؤ ہاسٹل اور رہو اکیلے۔۔۔۔"

وہ چڑا بھی رہی تھی اور اکسا بھی رہی تھی۔ میں کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔۔۔۔ پھر میں نے بھی اکسانے کی کوشش کی۔

"سوچ لو۔۔۔۔ چلا گیا تو یاد آؤں گا تمہیں۔"

"آجانا... میں خوشی خوشی کرلوں گی تمہیں یاد۔"

اس کے اطمینان نے مجھے تاؤ دلا دیا اور میں نے فورا” ہی جانے کا فیصلہ کرلیا' ٹھان لی کہ اب اسے یاد آکے رہوں گا اور ایسے یاد آؤں گا کہ مزا چکھادوں گا اور بھیجے مجھے دور...

* * *

"یہ سب چھوڑو سلمیٰ اور پہلے جا کے وہ سارے کپڑے پریس کردو جو میں نے سعد کے نکال کے رکھے ہیں... مجھے پیکنگ کرنی ہے اس کی۔"

نائلہ نے آتے ہی سلمیٰ کی گلوخلاصی کرائی جو مہ پارہ کے سامنے بیٹھی اس کے لیے سیب چھیل رہی تھی اور ساتھ ساتھ اس کی جلی کٹی سن رہی تھی۔ فورا” شکر کا کلمہ پڑھتی اٹھی۔

"جی بی بی جی..."

"مان گیا وہ جانے کے لیے؟" مہ پارہ نے دانتوں سے سیب کترتے اور آنکھوں سے نائلہ کو چٹکی لیتے پوچھا۔

"میں نے ہانی سے کہا تھا کہ اسے سمجھائے... مان گیا۔" ام ہانی کا نام کیا تھا... گویا تتیا مرچ تھی جو مہ پارہ کے حلق تک میں لگ کے سی سی کرا گئی۔

"ام ہانی نہ ہوئی۔ گیدڑ سنگھی ہو گئی جو سعد کو سونگھائی اور ہر بات منوالی۔"

وہ کلس کے بولی تھی اور نائلہ نے حسب عادت رسان سے اس کے اعتراض کو ٹالنا چاہا۔

"اس کی مان جو لیتا ہے وہ۔"

"بھابھی... آپ کے دل کو کچھ ہوتا نہیں ہے؟ اولاد وہ آپ کی ہے اور مانتا وہ ہر بات اس کی ہے۔"

"تو کیا ہوا' مان جاتا ہے یہی کافی ہے۔"

"آپ بہت بھولی ہیں بھابھی..." ام ہانی نے اسے ڈھال بنا رکھا ہے... وہ نہ صرف اس سے آپ کی باتیں منواتی ہے بلکہ اپنی بھی ہر بات اسی کے ذریعے آپ لوگوں سے منوالیتی ہے۔"

"نہیں مہ پارہ... ام ہانی کبھی کچھ منوانا تو دور کی بات مانگتی تک نہیں۔ میری تو حسرت ہی ہے کہ وہ کبھی مجھے ماں سمجھ کے کوئی فرمائش کرے۔"

"لو... یاد نہیں؟ لاہور جا کے داخلہ لینے کے لیے اس نے کیسے سعد کو ڈھال بنایا تھا... وہ اتنا پدا سا لڑکا ڈٹ کے کھڑا ہو گیا تھا اس کے لیے۔"

مہ پارہ تلی بیٹھی تھی آج نائلہ کو ام ہانی کے سب کردہ ناکردہ گناہ یاد دلانے کے لیے مگر نائلہ نے بھی شاید صبر گھول کے پی رکھا تھا جو مہ پارہ کا ایک ایک وار الٹا جا رہا تھا۔

"تو کون سا اس کی یا سعد کی مان لی گئی تھی... کب جانے دیا اسے دادا جی نے اور تمہارے بھائی صاحب نے۔"

"ٹھیک ہی تو کیا... میں تو خود اس حق میں نہیں تھی کہ وہ دوسرے شہر جا کے پڑھتی وہ بھی لڑکوں کے ساتھ بھابھی پرائی بیٹی کی ذمے داری بہت بھاری ہوتی ہے اور پھر اس کی ماں... کچھ ڈھکا چھپا ہوا تو ہے نہیں کسی سے۔"

"مہ پارہ..." اب نائلہ اپنی ناگواری چھپا نہ سکی۔

"جو دنیا میں نہیں... اس کا ذکر یا تو اچھے لفظوں میں کرو... یا نہ کرو۔"

"اب جو سچ ہے۔ وہ سچ ہے بھابھی... دنیا سے لوگ جاتے ہیں... ان کے کارنامے ہیں۔ وہ تو پیچھے ہی رہ جاتے ہیں۔ ہمارے بھائی سے اس کی ماں کی دوستی یونیورسٹی میں ہی تو ہوئی تھی اور وہ سارے خاندان سے ٹکر لے کر اس سے کورٹ میرج کر کے الگ ہو گیا تھا۔ ایسی ماں کا کچھ اثر تو آتا ہے۔ میں تو کہتی ہوں اس پہ بہت کڑی نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ ذرا سی ڈھیل اس لڑکی کو..."

بات کرتے کرتے مہ پارہ کی نظر سامنے پڑی تو وہ منہ بنا کے چپ ہو رہی... باہر سے آتی ام ہانی اس کی بات سن کے دہلیز پر ہی جمی رہ گئی تھی... مہ پارہ تو سر جھٹک کے پھر سے سیب کترنے میں مشغول ہو گئی اور نائلہ کچھ نہ کرتے ہوئے شرمندہ ہو گئی ام ہانی کے سامنے۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی ام ہانی... ذرا

میرے ساتھ سعد کی پیکنگ تو کروانا۔"

"جی تائی اماں۔"

بجھے بجھے انداز میں کہتی ست قدموں سے وہ تائلہ کے پیچھے چل دی۔

ہمیشہ کی طرح مہ پارہ کی باتوں کو جلد ہی ذہن سے اتار کے وہ پھر سے مسکراتے ہوئے مگن انداز میں کپڑے سوٹ کیس میں رکھ رہی تھی میں بیڈ پہ کہنی کے بل لیٹا اسے تکے جا رہا تھا۔

"کچھ رہ گیا ہے تو بتا دو۔" ایک سوٹ کیس بند کرنے کے بعد اس نے بیگ کھولا۔

"ہاں... وہ تو یہیں رہ جائے گا۔"

"ہاں تو بتا دو ناں... کونسی ضروری چیز ہے؟ پیک کر دوں۔"

"بتا تو دوں... مگر تم پوری نہیں آؤ گی اس میں۔"

میری نظریں اس کے چہرے سے ہٹ نہ پا رہی تھیں۔

"بدھو۔" اس کی کھلکھلاہٹ میرے سوٹ کیس اور بیگ میں بھر گئی۔

"چلو اب سو جاؤ۔ صبح جلدی نکلنا ہے تمہیں۔"

وہ بیگ بیڈ کے پاس رکھ کے چلی گئی۔ میں کچھ دیر ہلتے پردے کو دیکھتا رہا۔ پھر اچھل کے بیڈ سے نیچے اترا اور الماری کھول کے اپنے شب خوابی کے لباس کے نیچے چھپا کے رکھا وہ چھوٹا سا چکنا سا سرمئی پتھر نکالا جس پہ ام ہانی کے ان گنت لمس قید تھے اسے ہتھیلی پہ رکھتے ہی میرے ہونٹوں سے مسکراہٹیں پھوٹنے لگیں۔ یہ وہ پتھر تھا... جو کل کھیل کے دوران میں نے غائب کیا تھا جب ام ہانی کمر پہ دوپٹا کسے، اپنے پسندیدہ کھیل اشٹاپو کے لیے خواب گھر کے کچے آنگن پہ کوئلے سے لکیریں کھینچ رہی تھی... پھر اس نے پتھر کو حسب عادت چوم کر نشانہ تاک کر پھینکا... اور ایک ایک خانے پہ پیر جماتی... کودتی آگے بڑھی اور جیسے ہی اس کی نظر چوکی... میں پتھر اٹھا کے بھاگ نکلا۔ وہ پلٹی تو مجھے سرپٹ بھاگتے دیکھ کے چلائی تھی۔

"سعد... رکو کہاں جا رہے ہو کھیلنا نہیں تھا تو بتا دیتے سعد۔"

مگر مجھے جو چاہیے تھا۔ وہ میں لے اڑا اس چکنے سرمئی پتھر کو میں نے سوٹ کیس میں سب سے نچلی تہ میں چھپا دیا۔

* * *

بڑے دادا کا کمرہ۔

نواڑی رنگلا پلنگ۔ تپائی پہ رکھی رنگ برنگی دوائیں، صراحی اور پیتل کا گلاس۔ پلنگ کے ساتھ نیچے رکھا اگالدان۔

پائنتی رکھی بروکیڈ کی رضائی۔ عقب پہ ٹنگی بندوق...

اور بڑے دادا کی وہی آہیں۔ وہی کھانسی وہی سرد آہیں۔

اور ان آہوں اور کھانسی کے درمیانی وقفے میں بار بار کچھ کہنے کی کوشش کرتے ابو...

مجھے اب جمائیاں آنے لگیں... کب سے ابو انہیں کچھ بتانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"صبح سعد کو..." اور کھانسی کا دورہ...

"آپ سوئے ہوں گے اس وقت تو میں نے سوچا ابھی..." رضوان نے دوبارہ کہنے کی کوشش کی... مگر...

اس بار ذرا زیادہ طویل ہو گیا کھانسی کا دورانیہ... اور میری جمائیاں بھی... ذرا تھمیں تو وہ آہیں بھرنے لگے جو قدرے غنیمت تھیں۔

"بس اب ابھی اسے دعا دے کر رخصت..." اب کے جو دورہ پڑا تو میری جمائیوں نے ہی ہاتھ جوڑ کر معذرت کر لی... میں ابو کی بات مکمل ہونے کی امید چھوڑ کے اب بڑے دادا کی دواؤں کے لیبل پڑھنے لگا۔

"نہ بھیج اسے لہور۔" ابو کی بات تو کیا پوری ہونی تھی۔ بڑے دادا نے اپنی شروع کر دی۔

"لہور جا کے منڈے خراب ہو جاتے ہیں سلمان کا حال یاد نہیں؟ وہ تو پھر بھلے وقت تھے... اب تو ماحول اور خراب ہو گیا ہے۔ لہور بھیجنے سے اچھا ہے اسے ولایت بھیج دے۔"

ان کے مشورے پہ ابو مسکرا دیے۔

"تو کیا ولایت جا کے لڑکے خراب نہیں ہو سکتے دادا جی؟؟"

"نہ اوتھے کی خراب ہونا... زیادہ سے زیادہ میم لے آئے گا۔ چنگا لے آوے... بچے سوہنے ہوں گے۔ نیلی آنکھوں سنہرے بالوں والے... مگر لہور نہ بابا... توبہ توبہ۔"

پھر انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں سرہانے رکھی چھڑی اٹھا کے مجھے ٹھوکا دیتے ہوئے متوجہ کیا۔

"اوئے۔"

"جی بڑے دادا۔"

میں نے پسلی سہلائی... بڑے زور کی چبھی تھی چھڑی۔

"گل سن... خبردار جو تو نے وڈے بازار کا رخ کیا تو... میں ٹانگیں چیر دوں گا تیری۔"

"ہیں؟ وڈا بازار؟" میں ہونق سا بن کے دونوں کو تکنے لگا۔ ابو خاصے جز بز لگ رہے تھے۔

"دادا جی آپ بھی کیا... اسے کیا پتا ان باتوں کا۔"

"کیوں؟ یہ چھوٹا کاکا ہے؟ تجھے کیا پتا نئی نسل کا کتنی کھوچل اور میسنی ہے اندرو اندری... سعد جیسے مجھے پتا چلا کہ تو وڈے بازار جانے لگا ہے تو تیری خیر نہیں۔"

انہیں دوبارہ کھانسی کا دورہ پڑا اور ابو نے آنکھ سے مجھے کھسکنے کا اشارہ کیا۔

"ابو... یہ وڈا بازار کونسا ہوتا ہے؟؟"

نکلتے نکلتے میں نے سرگوشی میں پوچھا تو جواب میں انہوں نے تگڑی سی گھوری ڈالی۔

* * *

علی الصباح نکلنا تھا... میں جانتا تھا وہ اس وقت کہاں ہو گی' اس لیے بیگ اٹھائے سیدھا برآمدے میں آیا' جہاں وہ جائے نماز بچھائے فجر کی نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے ہوئے تھی۔ میں دو قدم دور کھڑا چپ چاپ اسے دیکھتا رہا... کتنا اچھا لگتا تھا ناں مجھے اسے یوں دیکھتے چلے جانا... دعا مانگنے کے بعد اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے پاس بلایا... میں وہیں گھٹنوں کے بل ٹھنڈے فرش پہ بیٹھ گیا... وہ زیر لب کچھ پڑھ رہی تھی۔

"ہنی... میں جا..."

اس نے گھور کے چپ رہنے کا اشارہ کیا تو میں پھر سے اپنے دل پسند شغل سے خود کو بہلانے لگا۔

اس کے دھلے دھلے چہرے پر بند پلکوں کا ہلکا سا ارتعاش... ورد کرتے لب۔ پھر اس نے میرا چہرہ ہاتھ سے پکڑ کر اپنے نزدیک کیا اور میرے دائیں کان میں پھونکتے ہوئے کہا۔

"فی امان اللہ..."

"مجھے روک لو ہنی..."

اور یہ تو میں پچھلے تین دنوں میں اسے کتنی بار کہہ چکا تھا۔

"فضول باتیں... پڑھنے کی چوری کرو گے تو میں ناراض ہو جاؤں گی۔"

وہ دوپٹے کے پلو کی گرہ کھولتے ہوئے کچھ نکال رہی تھی۔

"آدھی جان تو میری جانے کے خیال سے نکل رہی ہے۔ باقی آدھی تم ناراضی کی دھمکی دے کر نکال دو۔"

اس نے کپڑے کی ایک دھجی میرے دائیں بازو پہ باندھنی چاہی...

"اب یہ کیا ہے؟؟"

"امام ضامن۔"

اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا... میں نے غور سے دیکھا تو صرف لہجہ نہیں تھا جو بھیگ رہا تھا آنکھوں کے گوشے بھی تھے۔ میں نے انگلی کی پور پہ اس کی پلک پہ ٹنگا آنسو چن لیا۔

"اسے بھی باندھ دو ساتھ... کیا کرو گی چھپا چھپا کے۔" وہ مسکرا دی۔

"بدھو۔"

"سعد..."

مہ پارہ پھوپھو کی پاٹ دار آواز گونجی۔

"جاؤ ناں... دیر نہ ہو جائے۔" اس نے کاندھے سے پکڑ کے میرا رخ موڑا۔

"سب وہاں تمہارا انتظار کر رہے ہیں اور تمہاری باتیں ہی ختم نہیں ہو رہیں۔"

میں نے آنکھوں میں اس کا چہرہ بھرنا چاہا مگر کسی طرح سماتا ہی نہیں تھا۔ آنکھیں دل سب چھوٹا پڑ جاتا تھا... جانتا تھا مجھے رخصت کرنے وہ کبھی بھی باہر تک نہیں آئے گی۔ اس لیے میں نے کہا بھی نہیں اور جتنے نقوش میری دو آنکھوں میں سما سکتے تھے' ان کو ہی سمیٹ کر چل دیا جہاں مسلسل ہارن پہ ہارن بج رہے تھے۔

"آ بھی جاؤ سعد... تمہارے ابو کا ہاتھ نہیں ہٹنے والا ہارن سے۔" یہ امی تھیں جو پتا نہیں کیسے خود کو سنبھالے ہوئے تھیں۔

"میرا شونا مونا جا رہا ہے؟"

اور یہ مہ پارہ پھوپھو تھیں جو میرے دونوں گال نوچتے ہوئے لاڈ جتا رہی تھیں۔ وہ لاڈ جو سال میں ایک آدھ بار آتا۔

میں نے ان سے اپنے گال چھڑاتے ہوئے اور کار میں بیٹھتے ہوئے ایک نظر مڑ کے پیچھے ڈالی۔ اس کے کمرے کی کھڑکی بند تھی۔ مگر جالی کے پردے کے پیچھے اس کا ہیولا نظر آ رہا تھا۔ جو فوراً" ہی ہٹ گیا۔

* * *

ام ہانی اداسی سے کھڑکی کے پاس سے ہٹی... آنسوؤں کو اب کسی کا پردہ نہیں تھا۔ وہ دیوار پہ لگی اپنی اور سعد کی ان گنت تصویریں دیکھنے لگی۔ ہنستی مسکراتی تصویریں... زندہ جاگتی تصویریں۔

"ساری زندگی کوئی دوست نہیں بنا میرا... تم بھی نہ بنتے... کم از کم ایک اور اداسی تو میرے حصے نہ آتی۔"

"ہانی بی بی۔" سلمیٰ نے جھانک کر پکارا۔

"بی بی جی کہہ رہی ہیں آپ کی خالہ کا فون ہے۔ آ کے سن لیں۔"

"خالہ؟" وہ چونکی۔

"ہاں جی... ولایت والی خالہ... وہ جو عید کے عید فون کرتی ہیں۔"

* * *

ہاسٹل کی بلڈنگ کو دیکھتے ہی میرا دل ہولنے لگا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سنٹرل جیل کے سامنے کھڑا ہوں۔ ابو بڑے اطمینان سے ڈرائیور کو سامان اندر رکھوانے کا کہہ رہے تھے۔ پھر مجھے ڈپٹنے لگے۔

"اب بس بھی کرو سعد... مرد بنو یہ تمہارا پہلا قدم ہے گھر سے باہر ابھی تمہیں بہت آگے بڑھنا ہے۔"

میں برے برے منہ بناتا سر ہلا رہا تھا۔

"میں ہر ویک اینڈ پہ ڈرائیور کو بھیج دیا کروں گا۔"

"شکریہ اس عنایت کا۔"

"اور ہاں... سنو۔"

میرے جلے کٹے لہجے پہ بھی انہوں نے مزید ڈانٹنے سے پرہیز کیا اور کچھ ہچکچاتے ہوئے کہنے لگے۔

"وہ... دراصل... داداجی کی بات نے میرے دل میں بھی وہم سا بٹھا دیا ہے۔ دوستوں کے معاملے میں احتیاط کرنا۔ نہ تو ہر کسی سے یاریاں گانٹھنا... نہ ہر جگہ منہ اٹھا کے چلے جانا خاص طور پہ وہاں تو بالکل بھی نہیں۔"

"وہاں کہاں؟"

"وہیں... جہاں کا داداجی نے بھی منع کیا تھا۔"

"اوہ... اچھا وہ وڈا بازار..." مگر میرا اس جگہ کا نام لینے سے ہی ابو کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"اوں ہوں۔ بالکل بھی نہیں ہرگز نہیں سمجھے۔"

کچھ نہ سمجھنے کے باوجود میں نے تابعداری سے سر ہلا دیا۔

* * *

"دھیان سے سلمیٰ یہ آلو کے چھلکے اتار رہی ہو یا تربوز کے اتنے موٹے؟ جلدی کس بات کی ہے؟ ایسے ہبڑ دھبڑ لگائی ہوئی ہے؟ کہیں جانا ہے تجھے؟" نائلہ کی جھڑکیاں سن کے سلمیٰ کا تو جیسے دل کا چور پکڑا گیا۔

”نہیں بی بی جی۔۔۔ توبہ۔۔۔ میں نے بھلا اتنے شام ڈھلے کہاں جانا ہے۔“

اور پھر مہ پارہ کو آتے دیکھ کے سلمٰی کا رنگ اور فق ہو گیا۔۔۔ نائلہ تو ایک آدھ سوال کے بعد جان چھوڑ دیتیں۔۔۔ انہوں نے بھلا کہاں جان خلاصی کرنا تھی۔ مگر مہ پارہ کے اندر تو الگ ہی کھد بد لگی تھی سویرے سے۔۔۔ سلمٰی پہ دھیان کہاں دیتیں۔

”خیر تو ہے بھابھی۔۔۔ یہ ام ہانی کی خالہ کہاں سے زندہ ہو گئی۔“

”یوں کہو۔۔۔ کہ بھانجی کی محبت زندہ ہو گئی۔“

”ہاں جی۔۔۔ عید سے پہلے ہی فون کر لیا انہوں نے اس بار۔“ سلمٰی کے بولنے کی دیر تھی کہ نائلہ نے پہلے تو اسے باہر چلتا کیا۔

”ہر بات میں ناک گھسیڑتی ہے۔ جاؤ جا کے دادا جی سے پوچھو۔۔۔ رات کے کھانے میں دلیا لیں گے یا کھچڑی؟“

”اس کے جانے کے بعد نائلہ نے پانی پیتی مہ پارہ کو بڑی رازداری سے بتایا۔

”غنیمت ہے۔ خیال تو آیا خالہ کو بھانجی کا اور وہ بھی نیک خیال اس کا چھوٹا بیٹا جو ڈاکٹری کر رہا ہے اس کے لیے؟“ اور مہ پارہ کو یہ سنتے ہی اچھو لگ گیا۔

* * *

کروٹیں لے لے کر ہی میں تھک گیا تھا۔ ایک عجیب سی بے کلی تھی۔۔۔ دل کا کوئی کونہ خالی خالی سا محسوس ہو رہا تھا۔ شعیب۔۔۔ میرا روم میٹ۔۔۔ گجراتیا۔۔۔ اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھا کتاب سے باربار نظر ہٹا کے مجھے دیکھتا۔۔۔ اور میں مزید چڑ جاتا آخر اس سے رہا نہیں گیا۔

”کیا بات ہے؟ نیند نہیں آرہی؟“

دل تو چاہا۔۔۔ کہوں ”تمہیں کیا؟ تم کتاب میں منہ دو۔“ مگر بے بسی سے انکار میں سر ہلا کے رہ گیا۔

”پہلی بار گھر سے دور ہوئے ہو؟“

”ہاں پہلی بار۔۔۔ پہلی بار دور ہوا ہوں اور احساس ہو رہا ہے کہ دور ہونا کسے کہتے ہیں۔“

”عادی ہو جاؤ گے میں تو بچپن سے ہاسٹل میں رہتا ہوں۔ آرمی آفیسر کا بیٹا جو ہوا۔ چلو تمہیں بہلانے کے لیے کہیں گھما لاتا ہوں۔۔۔ کہاں چلو گے؟“ وہ کتاب بند کرتے ہوا اٹھا اور مجھے اچانک یاد آیا۔

”سنو۔۔۔ یہ وڈا بازار کہاں ہے لاہور میں؟“

”واٹ۔۔۔“ وہ پہلے چونکا پھر بے تحاشا ہنسنے لگا۔

* * *

”کیوں؟ دادا جی کو کیوں اعتراض ہو گا؟“ نائلہ حیرت سے بولیں۔

”تمہیں ان کے خیالات کا اندازہ تو ہے۔۔۔ سلمان کی سالی کا بیٹا ہمارے لیے غیر ہے اس کی بیوی کو ہی تو ساری زندگی بہو کے طور پہ قبول نہیں کیا انہوں نے۔۔۔ کہ غیر برادری کی ہے۔“ رضوان کے کہنے پہ وہ جھنجلا اٹھی۔

”اور وہ جو ولایت سے میم لانے کے لیے کہہ رہے تھے سعد کو۔۔۔ وہاں کون سی برادری بیٹھی ہے ہماری۔“

”یونہی کہا ہو گا اور یوں بھی گزرے سالوں نے اتنا تو فرق ڈالا ہے اب خاندان میں کئی بہوئیں باہر سے آئی ہیں۔ مگر بیٹی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ایسا ابھی تک نہیں ہوا۔“

”آخر پہلی بہو بھی تو کوئی لایا ہو گا۔۔۔ کسی کو تو اس معاملے میں بھی پہل کرنی ہے۔۔۔ اب کل پرسوں تک وہ لڑکا آرہا ہے۔۔۔ مل تو لیں۔“

”نائلہ۔۔۔ ایک غیر جوان لڑکا۔۔۔ وہ بھی لندن پلٹ۔۔۔ ہمارے گھر آکے رہے۔۔۔ وہ بھی کچھ دن کے لیے ہماری بچی کو جانچنے پرکھنے۔ وہ بالکل پسند نہیں کریں گے۔“

”ایک تو دادا جی نے حویلی پہ 1925ء کا آئین نافذ کر رکھا ہے۔ اب کون سا زمانہ رہا ہے ایسی باتوں کا۔ ہمارے لیے غیر سہی۔۔۔ ام ہانی کا تو سگا خالہ زاد ہے اور وہ اسے ہانی کو جانچنے پرکھنے کے لیے نہیں بھیج رہیں۔ ہمیں کہا ہے کہ ہم لڑکے کو دیکھ بھال لیں تو وہ اگلے

مہینے آ کے باقاعدہ رسم کریں۔"

"اور وہ جو تین چار دن رہنے کے بعد ام ہانی کو ناپسند کر کے چلا گیا تو؟" رضوان نے خدشے کا اظہار کیا۔

"کمی کیا ہے ام ہانی میں اور ماں نے بیٹے کو کچھ سمجھا کے ہی بھیجا ہو گا۔ ولایتی لوگ ہیں۔ بنا بیٹے کے رضامندی کے اتنے بڑی بات منہ سے نہیں نکالی ہو گی انہوں نے اور دیکھیں رضوان... رشتے ناتے ایسے ہی طے ہوتے ہیں۔ لڑکی بیاہنی ہے کہ نہیں؟ یا بہن کی طرح اسے بھی حویلی میں سجا کے رکھنا ہے۔"

"ایک تو تمہیں ہر موقعے پہ میری بہن چبھنے لگتی ہے۔" رضوان نے پہلے ہی حفاظتی بند باندھ دیا۔ پتا تھا کہ مہ پارہ کی بات نکلی ہے تو دور تک جا پہنچے گی۔

"اللہ کے فضل سے ہے ہی ایسی نوکیلی... چبھ، چبھ جاتی ہے۔"

"ٹھیک ہے آنے دو لڑکے کو آگے جو ام ہانی کا نصیب وہ اتنی اچھی ہے اس کے ساتھ اچھا ہی ہونا چاہیے۔ داداجی کو بھی سمجھا دیں گے۔"

* * *

شعیب اپنے تئیں بڑا مجھے بہلانے نکلا تھا۔ لاہور کی رونقیں، روشنیاں، گہما گہمی ان سب نے میری وحشت میں مزید اضافہ ہی کیا تھا... بہت ہی برے موڈ میں واپس آتے ہی میں نے اسے کال کی اور لڑنے لگا۔

"تم بہت بری ہو... بالکل بھی اچھی نہیں ہو... تم مجھ سے ملی بھی نہیں جاتے ہوئے۔"

"تم حرکتیں بھی تو بچوں والی کرتے ہو... اگر مجھ سے ملتے ہوئے رونے لگ جاتے تو سب کتنا مذاق بناتے تمہارا۔" اس کے بہانے کو میں خاطر نہ لایا۔

"جھوٹ، تمہیں ڈر تھا کہ تم خود رونے نہ لگ جاؤ۔" سچی بات سن کے اس نے بات ہی بدل دی۔

"اچھا تو تم نے لڑنے کے لیے فون کیا ہے؟"

"نہیں تمہاری آواز سننے کے لیے، پتا ہے ابھی تمہاری آواز سن کے کیسا لگا؟"

"کیسا لگا؟"

میں چپ ہو گیا جو محسوس ہوا تھا اس کی آواز سن کے وہ شاید لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر بھی کچھ تو کہنا تھا۔

"اس وقت تمہاری آواز سننا ایسا ہے ہنی... جیسے گرمیوں کے روزے میں مغرب کی آواز سننا۔"

"آ رہی ہوں تائی اماں۔"

اس کی بلند پکار میں میری آدھی بات دب ہی گئی۔ نجانے باقی کی آدھی بھی اس نے سنی تھی یا نہیں۔

"میں بعد میں بات کرتی ہوں۔"

* * *

تھا تو رات کا پہلا پہر مگر سکوت آخری پہر والا چھایا تھا۔ ایک تو اماوس، اوپر سے جاتا جاڑا اور پھر شام سے ہونے والی بوندا باندی سب لحافوں میں دبکے پڑے تھے ایسے میں سلمیٰ کے پیروں کی پازیب خوب ہی راز کھول رہی تھی۔

تائی اماں کی بات سن کے اپنے کمرے کے لیے جاتی ام ہانی نے اس پازیب کی چھنک کو خوب پہچان لیا اور فوراً ہی پچھلے دالان کی جانب کھلنے والے دروازے کی جانب آ کے اسے آن لیا۔

سلمیٰ گلابی کروشیے سے بھری سیاہ چادر میں سمٹ کے رہ گئی۔ اسے اس وقت ام ہانی کی گھورتی نظریں مہ پارہ کی نظروں سے کم نہیں لگ رہی تھیں۔

"سلمیٰ تم اتنی رات کو باغیچے میں کیا کر رہی تھی۔"

"وہ میں... میں ہانی بی بی۔"

"پچھواڑے سے آ رہی ہو؟"

ام ہانی کی نظریں ساتھ ساتھ ادھر ادھر کسی اور کے وجود کو بھی تلاش کر رہی تھیں۔ مگر دور تک صرف پیڑوں کے سیاہ ہیولے نظر آ رہے تھے۔

"میں تو۔"

"جھوٹ مت بولو میں نے خود دیکھا ہے۔"

ام ہانی نے ڈپٹ کر کہا تو سلمیٰ بالکل ہی ڈھے گئی۔ اور لگی واسطے دینے۔

"بی بی جی کو نہ بتانا ہانی بی بی... اللہ پاک کا واسطہ ہے

...... پنجتن کا واسطہ۔“

”میں تو نہیں بتا رہی مگر یہ کم بخت تمہاری پازیبیں ضرور بتا دیں گی کسی دن، ان کو اتار کے دفعان ہوا کرناں۔“

ذرا سی چھوٹ کیا ملی کہ سلمیٰ چادر کا کونہ دانتوں میں دبا کر شرمانے لگی۔

”اس کو پسند ہے جی اور اسی کا تحفہ ہے۔ اسے پہنتی ہوں تو جی اٹھتی ہوں۔“

”بہت جی لیا... اب یہی پازیبیں شور مچا کے تجھے مروائیں گی۔“

* * *

”بے کار رہا... تم نے ٹھیک کہا تھا۔ تمہارا دل نہیں لگ سکتا یہاں۔“

شعیب مجھے بے زار سا بیڈ پہ پڑا دیکھ کے افسوس سے سر ہلا رہا تھا۔

”بلکہ میں تو کہتا ہوں۔ یہاں کیا... کہیں بھی نہیں لگے گا... کیونکہ......“

وہ ذرا سا رکا... پھر کھوجتی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

”کیونکہ دل تم کہیں اور لگا بیٹھے ہو۔“

کسلمندی سے لیٹے میں نے ایک دم آنکھیں کھول کے اسے دیکھا۔ وہ اپنے اندازے کی درستگی پر مسکرا رہا تھا۔

”میں صحیح کہہ رہا ہوں؟“

میری ہلکی سی مسکراہٹ نے اس کے سوال کا جواب دیا وہ مزید بے تکلفی دکھاتا برابر پھیل کے لیٹ گیا۔

”کچھ بتاؤ گے نہیں؟“

”اوں ہوں... پہلے اسے تو بتا دوں۔“

* * *

ناشتے کی میز پہ آلو کی بھجیا اور بل والے پراٹھے رکھتے ہوئے نائلہ کو سعد کی یاد پہلے سے کچھ بڑھ کے آئی۔

”آج تیسرا دن ہے سعد کو گئے۔“

”تین دن اور صبر کے ساتھ گزار لو... ویک اینڈ پہ بلوا لیتا ہوں۔“ رضوان نے تسلی دی۔

”وہ جی مہمان آ گئے ہیں ولایت والے۔“

سلمی کے آ کے اطلاع دینے پہ رضوان پہلا نوالہ توڑتے توڑتے رک کے اور جلدی سے اٹھے۔

”اوہو... نائلہ تم نے مجھے یاد کیوں نہیں دلایا، ہمیں ڈرائیور بھیجنا چاہیے تھا ایئرپورٹ۔“

”کچھ زیادہ جلدی نہیں دکھائی امہ ہانی کی خالہ نے؟“

مہ پارہ انڈوں کا حلوہ کھاتے ہوئے بھی حلق کی تلخی کو محسوس کر رہی تھیں۔

”بیٹی کا معاملہ ہے۔ جتنی جلدی فرض ادا ہو جائے اتنا اچھا۔“

نائلہ نے رضوان کے پیچھے پیچھے جاتے جاتے کہا ... اور جلتی بھنتی مہ پارہ نے ہاتھ کا چمچہ پیالی میں واپس پٹخا۔

”ہاں اب سب کو جلدیاں سوجھ رہی ہیں میرے تو سر کے بال بھی پکا ڈالے بٹھا بٹھا کے۔“ اور وہ اپنا موڈ تب بھی ٹھیک نہ رکھ سکی جب جنید بڑے مودب انداز میں سب کے درمیان بیٹھا ان کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ مگر اس کی آنکھیں مسلسل کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

”تمہارے گھر میں سب خیریت ہے بیٹا۔“ نائلہ کے پوچھنے کے دوران مہ پارہ مسلسل جنید کی نظروں کی بے چینی نوٹ کر رہی تھی۔

”جی سب ٹھیک ہیں مام نے سلام بھجوایا ہے۔“

”وعلیکم اسلام... سفر میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟“ رضوان کے سوال کے جواب میں بھی وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

”جی نہیں آرام سے کٹ گیا۔“

”کسے ڈھونڈ رہے ہو؟“ آخر مہ پارہ سے رہا نہ گیا۔

”جی نہیں کسی کو بھی نہیں۔“ بے چارہ بوکھلا کے رہ گیا۔

”آپ کی حویلی بہت خوب صورت ہے۔“

”ام ہانی اسکول سے بس آتی ہی ہو گی۔“ نائلہ نے

مسکرا کے وہ جواب دیا۔ جس کا سوال وہ کر نہ پا رہا تھا۔

”اسکول؟“ جنید کے استفسار پہ رضوان نے وضاحت کی۔

”سلمان کی وفات کے بعد میں نے اس کے نام سے قصبے میں ایک ٹرسٹ اسکول اور ایک چھوٹا سا ہاسپٹل بنوایا تھا۔ اپنی ایجوکیشن مکمل کرنے کے بعد ام ہانی ہی اس اسکول کو دیکھ رہی ہے۔“

”اوہ... thats great۔“

اسی وقت ام ہانی اندر داخل ہوئی... اور ٹھٹکتے سنبھلتے سلام کیا۔

”السلام علیکم۔“

مہ پارہ نے جنید کے چہرے پہ وہ پسندیدگی دیکھ لی۔ جو ام ہانی کی پہلی جھلک کے بعد ہی نمایاں ہو گئی تھی۔ ان کی بے آرامی اور بڑھ گئی۔ وہ پہلو بدلنے لگی۔

”اوہ... کیسے ہیں آپ؟ خالہ کیسی ہیں وہ کیوں نہیں آئیں؟ انہیں بھی ساتھ لے آتے۔“

اس کا جواب جنید کی بجائے نائلہ نے بڑی ہی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ دیا۔

”آجائیں گی... وہ بھی آجائیں گی... بہت جلدی ان شاءاللہ۔“

* * *

اور میرے دل کا ایک نہیں جیسے ہر کونا خالی ہو رہا تھا۔ بے کلی بڑھتی جا رہی تھی۔ جو نقش میں آنکھوں میں سمو کے لایا تھا۔ پتا نہیں وہ دھندلے کیوں پڑ رہے تھے۔ کیا آنکھوں کی نمی اتنی بڑھ گئی تھی۔

* * *

”مجھے اندازہ نہیں تھا یہ جگہ اتنی خوب صورت ہو گی۔“ جنید نے جھروکے سے جھانکتے ہوئے دور تک پھیلے سبزے کا نظارہ کرتے ہوئے کہا۔

”آپ پہلے کبھی پاکستان نہیں آئے؟“

”آیا تھا۔ دوبار... مگر ایک تو اس جگہ کبھی نہیں آیا، صرف لاہور اور کراچی گیا... دوسرا بہت پرانی بات ہے آخری بار جب آیا تو کوئی بارہ تیرہ سال کا تھا۔“

”کب کی بات ہے یہ؟“ وہ یونہی پوچھ رہی تھی... بات برائے بات مگر وہ مسکرا اٹھا۔

”آپ میری Age جاننا چاہ رہی ہیں تو ڈائریکٹ پوچھ لیں۔“

”نہیں نہیں۔“ وہ شرمندہ ہو اٹھی... بلاوجہ ہی۔

”میں آپ کی Age جان کے کیا کروں گی؟“

”جاننی چاہیے آپ کو میرے بارے میں سب کچھ جاننا چاہیے... اسی لیے تو آیا ہوں۔“

اس سے پہلے کہ وہ جنید کی اس بات پہ کچھ غور کرتی اندر سے آتی فون کی مسلسل آواز نے اسے پلٹنے پہ مجبور کیا۔

”ایکسکیوزمی... میں ذرا فون سن لوں۔“ جنید بھی اس کے پیچھے پیچھے ہال تک آگیا۔

”ہیلو۔“

دوسری جانب میں تھا جو بے تابی سے پوچھ رہا تھا۔

”کہاں تھی تم؟ اتنی دیر سے فون اٹھایا؟“

”پہلے تم بتاؤ... تم کہاں ہو یہ ٹائم تو تمہاری کلاس کا ہے۔“ ام ہانی نے رعب جھاڑنا چاہا... جسے میں ذرا خاطر میں نہ لایا۔

”ہاں... لیکچر درمیان میں چھوڑ کے آیا ہوں۔ اب تم نہ شروع کر دینا اپنا لیکچر میں تمہیں مس کر رہا ہوں بہت۔“

”نہ پڑھنے کے بہانے۔“ ام ہانی نے ہنسی روکی۔

تم نے مجھے یاد کیا؟“ میں بڑی آس سے پوچھ رہا تھا۔

”ہاں... دو تین دن تو کافی۔“

”اور اس کے بعد؟ کافی سے بھی بہت زیادہ؟“

میرے لہجے کی امید اور بڑھی۔

”نہیں... پھر ٹائم ہی نہیں ملا... آج صبح جنید آگئے۔ ان کو کمپنی دے رہی ہوں۔ کل انہیں فارم ہاؤس اور اپنا اسکول بھی دکھانا ہے۔“

”کون جنید؟“ میں چونکا۔

”کزن ہیں میرے۔“

”وہ تو میں ہوں۔“ میں باقاعدہ برا مان گیا۔

"بدھو... تم اکیلے تھوڑا ہی ہو... کوئی اور بھی تو ہو سکتا ہے۔" اس بات پہ تو جیسے میرا فیوز ہی اڑ گیا۔ میں نے کال فوراً" کاٹ دی۔

"ارے... سعد ہیلو۔"

اور ریسیور رکھتی مڑی جنید صوفے پہ بیٹھا کسی میگزین کے ورق الٹ رہا تھا۔

"سوری... سعد کی کال تھی... کزن ہے میرا۔"

"وہ تو میں ہوں۔" جنید نے میگزین رکھتے ہوئے اسے مسکرا کے دیکھا۔

"آپ اکیلے تھوڑا ہی ہیں اور پھر آپ تو صرف کزن ہیں... وہ تو اور بھی بہت کچھ ہے میرا سب سے اچھا دوست میرے بچپن کا ساتھی... میرے ہر دکھ سکھ کا شریک۔"

"وہ تو میں بھی ہو سکتا ہوں۔"

ام ہانی دوسری بار اس کی بات پر ٹھٹکی... اور الجھی پھر سنجیدگی سے کہنے لگی۔

"نہیں، جو سعد ہے وہ کوئی اور نہیں ہو سکتا اس کی جگہ کوئی اور لے ہی نہیں سکتا۔"

فون بند کرنے کے بعد ہی میں سن سا بیٹھا رہا جیسے دماغ میں جھکڑ چل رہے ہوں۔

"بدھو... تم اکیلے تھوڑا ہی ہو۔" میرے ہاتھوں پیروں میں جان ہی نہ رہی۔

"کوئی اور بھی تو ہو سکتا ہے۔" امہانی کی اتراتی آواز نے ان بے جان ہاتھ پیروں میں جیسے روح پھونک ڈالی... میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"نہیں کوئی اور نہیں ہو سکتا کوئی اور ہو بھی کیسے سکتا ہے۔"

"اور اگلے ہی پل میں بھاگتا ہوا کالج کے گیٹ سے روڈ پہ تھا۔

* * *

ام ہانی جنید کو قصبے کی سیر کرانے لے جا رہی تھی۔

"پتا نہیں آپ کو یہ جگہ پسند بھی آئی ہے یا نہیں۔"

"ابھی تک تو جو دیکھا ہے... وہ بہت پسند آیا ہے... دل سے۔"

جنید کے الفاظ... اس کا لہجہ ہر بار ام ہانی کو الجھا سا جاتا تھا۔ وہ ایک بار پھر الجھن بھری آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی مگر جنید کے چہرے پہ ایک سادہ مہربان سی مسکراہٹ کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

"میرا مطلب ہے یہ حویلی بہت شاندار ہے۔"

دونوں کے قدم بڑے سے لکڑی کے پھاٹک کی جانب بڑھ رہے تھے۔ جنید مڑ مڑ کے پیچھے دیکھ رہا تھا پھر پوچھے بنا رہ نہ سکا۔

"وہ کیلے کے جھنڈ کے پیچھے جو کھنڈر نما عمارت نظر آ رہی ہے کیا وہ بھی حویلی کا ہی حصہ ہے؟"

"جی کہہ سکتے ہیں۔" وہ بھی چلتے چلتے رکی۔

"مگر اب استعمال میں نہیں ہے۔ تقریباً" پچاس ساٹھ سال سے۔" "واؤ... پھر تو میں اسے ضرور دیکھنا چاہوں گا۔" جنید کی فرمائش پہ وہ کچھ تذبذب کا شکار ہو گئی۔

"اسے دیکھ کے آپ کیا کریں گے۔ چند بوسیدہ دیواریں، گرتی چھتیں اور خود رو گھاس میں جنگلی پودے۔"

"یہ بتا کے تو آپ نے میرا شوق اور بھی بڑھا دیا ہے۔ ارے کہیں آپ اس پرانی جگہ پہ جاتے ہوئے ڈر تو نہیں رہیں۔"

"جی نہیں... میرا تو بچپن اور لڑکپن وہیں کھیلتے گزرا ہے ڈر کیسا وہ جگہ تو میری سہیلی ہے۔"

"میں آپ کی سہیلی سے ملنا چاہوں گا... ابھی۔"

جنید اسی جانب بڑھ گیا تو ام ہانی اسے روکتے روکتے ہچکچا سی گئی اور پھر چپ چاپ اس کے پیچھے چل دی۔

کھنڈر ویرانی اور وحشت سے منسوب ہوتا ہے... مگر یہ خواب نگر عجیب تھا۔ یہاں آتے ہی اندر کی تنہائی دوست بن جاتی تھی اور وحشت نیم خوابیدہ سی ہو جاتی تھی... جنید نے بھی وہی سکون محسوس کیا وہاں آ کے۔

پیروں تلے آ کے کسمسا کے کراہتے زرد پتے... بڑے سے برگد کے پیڑ تلے کچی مٹی پہ چاک سے بنے

ام ہانی کے پسندیدہ کھیل کا خاکہ۔

پیڑ کے دوسری جانب لٹکتا جھولا..... جس پہ اب کھمبیاں اگ آئی تھیں۔

آنگن کے وسط میں لال کناروں والا کنواں..... جس کا ڈول ہوا کے دوش پہ ہلتا ایک کھنک سی پیدا کر رہا تھا۔ جنید بھی مبہوت سا ہو گیا۔

"بیوٹی فل....."

"کچھ اور آگے بڑھ کے راہ داری کے اکھڑے فرش پر پیر جماتا جماتا وہ رکا..... راہ داری کی داہنی دیوار ساری کی ساری مختلف تصویروں سے بھری تھی..... کہیں قدرتی مناظر کو ابھارا گیا تھا تو کہیں ناشناسا نقوش والے چہرے۔

"یہ آرٹ ورک؟"

"میرا شوق ہے۔" جنید کے پوچھنے پہ بتاتی بتاتی وہ کچھ شرما گئی۔

"بہت آرٹسٹک مزاج ہے آپ کا....."

راہ داری پچھلے دالان میں نکلتی تھی وہاں پہنچ کر جنید پھر سے رکا..... اسی بار نظروں میں حیرت اور بھی نمایاں تھی۔ دیواروں پہ دروازوں پہ..... ستونوں پہ..... جابجا سعد اور ام ہانی کا نام بمع تاریخ کے لکھا تھا نام وہ ہی تاریخ ہر بار مختلف.....

"اور..... یہ؟ یہ کس کا شوق ہے؟" اب وہ سنجیدہ تھا۔

"یہ سعد کا شوق ہے۔"

* * *

میں پہلی بار لوکل بس میں بیٹھا تھا اس سے پہلے صرف راستوں میں آتے جاتے پاس سے گزری ان بڑی بڑی رنگین بسوں کے پیچھے لکھے صرف اشعار ہی پڑھے تھے۔ مگر اب میں دوسرے بہت سے مسافروں کے ساتھ ٹھنسا اس میں بجتے اعلا ذوق کے میوزک سے بھی بہلانے کی کوشش کر رہا تھا خود کو۔

ہاں، بہلانے کی کوشش..... دھیان بار بار ام ہانی کی ان ہی الفاظ میں اٹک جاتا تھا جو نیزے کی طرح کھبے تھے دل میں۔

"تم اکیلے تھوڑا ہی ہو..... کوئی اور بھی تو ہو سکتا ہے۔"

یہ الفاظ..... ان کی چبھن..... ان کی جلن اس چند گھنٹے کے سفر کو بہت طویل..... بہت کٹھن اور بہت تکلیف دہ بنا رہی تھی۔ پہلے میں نے دھیان بٹانے کے لیے ادھر ادھر جائزہ لینا چاہا۔

سامنے والی سیٹ پہ براجمان سرمئی ٹوپی برقعے والی خاتون..... جن کی گود میں بڑا سا ٹفن تھا اور ٹفن سے اٹھتی دیسی گھی کی خوشبو، ان کے ساتھ بیٹھی ان کی چودہ پندرہ سال کی بیٹی جس کے نقوش اس کی کم عمری کی چغلی کھا رہے تھے مگر نظروں کی بے باکی..... میں نے گھبرا کے نگاہیں دوسری جانب کیں۔

ایک نو بیاہتا دیہاتی جوڑا..... مرد نے شاید شادی کے دن سے لے کر آج تک یہ بوسکی کا شلوار قمیص اور واسکٹ تبدیل نہیں کی تھی۔ پسینے کی بدبو کے بھبھکے یہاں تک آ رہے تھے مگر اس کی نارنجی جوڑے، نارنجی لپ اسٹک اور گولڈن سینڈل والی بیوی اس سے چپکی بیٹھی مسکرا رہی تھی..... مسکراتے ہوئے اس کے ماس خورے کے شکار مسوڑھے عجیب کراہیت دلا رہے تھے۔ میں نے گھن کھاتے ہوئے رخ ہی بدل لیا۔

وہاں ایک مولوی صاحب ڈکار پہ ڈکار لیے توند کھجا رہے تھے..... اور جب ڈکاروں کا سلسلہ تھمتا تو کنڈیکٹر کو یہ بے ہنگم موسیقی بند کرنے کی نصیحت کرتے۔ میں نے آخر اس موسیقی میں ہی پناہ لینی چاہی بصارت کا امتحان بہت لے لیا تھا۔ شاید سماعتیں ہی اس سفر کی دشواریوں کو سہل بنا دیتیں۔

"تیرے جیا مینوں ہور نہ کوئی.....
ڈھونڈاں جنگل، بیلہ، روہی.....
چھیتی مڑیں وے طبیبا.....
نئیں تے میں مر گئی آں....."

مجھے سچ میں سکون سا آنے لگا..... آنکھیں موند کے میں کچی پکی سڑک کی وجہ سے ملنے والے ہچکولوں کے مزے لینے لگا۔

سانوں گھائل کر کے خیر خبر نہ لئی آں...
چھیتی مڑیں دے طبیبا...
نئیں تے میں مر گئی آں...

اچانک بس ایک جھٹکے سے رکی... میری سماعتیں اب عجیب سے شور سے جھنجلا اٹھیں... کوفت سے آنکھیں کھولیں تو بس ایک ویران، اجاڑ سڑک پہ رکی کھڑی تھی۔

”اوئے ایتھے تیرے سوھرے نیں؟“ ایک اکھڑ سے شخص نے کنڈیکٹر سے استفسار کیا۔

”بس خراب ہو گئی ہے جی... ٹیم لگے گا۔“

میری بے چینی، بے کلی پھر سے عود کر آئی... دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح میں بھی بس سے نیچے اترا... پیروں کے نیچے سنگلاخ زمین شاید اتنی نہیں تپ رہی تھی۔ جتنا سینک میرے دل سے اٹھ رہا تھا... تپتے جلتے وجود نے مجھے ایک پل وہاں نہ کھڑا ہونے دیا اور میں پیدل چل پڑا۔ جیسے باقی کا ڈیڑھ گھنٹے کا سفر انہی قدموں پہ تو کر لوں گا۔

تیرے عشق نچایا...
کر تھیا تھیا تھیا...
تیرے عشق نچایا...

پندرہ بیس منٹ شاید پندرہ صدیوں پہ محیط ہو گئے تھے۔

”کوئی اور... کوئی اور... کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔“

یہ کوڑے مجھے ننگے بدن پہ پڑتے اور چابک کھائے گھوڑے کی طرح میں سرپٹ بھاگنے لگتا۔

اور پھر سامنے سے آتے ٹرالر کو دیکھ کے میں نے یونہی لفٹ کا اشارہ بھی کر دیا۔ نہیں... میں تھکا نہیں تھا اس وقت تھکن کا احساس ہو بھی نہیں سکتا تھا... مگر میں جلد از جلد وہاں پہنچنا چاہتا تھا۔ خلاف امید چارے سے بھرے اس ٹرالر میں بھی جگہ دے دی گئی اب میں ایک گھنٹے تک وہاں پہنچ سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

”اچھے دوستوں میں... اور پھر بچپن کے دوستوں میں جھگڑے تو ہوتے ہی ہیں۔“

وہ دیوار پہ لکھے اپنے اور اس کے نام پر محبت سے ہاتھ پھیرتی جنید کو بتا رہی تھی۔

”ہم بھی خوب لڑتے ہیں اور پھر مان جاتے ہیں۔ پھر جھگڑے کے بعد ہونے والی صلح پہ سعد اپنا اور میرا نام یہاں لکھتا ہے اور تاریخ بھی۔“

بتاتے بتاتے وہ مڑی اور ہنس پڑی۔

”بدھو۔“

”لگتا ہے جیسے آپ دونوں زیادہ تر جھگڑتے ہی رہتے ہیں... سب دیواریں بھر چکی ہیں یعنی ہر بار نئے سرے سے ہونے والی دوستی کی روایت ہے یہ۔“

”یہی سمجھ لیں۔“

”تو ایک نئی دوستی کی شروعات بھی اسی روایت سے ہونی چاہیے۔“

یہ کہتے ہوئے وہ زمین پہ کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ ام ہانی اس کی بات کا مطلب تو نہ سمجھی مگر جب اسے زمین سے ایک چاک کا ٹکڑا اٹھا کے سیدھا ہوتے دیکھا تو چونک گئی۔

”ہوں... تو آج ڈیٹ کیا ہے؟“

وہ چاک کا ٹکڑا ہاتھ میں لیے دیوار پہ خالی جگہ تلاش رہا تھا۔

”نہیں... پلیز... جنید۔“ وہ گھبرا گئی مگر جنید نظر انداز کرتا ایک کونے میں اپنا نام لکھنے لگا۔

”جنید...“ وہ احتجاجاً ”چلا اٹھی۔

”جھگڑا نہیں ہوا تو کیا ہوا... مگر دوستی تو ہوئی ہے آج۔“

”ہاں... وہ تو ٹھیک ہے... مگر آپ پلیز آپ یہاں۔“ وہ گھبراہٹ کے عالم میں اب اسے اپنا نام لکھتے دیکھ رہی تھی۔ اس کے نام کے بالکل ساتھ۔

”چلیں دیکھتے ہیں ہم اپنا نام یہاں کتنی بار لکھیں گے۔ Hopefully زیادہ بار نہیں کیونکہ ہم بہت کم لڑیں گے۔“

”آپ سمجھتے کیوں نہیں... یہ جگہ۔“ وہ روہانسی سی ہو گئی۔

"چلیں... اب آپ کا اسکول دیکھ لیں۔"

جیب سے رومال نکال کے ہاتھ صاف کرتا وہ آگے چل پڑا۔ ام ہانی نے چلتے چلتے مڑ کے بے بسی سے اپنے اور جنید کے نام کو دیوار پر لکھا دیکھا... اسے یکایک ہی جنید کا ساتھ چبھنے سا لگا... فضول آدمی بلاوجہ کی بے تکلفی۔

* * *

"سلمیٰ... سلمیٰ... او سلمیٰ... منحوس۔"

مہ پارہ سلمیٰ کو پوری حویلی میں پکارتی پھر رہی تھی۔ نائلہ نے دیکھ کر بتایا۔

"وہ تو صبح کی نکلی تھی حکیم سے دوا لانے کا کہہ کر ابھی تک نہیں لوٹی۔"

"کس بات کی دوا... ہٹی کٹی تو ہے اور کونسے کوہ قاف کے حکیم سے دوا لینے گئی ہے جو شام کر ڈالی آپ نے بھی ناں بھابھی۔ حد سے زیادہ چھوٹ دے رکھی ہے ملازموں کو... آپ سمجھتی کیوں نہیں... منہ زور جوانی ہے اور اس ملازم پیشہ طبقے پہ تو جوانی ویسے بھی اندھی بہری ہو کے آتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں آپ ہاتھ ملتی رہ جائیں۔"

مہ پارہ پھر شروع ہو جاتی تو کون چپ کرا سکتا تھا۔ نائلہ نے وہاں سے کھسک لینے میں ہی عافیت جانی۔

"توبہ ہے مہ پارہ... تمہیں تو موقع چاہیے۔"

"ہونہہ... رنگ ڈھنگ ہی بدل گئے ہیں اب تو حویلی کے۔" مہ پارہ ناگواری سے بھابھی کو جاتا دیکھ کے بڑبڑانے لگی۔

"کہاں تو منڈیر پہ دوپٹا تک دھو کے نہیں ڈالا جاتا تھا کہ آتے جاتے کی نظر بہو بیٹی کے آنچل پہ نہ پڑے اور اب... دیکھو تو ام ہانی کو صبح سے اس غیر مرد کے ساتھ سیر سپاٹے کرنے کے لیے چھوڑا ہوا ہے۔"

تو پیا سے مل کے آئی ہے
بس آج سے نیند پرائی ہے
پائل میں گیت ہیں چھم چھم کے

سلمیٰ گنگناتی... بہکے قدموں کے ساتھ ڈولتی پھاٹک سے داخل ہو رہی تھی۔

"تو لاکھ چلے ری گوری..."

اور مجھے ایک دم سے اپنے سامنے دیکھ کے اس کی گنگناہٹ سہم گئی۔

"تھم... تھم... کے۔"

"سنو ہنی سکول سے آگئی؟" میں نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔

"وہ تو جی... گئی ہی نہیں۔" حواسوں میں آتے ہوئے سلمیٰ نے ذرا غور سے میرا جائزہ لیا۔ شاید وہ میرے بالوں میں پھنسے... اور کپڑوں پہ لگے گھاس پھونس کو دیکھ کے حیران ہو رہی تھی۔

"اندر ہے؟"

مجھے تسلی ہوئی۔ میں بھی تو ابھی ابھی آیا تھا۔ اندر نہیں گیا تھا۔

"پتا نہیں... میں صبح جب نکلی تھی حویلی سے تو وہ وہاں پیچھے کھنڈر لے کر جا رہی تھیں ولایت والے مہمان کو۔"

"کیا؟"

مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے میری سلطنت پہ شب خون مارا ہو... چند منٹ پہلے بھاگتا ہوا ہی اندر داخل ہوا تھا۔ پھر سے بھاگتے ہوئے اپنے خواب نگر کی طرف جانے لگا۔ لیکن میں بھاگا نہیں تھا... میں تو گویا اڑ کے وہاں پہنچا تھا... ہانپتے ہوئے میں نے اسے تلاش کرنے کے لیے نظر دوڑائی... وہ وہاں نہیں تھی... نہ اور... مگر کچھ تھا کچھ غیر معمولی کچھ انجانا سا جو مجھے کھٹک رہا تھا میں اس کی کھوج لگائے بنا یہاں سے واپس کیسے جا سکتا تھا اور پھر میری نظروں نے اس انجان چیز کو دریافت کر لیا۔ اور سامنے کی دیوار پہ لکھا ام ہانی کا نام تھا۔ لیکن غیر معمولی اور چونکانے والی بات یہ تھی کہ وہ میری لکھائی میں نہیں تھا اس سے بھی بڑھ کے جھنجوڑنے والی بات یہ تھی کہ اس نام کے ساتھ اس بار سعد رضوان نہیں بلکہ کسی جنید کا نام لکھا تھا۔

"تم اکیلے تو نہیں ہو... کوئی اور بھی تو ہو سکتا ہے؟"

ایک نشتر سا چلا تھا میرے دل پہ....

اس چھوٹے سے اسکول میں چار کمرے تھے اور کوئی جماعت ایسی نہ تھی جس کے در و دیوار اس کے ہاتھ کی بنی تصویروں سے محروم ہوں۔

”یہاں کے غریب بچوں کو تعلیم دے کر مجھے سکون ملتا ہے۔ بڑے دادا نے ابو کی یاد میں یہ ٹرسٹ اسکول بنا کے ان کی روح کو بھی وہی سکون دیا ہے۔“

”تم اتنی ٹیلنٹڈ لڑکی ہو۔ بہت کچھ کر سکتی تھیں اور بہت کچھ کر سکتی ہو۔“ جنید سچ مچ متاثر نظر آ رہا تھا۔

”تمہیں نہیں لگتا کہ یہاں کے ڈگری کالج سے سمپل سا بی اے کرنے کے بعد تم اس اسکول میں خود کو ضائع کر رہی ہو۔“ ام ہانی نے مسکرا کے اسے دیکھا۔

”اگر دل کا سکون خود کو ضائع کر کے ملتا ہے تو میں خود کو بار بار ضائع کرنا چاہوں گی۔“ اب جنید کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔

”شام ہو گئی چلتے ہیں اب۔“ وہ گھڑی پہ وقت دیکھتے ہوئے تشویش سے کہنے لگی۔

”یہاں کا Sun set دیکھنے کا بھی اپنا ہی چارم ہو گا۔ نہر کے پاس بیٹھ کے سورج کو غروب ہوتے دیکھتے ہیں۔“

”نہیں.... شام سے پہلے پہلے ہر حال میں واپس جانا ہو گا ورنہ پھوپھو....“

جماعت کے دروازے پہ مجھے کھڑا دیکھ کے وہ بات کرنا بھول گئی۔ میرا آنا تو غیر متوقع تھا ہی.... مگر شاید میری حالت نے اس کو زیادہ چونکایا تھا۔

اس ابتر سفر کے ابتر ترین حالات' میرے حلیے اور لباس سے ظاہر ہو رہے تھے۔ میلی شرٹ' بکھرے بال' تھکن پسینہ لیکن اس کے علاوہ میرے چہرے پہ میری آنکھوں میں جو بہت سے شکوے رقم تھے۔ وہ اسے زیادہ ہراساں کر رہے تھے۔

”سعد....“

اس نے پکارا.... مگر میرے اندر اس پکار نے بھی آج شگوفے نہیں کھلائے.... میری نظریں یونہی شرر برساتی رہیں.... جنید مجھے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ مگر میں ذرا توجہ نہیں دے رہا تھا اس پہ.... اور نہ ہی ام ہانی.... وہ تشویش سے میری جانب بڑھ رہی تھی۔

”کیا ہوا سعد؟ تم ٹھیک ہو؟ یوں بنا بتائے اچانک؟“

اسے میرے اچانک آنے پہ تشویش تھی.... میری نظروں کے گلے شکوے اسے سمجھ نہیں آ رہے تھے.... میں اور تپ گیا ایک سلگتی ہوئی نظر میں نے جنید پہ ڈالی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے جانے لگا۔ وہ مجھے پکارتی پیچھے تک آئی تھی۔

”سعد.... سنو تو کیا ہوا؟“

”کیا ہوا؟“ یہ پوچھنے کی ضرورت باقی تھی اب.... میں تقریباً بھاگتا ہوا اپنے کمرے کی جانب جا رہا تھا.... پھر میں نے دروازہ لاک کر دیا۔ کیوں بتاتا میں اسے کہ کیا ہوا؟ خود جانے.... خود سمجھے.... ناراض ناراض سا اب میں دروازے کو دیکھتا جا رہا تھا۔

اب ہو گی دستک۔

ابھی ہو گی....

بس.... آتی ہو گی وہ۔

* *

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

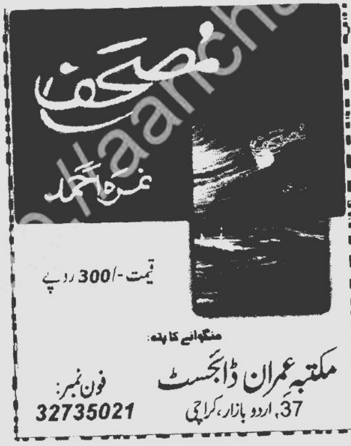

قیمت -/300 روپے

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

فون نمبر:
32735021

مریم عزیز

شام مسکرانے لگی

کھانا کھانے کے بعد وہ چائے کی طلب کے باوجود بڑے ضبط سے اسکرین کو دیکھنے پر مجبور تھے۔ ڈراما ختم ہوا تو انہوں نے بے ساختہ گہری سانس لی۔

"ایک کپ چائے مل سکتی ہے بیگم۔" شمیم نے غصے سے ان کی طرف دیکھا۔

"ایک تو ہر پندرہ منٹ بعد آپ کو چائے کی طلب جاگ اٹھتی ہے۔ مجھ سے بار بار نہیں اٹھا جاتا۔"

"بیگم مبالغے کی بھی حد ہوتی ہے، پورے تین گھنٹے پہلے ایک کپ پیا تھا اور ایک کپ سے کیا بنتا ہے۔"

مکمل ناول

"تو آپ کے لیے چائے کی دیگ چڑھا دیتی ہوں۔"

"نوازش ہوگی تمہاری۔" ان کے طنزیہ انداز پر وہ شرارتی انداز میں گویا ہوئے۔

"گیس نہیں آرہی، سلنڈر استعمال ہوتا ہے، گیس ختم ہوگی تو آپ نے ہی باتیں کرنی ہیں۔"

"اتنی بحث سے بہتر ہے میں علیم یا راشد کی طرف چلا جاؤں، وہاں کم از کم چائے کے ساتھ اور بھی کچھ کھانے کو مل جائے گا۔" کہہ کر وہ کھڑے ہوگئے اور ان کا یہ حربہ کامیاب بھی رہا، وہ ایک دم اچھل کر صوفے سے اٹھی تھیں۔

"ہاں.... ہاں آپ تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ سب مجھے برا سمجھیں۔ اپنے بھائی، بھابھیوں کے سامنے مظلوم بننا چاہتے ہیں کہ اتنی ظالم بیوی ملی ہے۔ جو چائے بھی نہیں دیتی۔"

"تو نہیں دیتی نا۔" وہ کہہ کر آرام سے صوفے پر بیٹھ گئے اور ریموٹ اٹھا کر اپنا پسندیدہ چینل لگالیا۔

"حد ہوتی ہے سرور صاحب مبالغہ آرائی کی۔" وہ پیر پٹختی ہوئیں باہر نکل گئیں، جبکہ وہ مسکرا کر ٹی وی دیکھنے لگے۔

* * *

وہ اسکول سے آئی تو اس کا موڈ سخت آف تھا۔ وہ کچن میں کام کرتیں ناصرہ کو سلام کرکے کمرے میں آگئی۔ اس نے بیگ پٹخنے کے انداز میں بیڈ پر پھینکا اور بیڈ پر بیٹھ کر جوتے اتار کر ایک دائیں اور دوسرا بائیں پھینکا۔ تب ہی باتھ روم کا دروازہ کھول کر ناز باہر نکلی اور اس نے حیران ہوکر اپنے قدموں میں پڑے جوتے کو دیکھا اور دوسری نظر اپنی منہ پھلائے بیٹھی بہن پر ڈالی۔

"یہ کیا طریقہ ہے علینہ۔" اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یوں ہی سر جھکائے پیر جھلاتی رہی۔

"سمیٹو ساری چیزیں جو پھیلائی ہیں، سنا نہیں تم نے۔" اسے یوں ہی بیٹھا دیکھ کر وہ زور سے بولی، تو علینہ کو اٹھنا پڑا۔ جتنی دیر میں اس نے اپنا پھیلایا پھیلاوا سمیٹا، تب تک ناز وہیں کھڑی رہی۔

"منہ کیوں بنا ہوا ہے تمہارا۔" اب اس نے علینہ کے قریب جا کر پوچھا۔

"بولو علینہ" اب کی بار اس نے اس کا چہرہ تھام کر پیار سے پوچھا۔

"ٹیچر نے آج مجھے پنش کیا۔"

"کیوں۔" ناز نے حیرت سے پوچھا، کیونکہ وہ کافی محنتی اور لائق اسٹوڈنٹ تھی۔

"ہوم ورک چیک کروانا تھا۔ میرا ہوم ورک کمپلیٹ تھا۔ کاپی میں نے خود کل بیگ میں رکھی تھی۔ ٹیچر کو دینے لگی تو کاپی غائب تھی۔ ٹیچر کو پتا بھی ہے کہ میں ہمیشہ اپنا ہوم ورک مکمل کرتی ہوں، لیکن پھر بھی انہوں نے مجھے روم سے باہر نکال دیا۔ اتنی انسلٹ ہوئی میری۔" یہ کہتے ہوئے وہ رو پڑی تھی۔ تو ناز نے اسے ساتھ لگالیا۔

"ہوجاتا ہے علینہ۔ کبھی کبھی ایسا ہو سکتا ہے تم بائے مسٹیک گھر بھول گئی ہو۔"

"میں بھول جاتی تو ٹھیک تھا باجی، پر میری کاپی کاشفہ نے نکال لی تھی اور جب پریڈ ختم ہو گیا تو کاپی لا کر

Copyrighted material

میرے ڈیسک پر رکھ دی۔"

"کاشفہ نے ایسا کیوں کیا۔" ناز کو کافی حیرانگی ہوئی تھی۔

"وہ پہلے بھی کئی بار ایسا کر چکی ہے، جس کی وجہ سے ٹیچر نے میری انسلٹ کی ہے۔"

"میں پوچھوں گی کاشفہ سے۔" ناز کو برا لگا تھا۔

"کوئی فائدہ نہیں اس ڈھیٹ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔" **علینہ** نے آنسو صاف کرتے ہوئے تپ کر کہا۔

"ہوں... دیکھتے ہیں، فی الحال تم اپنا موڈ ٹھیک کرو اور کھانا کھاؤ۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"بھوک کیوں نہیں ہے مجھے، پتا ہے تم نے اسکول میں کچھ بھی نہیں کھایا ہوگا۔ چلو شاباش چینج کر کے جلدی سے باہر آؤ۔"

وہ کھانا کھا رہے تھے جب **صہیب** سلام کر کے اندر داخل ہوا تھا۔

"آؤ آؤ بزی مین! آج تمہیں کہاں سے ہماری یاد آ گئی۔" ناز اس کو دیکھ کر بے ساختہ انداز میں بولی تو وہ مسکراتا ہوا کرسی گھسیٹ کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"یاد تو روز آتی ہے، ابھی آپ نے خود ہی تو کہہ دیا مصروف آدمی ہوں۔"

"اچھا تو کیا مصروفیات ہیں جناب کی۔" ناز نے ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ ٹکا کر بڑی دلچسپی سے پوچھا۔

"وہ سیکرٹ ہے جو میں ہر کسی کے سامنے نہیں بتا سکتا۔" اس نے شرارت سے **علینہ** کی طرف دیکھ کر کہا، جو بے زار سا چہرہ لیے پلیٹ پر جھکی تھی۔ کوئی ری ایکشن آتا نہ دیکھ کر اس نے ابرو اچکا کر ناز کو دیکھا۔

"کیا بات ہے، آج مس مرچی بڑی خاموش ہیں۔" ساتھ ہی اسے بھی چھیڑ ڈالا۔

"کیوں چوہیا تمہیں کیا ہوا ہے۔" **صہیب** اس کی پونی کھینچ کر بولا۔ تو وہ غصے و ناراضی سے ناز کو دیکھنے لگی۔

"باجی آپ **صہیب** بھائی کو منع کر دیں، انہیں ہیں مجھ سے تمیز سے بات کیا کریں۔"

"او مائی گاڈ!" اس کے انداز پر **صہیب** قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"تمیز سے بات کیا کروں ملکہ عالیہ آپ سے... اچھا کوئی اور حکم۔" **علینہ** غصے سے کوئی جواب دیے بغیر چپ بیٹھی رہی۔

"لگتا ہے اسکول میں مار پڑی ہے، اسی لیے ملکہ عالیہ کے مزاج خراب ہیں۔" اور وہ جو کب سے بڑے ضبط سے بیٹھی تھی پھٹ پڑی۔

"آپ کی دوست نے اپنا کارنامہ آپ کو سنا دیا ہوگا۔ اسی لیے آپ یہاں تماشا دیکھنے آئے ہیں، مجھے زہر لگتی ہے وہ بھی اور آپ بھی..."

"**علینہ**..." ناز نے تنبیہہ انداز میں اس کا نام لیا۔ "کیسے بات کر رہی ہو تم، بڑا بھائی ہے تمہارا۔"

"میرا کوئی بھائی نہیں، کم از کم یہ تو بالکل بھی نہیں، یہ کاشفہ کے چمچے ہیں۔" اس کے چمچہ کہنے پر بڑے غور سے اس کو دیکھتا **صہیب** ایک بار پھر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تو وہ خود کو ہی مزید ٹارچر ہوتا دیکھ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگی تھی۔

"**صہیب** پلیز! تم مائنڈ نہ کرنا آج **علینہ** کا موڈ ٹھیک نہیں۔"

"پہلے بھی کب ٹھیک ہوتا ہے۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"خیر میں نے مائنڈ نہیں کیا، میں بھی تو اسے تنگ کرتا ہوں۔"

"تو کیوں تنگ کرتے ہو، پتا ہے نا اس میں برداشت کا مادہ کم ہے۔"

پتا ہے اسی لیے تو کرتا ہوں۔ مزا آتا ہے جب وہ چڑتی ہے۔ اب آپ کو تو تنگ کرنے سے رہا۔"

"کیوں... مجھے کیوں تنگ نہیں کر سکتے۔"

"کیونکہ آپ مذاق کو انجوائے کرتی ہیں۔ اپنی سڑیل بہن کی طرح نہیں ہیں آپ۔"

"اچھا میری اتنی سویٹ بہن کو سڑیل تو مت کہو نا۔"

"اب میں اتنا بھی اچھا نہیں کہ سڑیل کو سویٹ کہہ

دوں۔"

"بکو مت۔" ناز نے زور سے اس کے شانے پر ایک تھپڑ لگایا تھا۔

"اچھا... اب جو بھی پکا ہے ذرا جلدی سے لے آئیں، مجھے بہت بھوک لگی ہے۔"

"لگتا ہے آج تائی جی نے کوئی سبزی پکالی ہے۔" ناز مسکراتے ہوئے بولی۔

"سبزی نہیں، سبزیاں... پتا بھی ہے مجھے سبزیوں کا تمنجن پسند نہیں، پھر بھی بنالیتی ہیں۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔ ناز نے بریانی کی پلیٹ، رائتہ کے ساتھ اس کے سامنے رکھی تو وہ بے ساختہ خوش ہو گیا۔

"جیتی رہو میری آپی!" وہ تیزی سے کھانے لگا تھا۔

"آرام سے کھاؤ کھانا کہیں بھاگا نہیں جارہا۔"

"کھانا تو نہیں بھاگ رہا، پر مجھے دیر ہورہی ہے، میرے فرینڈز میرا انتظار کررہے ہیں۔"

"**صہیب** اب تم کالج میں ہو، انجینئرنگ تمہارا سبجیکٹ ہے اور تم اپنی اسٹڈی کو اتنا لائٹ لیتے ہو پتا ہے تائی جی بھی تمہاری طرف سے اتنا پریشان رہتی ہیں۔"

"اوفوہ مما کو تو عادت ہے چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہونے کی۔ اگر میں تھوڑا سا وقت اپنے دوستوں کے ساتھ گزار لیتا ہوں تو اس میں حرج کیا ہے۔"

"تھوڑا..." ناز نے آنکھیں پھیلائیں۔ "سارا سارا دن گھر سے غائب رہتے ہو۔"

"آپی پلیز... اب آپ مت شروع ہوجائیں، گھر میں بھی سارا دن یہ ہی سنتا رہتا ہوں۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے نا، تم اپنے پیرنٹس کے اکلوتے بیٹے ہو، ان کی ساری امیدیں تم سے ہیں۔"

"ایک تو یہ اکلوتے ہونے کے بڑے نقصان ہیں۔" وہ منہ بنا کر بولا۔

"اور فائدوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔" ناز نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

"وہ تو میرا حق ہے۔" وہ بریانی کا بڑا سا چمچہ منہ میں ڈالتے ہوئے بولا۔

"ماں، باپ کا بھی پورا حق ہے تم پر۔"

"پتا ہے مجھے پر وہ شکایت مجھ سے تب کریں جب میرے مارکس ٹھیک نہ آئیں اور اتنی زبردست بریانی کے لیے بہت شکریہ، بہن ہو تو آپ کے جیسی ہو، ورنہ نہ ہو۔" اس کے انداز پر ناز مسکرا دی تھی۔ "آپ کو کچھ چاہیے ہو تو بتادیں آتے ہوئے لیتا آؤں گا۔" وہ اپنا موبائل چیک کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں آتے ہوئے پیزا لیتے آنا، **علینہ** کو پسند ہے۔ اس کا موڈ ٹھیک ہوجائے گا۔"

"آپ کو سب کے موڈ کا خیال رہتا ہے۔ تھوڑا اس بندریا کو سکھادیں۔"

"**صہیب** تم میری بہن کا نام مت بگاڑا کرو۔" ناز نے مصنوعی خفگی سے اسے ٹوکا۔

"اوہ سوری! میں تو بھول گیا، اس کا نام چوہیا ہے۔" کہہ کر وہ رکا نہیں تھا، جبکہ ناز اپنی مسکراہٹ نہیں روک سکی تھی۔ ☆ ☆ ☆

"**علینہ** میرے ساتھ چلوگی۔" ناز کی آواز پر ڈرائنگ کرتا اس کا ہاتھ رک گیا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر دروازے میں کھڑی ناز کو دیکھا، جس کے ہاتھ میں ٹرے تھی۔

"کہاں جانا ہے آپی۔" وہ اٹھ کر اس کے قریب آگئی اور رومال اٹھا کر دیکھا۔ "گاجر کا حلوہ" وہ ندیدے پن سے بولی۔

"تایا جی کی طرف جانا ہے۔" **علینہ** نے برا سا منہ بنایا۔

"مجھے نہیں جانا، میں کاشفہ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔"

"بری بات **علینہ**! ایسا نہیں بولتے، وہ کزن ہے ہماری اور کزن ایک دوسرے سے مذاق کرتے رہتے ہیں۔"

"باجی مذاق اور انسلٹ میں فرق ہوتا ہے، وہ اور **صہیب** بھائی کوئی موقع نہیں جانے دیتے، جس سے وہ میرا مذاق نہ اڑا سکیں۔"

صہیب کو پیار سے نام دیتا ہے نا۔"

"مجھے ان کے پیار کی ضرورت نہیں۔" وہ نروٹھے انداز میں بولی۔

"اوکے میں **صہیب** کو منع کردوں گی۔"

"اور **کاشفہ** کو بھی منع کریں' نہیں تو میری وین اور اسکول بدل دیں۔" ناز نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا اور سرہلا کر بولی۔

"چلو ابھی تو چلو۔" وہ سرہلا کر ساتھ چل پڑی۔

"جیتی رہو بیٹی' دل خوش کردیا' مزا آگیا۔" سرور صاحب کے جھوم کر تعریف کرنے پر شمیم نے ٹیڑھی نظروں سے انہیں دیکھا۔ لیکن وہ تو پوری طرح اپنی بھتیجیوں کی کمپنی انجوائے کررہے تھے۔ "حلوے سمیت"

"سرور صاحب تو ایسی باتیں کرتے ہیں جیسے گھر میں تو کبھی ان کو کھانے کو ملا ہی نہیں۔" وہ بظاہر ہنس کر' لیکن جلے ہوئے انداز میں بولی تھیں۔

"میں نے کب کہا' کھانا نہیں ملتا' لیکن جو ذائقہ میری بیٹی کے ہاتھ میں ہے' وہ کسی اور کے ہاتھ میں نہیں۔"

"نہیں تایا جی' تائی جی مجھ سے زیادہ اچھا بناتی ہیں۔" شمیم کے تاثرات دیکھ کر ناز کو بولنا پڑا وہ نہیں چاہتی تھی' اس کی وجہ سے ان کے گھر تماشا لگے' موقع کی نزاکت دیکھ کر سرور صاحب بھی چپ کر گئے تھے۔

"ضمیر اور **کاشفہ** نظر نہیں آرہے۔"

"وہ اپنے ماموں کی طرف گئے ہیں۔" شمیم کے کہنے پر وہ سرہلا کر سرور صاحب کی طرف متوجہ ہوگئی۔ وہ سرور صاحب کو دھیمی آواز میں **علینہ** اور **کاشفہ** کا قصہ سنانے لگی۔ ان کی دھیمی آواز پر شمیم کچھ چوکنا ہوکر ان کی طرف دیکھنے لگیں' تب ہی سہیل اندر آیا تھا۔ پہلے تو وہ چونکا اور پھر مسکرا کر ناز کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"واہ آج تو بڑے لوگ آئے ہیں۔" وہ ناز پر گہری نظر ڈال کر بولا۔

"یہ بڑے بڑے لوگ کس کو کہا تم نے۔" ناز نے مسکرا کر سہیل سے پوچھا۔

"تمہیں تو نہیں کہا میں نے تو یہ **علینہ** کے لیے کہا ہے۔" اور اس دوران پہلی بار **علینہ** کے چہرے پر مسکراہٹ آئی تھی۔

"حلوہ کھاؤ ناز نے بنایا ہے۔" سرور صاحب کے کہنے پر اس نے پلیٹ میں تھوڑا سا حلوہ ڈالا۔

"اچھا پھر تو میں کھائے بغیر بھی بتا سکتا ہوں کہ یہ اچھا نہیں' بہت اچھا ہوگا۔" سہیل کی تعریف پر شمیم نے بے ساختہ پہلو بدلا باپ کم تھا' بیٹا بھی اس پر فدا ہے۔ وہ دل ہی دل میں کڑھ کر رہ گئیں۔ کچھ عرصے سے وہ یہ محسوس کررہی تھیں۔ ناز کے سامنے آتے ہی سہیل کی آنکھوں کا رنگ بدلنے لگتا ہے۔ اپنے بیٹے کی آنکھوں کی زبان سمجھتی تھیں وہ' لیکن سب سمجھنے کے باوجود وہ کسی طور پر بھی اپنے بیٹے کی خواہش کو پورا کرنے کے حق میں نہیں تھیں۔

سرور صاحب تین بھائی ہیں۔ وہ' راشد سلیم اور علیم سلیم' سرور صاحب سب سے بڑے ہیں۔ والدین نے اپنی پسند سے ان کی شادی شمیم سے کروائی۔ بڑی بہو کی حیثیت سے ان کی اہمیت ہمیشہ زیادہ ہی رہی۔ فطرتاً" وہ ایک حاسد عورت تھیں' لیکن بظاہر ان کا رویہ ایسا ہوتا جو دیکھنے والے کو یہ ہی احساس دلاتا کہ ان سے زیادہ ہمدرد کوئی اور نہیں' یہ ہی حاسدانہ فطرت ان کے تینوں بچوں سہیل' ضمیر اور **کاشفہ** کی تھی۔

دوسرے بھائی راشد نے فاخرہ سے شادی اپنی پسند سے کی تھی' جس پر والدین کچھ عرصہ ان سے ناراض رہے اور اس ناراضی کو بڑھاوا دینے میں شمیم بیگم کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ وجہ وہی حسد فاخرہ ہر لحاظ سے ان سے برتر تھیں شکل میں' تعلیم میں' دولت میں اور خاندان میں۔ لیکن فاخرہ عادت کی اچھی تھیں۔ ان کی طبیعت کے ٹھہراؤ اور مخلصی نے جلد ہی راشد کے والدین کا دل جیت لیا اور وہ اس گھر کی دوسری بہو کہلائیں۔ ان کا ایک ہی بیٹا تھا۔ **صہیب** اللہ تعالیٰ نے انہیں مزید اولاد سے نہ نوازا' لیکن وہ **صہیب** کو

پا کر ہی بہت خوش تھے۔

اس سے چھوٹے علیم سلیم تھے جن کی شادی ان کی ماموں زاد کزن ناصرہ سے ہوئی، ان کی دو بیٹیاں ہیں، ناز اور علینہ، علیم صاحب اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ سخت مزاج کے ہیں۔ کچھ دو بیٹیوں کی وجہ سے اور کچھ بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنی دونوں بیٹیوں اور بیوی سے اکھڑے اکھڑے رہتے ہیں۔ ناز کو اپنے باپ کا پیار تو نہیں ملا۔ لیکن وہ اپنے دونوں تایا کی بہت لاڈلی تھی اور یہ ہی بات شمیم کو بری لگتی ہے۔ انہیں اندازہ تھا کہ سہیل ناز سے شادی کرنا چاہتا ہے، لیکن انہیں ناز سے شدید چڑ تھی۔

"ارے شمیم بھابھی آئیے، آج آپ کو ہماری یاد کیسے آ گئی۔" فاخرہ ان سے گلے ملتے ہوئے بولیں۔

"میں نے یاد کیا تو آ گئی تم سے تو یہ بھی نہ ہوا یہ دو قدم پر گھر ہے۔" وہ ان سے الگ ہو کر شکوہ کرتے ہوئے بولیں۔

"نہیں بھابھی ایسی تو کوئی بات نہیں کہ میں یاد نہیں کرتی بس آج کل کچھ مصروفیت ہی زیادہ رہی ہے۔ خیر اس کو چھوڑیں آپ بتائیں کیا پئیں گی، چائے یا کوئی جوس۔"

"چائے کا وقت ہو رہا ہے تو وہی پیوں گی" کہہ کر ریلیکس ہو کر صوفے سے ٹیک لگالی اور تھوڑی دیر بعد ملازمہ کی ہمراہی میں وہ چائے کے ساتھ دیگر لوازمات بھی لے آئیں۔

"لیں بھابھی یہ کباب ٹرائی کریں، میں نے بنائے ہیں۔" شمیم نے بڑی دقت سے مسکراتے ہوئے ایک کباب اٹھا کر پلیٹ میں رکھا۔ وہ جہاں جاتی تھیں سب ہی اپنے جوہر دکھانے میں پیش پیش رہتے تھے۔ انہیں ہمیشہ یہ بات چبھتی تھی، کیونکہ خود اتنے سالوں بعد بھی ان کے ہاتھ میں ذائقہ نہیں تھا اور اس کی وجہ ان کی کچن کے معاملوں سے عدم دلچسپی تھی۔

"کل کوئی آیا ہوا تھا۔" آخر کچھ دیر بعد ادھر ادھر کی باتوں کے بعد انہوں نے وہ سوال پوچھ ہی لیا۔ جس کے لیے انہیں یہاں آنا پڑا تھا۔

"جی..." فاخرہ چائے کا سپ لے کر بولیں۔

"میرے بھائی اور بھابھی آئے تھے۔"

"وہ کینیڈا والے۔" شمیم نے انگلی سے پیچھے اشارہ کیا۔ جیسے کینیڈا پیچھے دیوار کے پار ہو۔

"جی ایک ہی تو بھائی بھابھی ہیں میرے۔" فاخرہ نے مسکرا کر جیسے انہیں یاد دلایا۔

"ہوں..." وہ ہنکارا بھر کر چائے پینے لگیں۔ چائے پیتے ہوئے ان کی نظریں تیزی سے کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کمرے کا فرنیچر بدلا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ دیوار پر بڑی اسکرین والا LED بھی لگ چکا تھا۔

"کچھ چاہیے تھا بھابھی۔" ان کی گھومتی نظریں فاخرہ کی نظروں میں آ گئی تھیں۔ اپنی چوری پکڑے جانے پر وہ سٹپٹا کر مسکرائیں۔

"نہیں وہ میں **صہیب** کو دیکھ رہی تھی وہ نظر نہیں آرہا۔"

"بس بھابھی اس لڑکے کی سمجھ نہیں آتی، اس کو تو دوستیاں ہی نہیں چھوڑتیں۔" وہ جو کچھ دیر پہلے فاخرہ کے چمکتے چہرے کو حسد بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ **صہیب** کے نام پر جو پریشانی ان کے چہرے سے جھلکی تھی۔ اس نے انہیں اندر تک طمانیت بخشی تھی۔

"نظر رکھا کرو فاخرہ جوان بچہ ہے، کہیں کوئی غلط سوسائٹی میں نہ پڑ جائے، ایک تو تم لوگوں کا اکلوتا اور لاڈلا ہے، کوئی روک ٹوک نہیں تو بگڑتے پتا بھی نہیں چلتا۔ اب میرے ضمیر کو دیکھ لو، **صہیب** کا ہم عمر ہے۔ لیکن مجال ہے میری اجازت کے بغیر کہیں باہر جائے اور باپ کا بھی اتنا رعب ہے کہ یوں سارا سارا دن گھر سے غائب رہنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔"

اب وہ اپنے بچوں کی تعریف میں رطب اللسان ہو چکی تھیں اور ارد گرد کے واقعات کو جس طرح نمک مرچ لگا کر فاخرہ کو سنا رہی تھیں، فاخرہ کا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

وہ کمرے میں آئیں تو سرور صاحب بیڈ پر بیٹھے کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ انہوں نے نظر اٹھا کر

اپنی بیوی کا چہرہ دیکھا اور دوبارہ نظریں کتاب پر جمادیں۔

شمیم نے ایک نظر کتاب میں گم اپنے شوہر کو دیکھا اور کچھ لمحے سوچنے کے بعد الماری کی طرف مڑگئیں، کچھ دیر یوں ہی تہ شدہ کپڑوں کو ادھر سے ادھر کرتی رہیں۔ کافی دیر بعد تک وہ تھک گئیں تو الماری بند کرکے پلٹیں تب بھی سرور صاحب کے انہماک میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ برا سا منہ بنا کر بیڈ کے دوسری جانب جاکر لیٹ گئیں۔

"کیا بات ہے، منہ کے زاویے کیوں بنے ہیں۔" کچھ دیر سرور صاحب کی آواز سنائی دی۔

"آپ کو فرصت مل گئی کہ آپ غور کرلیں کہ میرا موڈ صحیح ہے یا خراب۔"

"اس میں فرصت کی کیا بات ہے، موڈ خراب تو روٹین کی بات ہے۔ ہاں موڈ خوش گوار ہو یہ ذرا روٹین سے ہٹ کے بات ہوتی ہے۔" ان کے طنز پر وہ صبر کے گھونٹ پی کر رہ گئیں، کیونکہ بات بھی تو کرنی تھی۔

"آج میں راشد کی طرف گئی تھی۔"

"اچھا تو اس میں پریشانی والی کیا بات ہے۔" انہوں نے جیسے سنا ہی نہیں۔ "راشد کے گھر سارا فرنیچر نیا ہے۔ اتنا بڑا LED… کل اس کا بھائی آیا ہوا تھا۔ اتنے خوب صورت کپڑے سوئیٹر، جوتیاں اور سونے کی انگوٹھی اور بھی اتنا کچھ لے کر آیا ہے۔"

"اچھا…" وہ ہنکارا بھر کر بولے۔

"میں آپ سے بات کررہی ہوں۔"

"سن رہا ہوں اور کیا کروں۔" وہ کتاب بند کرکے بولے۔

"یہ ہی تو مصیبت ہے کہ آپ کچھ کرتے نہیں۔"

"کیا کروں میں تمہاری خواہشات پوری کرنے کے چکر میں سولی پر لٹک جاؤں۔ ناشکرے پن کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ ہمارے گھر میں اللہ کی دی ہوئی ہر چیز ہے، پر تمہارے لالچ کی کوئی حد نہیں۔ ہر وقت دوسروں کی ٹوہ میں رہنا، ان سے حسد کرنا اور تمہیں کوئی کام نہیں۔"

"سرور صاحب میں نے ایک بات کی ہے اور آپ نے دنیا جہاں کے کیڑے مجھ میں ڈال دیے ہیں۔"

"یہ بات کہنے کی تھی، ہر وقت فلاں کے گھر میں یہ فلاں کی بیوی کے پاس یہ فلاں کے بچے وہ۔ تم خود پر دھیان دو اپنے گھر، اپنے بچوں پر دھیان دو، تمہیں پتا ہے بچے کیا کرتے ہیں۔ ان کی روٹین کیا ہے، سہیل دو دفعہ بی کام میں فیل ہوچکا ہے۔ آگے پڑھنے کی اس نے زحمت نہیں کی۔ ضمیر کی حرکتوں اور پڑھائی دونوں سے میں مطمئن نہیں اور **کاشفہ** اس کی طبیعت میں عجیب خود سری اور بدتمیزی ہے۔"

"آپ کو صرف اپنی اولاد میں کیڑے نظر آتے ہیں۔ یہاں بات ہوتی نا ناز کی تو اس کی تعریف میں آپ نے زمین آسمان ایک کردینے تھے۔"

"ہاں کردیتا، زمین و آسمان ایک، وہ ہے ہی تعریف کے قابل، ناصرہ نے اپنی دونوں بیٹیوں کی تربیت بہت اچھی کی ہے۔ ناز پڑھائی میں گھریلو کاموں میں اخلاق میں، کردار میں ہر بات میں پرفیکٹ ہے۔ **علینہ، کاشفہ** جتنی ہے پر کتنی سلجھی ہوئی ہے۔ تمہاری بیٹی کو فیشن، اچھل کود اور لڑنے سے فرصت نہیں۔"

"وہ آپ کی بھی بیٹی ہے۔" انہوں نے جتایا تھا۔

"لیکن میں تربیت کی بات کررہا ہوں، جس کی ذمہ داری تم پر لاگو ہوتی ہے۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت تمہارے ساتھ گزارتی ہے، تم سے سیکھتی ہے ہر اچھی بری بات۔"

"ایسا کیا کردیا اس نے جو آپ کو اس کی تربیت پر اعتراض ہورہا ہے۔" اب کے وہ تپ کر بولی تھیں۔

"اپنی یہ حسد والی عادت اپنے تک محدود رکھو۔ اس سے بچوں کے ذہن آلودہ نہ کرو۔ **کاشفہ** کا بی ہیویر **علینہ** کے ساتھ اچھا نہیں۔ اسے سمجھا دو وہ اس کی کزن نہیں بہن ہے۔ بہنوں کی طرح رہے۔ تم سمجھا دو تو اچھا ہے، میں نے اگر بات کی تو سختی سے پیش آؤں گا۔" کہہ کر انہوں نے نظریں دوبارہ کتاب پر ٹکادیں، جبکہ وہ اتنی دیر کڑھتی رہیں، جب تک نیند ان پر مہربان نہیں ہوئی۔

✲ ✲ ✲

سلائیں کی طرف بڑھتا اس کا ہاتھ وہیں رک گیا تھا۔ اس نے تعجب سے اپنی ماں کا چہرہ دیکھا نفرت سے جن کے نقوش بگڑ گئے تھے۔

"اس **علینہ** کی بچی نے پاپا سے میری شکایت کی۔" غصے میں اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

"وہ بھی ہو سکتی ہے، لیکن تمہارے باپ کے کان اس ناز نے بھرے ہیں، وہی تمہارے باپ کے کان میں من من کر رہی تھی۔"

"مجھے سمجھ نہیں آتی امی، پاپا کو اپنی بیٹی سے زیادہ دوسروں کی بیٹیاں زیادہ پیاری ہیں، ہر وقت ناز، ناز، **علینہ**، **علینہ** کرتے رہتے ہیں اور وہ **علینہ** مجھے سخت نفرت ہے اس سے تو اسے بڑا شوق ہے ہر بات میں نمایاں ہونے کا۔ کلاس میں بھی اس کی کوشش ہوتی ہے ٹیچر کچھ پوچھے تو سب سے پہلے جواب دینے والی وہ ہوتی ہے۔ ٹیچر اس کی ذہانت کی اور لڑکیاں اس کی خوب صورتی کی تعریف کرتی ہیں تو دل کرتا ہے اس کا منہ ہی نوچ لوں۔" اس نے ہاتھوں کا ایسا زاویہ بنایا جیسے واقعی اس کا منہ نوچ لے گی۔

"اپنے جذبات پر قابو رکھا کرو، تمہاری یہ ہی عادت مجھے بری لگتی ہے۔ فوراً" بھڑک جاتی ہو اس **علینہ** کو دیکھو خود بولی یا تم سے لڑی۔"

"امی پلیز آپ بھی اب اس کی مثال دینا شروع نہ کر دیں۔"

"میں مثال نہیں دے رہی تمہیں، سمجھا رہی ہوں، جذبات اور زبان پر قابو رکھا کرو اور **علینہ** سے کوئی بات یا بدتمیزی کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"کیوں کیا میں اس سے ڈرتی ہوں۔" کاشفہ کے تنک کر بولنے پر شمیم نے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ زور سے ٹیبل پر پٹخا۔

"پھر وہی بے وقوفی والی باتیں اگر تم نے باپ سے بے عزتی کروانی ہے تو کر لو جو دل کرتا ہے، پھر مجھے نہ کہنا۔" وہ کپ اٹھا کر کھڑی ہو گئیں، جبکہ کاشفہ کا بس نہیں چل رہا تھا **علینہ** کا گلہ دبا دے۔

✲ ✲ ✲

وہ دروازہ کھول کر اندر آئیں تو **صہیب** لیپ ٹاپ پر جھکا تھا۔ وہ دودھ کا گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اسکرین کی طرف دیکھنے لگیں۔

"کیا کر رہے ہو **صہیب**..." ان کا خیال تھا شاید **صہیب** چونک جائے گا۔

"چیٹ کر رہا ہوں ماما۔"

"کس سے..." "میری کلاس فیلو ہے بینش..." وہ اب اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئیں۔

"کلاس فیلو ہی ہے نا۔" اب کے **صہیب** نے اسکرین سے نظریں ہٹا کر فاخرہ کو دیکھا۔

"وہ میری دوست بھی ہے۔"

"کیسی دوست..." اب کے فاخرہ نے کافی سنجیدگی سے سوال کیا۔

"یہ کیسا سوال ہے مما... دوست مطلب دوست جیسے سب دوست ہوتے ہیں۔ میں کو ایجوکیشن میں پڑھتا ہوں، جہاں لڑکے اور لڑکیاں دونوں پڑھتے ہیں اور دونوں سے ہی ہیلو ہائے ہوتی ہے اور لڑکی سے فرینڈ شپ کا مطلب یہ نہیں کہ میرا اس سے کوئی افیر چل رہا ہے۔"

"**صہیب** میں نے یا تمہارے پاپا نے کبھی تم کو کسی بات سے ٹوکا یا پابندی نہیں لگائی۔"

"یہ سب کہنے کا کیا مقصد ہے مما کیا میں نے کوئی غلط حرکت کی ہے یا آپ کی دی ہوئی آزادی کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔" اب کہ وہ پوری سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"اگر آپ نے مجھے آزادی ہے تو مجھے اپنی لمٹ کا بھی پتا ہے۔"

"لیکن بیٹا تمہارے پاپا خوش نہیں، انہیں لگتا تم اسٹڈی کو خاص طور پر لائف کو سریس نہیں لے رہے تم ہمارے اکلوتے بیٹے ہو **صہیب** ہماری زندگی کی ساری امیدیں تم سے جڑی ہیں۔"

"مما!" ان کے جذباتی انداز پر وہ حیران ہوا تھا۔

"میں نے ایسا کیا کردیا ہے جو آج یوں آپ مشکوک انداز میں مجھ سے سوال کررہی ہیں۔"

"تمہارا سارا سارا دن گھر سے باہر رہنا، تمہاری دوستی، تمہارے پاپا کو تمہاری کمپنی پسند نہیں اور یہ لڑکیوں سے دوستی۔۔۔ یہ مجھے پسند نہیں۔" انہوں نے اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔

"ضمیر کو دیکھو سب اس کی تعریف کرتے ہیں، پرسوں بھابھی شمیم آئی تھیں۔ ضمیر کی اتنی تعریفیں کررہی تھیں کہ مجھے شرمندگی ہورہی تھی کہ تمہاری تعریف کے لیے میرے پاس کوئی ایسی بات ہی نہیں تھی۔"

"مما! ضمیر میرا کزن ہے اور دوست بھی اور میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ کیا ہے اور کیا کرتا ہے اور نہ تو اس نے ایسا کوئی کام کیا ہے کہ تائی جی اس کی تعریفیں کرکے نہیں تھکتیں اور نہ میں نے کوئی ایسا کام کیا، جس پر آپ کو یا پاپا کو شرمندگی محسوس کرنی پڑے۔ آئی ایم شاکڈ۔۔۔" آخر میں اس نے جھٹکے سے لیپ ٹاپ بند کیا۔ فاخرہ نے بے ساختہ اپنا نچلا ہونٹ کچلا تھا۔

"سوری بیٹا! میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"پلیز مما ہرٹ تو آپ کرچکی ہیں حیرت ہے۔ آپ کو دوسروں کی باتوں پر یقین ہے اور اپنے بیٹے پر نہیں اور تائی جی کو ویسے بھی بات کا بتنگڑ بنانے کی عادت ہے۔"

"او کے اب چھوڑو یہ سب میں نے ایک بات کی ہے، ناں ہوں تمہاری کرسکتی ہوں۔ اب اپنا موڈ ٹھیک کرو اور دودھ پی لو۔" وہ اس کا ماتھا چوم کر باہر نکل گئیں، جبکہ اس کا موڈ بری طرح آف ہوگیا تھا۔

* * *

اس نے ابھی اپنی بائیک اسٹارٹ کی تھی، جب پیچھے اسے ضمیر کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ رکنا نہیں چاہتا تھا۔ پر ضمیر کے قریب پہنچنے پر اسے رکنا پڑا پر اس کا موڈ ہنوز خراب تھا۔

"کہاں جارہے ہو۔"

"کام سے جارہا ہوں۔"

"میں بھی چلوں۔"

"ضرورت نہیں میری کمپنی میں تم خراب ہوسکتے ہو۔"

"مطلب۔۔۔" اب کے ضمیر نے چونک کر اس کے بگڑے انداز دیکھے۔

"یہ سوال تم اپنی امی سے جاکر پوچھو۔"

"پر ہوا کیا ہے۔" ضمیر ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔

"آج تک مما نے یا پاپا نے کبھی نہ مجھ سے کوئی سوال کیا ہے، نہ کبھی کوئی پابندی لگائی ہے۔ لیکن کل زندگی میں پہلی بار مما مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ انہیں لگتا ہے۔ میری کمپنی ٹھیک نہیں میرے دوست آوارہ ہیں اور مجھی میں پتا نہیں کن کن بری عادتوں میں ملوث ہوں اور یہ سب فتور مما، پاپا کے دماغ میں ڈالنے والی تمہاری والدہ محترمہ اور میری ڈیرسٹ تائی جان ہیں۔" آخری الفاظ اس نے چبا چبا کر ادا کیے تھے۔

"مجھے میرے پیرنٹس کی نظر میں برا اور تمہاری تعریف اور فرماں برداری کے جو جھوٹے جھنڈے کل وہ گاڑ کے گئی ہیں نا اگر میں وہاں موجود ہوتا تو تم جانتے ہو ضمیر کیا ہوتا، کون کیا ہے۔ یہ تم بہت اچھی طرح جانتے ہو۔" اس کے چہرے اور آواز میں اتنا غصہ تھا کہ کچھ لمحوں کے لیے ضمیر بول ہی نہیں سکا۔

"یار میری بات کا یقین کرو، میں نہیں جانتا امی نے ایسی باتیں کیوں کیں۔ میں نے کبھی تمہارے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں کی۔"

"اور تم کرسکتے بھی نہیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا اور مزید کوئی بات کیے بغیر اس نے بائیک کو کک لگائی اور اگلے ہی پل وہ گیٹ سے باہر تھا۔ ضمیر نے غصے سے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے زیر لب اسے گالی دی تھی۔

وہ کپڑے استری کرنے کے ساتھ ٹی وی پر چلنے والا

ڈراما بھی دیکھ رہی تھیں۔ جبکہ ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھی کاشفہ ناخنوں پر نیل پالش لگا رہی تھی۔ تب ہی لاؤنج کا دروازہ کھول کر دندناتا ہوا ضمیر ان کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا تھا۔

"آپ نے چچی کو کیا کہا **صہیب** کے بارے میں۔"

"ہیں..." شمیم قدرے گھبرا کر اپنے بیٹے کا منہ دیکھا۔ "میں نے کیا کہنا ہے۔" وہ نظریں چرا کر بولیں۔

"کیا آپ چچی سے **صہیب** کے خلاف باتیں نہیں کر کے آئیں۔ وہ آوارہ لڑکوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے۔ پڑھتا نہیں ہے اور بھی پتا نہیں کیا، کیا۔" اس کے غصیلے انداز پر انہوں نے پاس بیٹھی کاشفہ کو دیکھا جو نیل پالش ہاتھ میں پکڑے انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔

"ضمیر یہ کیا طریقہ ہے ماں سے بات کرنے کا۔" اپنی گھبراہٹ کو انہوں نے غصے میں چھپانے کی کوشش کی تھی۔

"مجھے بات کرنے کا طریقہ آپ بعد میں سمجھائیں پہلے مجھے یہ بتائیں آپ نے باتیں کی ہیں یا نہیں۔" وہ اب پہلے سے زیادہ بدلحاظی سے بولا تھا۔ شمیم نے زچ ہو کر چٹخنے کے انداز میں استری اسٹینڈ پر رکھی تھی۔

"ہاں کی تھیں باتیں، پر وہی کی تھیں جو تم نے بتائی تھیں۔" ضمیر کا دل چاہا اپنے بال نوچ لے۔

"میں نے یہ باتیں اپنے گھر میں اپنی ماں سے کی تھیں، یہ نہیں کہا تھا کہ اس کے گھر جا کر ان باتوں کا ڈھنڈورا پیٹ آئیں۔"

"تو میں نے کیا برا کیا اس کی ماں کو اس کی کرتوتوں سے ہی آگاہ کیا تاکہ اسے سمجھائیں۔ آخر کل کو کچھ برا ہوا تو بیچ میں ہمارا بھی نام بدنام ہو گا۔ آخر وہ بھی اسی خاندان کا حصہ ہے۔"

"امی... امی کیا کروں میں۔" اس نے غصے سے مکا دیوار پر مارا۔ "آپ کو کیا ضرورت تھی پرائے پھڈے میں ٹانگ اڑانے کی، لے دے کر سارا کام خراب کر دیا۔ قسم ہے مجھے جواب میں آپ سے کوئی بات کروں۔" وہ غصے سے اسٹینڈ کو ٹانگ رسید کرتا باہر نکل گیا۔

"ذلیل کمینہ، غیر کے لیے ماں کو کتنی باتیں سنا گیا۔ ایسی ذلیل اولاد نہ ہو تو بہتر ہے۔" وہ اس باز پرس پر اچھی خاصی شرمندہ ہوئی تھیں پر غلطی ماننا ان کی فطرت میں نہ تھا۔

"امی آپ کو کیا ضرورت تھی۔ چچی سے ایسی باتیں کرنے کی، **صہیب** بالکل ایسا نہیں، آپ کی ان باتوں کی وجہ سے وہ ہم سے ناراض ہو گیا ہے۔"

"لو..." شمیم نے حیرت سے انگلی اپنے دائیں گال پر رکھی۔ "مینڈکی کو بھی زکام ہونے لگا۔" اپنی بیٹی جو انہیں ہمیشہ اپنی ہم خیال لگی تھی کے منہ سے یہ سن کر انہیں حیرت اور تکلیف دونوں محسوس ہوئی تھیں۔

"تمہیں ماں سے زیادہ اس کی ناراضی کی پروا ہے۔"

"جی... کیونکہ آپ نے غلط کیا ہے۔" کہہ کر وہ بھی غصے سے باہر نکل گئی۔ جبکہ شمیم ان دونوں بہن، بھائی کے ردعمل پر حیران تھیں۔

"وہ سیڑھیوں میں بیٹھا خاموشی سے سامنے دیکھ رہا تھا۔ لیکن پریشانی اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ اس کو پچھتاوا ہو رہا تھا۔ کیوں اس نے اپنی ماں سے **صہیب** کے متعلق باتیں کیں، جبکہ وہ جانتا تھا۔ اپنی ماں کی عادت کو اچھی طرح... **صہیب** سے دوستی کے اسے بہت سے فائدے تھے، کچھ آمدنی محدود ہونے کی وجہ سے اور کچھ بچوں پر کنٹرول رکھنے کے لیے انہیں کم پیسے دیے جاتے تھے۔ ان تینوں بہن، بھائیوں کی پاکٹ منی بہت کم تھی۔ باقی دونوں کا تو پتا نہیں، لیکن ضمیر کا اتنے کم پیسوں میں گزارا نہیں ہوتا تھا۔ ایسے میں **صہیب** کی دوستی اس کے لیے تحفہ خداوندی تھی۔

جب اسے ضرورت پڑتی وہ **صہیب** کے برینڈڈ کپڑے استعمال کر لیتا۔ اس کا موبائل بلا جھجک لے جاتا، اس کی بائیک استعمال کرتا۔ **صہیب** کی پاکٹ منی کا زیادہ تر حصہ وہ استعمال کرتا ادھار کے نام پر اس

سے اچھی خاصی رقم لیتا جو **صہیب** بعد میں اس سے کبھی واپس نہ مانگتا۔ وہ ایسا ہی تھا دوستوں کا دوست، لیکن اب جو ہوا تھا، اس نے سب خراب کر دیا تھا۔ خود کو اچھا ثابت کرنے کے لیے اس نے **صہیب** کو برا ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ الٹا وار اسی پر چل گیا تھا۔ آج چار دن بعد وہ **صہیب** سے ملنے گیا تھا۔ اسے لگا اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا ہو گا، لیکن **صہیب** نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔

اسے یہ بات تکلیف نہیں دے رہی تھی کہ وہ ملا نہیں، بلکہ مسئلہ یہ تھا کہ ایک خاص ملاقات اسے رابعہ سے کرنی تھی۔ جس کو وہ **صہیب** کے نام سے فون کرتا اور ملتا تھا۔ اس سے ملاقات کے لیے اسے پیسوں اور **صہیب** کی بائیک کی ضرورت تھی۔

* * *

وہ دونوں بھائی اپنی فیملی سمیت علیم صاحب کے گھر موجود تھے۔ وجہ ناز کا شان دار نمبروں کے ساتھ گریجویشن کرنا تھا۔

”واہ بھئی ناز یہ نمبر ہوئے نا پاس ہونے کا بھی مزا آیا نا۔“ ہمیشہ کی طرح سرور صاحب نے ناز کی حوصلہ افزائی کی تھی اور شمیم نے برا سا منہ بنایا تھا۔ ”علیم بہت لکی ہے جو ناز اور **علینہ** جیسی ہونہار بیٹیاں اسے ملیں۔“ سرور صاحب جہاں ہمیشہ ناز کی قابلیت کے گن گاتے تھے۔ وہیں راشد صاحب اور فاخرہ، **علینہ** کو بہت پسند کرتے تھے۔

”لکی تو میں تب ہوتا نا راشد جب اللہ بیٹا دیتا بیٹیاں لائق بھی ہوں تو کیا فائدہ، پہلے ساری عمر انہیں کھلاؤ پلاؤ، اچھی تعلیم دلاؤ اور پھر لاکھوں کا جہیز دے کر رخصت کرو، نرا نقصان بیٹیاں تو گھاٹے کا سودا ہوتی ہیں۔ لکی تو تم ہو جس کا بیٹا ہے اور بیٹی جیسی کوئی زحمت نہیں، لکی تو سرور بھائی ہیں، جن کے دو جوان بیٹے ہیں۔ ایک دایاں بازو اور ایک بایاں، بڑھاپے میں کام آئیں گے۔“

وہاں موجود ہر شخص جیسے ساکت رہ گیا تھا۔ ناز کا کچھ دیر پہلے جگمگاتا چہرہ یک دم تاریک ہو گیا تھا۔ ناصرہ تو شروع سے ہی شوہر کی ذہنیت سے واقف تھیں، لیکن یوں سرعام جگ ہنسائی کی، پہلے نوبت نہیں آئی تھی۔ دو بیٹیوں کو پیدا کرنے کے جرم میں پہلے ہی ان کی گردن جھکی تھی۔ اوپر سے ان چاہی، وہ اب بھی سر جھکائے بیٹھی رہ گئیں۔ شمیم نے مسکراتی نظروں سے ناصرہ کا جھکا سر اور ناز کا بجھا چہرہ دیکھا۔ ابھی اپنی خوشی ٹھیک طرح سے انجوائے بھی نہیں کر پائی تھیں کہ ان کے اپنے بیٹے نے پھر انہیں جلتے توے پر بٹھا دیا۔

”چاچو آپ کیوں ایسا سوچتے ہیں، آپ کا کوئی بیٹا نہیں، میں ہوں، ضمیر، **صہیب**، ہم سب آپ کے بیٹے ہیں۔“ وہ اٹھ کر ان کے قریب بیٹھ گیا۔ ساکت ماحول میں ہلچل پیدا ہوئی تھی۔ ایسے جیسے کسی نے **سٹل پکچر** کو پلے کر دیا ہو۔

”تمہاری سوچ پتا نہیں کب بدلے گی۔ علیم ناشکرے پن کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔“ راشد صاحب نے ماتھے پر بل ڈال کر علیم کو دیکھا۔

”تمہیں اتنی ہی تکلیف ہے تو ناز مجھے دے دو، تم اس قابل ہی نہیں کہ اس کے باپ کہلا سکو۔“ اب کے سرور صاحب کے کہنے پر شمیم اور سہیل نے چونک کر انہیں دیکھا۔ وہ دونوں ان کے اگلے جملے کے منتظر تھے۔ سہیل کی تو جیسے دلی مراد بھر آئی تھی اور شمیم ان کی تو جیسے سانس سینے میں اٹک گئی تھی۔ ناز اٹھ کر کچن میں آ گئی اور اس کے پیچھے **علینہ** بھی۔ چائے کا پانی رکھتے ہوئے اس کے آنسو بہہ نکلے تھے۔

اپنی کامیابی پر وہ کتنا خوش تھی، وہ کتنی کوشش کرتی تھی۔ اپنے باپ کو خوش کرنے کی، لیکن ہر دفعہ وہ ناکام رہتی تھی۔ **علینہ** کی اس کی طرف پشت تھی، پر وہ جانتی تھی اس کی بہن رو رہی ہے۔ اس سے پہلے وہ اس کی دلجوئی کے لیے آگے بڑھتی **صہیب** اور ضمیر آندھی طوفان کی طرح کچن میں داخل ہوئے تھے۔

”ناز آپی!“ **صہیب** نے اسے کندھوں سے پکڑ کر سیدھا کیا تھا۔ ”بہت افسوس کی بات ہے، میں کم از کم آپ جیسی بہادر لڑکی سے یہ **ایکسپکٹ** نہیں کر رہا

تھا۔" وہ جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ کو پتا ہے نا چاچو کی عادت ہے۔" اب کے **ضمیر** بھی اس کے قریب آکر بولا۔

"لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے، مجھے سمجھ نہیں آتا بابا کو ہم سے کیا پرخاش ہے، اگر ان کا کوئی بیٹا نہیں تو یہ ہمارا قصور ہے؟" اس کے سوال پر ضمیر نے بے چارگی سے **صہیب** کو دیکھا۔

"آپی چھوڑیں، یہ فضول باتیں۔"

"یہ فضول باتیں نہیں، **صہیب** بابا ہر دفعہ ہماری انسلٹ کر دیتے ہیں۔"

"آپی انسلٹ غیروں کے سامنے ہوتی ہے۔ اپنوں کے سامنے نہیں، وہاں سب آپ کے اپنے تھے۔ کیا کسی نے آپ کو برا کہا یا چاچو کا ساتھ دیا۔ سب ان کو ہی ڈانٹ رہے تھے۔ باہر جا کر دیکھ لیں۔ ابھی تک انہیں بابا اور تایا جی ڈانٹ رہے ہیں اور اگر آپ چاہتی ہیں تو میں بھی انہیں ڈانٹ کر آتا ہوں کہ ان کی ہمت کیسے ہوئی کہ وہ میری گھبرو جوان بہن کے ہوتے ہوئے بیٹا نہ ہونے کا شکوہ کرتے ہوئے۔ میری آپی کی مونچھیں بنا دیں، وہ کیا کسی لڑکے سے کم ہیں۔" **صہیب** کی مثال پر وہ بے ساختہ انداز میں چیخنے کے بعد ہنس پڑی تھیں۔ کب سے کونے میں گم صم کھڑی **علینہ** نے بہن کو ہنستے دیکھ کر گہری سانس لی تھی۔

"یہ ہوئی نا بات اور یہ میں آپ کے لیے لایا ہوں۔" **صہیب** نے جیکٹ کی جیب سے دو پیکٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائے، ناز نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ "آپ کے گفٹ ہیں اور انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بہن بھائیوں سے حق سے لیتی ہے اور یہ تو پھر میں اپنی خوشی سے لے کر آیا ہوں۔" ناز نے نظریں اٹھا کر **صہیب** کا چہرہ دیکھا۔ اس کی آنکھیں یکایک پانی سے بھر گئی تھیں اور وہ بے ساختہ اس کے ساتھ لگ گئی۔

"آپی میں آپ کو بہن کہتا ہی نہیں مانتا ہوں۔" وہ اس کے سر کو سہلاتے ہوئے بولا۔ "اب چھوڑیں یہ رونے دھونے کا پروگرام اور ٹریٹ کا بندوبست کریں، میں نے آپ سے زبردست ٹریٹ لینی ہے۔"

"ہاں جو تم کہو۔" ناز آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

"اور آپی میرا گفٹ ڈیو رہا، کیونکہ میری ذرا کڑکی چل رہی ہے۔" ضمیر کان کھجاتے ہوئے بولا۔

"تمہاری جیب بھری کب ہوتی ہے۔" ناز نے اس کے سر پر چپت لگاتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا کر سر کھجانے لگا۔

"اور تم کیا کھڑی ہماری باتیں سن رہی ہو، چائے بناؤ۔" وہ **علینہ** کو دیکھ کر بولا اور وہ جو کچھ دیر پہلے **صہیب** کے لیے اچھا سوچ رہی تھی، اپنی سوچ پر لعنت بھیجی۔

"آپی آپ کی بہن بالکل آپ کے الٹ ہے۔ آپ اتنی اسٹائلش، ہر فن مولا، مسکراہٹ آپ کے ہونٹوں سے جدا نہیں ہوتی جبکہ یہ۔۔۔" اس نے **علینہ** کو دیکھ کر برا سا منہ بنایا۔ "ہر وقت سڑیل انداز بندہ ہنستا ہوا اندر آتا ہے اور اس کا چہرہ دیکھ کر ایسے لگتا ہے پتا نہیں کون سا غمگین واقعہ ہو گیا ہے۔ **نکمی چائے** تک بنانی نہیں آتی۔ سڑ سڑ کر رنگ الگ کالا ہو گیا ہے۔ کون کرے گا اس سے شادی۔" آخر میں وہ پھر پٹڑی سے اتر گیا۔ **علینہ** اپنی اتنی بے عزتی پر جیسے پھٹ پڑی تھی۔

"کوئی نہ کرے شادی، کم از کم آپ کے پاس نہیں آؤں گی۔" اس کی بات پر ضمیر کے ساتھ ناز بھی مسکرا دی تھی۔ **علینہ** کو ناز سمیت سب پر غصہ آ رہا تھا جو اس کے مذاق اڑائے جانے پر مسکرا رہے تھے۔

"اپنی شکل دیکھی ہے چوہیا میرا دماغ خراب ہے جو میں تم سے شادی کے بارے میں سوچوں۔ اتنی حسین لڑکیاں میرے آگے پیچھے پھرتی ہیں۔ انہیں کبھی میں نے لفٹ نہیں کروائی تم تو پھر شکل اور عقل دونوں سے پیدل ہو۔" وہ واقعی ناز کی طرح خوب صورت کانفیڈنٹ نہیں تھی جو مقابل کو اپنی خوب صورتی یا باتوں سے ڈھیر کر لیتی، لیکن اتنی کم تر بھی نہیں تھی جو **صہیب** اس کا مذاق اڑاتا اس کا بس رونے پر چلتا تھا

اور وہ ہی وہ کر سکتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ضمیر سٹپٹا گیا تھا' جبکہ ناز نے بے ساختہ آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا تھا۔

"**صہیب** تم میری بہن کو تنگ مت کیا کرو۔" ناز نے خفگی سے اسے دیکھا۔ "اور تم بھی کس کی باتوں کو دل پر لے رہی ہو' جانتی ہو وہ ایسا ہی ہے۔"

"تسلی دینے سے حقیقت نہیں بدل سکتی چوہیا بھی کبھی خوب صورت ہو سکتی ہے۔" وہ پھر مذاق اڑانے سے باز نہیں آیا تھا۔ **علینہ** نے زور زور سے روتے ہوئے چہرہ ناز کے کندھوں پر رکھ دیا۔

"**صہیب** اپنا منہ بند کرو اور جاؤ باہر خبردار جو اب دوبارہ میری بہن کا نام بگاڑا۔" اب کہ ناز غصے سے بولی۔ "وہ ویسے ہی تمہیں پسند نہیں کرتی۔" وہ جو باہر جا رہا تھا ایک دم رکا اور آنکھیں کھول کر ناز کے پہلو میں لگی **علینہ** کو دیکھنے لگا۔

"تو میں کیا اسے پسند کروانے کے لیے مرا جا رہا ہوں۔ میں تو آج سو نہیں سکوں گا' مس ورلڈ حسن کی دیوی '**علینہ** علیم' **صہیب** راشد کو سخت ناپسند کرتی ہیں اور میرے خدا اب میرا کیا ہوگا۔" وہ دروازے کے ساتھ لگ کر رونے کی ایکٹنگ کرنے لگا۔ ناز نے بڑی مشکل سے مسکراہٹ روک کر ضمیر کو اشارہ کیا جو اسے کھینچتا ہوا باہر لے گیا۔ باہر نکلتے ہی وہ دونوں ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے تھے۔

* * *

"فاخرہ۔۔۔!" گھر میں داخل ہوتے ہی راشد صاحب نے غصے سے فاخرہ کو آواز دی تھی اور وہ جو کام والی ماسی سے اسٹور کی صفائی کروا رہی تھیں۔ گھبرا کر باہر نکلیں۔ "کیا ہوا راشد! خیریت ہے۔" راشد کو غصہ کم ہی آتا تھا اور اگر آج وہ غصے میں دکھائی دے رہے تھے تو ضرور کوئی وجہ تھی۔ "**صہیب** کہاں ہے۔"

"کیوں' کیا ہوا۔" وہ گھبرا کر پوچھنے لگیں۔

"میں کیا پوچھ رہا ہوں' کہاں ہے وہ۔" وہ اب حلق کے بل چلائے۔

"وہ گھر پر نہیں ہے۔"

"بلاؤ اسے' جہاں بھی وہ ہے۔" کہہ کر وہ اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئے' جبکہ وہ پریشانی سے **صہیب** کا نمبر ڈائل کرنے لگیں۔ راشد ابھی تک **صہیب** کے کمرے میں تھے' جبکہ وہ پریشانی سے گیٹ کے سامنے ٹہل رہی تھیں۔ پندرہ منٹ بعد انہوں نے اس کی بائیک کی آواز سنی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ گیٹ کے اندر تھا۔

"خیریت مما! آپ نے اتنی ایمرجنسی میں مجھے کیوں بلوایا۔" وہ پریشانی سے ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"تمہارے پاپا بہت غصے میں ہیں۔"

"کیوں۔۔۔" وہ حیران ہوا۔

"پتا نہیں' لیکن مجھے لگتا ہے انہیں غصہ تم پر ہے۔" وہ تمہارے روم میں ہیں"۔ فاخرہ کے کہنے پر وہ سر ہلا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ فاخرہ بھی اس کے پیچھے تھیں۔ آہٹ پر راشد نے مڑ کر دیکھا اور اسے دیکھتے ہی ان کا جلال' ان کے چہرے سے چھلکنے لگا۔

"یہ کیا ہے۔" راشد نے اپنی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلائی' جس میں سگریٹ کی ڈبیا تھی۔ حیران پریشان کھڑی فاخرہ بے ساختہ دو قدم آگے آئی تھیں۔

"میں پوچھ رہا ہوں یہ کیا ہے۔" اب کے راشد صاحب زور سے بولے۔

"آئی ڈونٹ نو پاپا' میں نہیں جانتا یہ کہاں سے آئی' یہ سگریٹ میرے نہیں۔"

"تمہارے نہیں تو تمہارے کمرے میں تمہاری سائیڈ ٹیبل کی دراز میں کہاں سے آئے۔"

"تم اسموکنگ کرتے ہو **صہیب**۔۔۔" فاخرہ روہانسی ہو کر بولیں۔

"مما! میں نے آج تک کبھی سگریٹ کو ہاتھ بھی نہیں لگایا' میں قسم کھا کر کہہ رہا ہوں۔" ماں کے آنسو اور باپ کا غصہ دیکھ کر وہ کنفیوژ ہو گیا تھا۔

"پھر یہ کہاں سے آئے۔" راشد ایک بار پھر

دھاڑے۔ **صہیب** نے صرف ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر سچ بول دیا۔ “یہ ضمیر کے سگریٹ ہیں۔ وہ اسموکنگ کرتا ہے۔” فاخرہ نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیا‘ جبکہ راشد صاحب نے ڈبیا فرش پر پٹخ دی۔

“بکواس کرتے ہو تم اپنی غلطی اب تم ضمیر پر ڈال رہے ہو اور اس کے لیے تمہارے پاس کیا جواب ہے‘ کیا یہ بھی ضمیر نے کیا ہے۔” انہوں نے اس کی مارک شیٹ اس کے آگے کی۔ وہ پورے دو **سبجیکٹ** میں فیل تھا۔ “بولو یہ بھی ضمیر نے کیا ہے۔” اب کہ **صہیب** کچھ نہیں بولا تھا۔ اس کا سر جھکا تھا۔

“یہ دیکھ لیا نالاڈ پیار کا نتیجہ ‘پڑھائی میں زیرو‘ غلط حرکتیں ‘اوپر سے جھوٹ اور ایک اور کارنامہ سنو اپنے سپوت کا‘ جوان ہو گیا ہے تمہارا بیٹا‘ لوگوں کی بیٹیوں کا پیچھا کرتا ہے‘ ان کے گھر فون کرکے انہیں تنگ کرتا ہے۔” وہ دیکھ **صہیب** کو رہے تھے‘ لیکن مخاطب فاخرہ سے تھے۔ جن کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا اور ایک جارہا تھا۔ **صہیب** نے چونک کر سر اٹھایا۔

“یہ رابعہ کون ہے۔”

“میں نہیں جانتا پاپا۔” وہ حیران ہو کر بولا‘ لیکن اگلے ہی لمحے راشد صاحب کا زوردار تھپڑ اس کو دن میں تارے دیکھا گیا تھا۔ وہ جیسے شاکڈ ہو کر باپ کا چہرہ دیکھنے لگا۔ جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا اسے یاد نہیں پڑتا تھا کہ اس کے ماں یا باپ نے اس پر ہاتھ اٹھایا ہو۔ فاخرہ نے بے ساختہ انداز میں آگے بڑھ کر راشد صاحب کا ہاتھ تھاما تھا۔

“کیا کر رہے ہیں راشد....” انہوں نے **صہیب** کا شاکڈ چہرہ دیکھ کر راشد کو ٹوکا تھا۔

“ایک تھپڑ سے تمہاری یادداشت واپس آئی ہے یا میں خود یاد کرواؤں۔” **صہیب** اب بھی کچھ نہیں بولا‘ لیکن اس کے بھینچے ہوئے ہونٹ اس کے غصے کی ترجمانی کر رہے تھے۔

“رابعہ وہ لڑکی ہے جس کا تم روز کالج تک پیچھا کرتے ہو۔ اس کے گھر فون کرتے ہو۔ آج اس کے والد میرے آفس آئے تھے کہ میں تمہیں سمجھاؤں‘ نہیں تو وہ تمہیں سمجھائیں گے۔” راشد صاحب نے فاخرہ کو بتانے کے بعد اسے دیکھا۔ “میں اس نام کی کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔” **صہیب** اس دفعہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

“کیا یہ تمہاری بائیک کا نمبر نہیں۔” انہوں نے اس کی بائیک کا نمبر دہرایا۔ “یا یہ تمہارا موبائل نمبر نہیں۔ تمہارے کیے سب بے ہودہ **میسجز** بھی انہوں نے پڑھائے مجھے اور میرا دل چاہا زمین پھٹے اور میں اس میں سما جاؤں۔ کیا ہم نے تمہیں یہ سکھایا ہے‘ تمہاری اپنی کوئی بہن نہیں تو کیا تمہیں کسی اور لڑکی کی عزت کا بھی خیال نہیں۔”

“پاپا میں کہہ رہا ہوں نا کہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا یہ سب ضمیر کی حرکت ہے۔ وہ میری بائیک لے کر جاتا تھا۔ اور میرا موبائل بھی استعمال کرتا تھا اور رابعہ نامی لڑکی سے اس کی دوستی تھی۔”

“انف **صہیب** بند کرو اپنی بکواس کیوں تم بار بار اپنی غلطی ضمیر پر ڈال رہے ہو۔ سب جانتے ہیں وہ ایسا لڑکا نہیں۔” **صہیب** نے بے بسی سے اپنے ماں باپ کو دیکھا۔

“بہتر ہو گا تم اپنی غلطی مان لو۔” راشد صاحب کے جتاتے ہوئے انداز پر اس نے سنجیدہ نظر ان پر ڈالی تھی۔

“جب میں نے کوئی غلطی کی نہیں تو میں کیسے اسے مان لوں۔”

“تو تم نہیں مانو گے۔”

“میں نے کچھ نہیں کیا پاپا۔” وہ مزید سنجیدگی سے بولا۔

“ٹھیک ہے تو تم جیسے نافرمان لڑکے کے لیے میرے گھر میں کوئی جگہ نہیں میں مزید تمہاری وجہ سے کوئی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا۔ تم جا سکتے ہو۔”

“راشد” فاخرہ کے جیسے دل پر گھونسا سا لگا تھا “یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ‘ وہ بچہ ہے بچوں سے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔”

“تو اس سے کہو اپنی غلطی مانے” انہوں نے کہہ کر

رخ موڑ لیا تو فاخرہ نے ملتجائی انداز میں اس کا بازو تھاما۔ ”**صہیب** بیٹا ہم تمہارے پیرنٹس ہیں اگر تم سے غلطی ہوئی ہے تو مان لو، ہم معاف کردیں گے۔“

”مما اگر میں نے ایسا کچھ کیا ہوتا تو میں ضرور مان لیتا لیکن کسی دوسرے کی غلطی کیوں میں اپنے سر لوں آپ ضمیر سے جا کر کیوں نہیں پوچھتیں۔“ کہہ کر وہ رکا نہیں تھا۔

”**صہیب**“ فاخرہ اس کو پکارتی ہوئیں اس کے پیچھے بھاگی تھیں جبکہ راشد صاحب نڈھال سے ہو کر وہیں بیٹھ گئے تھے۔

* * *

زور سے آتی آواز سن کر ناز اور **علینہ** نے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر دونوں تیزی سے باہر آئی تھیں جہاں شمیم ناصرہ کو **صہیب** کی سنا رہی تھیں۔

”اندھیر مچا دیا اس لڑکے نے غلطیاں خود کر کے نام میرے معصوم بیٹے پر لگا دیا' میں کب سے اس لڑکے کی حرکتیں دیکھ رہی تھیں اور میں نے فاخرہ کو آگاہ بھی کیا تھا پر مجال ہے کوئی دھیان دیا ہو اب خود ہی بھگت رہے ہیں۔ بھئی سچی بات تو یہ ہے نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔“

”لیکن آپا **صہیب** تو بالکل ایسا نہیں۔“

”تو میں کیا جھوٹ بول رہی ہوں۔“ ناصرہ کی طرف داری شمیم کو بری لگی تھی۔ ”راشد تو اس سے اتنا ناراض تھا کہ اسے گھر سے نکالنے کے درپے تھا۔ اب فاخرہ اسے کینیڈا بھیج رہی ہے اپنے بھائی کے پاس۔“

ناز واپس کمرے میں آگئی اور اس کے پیچھے **علینہ** بھی۔

”آپ کہاں جا رہی ہیں۔“ اسے جو تا بدلتے دیکھ کر **علینہ** نے پوچھا۔

”**صہیب** سے ملنے کیونکہ مجھے اس کہانی پر یقین نہیں آرہا جو تائی جی نے سنائی ہے۔“ **علینہ** نے برا سا منہ بنایا۔

”پر مجھے تو کوئی شک محسوس نہیں ہوا مجھے تو شروع سے ان کی حرکتیں پسند نہیں اور یہ لڑکی والی بات اس پر تو مجھے سو فیصد یقین ہے وہ ہیں ہی ایسے کریکٹر لیس۔“ آخری لفظ اس نے زیر لب کہا تھا۔

”نہیں وہ شرارتی ہے منہ پھٹ ہے لیکن کریکٹر لیس نہیں۔“ ناز غصے سے اسے دیکھ کر بولی تھی۔

”میں آتی ہوں۔“ وہ مزید کچھ کہے بغیر باہر نکل گئی۔ جبکہ **علینہ** نے مسکرا کر کندھے اچکائے اسے لگا اللہ نے بدلہ لے لیا جو سلوک وہ اس سے کرتا رہا ہے۔

وہ ناک کر کے اندر آئی تو **صہیب** بیڈ پر لیٹا تھا۔ دروازہ کھلنے پر اس نے گردن گھما کر دیکھا اور اسے دیکھ کر ایک دم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”آپی آئیں نا“ اُس کے مسکرانے پر ناز بغور اس کا چہرہ دیکھتی ہوئی اس کے ساتھ بیٹھ گئی وہ اُسے کافی کمزور لگا تھا صرف دو دنوں میں۔ ”آپ بھی کوئی الزام لگانے آئی ہیں۔“ اس کے لہجے اور الفاظ پر وہ تڑپ اٹھی تھی۔

”**صہیب** میں لگاؤں گی تم پر کوئی الزام اور دوسری بات کوئی کچھ بھی کہے مجھے تم پر پورا یقین ہے میں کوئی تصدیق مانگنے نہیں آئی مجھے بس سن کر اتنی تکلیف ہوئی کہ میں اسی طرح اٹھ کر آگئی۔“

”خوشی ہوئی آپی کہ کسی کو تو میرا یقین ہے۔ ورنہ میرے اپنے ماں باپ کو تو میرا یقین ہی نہیں۔“

”ایسا نہیں **صہیب** ان کو تم پر پورا یقین ہے۔“

”ہنہ“ اس نے سر جھٹکا۔ ”یہ یقین ہے کہ میری بات سنے بغیر کسی کی باتوں میں آکر مجھ پر فرد جرم عائد کردیا۔ کسی کی غلطی مجھ پر تھوپ دی۔“

”تمہیں انہیں سچائی بتانی چاہیے تھی۔“

”کوشش کی تھی۔“ وہ مایوسی سے بولا۔ ”سب کام جو ضمیر نے کیے وہ اس نے مجھ پر لگا دیے اور میرے ماں باپ نے یقین بھی کرلیا.....

بہرحال“ اس نے گہرا سانس لیا۔ ”میں اب یہاں رہنا ہی نہیں چاہتا۔“ ناز نے چونک کر اسے دیکھا

”مطلب“ **صہیب** نے نظریں گھما کر ناز کا چہرہ دیکھا۔

”میں ماموں کے پاس جا رہا ہوں اور وہیں رہوں گا کیونکہ آپی میں ان لوگوں کے درمیان نہیں رہ سکتا جو

مجھ پر اعتماد نہیں کرتے، جو میرے کردار پر شک کریں جن کو مجھے صفائیاں دینی پڑیں۔ میں ان کے ساتھ رشتہ قائم نہیں رکھ سکتا۔“

اس کی بات سے ناز کو اندازہ ہو گیا کہ اس کا ارادہ پختہ ہے۔ ناز کی اس سے جو اٹیچ منٹ تھی اس کی وجہ سے اسے اس کے جانے کا دکھ ہو رہا تھا۔ یہی بات اس کی آنکھوں میں آنسو لے آئی جسے دیکھ کر **صہیب** بھی پریشان ہو گیا۔

”آپی پلیز آپ روئیں نہیں۔“ اس نے ناز کا ہاتھ تھام لیا ”میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔“

”کب جا رہے ہو۔“ وہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولی۔

”آج رات کو۔“

”اتنی جلدی۔“ وہ بے ساختہ بولی اور اگر میں نہ آتی تو تم نے ملنا بھی نہیں تھا مجھے۔“ اس کے کہنے پر وہ نظریں چرا گیا۔

”آپی میں کچھ نہ کرتے ہوئے بھی مجرم بن گیا ہوں اور میرے اپنوں میں ہی کچھ چہرے ایسے ہیں جو میں دیکھنا نہیں چاہتا اس لیے جا رہا ہوں شاید دور رہوں تو بھول سکوں، بہرحال۔“ وہ گہرا سانس لے کر بولا۔

”آپ سے میں ہمیشہ رابطے میں رہوں گا۔“

”ٹھیک ہے اور اپنا بہت خیال رکھنا اور یہ مت سمجھنا کہ تم پر کوئی یقین نہیں کرتا سب کرتے ہیں اور سچائی زیادہ دیر چھپتی نہیں کبھی نہ کبھی سامنے آجاتی ہے تم اپنا دل کسی کی طرف سے برا مت کرو۔“ وہ اس کا گال تھپتھپا کر بولی تو وہ مسکرا دیا۔

☼ ☼ ☼

وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو وہ خالی تھی حالانکہ کچھ دیر پہلے اسے آوازیں آرہی تھیں اس نے صوفے پر بیٹھ کر دونوں پیر بھی اوپر رکھ لیے اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بدلنے لگی تب ہی شمیم ہاتھ میں لفافہ لیے اندر داخل ہوئیں۔

”امی ناشتا ملے گا۔“ شمیم نے صوفے پر بیٹھنے سے پہلے غصے سے اسے گھورا۔

”ہو گئی تمہاری صبح دوپہر کا ڈیڑھ بج رہا ہے۔“

”اوفوہ امی اب صبح صبح لیکچر شروع نہ کر دیں۔“ وہ بے زار سا چہرہ بنا کر بولی۔

”یہ لیکچر ہے یہ تمہاری عمر ہے ماں سے خدمتیں کروانے کی تمہاری عمر میں لڑکیاں سارا گھر سنبھال لیتی ہیں اور تم ماں کو کہتی ہو تمہیں ناشتا بنا کر دے۔“

”آپ نے نہیں دینا تو صاف بتا دیں اتنا دماغ کیوں پکا رہی ہیں۔“ کاشفہ غصے سے بولتی ہوئی باہر نکل گئی۔ جبکہ اپنی ناخلف اولاد کی زبان کو شمیم کتنی دیر کوستی رہیں کاشفہ جب واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں چائے کا مگ تھا۔

”یہ کیا ہے۔“ شمیم کے ہاتھ میں پکڑی تصویروں کو دیکھ کر کاشفہ نے پوچھا۔

”سہیل کے لیے۔“ شمیم کے جواب پر کاشفہ نے ابرو اچکائے۔

”بھائی سے پوچھا آپ نے۔“

”کیوں اس سے کیوں پوچھو۔“ وہ ماتھے پر بل ڈال کر بولیں۔

”کیونکہ شادی بھائی نے کرنی ہے اور آپ کو پتا ہے وہ لڑکی ان میں سے کوئی نہیں۔“ کاشفہ کے جتاتے ہوئے انداز پر ایک لمحہ کے لیے ان کے ہاتھ رکے تھے۔

”جانتی ہوں اسی لیے تو کر رہی ہوں کیونکہ جو وہ چاہتا ہے میں ایسا نہیں چاہتی ناز مجھے بالکل پسند نہیں۔“ کاشفہ ان کے انداز پر مسکرائی تھی۔

”پسند تو وہ مجھے بھی نہیں لیکن یہاں بات میری یا آپ کی پسند کی نہیں۔“

”یہ بھی جانتی ہوں لیکن مجھے جو کرنا ہے وہ تو میں کروں گی۔“ کاشفہ نے بغور ان کا چہرہ دیکھا اور کندھے اچکا کر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

رات کو کھانا کھانے کے بعد وہ سب لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ شمیم کو لگا یہی مناسب موقع ہے جہاں بات کی جا سکتی ہے۔ وہ تصویروں والا لفافہ ہاتھ میں لیے اندر آگئی۔ ”سہیل یہ دیکھو۔“

”یہ کیا ہے امی“ سہیل نے کچھ حیران ہو کر وہ لفافہ تھاما۔ سہیل کے ساتھ باقی سب کی نظریں بھی اس سفید لفافے پر ٹھہر گئیں۔ پہلی تصویر کے بعد دوسری تیسری اور پھر چوتھی تصویر دیکھنے کے بعد وہ حیران نظروں سے ماں کا چہرہ دیکھنے لگا۔

”یہ کیا ہے“ اس کے پوچھنے پر ساتھ بیٹھے ضمیر نے تصویریں اس کے ہاتھ سے لے لیں۔

”یہ لڑکیوں کی تصویریں ہیں ان میں سے جو تمہیں اچھی لگے بتادو تاکہ وہاں میں رشتے کی بات چلا سکوں۔“ سہیل کے لیے یہ بات اتنی اچانک تھی کہ وہ کچھ لمحوں کے لیے بول ہی نہیں سکا۔ ”تیس سالوں کے تم ہونے والے ہو پچھلے دو سالوں سے میں تمہارے پیچھے لگی ہوں شادی کرلو' ہر بار تمہاری ٹال مٹول ہوتی ہے۔ اس ٹال مٹول کے پیچھے جو بھی کوئی وجہ ہو مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں مجھے بس اب تمہاری شادی کرنی ہے۔“ انہوں نے سہیل کو کوئی موقع نہیں دیا کہ وہ ناز کا نام لے سکے اور اتنا وہ بھی جانتی تھیں کہ باپ کے سامنے وہ لحاظ میں ناز کا نام نہیں لے گا۔

”بھائی یہ والی لڑکی سب سے بہتر ہے۔“ ضمیر نے شوخی سے ایک تصویر اس کے سامنے کی تو کاشفہ بھی اٹھ کر بھائیوں کے قریب آگئی۔

”شمیم بیگم میرا خیال ہے اتنا بڑا فیصلہ لینے سے پہلے باہمی مشورہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔“ سرور صاحب بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

”میں نے ابھی تو کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ ابھی صرف تصویریں دکھائی ہیں پھر باہمی مشورے سے ہی فیصلہ ہوگا۔“

”ٹھیک ہے اگر تمہیں سہیل کی شادی کا اتنا ہی شوق ہے تو کردیتے ہیں لیکن اس کے لیے ضروری نہیں گھر گھر جاکر بچیوں کو دیکھا جائے جبکہ گھر میں بچیاں موجود ہیں۔“ شمیم کے سر پر دھماکا ہوا تھا وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ ”مطلب“ بڑی دقت سے ان کے منہ سے یہ لفظ نکلا تھا۔

”میں ناز کی بات کر رہا ہوں میں نے شروع سے ہی سوچ رکھا ہے کہ سہیل کی شادی ناز سے ہوگی۔“ سہیل جو پریشانی سے سوچ رہا تھا کیسے ناز کے بارے میں بات کرے ایک دم گہرا سانس لے کر ریلیکس ہوا تھا۔ کاشفہ نے ماں کی طرف دیکھا وہ جانتی تھی وہ اس وقت اپنا غصہ دبا رہی ہیں۔

”کیوں تمہیں کوئی اعتراض ہے۔“ سرور صاحب نے اعتراض کے بارے میں ایسے پوچھا تھا جیسے کہہ رہے ہو اعتراض کر کے دیکھو۔

”جب آپ نے فیصلہ کرلیا ہے تو میں کیا کہہ سکتی ہوں۔“

”نہیں تم کہہ سکتی ہو۔“ انہوں نے جیسے فراخدالی کا مظاہرہ کیا۔

”مجھے سہیل کے لیے ناز پسند نہیں۔“

”کیوں؟“ سرور صاحب نے ماتھے پر بل ڈال کر پوچھا جبکہ سہیل نے بھی بڑی سنجیدہ نظران پر ڈالی۔

”جوڑ نہیں بنتا دونوں کا۔ ناز کی قابلیت سے آپ بہت اچھی طرح واقف ہیں ہمیشہ ٹاپ کرتی رہی ہے اور دو سال سے ملٹی نیشنل کمپنی میں بہت اچھی پوسٹ پر زبردست سیلری کے ساتھ کام کر رہی ہے جبکہ سہیل گریجویٹ نہیں یہ الگ بات ہے کہ یہ بات ہمارے علاوہ کسی اور کو پتا نہیں اور دوسرا سہیل جاب نہیں کرتا وہاں سے کبھی ہاں نہیں ہوگی۔ الٹا ہماری بے عزتی ہوگی۔“

”بس یہ بات تھی۔“ سرور صاحب نے جیسے ناک سے مکھی اڑائی۔ ”یہ تعلیم شکل و صورت و قابلیت یہ باتیں غیروں میں دیکھی جاتی ہیں اپنوں میں نہیں اور تمہیں کیا لگتا ہے اپنی اتنی قابل بھتیجی کو میں غیروں میں بھیج دوں گا کبھی نہیں اور جہاں تک ہاں یا ناں کی بات ہے۔ میں جانتا ہوں میرا بھائی کبھی مجھے ناں کر ہی نہیں سکتا کیوں سہیل تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں“ آخر میں انہیں خیال آہی گیا کہ جس کی شادی کروانی ہے۔ اس سے بھی پوچھ لیا جائے۔

”نہیں ابو آپ کی خوشی میں میری خوشی ہے۔“ اس کے کہنے پر ضمیر اور کاشفہ نے مسکراتے ہوئے

اس کا چہرہ دیکھا۔

"تو ابو ان میں سے میں کوئی پسند کرلوں۔" ضمیر نے شرارت سے ان تصویروں کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں بیٹا جی تمہیں بھی زحمت کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ تمہارے لیے بھی میں سوچ چکا ہوں۔ میں ناز کے ساتھ **علینہ** کا بھی ہاتھ مانگنے والا ہوں۔" انہوں نے شمیم بیگم کے سر پر ایک اور دھماکا کیا تھا۔

* * *

وہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔ شمیم دونوں ہاتھوں میں سر دیئے بیٹھی تھیں ایک نظر اسے دیکھ کر دوبارہ پہلی والی پوزیشن میں چلی گئیں۔

"امی یہ ہو کیا رہا ہے۔ آپ نے ابو کو منع کیوں نہیں کیا ایک ناز باجی کو برداشت کرنا مشکل تھا اوپر سے یہ **علینہ** آپ جانتی ہیں وہ مجھے کتنی بری لگتی ہے۔ میں بطور کزن اسے پسند نہیں کرتی بھابھی بنانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور ابو نے کیا تماشا بنایا ہوا ہے جو وہ حکم دے دیں چاہے ہمیں پسند ہو یا نہیں، ہمیں کرنا ہوگا کیا شادیاں بھی یوں تھوپی جاتی ہیں۔ کل میری شادی کی بات ہو تو ابو کہہ دیں کہ تمہیں بھی زحمت کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ میرے بارے میں سوچ چکے ہیں تو یہ ان کی بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ میں مان جاؤں گی مجھ پر یہ فارمولا اپلائی کرنے کی کوشش بھی نہ کریں۔ میرے ساتھ زبردستی کی نا تو میں گھر سے ہی بھاگ جاؤں گی۔" اتنے اشتعال سے بولنے کے بعد اس کا سانس پھول گیا تھا۔

"امی آپ سن رہی ہیں نا۔" اپنی بات کا ری ایکشن نہ دیکھ کر اس نے ان کا کندھا ہلایا تھا اور وہ جیسے پھٹ پڑی تھیں۔

"تم نے جو بکواس کی ہے سن لی ہے میں نے تم نے بھی جو کرنا ہے کرلو میری بلا سے۔" اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتیں دروازہ ناک کرکے ضمیر اندر آیا تھا۔

"کیا ہوا ہے آپ سب کمروں میں کیوں گھس گئے ہیں۔" وہ مسکرا کر کہتا ہوا بیڈ پر لیٹ گیا۔ جبکہ شمیم اور **کاشفہ** نے قہر بھری نظروں سے اس کی مسکراہٹ دیکھی۔

"کیا ابو نے آپ کے لیے جو فیصلہ کیا ہے آپ اس سے خوش ہو۔" **کاشفہ** کے سوال پر شمیم نے بھی اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

"میں ناخوش بھی نہیں ہوں۔ لیکن آپ لوگوں کا موڈ کیوں آف ہے۔" اب کے اس نے غور سے اپنی ماں اور بہن کے بگڑے ہوئے تاثرات دیکھے۔

"کیونکہ امی کو نہ ناز باجی پسند ہیں اور نہ **علینہ**۔" **کاشفہ** کے کہنے پر وہ سوالیہ نظروں سے ماں کا چہرہ دیکھنے لگا۔ "کیوں امی آپ کو کیوں اعتراض ہے۔"

"بس ہے اعتراض اور کسی کو ناپسند کرنے کے لیے ضروری نہیں کوئی وجہ ہو۔"

"اچھا" وہ مسکرایا تھا "اچھی لاجک ہے یہ لاجک آپ نے ابو کو بھی دینی تھی۔"

"میرے ساتھ زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں نہ اپنے باپ کا ڈر وا دو مجھے۔" ضمیر اٹھ کر ان کے قریب آگیا۔

"امی ناز باجی سہیل بھائی کو پسند ہیں سہیل بھائی خوش ہیں اس رشتے سے۔"

"وہ تو میں شروع سے ہی دیکھ رہی ہوں تم اپنی بات کرو۔" اب کہ انہوں نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"خیر میری تو شروع سے ایسی کوئی خواہش نہیں تھی لیکن جب ابو نے **علینہ** کا نام لیا تو مجھے کوئی حرج بھی نہیں لگا۔ کیونکہ میرے جیسے آدمی کے ساتھ گزارا کرنے کے لیے **علینہ** جیسی الو لڑکی ہی صحیح رہے گی۔ زیادہ چوں چرا کرنے والی لڑکیاں مجھے پسند بھی نہیں اور دوسری اہم بات میں **علینہ** کے پرپوزل سے نا کرکے ابو سے دشمنی مول نہیں لے سکتا۔ ابھی تک میں بے کار ہوں اور ابو کی کمائی پر چل رہا ہوں نہ کرکے فاقوں مرتا۔" کہہ کر اس نے بہن اور ماں کی شکل دیکھی جو اس کی بات سے اتفاق کر رہی تھیں۔ "ویسے تم دونوں بھائیوں نے کبھی یہ سوچا ہے کہ تم لوگوں کی ماں کے

بھی کچھ ارمان ہیں۔"

"تو امی پورے کریں اپنے ارمان کس نے روکا ہے۔"

"کیا خاک پورے کروں اپنے ارمان۔ جہیز کے نام تنکا بھی نہیں ملنا۔ بیٹوں کی ماں کیا کچھ نہیں کرتی اور میں تو بہو میں بھی اپنی پسند سے نہیں لا سکی اور وہ دونوں بہنیں تمہارے باپ کی چہیتیاں ابھی سے میرے سینے پر مونگ دلتی ہیں بعد میں پتا نہیں کیا کریں گی۔" آخر میں انہوں نے اپنی آواز میں رقت پیدا کرلی ضمیر نے انہیں بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

"کیوں فکر کرتی ہیں۔ امی سہیل بھائی کا تو مجھے پتا نہیں لیکن خود کی میں گارنٹی دیتا ہوں **علینہ** وہی کرے گی جو آپ اسے حکم دیں گی میری طرف سے آپ کو پوری اجازت ہے۔ اس کے بال کھینچیں' چھتر لگائیں جھاڑو لگوائیں' برتن دھلوائیں۔ جو مرضی کریں۔" شمیم نے جانچتی نظروں سے اپنے ہونہار بیٹے کا چہرہ دیکھا۔ جہاں مذاق کی رمق بھی نہ تھی۔ ان کے جلتے کلیجے میں کچھ تو ٹھنڈک پڑی تھی۔

✵ ✵ ✵

ناصرہ اور علیم نے حیرت سے ٹیبل پر پڑے مٹھائی کے ٹوکرے کو دیکھا تھا۔

"خیریت بھائی صاحب یہ کس خوشی میں۔" سب سے پہلے علیم نے سوال کیا تھا۔

"بتاتا ہوں ذرا راشد اور فاخرہ بھی آجائیں۔" ناصرہ نے بے ساختہ علیم کا چہرہ دیکھا جو بھائی اور بھابھی کے انداز سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"ناز بیٹا تم ذرا اتنی دیر میں اچھی سے چائے بنا کر لاؤ۔"

"جی تایا جی۔" وہ مسکرا کر کہتی ہوئی کچن میں آگئی۔ جہاں **علینہ** پہلے سے موجود تھی۔ اور چائے کا پانی رکھ چکی تھی۔

"یہ تایا جی اتنی مٹھائی کیوں لے کر آئے ہیں۔" **علینہ** کے لہجے کے ساتھ چہرے پر بھی الجھن تھی۔

شاید سہیل یا ضمیر کی نوکری لگ گئی ہو یا ہو سکتا ہے ان کا رشتہ طے کر دیا ہو۔" ناز کیبنٹ سے کپ نکالتے ہوئے بولی۔

"اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کا رشتہ مانگنے آئے ہوں۔" **علینہ** نے شرارتی انداز میں مذاق کیا تھا لیکن ناز کو اس کا یہ مذاق بالکل پسند نہیں آیا تھا۔

"**علینہ** مجھے اس قسم کا بے ہودہ مذاق بالکل پسند نہیں۔" **علینہ** نے ایک نظر بہن کے ناراض چہرے کو دیکھا تو خاموش ہو گئی۔

"السلام علیکم۔" فاخرہ اور راشد ایک ساتھ اندر داخل ہوئے تھے۔ "آؤ بھئی فاخرہ اور راشد تم لوگوں کا ہی انتظار ہو رہا تھا۔"

"خیریت بھائی صاحب اتنی ایمرجنسی میں بلوایا آپ نے" فاخرہ نے حیرت سے مٹھائی کے ٹوکرے دیکھ کر سرور صاحب سے پوچھا تھا۔

"میں کوئی سپنس نہیں رکھوں گا سیدھی سیدھی بات کروں گا۔ میں یہاں ناز اور **علینہ** کا رشتہ لینے آیا ہوں۔ مٹھائی اس لیے لے کر آیا ہوں کہ میں پوچھنے نہیں رشتہ پکا کرنے آیا ہوں اور مجھے امید ہے میرا بھائی مجھے انکار نہیں کرے گا۔" ناصرہ نے فوراً" علیم صاحب کا چہرہ دیکھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ وہ فوراً" ہاں کریں۔

"بھائی صاحب دونوں بچیاں آپ کی ہیں پر اتنی جلدی کیا ہے اور **علینہ** وہ تو ابھی گریجویٹ کر رہی ہے۔" آخر کار وہ ہمت کر کے بول پڑی تھیں جواباً" علیم صاحب نے غصیلی نظران پر ڈال کر انہیں مزید کچھ کہنے سے روکا تھا۔

"ناصرہ جانچ پڑتال۔ غیروں میں کی جاتی ہے اپنوں میں نہیں کیوں تمہیں اس رشتے پر اعتراض ہے۔" سرور صاحب کو ناصرہ کا بولنا برا لگا تھا۔

"نہیں بھائی صاحب ایسی بات نہیں۔" وہ گھبرا کر بولیں۔ تب ہی ناز چائے کی ٹرے لیے اندر آئی تھی ناصرہ نے بغور اس کا چہرہ دیکھا اس کا چہرہ سپاٹ تھا انہیں اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ سن چکی ہے یا نہیں۔

سب کچھ سنتی دیکھتی فاخرہ نے پہلے اپنے شوہر کو سوالیہ نظروں سے دیکھا اور ان کی طرف سے مثبت اشارہ ملنے پر وہ بول اٹھی تھیں۔

”معذرت چاہتی ہوں میں درمیان میں بول رہی ہوں لیکن بولنا ضروری ہے۔ بھائی صاحب“ وہ سرور صاحب کو مخاطب کرکے بولیں ”جس طرح آپ کو ناز پسند ہے اسی طرح مجھے اور راشد کو **علینہ** بہت پسند ہے اور تایا تائی ہونے کے ناطے ہمارا بھی کچھ حق بنتا ہے۔ ایک بیٹی آپ کے گھر جائے گی تو دوسری بیٹی پر ہمارا بھی کچھ حق بنتا ہے۔“ فاخرہ کے کہنے پر ناصرہ نے بڑی ممنون نظروں سے اپنی جٹھانی کو دیکھا جو ان کی نظروں میں دیکھ کر تسلی دینے کے انداز میں مسکرائی تھیں۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں **علینہ** پر تمہارا ہی حق بنتا ہے۔“ سب سے پہلے بولنے والی شمیم تھیں ”اور اصول کی بات بھی یہی ہے کیوں ’سرور صاحب“ آخر میں انہوں نے اپنے شوہر سے پوچھا تھا سرور صاحب کچھ کہنے کی بجائے تمیلم کی طرف دیکھنے لگے۔

”بولو علیم۔“ اب کے راشد صاحب بھی بولے تھے۔

”میں کیا بولوں بھائی صاحب، مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آرہا کہ یوں اچانک میری پریشانیوں کا سدباب ہوگا۔“ وہ واقعی خوش ہوگئے تھے۔ سب کچھ آناً ”فاناً“ طے پاگیا تھا اور جن دو کے مستقبل کا فیصلہ ہوا تھا وہ دونوں خوش نہیں تھیں لیکن یہاں زبان کھولنے کی اجازت بھی نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆

دروازہ کھلنے پر دونوں نے چونک کر دروازے کو دیکھا جہاں ناصرہ کھڑی تھیں۔ وہ چپ چاپ خاموشی سے آکر ناز کے قریب بیٹھ گئیں۔ ابھی کچھ دن پہلے کی بات ہے جب ناز نے انہیں اپنے کولیگ کے بارے میں بتایا تھا جو اپنا پرپوزل بھیجنا چاہتا تھا۔ ابھی وہ سوچ رہی تھیں کیسے علیم صاحب سے بات کی جائے کہ یہ ہوگیا جو ان کے گمان میں بھی نہیں تھا۔ ”مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ یوں اچانک آجائیں گے اور رسم بھی کرجائیں گے۔“ **علینہ** نے انی ماں کو کہتے ہوئے سنا تھا۔

”اور اگر آپ کو پتا ہوتا تو بھی آپ کیا کرسکتی تھیں۔“ جواباً ”ناز کا لہجہ سخت اور جتاتا ہوا تھا۔

”ناز“

”پلیز ماما مجھے اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنی میں شروع سے ہی سنتی آرہی ہوں کہ ہمارے باپ کے لیے بیٹیاں بوجھ ہیں اور بوجھ تو پھر یونہی اتارے جاتے ہیں، ٹھیک کیا پاپا نے میں اس سے زیادہ ان سے امید کر بھی نہیں سکتی تھی۔“

علینہ کا دکھ کچھ اور بڑھ گیا باپ کو تو کبھی پروا تھی نہیں اور ماں کو بھی ناز کی فکر تھی کسی نے اس سے پوچھا بھی نہیں کہ وہ خوش ہے یا نہیں۔ ”میں کوشش کرتی ہوں تمہارے پاپا سے بات کرنے کی۔“ ناصرہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

”کوئی فائدہ نہیں ماما الٹا آپ کی بے عزتی ہوگی چھوڑدیں اس بات کو کہہ رہی ہوں نا میں۔“ وہ کہہ کر لیٹ گئی تو ناصرہ سر جھکا کر باہر نکل گئیں **علینہ** کو بہن کی ناپسندیدگی پر حیرت ہوئی تھی۔ اس کے نزدیک سہیل بھائی بے شک پڑھے لکھے نہیں تھے پر شریف تھے ناز کو پسند کرتے تھے وہ اس کے نزدیک ہر لحاظ سے **صہیب** سے بہتر تھے پھر اس کی بہن خوش کیوں نہیں تھی۔

”باجی آپ خوش نہیں۔“ ماں کے نکلتے ہی اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔

”سوجاؤ **علینہ** مجھے نیند آرہی ہے لائٹ آف کردو۔“ **علینہ** نے ایک نظر اس کی پشت کو دیکھا وہ تو ناز کو بتانا چاہتی تھی کہ اسے **صہیب** پسند نہیں لیکن وہ تو خود پریشان تھی۔ وہ چپ کی چپ رہ گئی اور اٹھ کر لائٹ آف کردی۔

ناصرہ نے دودھ کا گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور خود بیڈ کے دوسرے کونے میں آکر لیٹ گئیں۔

”آج میں بہت خوش ہوں۔“ علیم نے ٹی وی پر

سے نظریں ہٹا کر انہیں دیکھا۔ ”مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا میرے دونوں بھائی یوں میرے سر کا بوجھ اپنے سر لے لیں گے۔“ ناصرہ نے بے ساختہ گہرا سانس لیا۔

” پھر وہی بوجھ پتا نہیں آج تک علیم صاحب کو یہ احساس کیوں نہیں ہوا ان کی بیٹیاں کتنی حساس نیک اور فرمانبردار ہیں بیٹوں سے بڑھ کر ہیں اگر بوجھ ہوتیں تو یوں گھر بیٹھے رشتے نہ آجاتے۔“ انہوں نے گہرا سانس لے کر خود کو بات کرنے کے لیے تیار کیا۔

”آپ کو اتنی جلدی ہاں نہیں کہنا چاہیے تھا کم از کم مجھ سے ہی مشورہ کرلیتے میں بھی ان بچیوں کی ماں ہوں۔“ علیم صاحب کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئی تھیں۔

”یہی تو افسوس ہے کہ تم بچیوں کی ماں ہو۔ یہی بیٹوں کی ماں ہوتیں تو تمہاری بات کو شاید میں اہمیت بھی دیتا۔ کیا برا کیا میں نے ’تم تو چاہتی یہی ہو کہ میرے بھائی مجھ سے دور ہوجائیں۔ وہ اتنے مان سے آئے تھے اور میں انہیں انکار کردیتا۔“ ان کے تلخ لہجے پر وہ گھبرا کر بولیں۔

”میرا مطلب یہ نہیں تھا **علینہ** اور **صہیب** کو لے کر میں مطمئن ہوں لیکن ناز اور سہیل کے مزاج میں بہت فرق ہے۔“

”**مثلاً**“ علیم صاحب اب ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

”ایک تو سہیل کی ایجوکیشن دوسرا اس کی جاب کوئی نہیں۔ وہ بہت جذباتی اور غصہ ور ہے چھوٹی چھوٹی باتوں پر برہم ہوجاتا ہے جبکہ ناز کا آپ کو پتا ہے وہ ان باتوں کو پسند نہیں کرتی۔ کم از کم ناز کے لیے اسی طرح کا لائف پارٹنر ہونا چاہیے تھا جس سے اس کی ذہنی ہم آہنگی ہو۔ آخر زندگی اس نے گزارنی ہے اور بھابھی وہ بالکل خوش نظر نہیں آرہی تھیں اور یہ تو میں جانتی ہوں وہ ناز کو پسند بھی نہیں کرتیں۔ ان کی عادت سے بھی آپ واقف ہیں شادی کے بعد ناز کا جینا دوبھر کردیں گی۔“

”بول لیا تم نے۔“ ان کی اتنی طویل بات پر ان کی خاموشی محسوس کرکے وہ سمجھیں کہ وہ سمجھ رہے ہیں لیکن نہیں یہ ان کی غلط فہمی تھی۔

”ناز اور **علینہ** کی شادی میرے بھائیوں کے گھر ہی ہوگی اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے اور اگر تمہارے علاوہ تمہاری بیٹیوں میں سے کسی کو ذرا سا بھی اعتراض ہے تو انہیں کہو اپنا اعتراض یہیں ختم کرلیں۔ میں کوئی فضول بات نہیں سننا چاہتا اور اگر مجھے ناز یا **علینہ** سے متعلق کوئی بھی شکایت ملی تو میں انہیں زمین میں گاڑ دوں گا۔ مجھے اپنی عزت ہر چیز سے زیادہ پیاری ہے“ کہہ کر انہوں نے دوبارہ نظریں ٹی وی اسکرین پر ٹکادیں جبکہ وہ آنسو پیتی رہ گئیں۔

* * *

صہیب کا میسج پڑھ کر وہ لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھ گئی تھیں۔ کیمرہ آن کرتے ہی **صہیب** کا مسکراتا ہوا چہرہ ان کے سامنے ہی تھا۔

”کیسے ہو میری جان۔“

”میں بالکل ٹھیک ہوں مما آپ سنائیں۔“

”میں بھی ٹھیک ہوں کیا کررہے تھے؟“

”کچھ خاص نہیں ابھی کام سے واپس آیا ہوں شاور لیا‘ اب کھانا کھانے لگا ہوں۔“

”کیا کھانے لگے ہو؟“ وہ اس کے آگے رکھی پلیٹ میں دیکھنے کی کوشش کرنے لگیں۔

”دیکھ لیں۔“ اس نے پلیٹ اٹھا کر ان کے سامنے کی۔ اس میں رکھا سینڈوچ کو دیکھ کر فاخرہ کا دل برا ہوگیا۔

”یہ کھانا ہے؟“

”اسے کھانا ہی بولتے ہیں مما۔“ وہ بڑی رغبت سے سینڈوچ کا بائیٹ لیتے ہوئے بولا۔

”گھر میں کچھ نہیں بنا تھا۔“

”ممانی کہاں ہے تمہاری؟“

”پتا نہیں میں آیا تو وہ دونوں گھر پر نہیں تھے۔“

”اور نتاشا۔“ انہوں نے اپنی بھتیجی کا نام لیا۔

"وہ گھر پر تھی پر جب میں آیا تو وہ کہیں جا رہی تھی۔" وہ اب سینڈوچ ختم کر چکا تھا اور کوک کا ٹن اس کے ہاتھ میں تھا۔

"اس سے کہتے وہ کچھ بنا دیتی۔" ان کے کہنے پر اس نے دل کھول کر قہقہہ لگایا۔

"یہ کینیڈا ہے پاکستان نہیں جو میری کزن مجھے مہمان یا گھر کا فرد سمجھ کر ہی اپنا پروگرام کینسل کر کے میرے لیے کھانا بناتی اور دوسری بات یہ کہ اسے کوکنگ بالکل نہیں آتی۔" وہ ساتھ ساتھ کوک کے گھونٹ بھی بھر رہا تھا۔

"خیر چھوڑیں سب یہ بتائیں آپ سارا دن کیا کرتی ہیں۔"

"کچھ خاص نہیں بس بور ہی ہوتی ہوں کچھ کرنے کو ہوتا نہیں۔ آج سرور بھائی کا فون آیا کہ سب علیم کے گھر آجائیں ہم حیران ہوئے اتنے شارٹ نوٹس پر کیوں بلوایا ہے۔ وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں ٹیبل مٹھائی کے ٹوکرے سے بھرا ہے۔" اب کی بار کرسی پر جھولتا **صہیب** رک گیا اور قدرے آگے کو جھک آیا۔

"خیر تھی۔"

"وہ ناز کی بات پکی کرنے آئے تھے۔" **صہیب** سن کر حیران ہوا "اور چاچو مان گئے۔"

"مان گئے' خوشی خوشی مان گئے۔"

"اور آپی وہ خوش تھیں۔" اب کے وہ پریشانی سے بولا۔

"پتا نہیں مجھے اس کا اندازہ نہیں ہو سکا۔"

"اچھا۔" وہ سر جھکا کر سوچ میں پڑ گیا جبکہ فاخرہ سوچ رہی تھیں کیسے بات شروع کریں۔

"**صہیب** تمہارا شادی کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"میرا۔" وہ حیران ہوا۔ "میرا یہاں کیا ذکر۔"

"کوئی لڑکی پسند ہے۔"

"نہیں۔" وہ اب مسکرا دیا تھا۔

"پکی بات ہے نا۔"

"مما۔" وہ اب قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔ "مجھے نیند آ رہی ہے کل بات کریں گے۔"

"**صہیب** رکو مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔"

"جی بولیں۔" وہ جمائی روک کر بولا۔

"اگر میں تمہارے لیے کوئی لڑکی پسند کروں تو تمہیں اعتراض تو نہیں ہو گا۔"

"مما۔" وہ زچ ہو کر بولا۔

"جو پوچھا ہے **صہیب** وہ بتاؤ۔" "نہیں مما کیوں ہو گا آپ کی پسند میری پسند ہے۔"

"شیور۔" وہ پھر یقین مانگ رہی تھیں۔

"ہاں مما۔"

"تو بس پھر تیار ہو جاؤ میں نے تمہاری منگنی طے کر دی ہے۔"

"میری منگنی؟" اسے لگا اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔

"ہاں تمہاری منگنی۔"

"مما۔" وہ حیرت سے گرنے کے قریب تھا۔ "کس سے؟"

"**علینہ** سے۔" اب کی بار لگنے والا جھٹکا پہلے سے شدید تھا۔

"مما یہ سب کیا ہے میری منگنی آپ نے طے کر دی اور مجھ سے پوچھنے کی زحمت تک نہیں کی۔"

"آئی نو بیٹا پر سب اتنا اچانک ہوا میں نے سوچا تھا کہ پہلے تم سے بات کروں گی' لیکن آج جب اچانک سرور بھائی نے بلایا تو مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ **علینہ** کی بات کرنے والے ہیں۔ مجھے اور تمہارے پاپا کو بھی **علینہ** بہت پسند ہے۔ اگر ہم اس وقت بات طے نہ کرتے تو اتنی اچھی لڑکی ہاتھ سے نکل جاتی۔" ان کے مسکرانے پر بھی وہ مسکرا نہیں سکا۔

"**صہیب** بیٹا کیا تمہیں **علینہ** پسند نہیں؟"

"بالکل نہیں مما۔" وہ دوٹوک انداز میں بولا۔

"لیکن کیوں بیٹا وہ تو بہت پیاری بچی ہے۔"

"مما وہ ہو گی اچھی' لیکن وہ میرے ٹائپ کی نہیں اب اگر میں **علینہ** کو اپنی بیوی کے طور پر دیکھوں تو وہ

میرے امیج پر پوری نہیں اتر رہی بچپن سے میری اس کی کبھی بنی نہیں۔ عجیب بے وقوف غصیلی سی ہے۔" اس کی باتیں سن کر فاخرہ ہنس پڑی تھیں۔

"بس اتنی سی بات ہے۔"

"یہ اتنی سی بات ہے۔" اس نے آنکھیں پھیلائیں۔

"ہاں کیوں کہ تم ابھی تک علینہ کو اسی اینگل میں دیکھ رہے ہو چار سال سے تم نے اسے نہیں دیکھا کافی پیاری ہو گئی ہے۔" وہ شرارتی انداز میں بولیں۔

"اور دوسرا بیٹا لڑکیاں ماں باپ کے گھر ایسی ہی ہوتی ہیں بچپنا بس رخصت ہو جاتا ہے جب وہ سسرال میں قدم رکھتی ہیں اور علینہ تمہارے لیے بہت اچھی بیوی ثابت ہو گی۔ یہ میں تم سے کہہ رہی ہوں۔" وہ بولا کچھ نہیں تھا پر فاخرہ کو اس کا پرسوچ انداز صاف محسوس ہو رہا ہے۔ "صہیب جب تمہاری اپنی کوئی پسند نہیں تو ماں باپ کی پسند پر اعتبار کر کے دیکھو۔"

"اوکے مما جو آپ کو ٹھیک لگے فی الحال تو مجھے بہت نیند آ رہی ہے۔" اسے واقعی اتنی تھکن تھی کہ وہ سونا چاہتا تھا دوسرا ابھی وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔

"اوکے اللہ حافظ اپنا خیال رکھنا۔"

"آپ بھی۔" اس نے لیپ ٹاپ بند کیا اور گرنے کے انداز میں بیڈ پر لیٹ گیا۔ اگلے کچھ لمحوں میں وہ گہری نیند میں تھا۔

* * *

"جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟" ریسپشن پر موجود لڑکی نے بڑے مصروف انداز میں اس سے پوچھا تھا۔

"مجھے مس ناز علیم سے ملنا ہے۔" اب کے لڑکی نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ "آپ کون؟"

"میں ان کا منگیتر۔" اس نے منگیتر پر زور دے کر کہا اس بار اس لڑکی نے کچھ حیرت سے اسے دیکھا اور فون اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کیا اور ناز کا پوچھ کر فون بند کر دیا۔

"سر ایکچوئیلی مس ناز کسی میٹنگ کے سلسلے میں باہر گئی ہیں۔" سہیل کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ "کب تک وہ آئے گی؟"

"کوئی آئیڈیا نہیں سر۔" وہ گھڑی دیکھ کر بولی۔

"ٹھیک ہے میں انتظار کرتا ہوں۔" لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا وہ دوبارہ فائل پر جھک گئی تھی جبکہ وہ اپنے اشتعال کو دبانے کے لیے ٹہلنے لگا تھا۔

آدھا گھنٹے انتظار کرنے کے بعد جب اس کی ٹانگیں اور ہمت دونوں جواب دے گئیں تو اس نے جانے کا سوچا تھا۔ اس سے پہلے وہ باہر نکلتا اس نے گلاس ڈور سے پار ناز کو ایک ہینڈسم آدمی کے ساتھ باتیں کرتے آتے دیکھا۔ اندر داخل ہوتے ہی ناز کی نظر سہیل پر پڑی تو نہ صرف اس کے چلتے قدم رک گئے بلکہ زبان بھی۔ وہ چہرے پر حیرت لیے اس کی طرف بڑھی۔

"تم یہاں خیریت ہے؟" وہ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی۔ کیوں کہ آج سے پہلے گھر سے کوئی یوں نہیں آیا تھا۔

"ہاں خیریت ہی ہے تمہیں لینے آیا تھا پر تم تو اور ہی کہیں نکلی ہوئی تھیں۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے کٹیلی نظروں سے ناز کے ساتھ کھڑے اس آدمی کو دیکھا اور اس کی نظروں کے تعاقب میں ناز نے۔

"اظفر یہ میرے کزن سہیل اور یہ میرے کولیگ اظفر ہیں۔"

"تم نے پورا تعارف تو نہیں کروایا میرا۔ میں ناز کا منگیتر بھی ہوں۔" سہیل کے طنزیہ اور جتاتے ہوئے انداز پر اظفر نے ایک نظر ناز کو دیکھا جو اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

"بہت مبارک ہو آپ کو۔" اظفر نے سنبھل کر سہیل سے ہاتھ ملایا تھا۔ "اوکے ناز آپ بات کریں' میں یہ فائل باس کو دکھا دیتا ہوں۔" وہ انہیں اکیلا چھوڑ کر خود اندر کی طرف بڑھ گیا۔ ناز نے گہرا سانس لے کر سوالیہ نظروں سے سہیل کی طرف دیکھا۔ "گھر میں تو تم سے ملاقات ہوتی نہیں تو سوچا یہاں آ کر مل لوں۔"

”یہ میرا آفس ہے سہیل۔“ اس نے ناگواری کو بمشکل کنٹرول کر کے کہا تھا۔

”جانتا ہوں میں بھی یہی سمجھا تھا پر یہاں تو کچھ اور معاملہ ہی لگ رہا ہے۔“

”کیا مطلب؟“ سہیل کے طنزیہ انداز پر اب وہ غصے سے بولی تھی۔

”کچھ نہیں ابھی چلو میرے ساتھ لنچ اکٹھے کرتے ہیں۔“ ناز نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ”ابھی مشکل ہے پھر کبھی۔“

”کیوں منگیتر کے ساتھ جاتے تمہیں مشکل لگ رہا ہے اور کولیگ کے ساتھ تو بڑی خوش نظر آ رہی تھیں۔“ ناز کوئی سخت بات کہنا چاہتی تھی لیکن جہاں وہ کھڑی تھی وہاں اس کی عزت تھی وہ اپنا تماشا نہیں بنا سکتی تھی سو خاموشی سے کاؤنٹر کی طرف مڑ گئی اس لڑکی سے کچھ کہا اور اس کے قریب آ کر بولی۔ ”چلو“ وہ دونوں مکمل خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے جب سہیل نے اس خاموشی کو توڑا تھا۔

”مجھے امید نہیں تھی کہ تم میرے ساتھ آؤ گی“ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا بس خاموشی سے پلیٹ میں چمچہ گھماتی رہی۔

”تم اس منگنی سے خوش نہیں؟“ سہیل کے سوال پر اس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

”تم یہ پوچھنے کے لیے مجھے یہاں لائے ہو“

”یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔“

”اس سوال کا جواب بنتا بھی نہیں۔“

”تمہارا رویہ تو یہی کہتا ہے کہ تم خوش نہیں۔“

”تمہاری غلط فہمی ہے۔“

وہ کہہ کر دائیں طرف دیکھنے لگی۔

”تو تم اتنی بے زار اور خاموش کیوں ہو۔“

”میں تو ہمیشہ سے ہی ایسی ہوں یہ الگ بات ہے کہ تم نے نوٹ اب کیا ہے۔“ اس نے چمچہ پلیٹ میں رکھ کر پلیٹ پیچھے کھسکا دی۔ سہیل اب پر سوچ انداز میں اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

”تمہارا یہ جو کولیگ ابھی تمہارے ساتھ تھا یہ وہی ہے نا جو پہلے بھی تمہیں گھر چھوڑنے آیا تھا۔“ ناز نے سہیل کی طرف دیکھتے ہوئے دل میں اس کی یادداشت کو داد دی تھی۔ ”ہاں“

”کافی کلوز لگتا ہے تمہارے۔“ سہیل کے چبھتے ہوئے انداز پر اس کے پاس بس خاموشی تھی۔

”مجھے تمہارا یوں لڑکوں کے ساتھ پھرنا اور ان کا تمہیں گھر ڈراپ کرنا بالکل پسند نہیں بہتر یہی ہو گا تم جاب چھوڑ دو۔“ ناز کو جیسے جھٹکا لگا تھا۔ ”کیوں۔۔

یہ جاب چھوڑ دوں کیوں۔“ ”کیوں کہ میں تمہارا ہونے والا شوہر ہوں اور میں یہ کہہ رہا ہوں۔“

”ہونے والا لیکن ہوئے نہیں“

”تو تم یہ جاب نہیں چھوڑو گی۔“ سہیل کے انداز میں جیسے کوئی دھمکی پنہاں تھی۔

”نہیں اور اگر تمہیں پسند نہیں تو تم یہ منگنی توڑ سکتے ہو۔“ کہہ کر وہ کھڑی ہو گئی تھی جبکہ سہیل کئی لمحوں کے لیے ہل بھی نہیں سکا اور پھر وہ بل پے کر کے لمبے لمبے ڈگ بھرتا گاڑی کے پاس پہنچا جہاں وہ پہلے سے کھڑی تھی۔

بطور کزن بھی سہیل اسے کبھی پسند نہیں تھا اس کو تایا جی کے علاوہ ان کے گھر کا کوئی فرد پسند نہیں تھا۔ لیکن باپ کے آگے وہ بول نہیں سکی۔ اسے لگا شاید یہی فیصلہ اس کے حق میں بہتر ہے۔ لیکن آج منگنی کے بعد بطور منگیتر سہیل نے جس سوچ کا مظاہرہ کیا تھا وہ اپنا مستقبل دیکھ سکتی تھی تاریک اور گھٹن زدہ۔

* * *

وہ کمرے میں لیٹی اپنی سوچوں میں الجھی تھی جب اس کا موبائل بجا۔ اس نے اسکرین کی طرف دیکھا **صہیب** کی کال تھی۔ اس نے بے ساختہ مسکراتے ہوئے فون آن کیا تھا ”کیسی ہیں آپی“ وہ چھوٹتے ہی بولا۔

”میں ٹھیک ہوں تم کیسے ہو“

”میں بھی ٹھیک ہوں آپ یہ بتائیں یہ میں کیا سن رہا ہوں آپ سہیل بھائی سے منگنی کس کے کہنے پر

مان گئیں۔“ ناز کے مسکراتے ہونٹ سکڑ گئے تھے اس کی خاموشی پر **صہیب** زور سے بولا تھا ”آپی“

”ہاں **صہیب** سن رہی ہوں۔“ وہ تھکے ہوئے انداز میں بولی تو **صہیب** چند لمحوں کے لیے خاموش ہوگیا۔ ”میں تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔“

صہیب کے کہنے پر وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔

”اسے قسمت کہتے ہیں میرے بھائی۔“

”پر آپی آپ کو چاچو کو اظفر بھائی کے بارے میں بتانا چاہیے تھا۔ وہ ہر لحاظ سے آپ کے مطابق تھے۔“ ناز **صہیب** کو اظفر کے بارے میں بتا چکی تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔

”میں مناسب وقت کا انتظار کر رہی تھی کہ پاپا سے بات کروں لیکن تایا جی یوں اچانک آکر سب طے کر جائیں گے یہ مجھے پتا نہیں تھا اور اس وقت میں کچھ کہتی تو پاپا کی انسلٹ ہوتی تم تو پہلے ہی جانتے ہو ہم ان کے لیے بیٹیاں کم اور بوجھ زیادہ ہیں۔“ اس نے کہہ کر گہرا سانس لیا۔ ”اور اظفر بھائی۔“

”اس کو تو میں نے بتایا نہیں تھا پر کل سہیل آفس آگیا۔“ اور پھر جو اس نے کہا ناز نے **صہیب** کو بتا دیا۔ ”اظفر بھی اب مجھ سے بات نہیں کر رہا۔“

”آپی وہ سب گھر والے ایسی ہی ذہنیت کے مالک ہیں آپ کچھ کریں مجھے آپ کی فکر ہو رہی ہے۔“

”میں کیا کر سکتی ہوں **صہیب**۔“ وہ بے بسی سے بولی۔ ”لیکن میں **علینہ** کے لیے خوش ہوں وہ اس خود غرض فیملی کا حصہ بننے سے بچ گئی مجھے یقین ہے تم اسے بہت خوش رکھو گے۔“ اس کے اتنے یقین پر وہ چپ کا چپ رہ گیا۔ اس نے تو ناز کو فون اس لیے کیا تھا کہ وہ **علینہ** سے شادی نہیں کرنا چاہتا پر یہاں تو اس سے کافی امیدیں بندھ گئی تھیں۔

”تو کیا **علینہ** بھی خوش ہے۔“ وہ سوچ میں پڑ گیا ہیلو **صہیب** تم سن رہے ہو نا۔

”جی آپی“ وہ دھیمی آواز میں بولا۔

”تم اس رشتے سے خوش تو ہو نا **صہیب** تمہاری مرضی ہے نا۔“ ناز کے لہجے میں اندیشے بول رہے تھے۔

”**علینہ** خوش ہے“ اس نے دل میں آیا سوال کر ڈالا۔

”اسے کیا اعتراض ہو سکتا ہے **صہیب** اس کے دل و دماغ بالکل صاف ہیں اور اس پر پہلا نام تمہارا لکھا گیا ہے اور میں اسے اس کی خوش قسمتی مانتی ہوں کیونکہ **صہیب** وہ اتنی تیز نہیں کہ تائی جی کی فیملی کی چالاکیوں کا جواب دے پاتی اور نہ ضمیر جیسا گندہ آدمی میری خالص جذبوں والی بہن کے قابل ہے۔“

”ہوں۔“ وہ ہنکارا بھر کے رہ گیا۔

”پاکستان کب آرہے ہو۔“

”جلد ہی۔“ پھر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔

* * *

کاشفہ کتنی دیر تک ساکت بیٹھی رہی جبکہ اپنی خوشی سے نکلنے کے بعد شمیم نے بیٹی کے انداز ملاحظہ کیے ”تمہیں کیا ہوا ہے“

”امی **علینہ** کی منگنی **صہیب** سے ہوگئی ہے۔“

”ہاں تو اس میں حیران ہونے والی کیا بات ہے یہ تو خوشی کی بات ہے ایک بلا سے تو جان چھوٹی اب میں اپنے ضمیر کے لیے اپنی مرضی کی بہو لاؤں گی۔“

”پر امی مجھے تو لگا چچی **صہیب** کے لیے میرا رشتہ مانگیں گی۔“ اب کہ وہ روہانسی ہو کر بولی تو شمیم چونکیں اور پھر سمجھ آنے پر بھڑکیں۔ ”دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔“

”امی مجھے صہیب اچھا لگتا ہے۔“

”بکواس بند کرو اتنی مشکل سے **علینہ** سے جان چھوٹی ہے اب تم شروع ہو جاؤ۔ ہوگئی اس کی منگنی **صہیب** سے اب منہ بند کرو۔ میں نے تمہارے لیے پتا نہیں کیا کیا سوچ رکھا ہے پر یہ بہن بھائی وہی کنویں کے مینڈک۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھ گئیں جبکہ بعد میں **کاشفہ** کافی دیر تک بڑبڑاتی رہی۔

* * *

اس نے سرپرائز دیا تھا اچانک آکر اور اسے سامنے دیکھ کر فاخرہ اور راشد کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا تھا۔ اس نے ڈٹ کر ناشتا کیا اور پھر ایک لمبی نیند کے بعد شاور لینے کے بعد وہ بالکل فریش تھا۔ ”آپ نے کسی کو بتایا تو نہیں کہ میں آیا ہوں۔“

”نہیں مجھے پتا ہے تم نے ان کو بھی سرپرائز دینا ہوگا۔“ فاخرہ نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکرا دیا۔

”میں ذرا ناز آپی سے مل آؤں۔“ اس کی بات پر فاخرہ شرارت سے کھانسی تھیں۔ ”ناز سے یا **علینہ** سے۔“

”مما پلیز۔“ ان کے شرارتی انداز پر وہ جھنجلا کر بولا اور باہر نکل گیا۔ تینوں پورشن کے درمیان دروازے تھے جو ان تینوں پورشن کو آپس میں ملاتے تھے وہ دروازہ کھول کر علیم صاحب کے پورشن کی بیک سائیڈ پر داخل ہوا جہاں کچن کا دروازہ کھلتا تھا وہ چپکے سے آگے بڑھا کچن کا جالی کا دروازہ کھلا تھا اور کھڑکی سے اس کو نیلا آنچل بھی نظر آیا۔ وہ جانتا تھا اس وقت ناز کچن میں ہوتی ہے وہ اسے ڈرانے کے ارادے سے آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر بڑھا ہاؤ کی آواز کے ساتھ سامنے کھڑا وجود اچھل کر پلٹا اور ہلکی چیخ کے ساتھ ہاتھ میں پکڑا کپ زمین بوس ہو چکا تھا۔ **صہیب** نے دیکھا دونوں ہاتھ ہونٹوں پر رکھے سہمی ہوئی آنکھیں اس پر جمی تھیں اور وہ آنکھیں یقیناً ”ناز کی نہیں تھیں ہاتھ ہونٹوں سے ہٹ گئے تھے اب وہاں ڈر کی جگہ حیرت تھی۔ وہ علینہ تھی۔ وہ واقعی **علینہ** تھی کیا پہلے بھی اتنی خوب صورت تھی یا اسے آج لگ رہی تھی۔ **علینہ** اس کے یوں ٹکر ٹکر دیکھنے پر جیسے ہوش میں آئی اس کی نظریں جھک گئی تھیں لیکن الفاظ جیسے گم ہو گئے تھے وہ اتنی حواس باختہ ہو گئی تھی اسے یوں سامنے دیکھ کر اس کی پلکیں لرزنے لگی تھیں۔ اور **صہیب** کو خود پر حیرت ہو رہی تھی وہ اس کو یوں کیوں دیکھ رہا ہے جیسے پہلی بار دیکھ رہا ہو۔

”**علینہ**“ ناز تیزی سے بولتی ہوئی اندر داخل ہوئی تو وہ دونوں جیسے حرکت میں آئے۔

”**صہیب**۔“ ناز کی پکار میں حیرت نما خوشی تھی۔ وہ ایک دم آگے بڑھ کر اس کے ساتھ لگ گئی۔ ”تم کب آئے اتنی اچانک بتایا بھی نہیں۔“

”میں صبح آیا تھا ابھی سو کر اٹھا تو پہلے آپ کی طرف آیا ہوں“ اس کی بات سن کر ناز نے شرارتی انداز میں **علینہ** کو دیکھا جو اب بھی حیران نظر آ رہی تھی ”ہاں بھئی! یہاں پہلے آنے کی وجہ سمجھ بھی آتی ہے۔“ اور **صہیب** اس کی شرارت سمجھ کر جھنجلا نہیں مسکرایا تھا۔

”اور آپ کی بہن کو تو مجھے دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی ہے کہ سکتہ ہی ہو گیا ہے۔“ اس کے شرارتی انداز پر **علینہ** اپنے تاثرات چھپانے کے لیے جھک کر کرچیاں سمیٹنے لگی۔ ”تم نے کی ہوگی کوئی شرارت۔“

”میں سمجھا آپ ہیں۔“ وہ کھل کر مسکراتے ہوئے بولا۔ ”**علینہ** اچھی سی چائے بناؤ **صہیب** کے لیے اور کل جو گاجر کا حلوہ بنایا تھا وہ بھی گرم کر کے لے آؤ اور تم چلو ماما‘ پاپا سے مل لو بہت دیکھ لیا اپنی منگیتر کو“ اس کو **علینہ** کی طرف دیکھتا پا کر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے اسے اندر لے گئی جبکہ **علینہ** نے کب سے روکی ہوئی سانس خارج کی تھی وہ اپنی ہی کیفیات کو سمجھنے سے قاصر تھی۔ ایک طرف ناپسندیدگی تھی اور دوسری طرف اسے دیکھ کر دل کی دھڑکن معمول سے ہٹ کر چلنے لگی تھی۔

* * *

اس کے آنے کی خوشی میں فاخرہ نے سب کی دعوت کی تھی وہ سب کھانا کھانے کے بعد اب لاؤنج میں جمع تھے۔ **صہیب** کو دیکھ کر شمیم کو جیسے کسی نقصان کا احساس ہوا تھا۔ کتنا شاندار لگ رہا تھا اور حقیقتاً ”اسے اس **علینہ** کی بجائے ان کی بیٹی کاشفہ کا نصیب بننا چاہیے تھا“ واہ ری قسمت۔ وہ افسوس کے علاوہ اور کیا کر سکتی تھیں۔

صہیب سب کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ سوائے ضمیر کے اس سے سلام کے علاوہ **صہیب** نے کوئی دوسری بات نہیں کی تھی اور نہ ضمیر نے کیونکہ **صہیب** بھولا نہیں تھا جو ضمیر نے اس کے ساتھ کیا تھا اور نہ ضمیر۔ بچپن سے ضمیر کو **صہیب** سے جو حسد تھا وہ وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتا تھا۔ یہ جو پانچ سال درمیان میں آئے تھے تو ضمیر کو لگا سب ختم ہو گیا لیکن آج اسے سامنے دیکھ کر اسے لگا، نہیں وہ حسد اور نفرت پہلے سے بڑھ گئی ہے کیونکہ آج **صہیب** پہلے سے زیادہ شاندار اور کامیاب تھا۔

جب اسے پتا چلا تھا کہ **علینہ** کی منگنی اس کے بجائے **صہیب** سے ہو گئی ہے تو اسے رتی بھر افسوس نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ **علینہ** کو اس نے کبھی اس نظر سے دیکھا ہی نہیں تھا اور وہ جانتا تھا **صہیب** **علینہ** کو پسند نہیں کرتا اول تو وہ منع کر دے گا اور نہ بھی کیا تو مجبوری کے تحت بندھے بندھن میں کتنی دیر بندھ سکے گا، کبھی خوش نہیں رہ سکے گا اور یہی تو ضمیر چاہتا تھا کہ وہ کبھی خوش نہ رہے۔ لیکن اب معاملہ الٹ نظر آرہا تھا یہاں سب موجود تھے **علینہ** سمیت اور **صہیب** کی نظریں بار بار بھٹک کر **علینہ** پر ٹھہر جاتی تھیں۔

وہ ٹرالی گھسیٹتی ہوئی آئی اور اب چائے کپوں میں ڈال کر سب کو سرو کر رہی تھی اس کی نظریں جھکی تھیں لیکن کسی کی نظروں کا مسلسل احساس اسے ڈسٹرب کر رہا تھا۔ اس نے بے چین ہو کر آنکھیں اٹھائیں اور وہ بے ساختہ **صہیب** کی طرف اٹھیں اور وہ بڑے غور سے اسے ہی دیکھ رہا تھا اور اس کے دیکھنے پر وہ اس انداز میں مسکرایا کہ چائے کا کپ اس کے ہاتھ میں کانپ کر رہ گیا۔ وہ کپ لے کر سائیڈ والے صوفے پر جا کر بیٹھ گئی جہاں **صہیب** کی نظر اس پر نہ پڑ سکے۔ جبکہ **صہیب** کی مسکراہٹ دیکھ کر ضمیر کو اپنے چاروں طرف آگ دہکتی محسوس ہوئی حسد کی آگ جو دوسروں کے ساتھ خود کو بھی جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔

اس نے **علینہ** کا کترایا ہوا انداز بھی نوٹ کیا اور **صہیب** کی پرشوق نظریں بھی۔ وہیں اس نے ایک منصوبہ بنا ڈالا تھا۔

وہ کچن میں برتن رکھنے آئی تھی جب سہیل بھی اٹھ کر اس کے پیچھے آگیا۔ اپنے پیچھے آہٹ محسوس کر کے وہ مڑی اور پیچھے کھڑے سہیل کو دیکھ کر اسے کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی "کچھ چاہیے تھا۔" وہ سہیل سے پوچھ رہی تھی "تم مجھے اگنور کر رہی ہو" وہ یوں بولا جیسے بڑے ضبط سے کام لے رہا ہو۔

"ایسی کوئی بات نہیں" وہ کاؤنٹر کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

"میں چاہتا ہوں تم جاب چھوڑ دو۔" اس نے سیدھا سیدھا وہ کہہ دیا جو وہ کہنے آیا تھا۔

"پر کیوں" "کیوں کہ تمہارا یوں غیر مردوں کے ساتھ کام کرنا اور ان کے ساتھ باہر جانا مجھے بالکل پسند نہیں اور میں تمہارا منگیتر ہوں تمہیں وہ ہی کرنا چاہیے جو مجھے پسند ہو۔" چند لمحوں کے لیے ناز کچھ بول ہی نہیں سکی پھر گہری سانس لے کر بولی۔ "میں جاب نہیں چھوڑوں گی وہ بھی تمہارے کہنے پر کیوں کہ میں ابھی اپنے باپ کے گھر میں ہوں اور ان کی پابند ہوں اور جہاں تک تمہاری بات ہے تم منگیتر ہو شوہر نہیں جو میں تمہارا حکم مانوں" وہ بھی بڑے ضبط سے جواب دے کر نکلنے لگی تھی کہ سہیل کی دھمکی پر وہیں رک گئی۔ "تو پھر مجھے چاچو سے بات کرنی پڑے گی ان کی زبان تو تمہیں صحیح طور پر سمجھ میں آئے گی۔" ناز نے بڑے دکھ سے اسے دیکھا۔ "جو تمہیں ٹھیک لگے۔" وہ کہہ کر نکل گئی تھی جبکہ غصہ کے مارے سہیل کی مٹھیاں بھینچ گئی تھیں۔

کل اس کا ٹیسٹ تھا لیکن بہت کوشش کے باوجود وہ کتاب پر دھیان نہیں دے پا رہی تھی سوچیں بار بار بھٹک کر **صہیب** کی طرف چلی جاتیں تھیں۔ **صہیب** ویسا تو نہیں لگ رہا تھا جیسے **صہیب** کو بچپن سے جانتی تھی "ہیلو کزن" اپنے پیچھے سے آتی آواز پر وہ چونک مڑی ضمیر چلتا ہوا اس کے سامنے والی کرسی پر

آکر بیٹھ گیا۔ “کیا سوچا جارہا ہے؟” “کچھ نہیں کل کے ٹیسٹ کی تیاری ہورہی ہے۔” اس نے سامنے رکھی کتاب اٹھاکر کہا۔

“اچھا مجھے لگا تمہارا دھیان کہیں اور تھا” وہ کہہ کر غور سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

“نہیں تو۔” وہ نظریں چرا کر بولی۔

“تم خوش ہو” ضمیر کے سوال پر وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

“**صہیب** کے ساتھ منگنی ہونے پر” اب کی بار بھی وہ خاموش رہی تھی بس نظریں جھکالی تھیں۔

“تم کچھ نہ بھی کہو لیکن میں جانتا ہوں تم خوش نہیں۔ اور **صہیب** کے ساتھ کوئی خوش رہ بھی نہیں سکتا یہ بات مجھ سے زیادہ بہتر اور کون جانتا ہے۔ دنیا کی ہر برائی اس کے اندر ہے۔ بچپن سے ہی لڑکیوں میں اس کی دلچسپی ضرورت سے زیادہ ہے۔ لڑکیوں سے دوستی کرنا ان کو ڈیٹ پر لے جانا اس بات کا میں گواہ ہوں اور کینیڈا جاکر تو جو روک ٹوک اس پر تھی وہ بھی ختم ہوگئی۔ میں نے سنا ہے وہاں بھی اس کی گرل فرینڈز تھیں۔ یہاں تو بات ملنے کی حد تک محدود تھی پر وہاں تو تمہیں پتا ہے کتنا کھلا ماحول ہوتا ہے تم سمجھ ہی گئی ہوگی۔” **علینہ** نے بے ساختہ اپنا نچلا ہونٹ کچلا تھا تاکہ آنسو آنکھ سے باہر نہ آئیں۔

“مجھے پتا ہے تمہیں تکلیف ہوگی یہ سن کر لیکن میں تمہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔ ہم کزن ہیں بچپن کے ساتھی ہیں۔ میں جانتا ہوں تم کیسی ہو اور چاہتا ہوں تمہیں تمہاری طرح کا نیک لڑکا ملے **صہیب** جیسا عیاش آدمی تمہارے قابل نہیں۔” اور اب کی بار کنٹرول کرنے کے باوجود آنسو اس کے گالوں پر پھسلنے لگے۔ اس کی آنکھیں جھکی تھیں وہ دیکھ نہیں سکی سامنے والے کے چہرے پر اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کی خوشی پھیلی ہے۔

“تمہارے آنسو مجھے تکلیف دے رہے ہیں **علینہ**۔” اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو صاف کرنے چاہے لیکن وہ جھجک کر پیچھے ہٹی ضمیر نے شرمندہ ہو کر ہاتھ پیچھے کرلیا۔ “امی اور ابو کو نازباجی کے علاوہ تمہارا ہاتھ بھی مانگنا چاہیے تھا لیکن راشد چاچو کے بات کرنے پر سب خاموش ہوگئے مجھے لگا تم منع کردو گی اس لیے میں بولا نہیں لیکن اب سب دیکھ کر میں خود کو روک نہیں سکا۔”

“کچھ بولو **علینہ**۔” اس کی مسلسل بکواس کرنے پر اس کی خاموشی پر وہ کوفت زدہ ہو کر بولا۔

“کیا بولوں ضمیر بھائی آپ جانتے ہیں پاپا کو، میرے کچھ کہنے سے ان کا فیصلہ نہیں بدلے گا۔” وہ بے بسی سے بولی تو ضمیر کھسک کر کچھ آگے ہوا۔

“اگر تم میرا ساتھ دو تو میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں۔” **علینہ** نے قدرے چونک کر اسے دیکھا۔

“تم **صہیب** سے جاکر کہو کہ تم اس کو پسند نہیں کرتی اور نہ ہی اس سے شادی کرنا چاہتی ہو۔”

“میں” وہ گھبرا کر بولی “میں ایسا نہیں کرسکتی” ضمیر نے ناگواری چھپانے کے لیے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔

“اگر تم انکار نہیں کرو گی تو میں کیا کوئی بھی تمہارے لیے کچھ نہیں کرسکے گا پھر شادی کے بعد دیکھنا اسے روز کسی نئی لڑکی کے ساتھ” کہہ کر وہ کھڑا ہوگیا۔ “لیکن اگر تم انکار کردیتی ہو تو میں تم سے شادی کروں گا۔” آخر میں وہ مسکرا کر بولا تو **علینہ** کتنی دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی یہاں تک کہ وہ چلا گیا تھا۔ لیکن جیسے فیصلے کی سولی پر لٹکا گیا تھا۔

* * *

کچھ دیر تو دروازے کے باہر کھڑی الفاظ ترتیب دیتی رہی کہ اسے بات کیسے کرنی ہے اور پھر گہرا سانس لے کر اس نے دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلنے پر علیم صاحب نے اسے دیکھا “پاپا مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔”

“ہاں آؤ” انہوں نے کتاب بند کردی اور عینک اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔ “پاپا کل آفس کی میٹنگ ہے جس کے لیے آفس کے کچھ لوگوں کو کراچی جانا

ہے ان میں میرا نام بھی شامل ہے۔ تو اگر آپ اجازت دیں تو میں چلی جاؤں۔"

"ہوں۔" اس کی بات سن کر انہوں نے ہنکارا بھرا۔ "کل سہیل بھی میرے پاس آیا تھا۔" ناز نے بے ساختہ گہرا سانس لیا۔ وہ جانتی تھی اب کیا ہوگا۔

"وہ کہہ رہا تھا اسے تمہارا جاب کرنا پسند نہیں اس نے تم سے بات کی تو تم نے بدتمیزی سے جواب دیا۔" ناز نے سن کر افسوس سے سر ہلایا۔

"پاپا کیا آج تک میں نے کبھی آپ کو شکایت کا موقع دیا ہے یا آپ کو لگتا ہے میں بدتمیزی کر سکتی ہوں۔" اس کی سوالیہ نظروں کے جواب میں وہ خاموش رہے۔

"پاپا میں یہ نہیں کہتی آپ نے جو فیصلہ میرے لیے کیا ہے وہ غلط ہے۔ یقیناً" میرے لیے آپ سے اچھا کوئی نہیں سوچ سکتا۔ پر پاپا سہیل کا بی ہیویئر بہت عجیب ہے۔ اس دن وہ میرے آفس آیا۔ میں کولیگز کے ساتھ میٹنگ پر تھی۔ تب بھی اس نے برے الفاظ استعمال کیے۔ وہ مجھ پر شک کرتا ہے۔ فضول کا رعب جماتا ہے۔ ایک آدمی کو مجھ پر یقین ہی نہیں تو وہ کیسے میرے ساتھ زندگی گزارے گا۔ یا یوں قدم قدم پر مجھے ذلیل کرے گا۔" آخر میں وہ رو ہی پڑی تھی۔ کیونکہ اتنے دنوں سے اکیلے خود سے لڑ لڑ کر وہ تھک گئی تھی۔ علیم صاحب نے بے ساختہ پہلو بدلا۔ کیونکہ زندگی میں پہلی بار ناز نے یوں سامنے بیٹھ کر ان سے کوئی بات کی تھی "نہیں بیٹا وہ کبھی تمہیں ذلیل کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔" ناز بس سر جھکا کر اپنی ہتھیلیوں کو دیکھنے لگی۔

"تم فکر نہیں کرو میں سہیل سے بات کروں گا تم نے میٹنگ پر جانا ہے، ضرور جاؤ۔" اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے تو خوشی کے مارے وہ بول ہی نہیں سکی۔

"تھینک یو پاپا۔" وہ ان کے ہاتھ چوم کر باہر نکل گئی۔ اس کی اس حرکت پر پہلے وہ حیران ہوئے اور پھر کھل کر مسکرائے تھے۔

وہ باہر آئی تو ناصرہ کے ساتھ **صہیب** کھڑا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر خوش ہوگئی۔

"چلیں آپی جلدی سے تیار ہوجائیں میرا آئس کریم کھانے کا موڈ ہو رہا ہے۔" وہ ہنس پڑی تھی۔ موڈ تمہارا ہو رہا ہے اور مجھے ساتھ لے کر جانا چاہتے ہو۔ کہیں تم میری آڑ میں کسی اور کو تو نہیں لے کر جانا چاہتے" ناز کے کہنے پر اس نے دزدیدہ نظر مسکراتی ہوئی ناصرہ پر ڈالی اور چاپی سے سر کھجانے لگا۔ "چلیں نا آپی۔"

"ٹھہرو میں **علینہ** کو بھی لے کر آتی ہوں۔" وہ مسکراتی ہوئی کمرے کی طرف مڑ گئی "چچی آپ بھی چلیں"

"نہیں بیٹا مجھے معاف رکھو تم بچے جاؤ میں ذرا تمہارے چاچو کے لیے روٹیاں ڈال لوں۔"

"جی۔" وہ مسکرا کر سیٹی کے انداز میں گانا گنگنانے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی دس منٹ سے زیادہ ہوگئے تھے۔ وہ مسکراتا ہوا دبے پاؤں ناز اور **علینہ** کے کمرے کی طرف بڑھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی تو **علینہ** چہرے پر تکیہ لے کر لیٹی تھی۔

"**علینہ** جلدی سے ریڈی ہوجاؤ **صہیب** ہمیں لینے آیا ہے آئس کریم کھانے جائیں گے۔" وہ جلدی سے وارڈروب سے اپنے اور اس کے کپڑے نکالتے ہوئے بولی۔

"کونسا پہنو گی۔" اس نے دونوں ہینگر سامنے کیے لیکن وہ ہنوز اسی پوزیشن میں تھی۔

"**علینہ**۔" اب کی بار اس نے قریب جا کر تکیہ اس کے چہرے سے ہٹایا اور دھک سے رہ گئی اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

"کیا ہوا **علینہ**۔" وہ ایک دم گھبرا کر اس کے قریب بیٹھ گئی اور وہ ایک دم روتے ہوئے ناز سے لپٹ گئی۔

"باجی مجھے شادی نہیں کرنی۔"

"کیا مطلب۔" ناز نے اس کے بال سہلاتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے **صہیب** بھائی سے شادی نہیں کرنی۔" ناز کا بال سہلاتا ہوا ہاتھ رک گیا تھا اس نے اس کا چہرہ اپنی

آنکھوں کے سامنے کیا۔ ”کیا کہا تم نے“

”باجی مجھے **صہیب** بھائی سے شادی نہیں کرنی۔ آپ جانتی ہیں مجھے وہ اچھے نہیں لگتے اور آپ کو یاد ہے ناوہ بچپن سے ہی مجھے کتنا تنگ کرتے رہے ہیں ان کا بی ہیویر میرے ساتھ کتنا روڈ تھا۔“

”پاگل وہ بچپن کی بات تھی۔ اب اور بات ہے۔“ ناز نے اسے پچکارا ”لیکن آپی کریکٹر کے حساب سے وہ کیسے ہیں سب جانتے ہیں چاچو نے انہیں کیوں کینیڈا بھیجا تھا جانتی ہے نا کیونکہ یہاں کسی لڑکی کے ساتھ ان کا افیئر تھا اور کینیڈا میں بھی وہ یہی سب کچھ کرتے رہے ہیں آخر میرا کیا قصور ہے کہ مجھے **صہیب** بھائی کی صورت میں سزا دی جارہی ہے۔“ وہ اب رونے لگی تھی۔

”کس نے کہا تمہیں یہ سب۔“ ناز کا انداز بہت سنجیدہ تھا۔

”مجھے ضمیر بھائی نے بتایا کہ وہ یہاں کئی لڑکیوں سے فلرٹ کرتے رہے ہیں اور کینیڈا میں بھی ان کی گرل فرینڈ ہے۔ جس سے ان کے تعلقات گرل فرینڈ سے بھی زیادہ ہیں۔“ کہنے کے ساتھ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

”بکواس کرتا ہے ضمیر وہ خود ایسا ہے‘ **صہیب** کے اوپر جو الزام اس نے لگایا تھا وہ اپنی غلطی چھپانے کے لیے اس نے کیا تھا **صہیب** نے کینیڈا جانے سے پہلے سب مجھے بتایا تھا۔ اور **صہیب** کو میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں وہ صاف کردار کا مالک ہے اگر ایسا کچھ ہوتا نا **علینہ** تو میں سب سے پہلے انکار کرتی۔ تم تو لکی ہو پاگل جس کو **صہیب** جیسا لائف پارٹنر ملے گا۔“

علینہ نے کچھ کہنے کے لیے سر اٹھایا لیکن نظریں دروازے پر جیسے جم گئی اس کے چہرے کے تاثرات جس تیزی سے بدلے تھے ناز نے بے ساختہ مڑ کر دیکھا **صہیب** پلٹ رہا تھا۔ سب کچھ اتنا اچانک تھا کہ کچھ لمحوں کے لیے ناز اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکی۔ اس نے دوبارہ **علینہ** کی طرف دیکھا جس کا رنگ بالکل سفید پڑ گیا تھا۔ اگلے ہی پل ناز تیزی سے باہر کی طرف بھاگی۔ لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے **صہیب** کی گاڑی جا چکی تھی وہ ان ہی قدموں سے واپس کمرے میں آئی اور اس کو دیکھتے ہی بے چینی سے کمرے میں ٹہلتی **علینہ** اس کی طرف بڑھی۔ لیکن ناز اس کی طرف متوجہ نہیں تھی وہ اپنے موبائل پر **صہیب** کا نمبر ملا رہی تھی۔ پہلے تو بیل جارہی تھی اور اس کے بعد فون پاور آف ہو گیا تھا۔ ناز نے بے ساختہ نچلا ہونٹ دانتوں سے کچلا۔

”بہت برا ہوا **علینہ** بہت برا! اپنے پاؤں پر تم نے خود کلہاڑی ماری ہے اب اگر **صہیب** نے کوئی شدید ری ایکشن دیا تو جانتی ہو کیا ہوگا؟ کیا کہو گی پاپا سے۔“

کہہ کر ناز نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ جبکہ **علینہ** اپنی کیفیات سمجھنے سے قاصر تھی وہ یہی چاہتی تھی کہ **صہیب** سے اس کی شادی نہ ہو اگر اس نے سن لیا تو اچھا تھا لیکن پھر بھی کوئی بات تھی جو اسے غلط ہونے کا احساس دلا رہی تھی۔ اس کے بعد ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی ناز دیر رات تک **صہیب** کے نمبر پر ٹرائی کرتی رہی۔ لیکن وہ مسلسل بند جارہا تھا تھک کر وہ سو گئی تھی۔ صبح اسے میٹنگ کے لیے کراچی جانا تھا۔ **صہیب** اور **علینہ** کے مسئلے کو اس نے واپسی تک کے لیے ملتوی کر دیا تھا اس بات سے بے خبر کہ اس کی زندگی میں خود ایک بڑا مسئلہ آنے والا ہے۔“

* * *

”تم کالج نہیں گئیں“ اسے کمرے سے نکلتے دیکھ کر ناصرہ نے حیرت سے پوچھا تو وہ سر نفی میں ہلا کر ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

”تمہارا تو ٹیسٹ تھا نا۔“ انہیں حیرت ہوئی کیونکہ وہ کوئی ٹیسٹ مس نہیں کرتی تھی۔

”جی میری طبیعت ٹھیک نہیں سر میں درد تھا تو میں تیاری نہیں کر سکی۔“

”ہوں تم ناشتا کر لو میں تمہیں کوئی پین کلر دیتی ہوں۔“ وہ غائب دماغی سے سر ہلا کر چائے پینے لگی۔

ساری رات وہ سو نہیں سکی تھی وہ جو باتیں اس نے ناز کے سامنے کی تھیں وہ باتیں سب کے سامنے کہنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ اسے اپنے باپ سے خوف آتا تھا اگر **صہیب** نے سب کچھ پاپا کو بتادیا.... یہیں آکر اس کی ہمت جواب دے جاتی تھی اس نے بے چینی سے اپنی پیشانی مسلی۔

“**علینہ** مجھے تمہارے پاپا کے لیے سوپ بنانا ہے چکن بھی نہیں ہے 'رات سے انہیں بخار ہے میڈیسن بھی کوئی نہیں ہے 'ایسا کرو ضمیر گھر پہ ہوگا اس سے کہہ دو 'دو کلو چکن اور یہ دوائیاں ہیں تمہارے پاپا کی یہ لے آئے۔” انہوں نے دو ہزار اور دوائیوں کا پرچہ اس کے سامنے رکھا۔

“مما میں” وہ بے زاری سے بولی۔

“ہاں یہ ساتھ ہی تو جانا ہے پچھلے لان والے گیٹ سے چلی جاؤ جلدی کرو ابھی تمہارے پاپا بھوک بھوک کا شور مچادیں گے۔” کہہ کر وہ پلٹ گئی تھیں جبکہ **علینہ** نے بے زاری سے سر جھٹکا وہ اس وقت کسی سے ملنا یا بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے ایک نظر دوائیوں کے پرچے کو دیکھا اور دونوں چیزیں مٹھی میں دبا کر کھڑی ہوگئی۔ وہ چھوٹے گیٹ سے نکل کر سرور صاحب کے پورشن میں داخل ہوئی تھی اس کا ارادہ کچن میں سے گزرنے کا تھا۔ وہ کھڑکی کے قریب پہنچی جب اسے کاشفہ اور ضمیر کی آواز سنائی دی تھی وہ آگے بڑھ کر دروازہ کھولنے والی تھی جب کاشفہ کے منہ سے اپنا نام سن کر اس کے ہاتھ بے ساختہ رک گئے تھے۔

“یہ آپ کل **علینہ** کے ساتھ بیٹھ کر کون سے راز و نیاز کررہے تھے۔” کاشفہ کے پوچھنے کا انداز بہت عجیب تھا۔

“تم کیا میری جاسوسی کررہی تھیں۔”

“کر تو نہیں رہی تھی پر اب لگتا ہے کرنا پڑے گی بلکہ امی کو بھی آپ کی حرکتوں کی اطلاع دینی پڑے گی۔”

“اب اتنی بھی بڑی بات نہیں تھی جتنا تم بتنگڑ بنارہی ہو۔”

“تو پھر سیدھی طرح بتائیں کیا باتیں کررہے تھے۔”

“میں اس کا برین واش کررہا تھا۔”

“برین واش۔” کاشفہ نے زور سے دہرایا۔ “میں سمجھی نہیں”

“میں اس کو یہ سمجھا رہا تھا کہ **صہیب** کے ساتھ اس کی منگنی کا جو فیصلہ کیا گیا ہے وہ سراسر اس کے ساتھ زیادتی ہے۔” اب کہ کاشفہ ہنس پڑی۔

“یہ آپ کو اس سے اتنی ہمدردی کیوں ہورہی ہے اور اپنے دوست کی منگنی تڑوانا چاہتے ہیں۔”

“دوست.....” اس نے ضمیر کی زہرخندہ آواز سنی “دوست نہیں دشمن ہے وہ میرا دنیا میں اگر میں کسی سے بہت نفرت کرتا ہوں تو وہ **صہیب** ہے بچپن سے لے کر آج تک میں نے اس سے حسد اور نفرت کے سوا کچھ نہیں کیا اور دوستی تو صرف مطلب کے لیے تھی چونکہ ابو نے تو ہمیں ترسانے کے علاوہ تو کچھ کیا نہیں 'وہ بھی تو اسی خاندان کا حصہ تھا لیکن اس کا لائف اسٹائل دیکھا تھا نا تم نے کیا شہزادوں کی طرح زندگی گزارتا ہے جبکہ میں ہمیشہ اس کی اترن پہنتا رہا۔ کالج میں اسکول میں ہر کوئی اسے پسند کرتا تھا۔ میں لڑکیوں سے بات کرنے کے لیے ترستا تھا اور لڑکیاں اس سے دوستی کرنے کے لیے مری جاتی تھیں۔ پر وہ..... اسے احساس تھا اپنی اہمیت کا۔

میں نے سوچ لیا تھا اسے سب کی نظروں میں گرا دوں گا۔ تب میں نے اس کے نام سے اس کے موبائل سے لڑکیوں کو فون کرکے ان سے دوستی شروع کردی۔ ہر الٹا کام کرنے کے بعد میں نام اس کا لگادیتا پہلے تو وہ سمجھ ہی نہیں سکا اور جب سمجھ آئی تو بہت دیر ہوچکی تھی۔ چاچو نے اسے مارا اور کینیڈا بھیج دیا۔ وہ اپنی پوزیشن کلیئر نہیں کرسکا اسے یہ پتا چل گیا تھا کہ یہ میں نے کیا ہے اور میں انتظار کرتا رہا وہ مجھ سے لڑنے آئے گا لیکن اس نے دوبارہ کبھی مجھ سے بات ہی نہیں کی۔ وہ کینیڈا گیا میری نظروں سے دور ہوگیا تو مجھے لگا میں سب بھول گیا لیکن پانچ سال بعد جب میں نے اسے

دیکھا وہ خوش تھا اور اس کی خوشی کی وجہ **علینہ** تھی۔ میرا خیال تھا **علینہ** سے منگنی کا سن کر وہ خوش نہیں ہو گا اور یہی افسوس میں اس کے چہرے پر دیکھنے کے لیے گیا تھا لیکن وہاں تو سب الٹ تھا وہ **علینہ** کا ساتھ ملنے پر خوش تھا بس اب مجھے یہ خوشی چھیننی ہے۔"

باہر کھڑی **علینہ** کا سارا وجود جیسے زلزلوں کی زد میں تھا۔ اس نے اگر گیس کے پائپ کو مضبوطی سے پکڑا نہ ہوتا تو شاید گر گئی ہوتی۔ اس کی ٹانگیں بری طرح کانپ رہی تھیں۔

"ہوں۔" خاموشی سے سنتی **کاشفہ** نے ہنکارا بھرا "تو کیا **علینہ** آپ کی بات مان جائے گی۔"

"ارے وہ...." وہ قہقہہ لگا کر ہنسا "ایک نمبر کی بے وقوف ہے اسے بے وقوف بنانا کیا مشکل ہے جو امیج میں نے **صہیب** کا بنایا تھا وہ تو پہلے ہی اس کے ذہن میں تھا مزید اس امیج کو مضبوط کر آیا ہوں۔ بلکہ ایک پرکشش آفر بھی دے آیا ہوں اپنا پرپوزل" وہ مزے سے بولا۔

"دماغ خراب ہے بھائی امی کو پتا لگا نا تو آپ کا سر پھاڑ دیں گی۔ جانتے ہیں نا انہیں ناز باجی سے اور **علینہ** سے کتنی چڑ ہے۔ ابھی ناز باجی کے رشتے کو لے کر وہ کتنی ناراض ہیں۔"

"پاگل ہو تم میری بہنا! میں کونسا اس سے شادی کروں گا یہ چارا تو صرف منگنی تڑوانے کے لیے ڈالا ہے ادھر منگنی ٹوٹی ادھر میں مکرا۔"

"آپ کو لگتا ہے کہ آپ کا پرپوزل پرکشش آفر ہے۔ ورنہ دیکھا جائے تو **صہیب** شکل، دولت و تعلیم ہر لحاظ سے آپ سے بہتر ہے۔" **کاشفہ** نے ضمیر کا مذاق اڑایا تھا جو اس کو اچھا خاصا برا لگا تھا۔

"یہی میں ثابت کرنا چاہتا ہوں وہ ہر لحاظ سے مجھ سے بہتر ہونے کے باوجود **علینہ** کو نہیں پا سکتا۔ وہ جب اس پر مجھے ترجیح دے گی اس وقت اس کا چہرہ دیکھنے والا ہو گا اور مجھے بڑی بے چینی سے اس وقت کا انتظار ہے۔"

"بے چاری **علینہ**" **کاشفہ** کے کہنے پر اس نے ان دونوں کو ہنستے سنا تھا۔

مزید سننے کی اس میں سکت نہیں تھی اب سننے کو رہ کیا گیا تھا۔ وہ کانپتی ٹانگوں کے ساتھ بمشکل چل کر گھر تک آئی تھی۔ شکر تھا اس کا سامنا ناصرہ سے نہیں ہوا تھا۔ کمرے میں آ کر وہ گرنے کے انداز میں بیڈ پر بیٹھی تھی اسے لگ رہا تھا اس کا سانس بند ہو جائے گا وہ گہرے گہرے سانس لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ کوئی ایسا کیسے کر سکتا ہے وہ بھی اس کا اپنا کزن اتنا حسد اتنی نفرت کہ دو زندگیاں برباد کرنے پر تل گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے شروع ہو گئے جو آنکھوں سے نکل کر اب اس کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔

قصور کسی کا نہیں تھا اس کا اپنا تھا وہ کمزور تھی۔ کانوں کی 'کچی' دماغ کی کمزور۔ کوئی ایک لمحہ اس کی گرفت میں نہیں آیا۔ جب اس نے **صہیب** کو فلرٹ کرتے دیکھا ہو' ہاں وہ مذاق کرتا تھا پر وہ بچپن تھا وہ بھی تو جواب دیتی تھی۔ ناز نے اسے کتنا سمجھایا تھا لیکن وہ سمجھی نہیں۔ اب بار بار **صہیب** کی خود پر جمی نظریں یاد آ رہی تھیں اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔

"اب کیا ہو گا میں کیا کروں۔" وہ بے چین ہو کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ناز بھی یہاں نہیں تھی، وہی تھی جو **صہیب** سے بات کر سکتی تھی۔ لیکن وہ اس سے اتنا ناراض ہو چکا تھا کہ وہ ناز سے بھی بات نہیں کر رہا تھا۔ اس نے موبائل اٹھا کر ناز کا نمبر ملایا وہ بند جا رہا تھا۔ اس نے مایوس ہو کر فون بند کر دیا۔

* * *

اس نے آنکھیں کھولیں تو پورے کمرے میں اندھیرا پھیلا تھا۔ شاید وہ روتے روتے سو گئی تھی۔ اٹھ کر اس نے سوئچ آن کیا۔ روشنی سارے کمرے میں پھیل گئی شام کے سات بج رہے تھے۔ وہ ہاتھوں سے بال سیدھے کرتی ہوئی باہر آ گئی سامنے صوفے پر ناصرہ فون ہاتھ میں لیے پریشان بیٹھی تھیں "کیا ہوا ماما" ان

کے انداز پر اس نے بے ساختہ پوچھا تھا۔

"پتا نہیں صبح سے ناز کا نمبر ملا رہی ہوں بند جا رہا ہے پہلے سوچا میٹنگ میں ہو گی اس لیے لیکن اب رات ہو رہی ہے اب تک تو اسے آ بھی جانا چاہیے تھا۔"

"آپ نے ان کے کسی کولیگ کا نمبر ٹرائی کیا۔"

"ہاں اس کی ایک دو سہیلیوں کا پتا ہے ایک تو ساتھ گئی نہیں اور دوسری جو ساتھ گئی ہے اس کا بھی فون بند ہے۔" اب **علینہ** بھی پریشان ہو گئی۔

"پاپا کو بتایا۔"

"نہیں وہ سو رہے ہیں اور اللہ کرے ان کے اٹھنے سے پہلے آ جائے" لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا رات کے گیارہ بج گئے تھے ناز کا فون مسلسل بند آ رہا تھا اور علیم صاحب نے کچھ دیر انتظار کیا اور پھر سرور صاحب اور راشد کو فون کر دیا۔ اب وہ سب یہاں موجود تھے۔ وہ پہلے ہی پریشان تھے اس پر شمیم کی فضول گوئی جاری تھی۔ ان کی ہر بات پر فاخرہ لاحول ولا پڑھ رہی تھیں جبکہ ناصرہ کا رو رو کر برا حال تھا۔

سہیل اور **صہیب** ناز کے آفس اور ایئرپورٹ کے کئی چکر لگا آئے تھے۔ رات کا ایک بج گیا تھا۔ اور ہر بندہ نڈھال ہو چکا تھا۔ سب کے دماغ میں برے برے خیالات آ رہے تھے۔ سوائے چار لوگوں کے۔ شمیم، کاشفہ، ضمیر اور سہیل۔ سہیل کب سے اپنا غصہ دبائے بیٹھا تھا۔ لیکن ڈیڑھ بجے وہ پھٹ پڑا تھا۔

"بس یہی رونا تھا اس لیے میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ جاب کرے لیکن وہی اس کی خود سری اور ڈھٹائی۔" سہیل کے کہنے پر سب اس کا منہ دیکھنے لگے۔

"میں نے تو پہلے منع کیا تھا لڑکی ہم جیسی نہیں لیکن تمہارے باپ پر بھتیجی کا بھوت سوار تھا۔ کر گئی نا منہ کالا۔ جاب کے بہانے عشق لڑاتی رہی اور اب میٹنگ کا بہانہ کر کے بھاگ گئی عاشق کے ساتھ" ناصرہ اور **علینہ** نے تڑپ کر شمیم کا منہ دیکھا تھا۔ **علینہ** نے دوسری شکایتی نظر باپ پر ڈالی جو سر جھکائے پتا نہیں کیا سوچ رہے تھے سن بھی رہے تھے یا نہیں۔

"بند کرو اپنی بکواس۔" سرور صاحب دھاڑے۔

"میں ہمیشہ چپ رہی لیکن اب نہیں ہوں گی ایسی گری ہوئی لڑکی مجھے نہیں بنانی اپنی بہو۔"

"امی آپ کیا منع کریں گی میں خود انکار کرتا ہوں ایسی بدکردار لڑکی سے میں شادی نہیں کروں گا جو راتوں کو جاب کا بہانہ بنا کر باہر رہے اگر شادی کے بعد ایسا کرتی تو بھی میں کسی بات کا لحاظ نہ کرتا اور کھڑا کھڑا طلاق دے دیتا۔"

"میں کہتا ہوں خاموش ہو جاؤ تم لوگ۔" سرور صاحب چیخے تو سہیل نے ہونٹ بھینچ لیے۔ جبکہ شمیم نے ہنہ کہہ کر منہ دوسری طرف موڑ لیا۔ رات کے دو بجے باہر اطلاعی گھنٹی بجی تھی اور سب چونکے تھے۔ **صہیب** باہر کی طرف بھاگا تھا۔ واپسی میں ناز زخمی حالت میں اس کے ہمراہ تھی۔

"باجی۔" **علینہ** سب سے پہلے اس کی طرف بڑھی تھی۔ علیم صاحب نے چونک کر سر اٹھایا۔ ناز نے حیرت سے وہاں موجود سب لوگوں کو دیکھا۔

"آپ لوگ پوچھیں گے یا میں پوچھوں یہ سارا دن اور آدھی رات کہاں گزار کر آئی ہے۔" سہیل کے منہ سے نکلنے والے الفاظ پر ناز نے ایک بار پھر سب کے چہرے دیکھے اور اسے اندازہ ہوا کہ کچھ غلط ہوا ہے یا ہونے جا رہا ہے۔

"کہاں تھی تم۔" سہیل کے ساتھ شمیم بھی آ کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئیں، ان کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے جن میں ناز کو اپنا آپ جلتا محسوس ہوا تھا۔ اس نے ان پر سے نظر ہٹا کر پہلے اپنی ماں کو دیکھا اور پھر اپنے باپ کو وہ اسے ہی دیکھ رہے تھے وہ کسی سے کوئی بھی بات کیے بغیر باپ کے قدموں میں جا کر بیٹھ گئی۔

"بابا میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا جو میں سب کو صفائی دوں لیکن میں آپ کو ضرور صفائی دوں گی۔ مجھے آپ کی عزت اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے اور میں نے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا ہے کہ میری وجہ سے آپ کا سر کبھی نہ جھکے۔ آج جب ہم میٹنگ کے بعد آفس سے نکل رہے تھے بائیک پر سوار کچھ افراد نے ہماری

گاڑی پر حملہ کردیا۔ ہمارے موبائل اور بیگ چھین لیے۔ جب انہوں نے مجھ سے اور دوسری کولیگ سے بدتمیزی کی کوشش کی تو باس اور ہمارے دو کولیگ کے ساتھ ان کی ہاتھاپائی ہوگئی اس جھڑپ میں ہمارے ایک کولیگ کو گولی لگ گئی۔" شاید وہی منظر اسے یاد آیا تھا جو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

علیم صاحب نہ صرف اسے سن رہے تھے بلکہ بغور دیکھ رہے تھے۔ اس کے چہرے پر زخم کے تازہ نشان تھے اور آنکھیں رونے کی وجہ سے سوجی تھیں۔

"اپنے اس زخمی کولیگ کو وہاں کے اسپتال میں ایڈمٹ کروایا۔ باس ابھی وہیں ہیں اور پہلی جو فلائٹ ملی باس نے ہم لڑکیوں کو بھیج دیا۔ وہاں اتنی پریشانی تھی میں فون بھی نہیں کرسکی یہ میری غلطی ہے۔" کہہ کر اس نے سر جھکالیا۔

"بکواس کرتی ہے یہ۔ جھوٹی کہانی سیدھی طرح کہو جس کے ساتھ بھاگی تھی۔ اس نے مار کر نکال دیا۔" سہیل کی زہر اگلتی زبان پر اس نے نفرت سے اس کی طرف دیکھا اور پھر باپ کی طرف دیکھا کیا وہ ان کی نظر میں بھی گناہ گار ہے۔

"جس نے جو کہنا ہے کہہ لیا۔ میں نے جو سننا تھا سن لیا۔" علیم صاحب کے کہنے پر سب انہیں دیکھنے لگے۔ ناز کا رواں رواں کھڑا ہوگیا تھا۔

"بھائی صاحب۔" انہوں نے سرور صاحب کو مخاطب کیا تھا۔ "میں جانتا ہوں آپ ناز سے بہت پیار کرتے ہیں اور یہی چاہت دیکھتے ہوئے میں نے ایک لمحہ سوچ بغیر یہ رشتہ طے کردیا، لیکن سہیل... چاہت تو دور کی بات یہ تو اس کی عزت بھی نہیں کرتا۔ اس کو ناز پر اعتبار نہیں ابھی اس نے بغیر سوچے سمجھے میرے سامنے بیٹھ کر میری بیٹی کے لیے کتنے گندے الفاظ استعمال کیے۔ میری بیٹی اگر جاب کرتی ہے تو میری اجازت سے کرتی ہے۔ مجھے اعتماد ہے اس پر اور شادی کے بعد اگر سہیل منع کرتا تو یقیناً" میری بیٹی جاب نہ کرتی۔ اتنی سمجھ ہے اس میں۔ آج تک میں نے اپنی بیٹیوں کو بوجھ کہا پر میری بیٹیاں ہمیشہ میرے لیے فخر کا باعث رہی ہیں اور آج ناز نے جو کچھ کہا اس کے حرف حرف پر میرا یقین ہے۔ میری بیٹی کبھی کچھ غلط کام نہیں کرسکتی۔" ناز جو حیرت سے اپنے باپ کے منہ سے نکلنے والے الفاظ سن رہی تھی۔ آخری لفظوں پر اسے لگا ساری زندگی جو افسوس رہا یہ لمحہ ان سب پر بھاری ہے۔ ناصرہ اور علینہ ان کی بھی یہی کیفیت تھی۔

"اور سہیل تم کیا رشتہ ختم کروگے، میں خود اپنی ہیرا صفت، نیک بیٹی تمہیں دینے سے انکار کرتا ہوں۔ یہ رشتہ یہیں ختم۔"

سہیل کو امید نہیں تھی ایسا ہوگا ایک پل کے لیے تو وہ حیران رہ گیا۔ اس کا خیال تھا سب ناز کو برا کہیں گے۔ اس کی منتیں کریں گے اور اس پر شادی کی صورت میں احسان کرکے وہ ہمیشہ ناز پر حاوی رہے گا۔ اس نے بے اختیار باپ کی طرف دیکھا، لیکن انہوں نے ناراضی سے نظریں پھیرلیں اور شمیم نے اٹھ کر سہیل کا بازو تھاما۔

"ضرورت بھی نہیں علیم سنبھال کر رکھو اپنی بیٹی، میرے بیٹے کو کمی نہیں۔" وہ اس کا بازو کھینچتی ہوئی باہر نکل گئیں۔ کاشفہ ان کے پیچھے تھی جبکہ سرور صاحب کے ساتھ ضمیر وہیں موجود تھا۔

"علیم میں بہت شرمندہ ہوں۔" وہاں موجود ہر شخص خاموش تھا اس خاموشی کو سرور صاحب کی شرمندہ آواز نے توڑا تھا۔

"بھائی صاحب آپ کو شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں آپ کی نیت میں کوئی کھوٹ نہیں تھا آپ میرے بڑے بھائی ہیں میرے لیے قابل احترام۔" وہ اٹھ کر ان کے گلے لگ گئے اور اس کے بعد ناز کو گلے لگا کر رو پڑے اور وہ تو پہلے ہی کسی کندھے کی تلاش میں تھی جہاں وہ رو کر اپنا غبار نکال سکے۔

"راشد میں نہیں چاہتا پھر کچھ ایسا ہو اس لیے تم صہیب سے بھی پوچھ لو وہ یہ رشتہ رکھنا چاہتا ہے یا نہیں۔" روتی ہوئی علینہ کی نظریں بے ساختہ صہیب کی طرف اٹھیں تب ہی صہیب نے اس کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر چھایا خوف صہیب

صاف دیکھ سکتا تھا اس نے نظریں بے ساختہ چرائیں۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو علیم، **صہیب** کی پسند سے یہ رشتہ طے ہوا ہے۔" فاخرہ کہہ کر **علینہ** کے پاس آگئیں۔

"کیوں بیٹا تمہیں کوئی اعتراض ہے۔" **علینہ** کا سر نفی میں ہلا تھا۔

"تم خوش ہو نا اس رشتے سے۔"

"جی۔" اب کی بار اس نے واضح جواب دیا اور پھر **صہیب** کو دیکھا وہ ابھی اسے دیکھ رہا تھا۔

"بیٹا بہن کو کچھ کھانے کو دو پتا نہیں اس نے کھانا کھایا بھی ہے یا نہیں۔" سرور صاحب کے کہنے پر **علینہ** سر ہلا کر کچن میں آگئی۔ **علینہ** کے پیچھے ضمیر گیا تھا جسے دیکھ کر **صہیب** کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے وہ بھی دبے پاؤں اس کے پیچھے گیا تھا۔ وہ سالن گرم کر رہی تھی جب آواز سن کر وہ چونک کر پلٹی اور ضمیر کو دیکھ کر اس کے چہرے کے تاثرات سخت ہو گئے تھے۔

"یہ تم نے کیا کیا اتنا اچھا موقع گنوا دیا۔ چچی نے خود تم سے پوچھا تھا تم نہ کر دیتیں تو سارا مسئلہ ہی حل ہو جاتا۔" ضمیر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ **علینہ** سے زبردستی نا کروا لیتا۔

"میں کیوں نا کرتی۔" **علینہ** کے ٹھنڈے ٹھار انداز میں پوچھنے پر جہاں ضمیر کو جھٹکا لگا وہیں باہر دیوار کے پاس کھڑا **صہیب** بھی چونکا تھا۔

"کیا مطلب۔" ضمیر ہکلا کر بولا۔

"تمہیں **صہیب** پسند نہیں تھا نا۔"

"کیا میں نے آپ کو ایسا کہا۔" وہ اب اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی اور ضمیر اس کے انداز دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔

"اس دن ہماری بات ہوئی تھی۔" ضمیر نے اسے یاد دلایا۔ تو **علینہ** بڑے مطمئن انداز میں پلیٹ کاؤنٹر پر رکھ کر اسے دیکھنے لگی۔ "جی ہوئی تھی بات اسی لیے تو پوچھ رہی ہوں۔ میں نے آپ سے کہا کہ میں **صہیب** کو پسند نہیں کرتی۔"

"پر مطلب تو وہی تھا۔" **علینہ** نے افسوس سے سر

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اُگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت-/120 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف-/120 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے .... -/300 روپے
3 بوتلوں کے لئے .... -/400 روپے
6 بوتلوں کے لئے .... -/800 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارج شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021

ہلایا۔ ”آپ ابھی اتنے عقل مند نہیں ہوئے ضمیر بھائی کہ اپنے علاوہ دوسروں کے مطلب سمجھ جائیں آپ جیسا حاسد آدمی اپنا مطلب ہی سمجھ سکتا ہے۔ آپ تو اتنے گرے ہوئے بے شرم انسان ہیں کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود میرے سامنے کھڑے ہیں۔ ابھی ابھی آپ کے بھائی نے جو کیا آپ کو میرے سامنے کھڑے ہونے کی بجائے کہیں ڈوب مرنا چاہیے تھا۔“

”**علینہ**۔“ وہ ایک دم بھڑک کر بولا جواباً ”وہ اس سے زیادہ غصے سے بولی۔

”اپنا والیوم آہستہ رکھیں ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ وہ جو اس دن آپ نے **صہیب** کے بارے میں بکواس کی تھی نا اگر میں نے سن لی تھی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے اس بکواس پر یقین بھی کرلیا تھا۔ کریکٹرلیس آپ ہیں **صہیب** نہیں۔ میں اتنی بھی بے وقوف نہیں جتنا آپ نے سمجھا تھا اور ایک بات۔۔۔“ وہ ہنڈیا سے سالن نکالتے ہوئے بولی۔

”میں **صہیب** کو بہت پسند کرتی ہوں اور خود کو خوش قسمت سمجھتی ہوں جو میری شادی **صہیب** سے ہو رہی ہے۔“ ضمیر کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ ٹرے سیٹ کرکے اس نے ضمیر کو دیکھا۔

”اور آخری بات آئندہ آپ نے یا آپ کی گندی ذہنیت کے گھر والوں نے **صہیب** کے خلاف کوئی بات کی نا تو سب سے پہلے میں بغیر کسی لحاظ کے آپ لوگوں کے منہ توڑ دوں گی۔“ کہہ کر وہ اسے ہکا بکا چھوڑ کر باہر نکل گئی۔

باہر کھڑا **صہیب** ابھی تک حیرت کے جھٹکے کھا رہا تھا یہ جو اس نے سنا وہ **علینہ** نے کہا تھا اسے ابھی تک اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ ضمیر سر جھکائے باہر نکلا تو نظر سامنے کھڑے **صہیب** سے ٹکرا گئی۔ **صہیب** کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ سب سن چکا ہے۔

”سوچا تھا جو تم نے میرے ساتھ کیا تھا اس کا جواب میں تھپڑ کی صورت میں دوں تمہیں، لیکن جو جواب تمہیں میری ہونے والی بیوی نے دیا ہے۔ اس سے اچھا تو میں کبھی نہیں دے سکتا تھا۔“ وہ کہہ کر مڑ گیا۔ خوشی اس کے انگ انگ سے چھلک رہی تھی۔ دو دن سے وہ پریشان تھا سمجھ نہیں آرہا تھا کیا کرے، لیکن آج وہ اتنا خوش تھا کہ دل چاہ رہا تھا ابھی جا کر **علینہ** کو گلے لگا لے۔

* * *

”اظفر سے ہمیں ناز کے **ایکسیڈنٹ** کا پتا چلا تو ہم اسی وقت آگئے۔ بڑی پیاری اور نیک بچی ہے آپ کی۔ میں نے جب پہلی بار ناز کو دیکھا تب ہی سمجھ گئی تھی کسی سلجھے ہوئے ماں باپ کے ہاتھوں اس کی پرورش ہوئی ہے۔“ سامنے بیٹھی اظفر کی ماں کی بات سن کر علیم صاحب کے ساتھ بیٹھی ناصرہ نے بھی مسکرا کر انہیں دیکھا۔

”ویسے بھی ہمیں آنا تھا آپ سے ضروری بات کرنی تھی۔“ ان خاتون کے کہنے پر ناصرہ اور علیم صاحب دونوں نے چونک کر دیکھا تھا۔

”اظفر کے آفس میں ایک **فنکشن** تھا ہم بھی انوائٹ تھے۔ وہیں ہم نے ناز کو دیکھا تھا اور تب ہی ہمیں بہت پسند آئی تھی۔ میں اپنے بیٹے اظفر کے لیے جس طرح کی لڑکی کی تلاش میں تھی ناز بالکل ویسی ہے۔ میں نے کتنی بار اس سے کہا مجھے ناز کے پیرنٹس سے ملوا لاؤ کچھ دن پہلے دوبارہ کہا تو اس نے بتایا ناز کی منگنی ہو گئی سچ بتاؤں تو میرا دل بڑا برا ہوا، لیکن اللہ سے ناز کی اچھی قسمت کی دعا کی۔ بہرحال آج ہم خاص مقصد سے آئے ہیں۔ آپ اظفر سے ملے ہیں نا۔“ انہوں نے ساتھ بیٹھے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کیا۔

”ناز کے ساتھ کام کرتا ہے آپ ناز سے بھی پوچھ سکتے ہیں ہمیں بس ناز بیٹی چاہیے اور کچھ نہیں چاہیے۔“ وہ جتنی چاہت سے رشتہ مانگ رہی تھیں علیم صاحب سوچ میں پڑ گئے۔ انہوں نے پہلی بار مشورہ طلب نظروں سے ناصرہ کو دیکھا جنہوں نے آنکھ

سے ہاں کا اشارہ کیا تھا۔

"دیکھیں بہن جی آپ لوگ مجھے اچھے لگے ہیں' لیکن بیٹی والے ہیں تھوڑا ٹائم دیں۔"

"جی بھائی آپ پوری تسلی کرلیں' لیکن جواب ہمیں ہاں میں چاہیے۔" ان کے کہنے پر علیم اور ناصرہ دونوں ہنس پڑے تھے۔

"باجی آپ بہت لکی ہیں اظفر بھائی مجھے بہت اچھے لگے۔" بات پکی ہوتے ہی **علینہ** بھاگتی ہوئی کچن میں آکر ناز کے گلے لگ گئی جس کا چہرہ پہلے ہی خوشی سے جگمگا رہا تھا۔

"میری گڑیا تم کیا کم لکی ہو۔" ناز کے کہنے پر اس کی مسکراہٹ سکڑ گئی تھی۔ "کیا ہوا میں نے کچھ غلط کہا۔"

"باجی آپ نے ٹھیک کہا تھا میں نے اپنے پاؤں پر خود کہلاڑی ماری ہے۔ میں نے سنی سنائی بات پر یقین کرکے **صہیب** کے بارے میں اتنا غلط بولا۔ مجھے کوئی حق نہیں بنتا تھا کہ انہیں ایسے بولتی اب اگر وہ مجھ سے ناراض ہیں تو وہ ٹھیک ہیں۔"

"کیا **صہیب** نے تم سے کچھ کہا ہے۔" ناز نے فکر مندی سے پوچھا تو اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"پریشانی والی بات تو یہی ہے نا باجی کہ انہوں نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ انہیں برا لگا تو مجھے ڈانٹ لیتے کچھ کہہ دیتے۔ اس خاموشی سے مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

"میں بات کروں گی **صہیب** سے' لیکن **علینہ** اسے ہرٹ تم نے کیا ہے اور تمہیں اس سے خود بات کرکے سوری کہنا چاہیے۔"

"باجی میں خود ان کو سوری کہنا چاہتی ہوں' لیکن ڈر لگتا ہے کہ......" گلا **کھنکھار**نے کی آواز پر دونوں نے پلٹ کر دیکھا اور کچن کے دروازے میں کھڑے **صہیب** کو دیکھ کر ناز خوش جبکہ **علینہ** پریشان ہو گئی۔

"مبارک ہو جناب کی منگنی ہو گئی۔" وہ **علینہ** کو اگنور کرکے ناز کے گلے لگتے ہوئے بولا۔

"خیر مبارک تمہیں کیسے پتا چلا۔"

"ابھی چاچو نے فون کرکے مما پاپا کو بلایا تو میں بھی آگیا دیکھوں تو سہی اظفر صاحب دکھتے کیسے ہیں۔" اس کے شرارتی انداز پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"اب آپ پلیز تھوڑی دیر کے لیے ہمیں اکیلا چھوڑ دیں۔ مجھے **علینہ** سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"اچھا جی۔" ناز نے شرارتی انداز میں اسے دیکھ کر **علینہ** کو دیکھا جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ناز کے باہر نکلتے ہی وہ پانچ قدم کا فاصلہ سمیٹ کر اس کے بالکل سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ وہ کسی مجرم کی طرح سر جھکائے اس کے سامنے تھی جبکہ نظریں زمین پر

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے

بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

ساری بھول ہماری تھی	راحت جبیں	300/-
او بے پروا بجن	راحت جبیں	300/-
ایک میں اور ایک تم	تنزیلہ ریاض	350/-
بڑا آدمی	نسیم سحر قریشی	350/-
دیمک زدہ محبت	صائمہ اکرم چوہدری	300/-
کسی راستے کی تلاش میں	میمونہ خورشید علی	350/-
ہستی کا آہنگ	ثمرہ بخاری	300/-
دل موم کا دیا	سائرہ رضا	300/-
ساڈا چڑیا دا چنبا	نفیسہ سعید	300/-
ستارہ شام	آمنہ ریاض	500/-
مصحف	نمرہ احمد	300/-
دست کوزہ گر	فوزیہ یاسمین	750/-
محبت من محرم	سمیرا حمید	300/-

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

گڑی تھیں۔

"اس دن جو تم نے ناز آپی سے کہا میں نے سب سنا تھا مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا تم مجھے اتنا برا سمجھتی ہو۔ اگر مجھے تمہاری اتنی نفرت کا اندازہ ہوتا تو میں کبھی اس رشتے کے لیے ہاں نہ کرتا۔" **علینہ** کی جھکی آنکھیں پانی سے بھرنے لگیں۔

"جس طرح تم نے اپنے بڑوں کی خواہش کا احترام کیا ہے ویسے ہی میں نے بھی مما پاپا کی پسند کو مان لیا۔ یہ الگ بات ہے کہ تم کو اتنے سالوں بعد دیکھ کر بہت اچھا لگا لیکن..." اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگیا اور **علینہ** کی سانس جیسے سینے میں اٹک گئی۔

"خیر یہ رشتے زور زبردستی سے نہیں نبھائے جاتے۔ اس کی بنیاد اعتماد اور محبت ہے جو تمہیں مجھ سے نہیں۔" **صہیب** کی اتنی لمبی تقریر کے جواب میں وہاں ابھی تک خاموشی تھی۔

"آئی ایم سوری۔" اب کے اس نے نظریں اٹھا کر **صہیب** کو دیکھا اور آنسو جو آنکھوں میں جمع تھے تیزی سے گالوں پر پھسلنے لگے۔ "میں جانتی ہوں' میں نے آپ کو ہرٹ کیا' لیکن مجھ سے غلطی ہوگئی اور میں اس کے لیے شرمندہ ہوں' کیا آپ مجھے معاف نہیں کرسکتے۔" وہ اتنی معصومیت سے اس سے پوچھ رہی تھی کہ **صہیب** کا خود پر قابو رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔

"ایک شرط پر اگر تم میرے سوالوں کا صحیح صحیح جواب دو۔" اس نے تیزی سے سر ہلایا **صہیب** نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔ **علینہ** نروس ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"تمہیں مجھ پر اعتبار ہے۔"

"جی۔"

"کتنا۔"

"اتنا کہ آئندہ زندگی میں کبھی آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔" وہ بنا سوچے سمجھے دل سے بولی تھی۔ اس کے ہاتھ پر **صہیب** کے ہاتھوں کی گرفت سخت ہوگئی۔

"اور محبت کرتی ہو مجھ سے۔" **صہیب** کی نظریں اس کے چہرے پر جیسے جم سی گئی تھیں۔ ان نظروں کی تپش سے اس کی نظریں خود بخود جھک گئی تھیں۔ وہ سر کو اثبات میں ہلاتے ہوئے مسکرا دی تھی۔ **صہیب** نے فدا ہونے والی نظروں سے اس کی مسکراہٹ کو دیکھا تھا۔

"کتنی محبت کرتی ہو؟" اس کے مزید قریب آکر پوچھنے پر **علینہ** دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"پتا نہیں۔"

"یہ کیا جواب ہوا؟" وہ بدمزا ہو کر بولا۔

"اس بات کا یہی جواب ہوتا ہے۔" اب کے وہ بھی ہاتھ کھینچتے ہوئے بولی۔

"پر میں اس کا جواب بہت اچھا دے سکتا ہوں۔" وہ زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔ **علینہ** نے نظریں اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا جہاں آنکھوں میں اس کے لیے محبت ہی محبت تھی۔

"پاپا" اس کے مزید قریب آنے پر وہ ایک دم چلا کر بولی وہ ایک سیکنڈ میں ہاتھ چھوڑ کر مڑا تھا پیچھے کوئی نہیں تھا۔ اس کے یوں ڈرنے پر وہ کھلکھلا کر باہر کی طرف بھاگی تھی۔

"فکر نہیں کرو کرتا ہوں تمہارا بندوبست مما سے جا کر کہتا ہوں۔ نکاح نہیں رخصتی کریں پھر دیکھتا ہوں کیسے بھاگتی ہو اور کہاں۔" اپنے پیچھے **صہیب** کی دھمکی سن کر اس کے چہرے کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی تھی۔

ان دونوں نے کوئی شکوے نہیں کیے تھے نہ ایک دوسرے کو بتایا تھا کہ وہ غلط فہمیاں جو ان کے درمیان آئی تھیں وہ کیسے بنا کہے ختم ہوگئیں۔ انہوں نے غلط فہمیوں کے مٹ جانے کو اس رشتے کا جو ان کے درمیان تھا (محبت کا رشتہ) کا اعجاز سمجھا تھا۔ آنے والے حسین لمحوں کے خیال نے ان دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی اور ان کی مسکراہٹ دیکھ کر باہر اترتی شام بھی جیسے مسکرانے لگی تھی۔

* *

صدف آصف

میں اور تم

Copyrighted material

"نوید! جلدی کریں نا۔۔۔ دیر ہو رہی ہے۔" ایمان نے سنی کی نیپی تبدیل کرتے ہوئے اٹیچ باتھ کے بند دروازے کو دیکھا اور دوسری بار آواز لگائی۔

"آگیا۔۔۔ آگیا۔ جان۔۔۔ چلو بس نکلتے ہیں۔" نوید نے بالوں میں برش پھیرتے ہوئے' جلدی سے گاڑی کی چابی اٹھائی اور اس کی طرف دیکھا وہ سبز اسٹائلش اونچی شرٹ اور بلیک گھیر دار شلوار میں ملبوس کیل کانٹوں سے لیس ہوش اڑائے دے رہی تھی۔

"زبردست۔۔۔ آپ پر یہ لائٹ براؤن شرٹ کتنی جچ رہی ہے۔" ایمان نے پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے الٹی اس کی تعریف کردی تو وہ ہنس پڑا اور اترا کر کالر کھڑے کردیے۔ ایمان اپنے گلابی گالوں کے ڈمپل پر انگلی رکھے اسے دیکھے چلی گئی۔ یہ ادا نوید کے دل پر بڑی بھاری پڑی۔

"مجھے پتا ہے ایمی۔۔۔ میں بہت گڈ لکنگ ہوں۔ پر اب ایسا بھی کیا کہ فریز ہو جانا۔" نوید نے شرارت سے ایمان کی چھوٹی سی ناک پکڑی اور گالوں سے انگلی ہٹادی۔ وہ اس کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہوئی۔ دونوں ایک دوسرے میں گم ہونے لگے کہ اچانک۔۔۔

"دھڑام۔۔۔ دھڑام" زوردار آواز نے ان کی محویت توڑ کر رکھ دی' مڑ کر دیکھا۔ سنی بستر سے نیچے گرا ہوا۔ زور زور سے منہ پھاڑ کر رو رہا تھا۔

"اوہ۔ میرا بچہ۔۔۔ دکھاؤ خون تو نہیں نکل رہا۔" ایمان بے اختیار آگے بڑھی۔ نوید سنی کو اٹھانے میں لگ گیا۔ اس کا ہونٹ ایک جگہ سے ہلکا سا پھٹ گیا تھا' وہ ٹشو سے صاف کرنے لگا۔

"میرا۔۔۔ بچہ۔ گھر سے نکلتے ہوئے کیسی بدشگونی ہوگئی۔" وہ ایک دم پریشانی میں بولتی ہوئی سنی کو دیکھنے لگی۔ اس کی نگاہیں نوید سے ٹکرائیں تو' شرمندہ ہو کر بات کو درمیان میں ہی چھوڑنا پڑا۔

نوید کے موڈ پر چھایا چونچال پن ایک دم سرد مہری میں بدل گیا۔ ایمان کو اچھی طرح سے پتا تھا کہ شوہر کو ایسی فضول باتوں سے چڑ تھی' مگر وہ عادت سے مجبور بولتی چلی گئی۔

اس کے ساتھ' کچھ نہ کچھ ایسا ہو رہا تھا کہ مزاج پر عجیب مایوسی چھائی ہوئی تھی۔ پہلے نوید کی کمپنی کے ہاتھ سے کیمیکل کا بہت بڑا آرڈر نکل گیا جس کے لیے اس نے دن رات ایک کیے ہوئے تھے۔

"کاروبار میں اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔" نوید نے اس کے اظہار افسوس کو دو جملوں میں ختم کرنا چاہا' مگر وہ جو ہر بات اپنے اوپر سوار کرنے والی مشہور تھی کافی دنوں تک اسی بات کو پیٹتی رہی۔ اس کے بعد ان کا بڑا بیٹا عرش ایسے موقع پر بیمار پڑ گیا جب وہ اسکول میں ہونے والے کوئز مقابلے میں مسلسل جیتنے کے بعد فائنل تک جا پہنچا۔ دونوں میاں بیوی بیٹے کی اس کامیابی پر بہت خوش تھے' نوید تو پھر جذبات کا برملا اظہار نہیں کرتا تھا' مگر ایمان کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ اس نے عرش کے ددھیال' ننھیال میں فون کرکے اپنی خوشی سب سے شیئر کی۔

وہ شروع سے ہی عرش کی نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کو بہت سنجیدگی سے لیتی آئی تھی۔ ایگزام کے دوران ان کے گھر پر کرفیو لگ جاتا۔ اپنے بیٹے کو ہمیشہ نمبرون کی پوزیشن پر دیکھنے کے لیے اس نے ٹیوٹر کے ساتھ ساتھ خود بھی اسے پڑھانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب شہر کے بڑے بڑے اسکولوں نے بچوں کی ذہنی آزمائش کے لیے ایک کوئز مقابلے کا اعلان کیا تو اس نے عرش کے اسکول فون کرکے ٹیچر سے ریکویسٹ کی کہ ان کے اسکول کی ٹیم میں عرش کو بھی شامل رکھا جائے۔

"ایمی۔۔۔ جان خیال رکھنا۔ کہیں۔ عرش کی جگہ تم کوئز والے دن نہیں چلی جانا۔ یوں مصروف ہو جیسے بیٹے کی جگہ تمہیں حصہ لینا ہے۔" ایمان اس معاملے میں اتنی ایکسائیٹڈ تھی کہ نوید اسے پیار سے چھیڑتا' مگر وہ سنی ان سنی کیے مسلسل عرش کے پیچھے لگی رہتی۔ بیٹے کو ٹاپک کے متعلق معلومات فراہم کرنا' سوال جواب یاد کرنا' دودھ میں بادام پیس کر روز رات میں پلاتا۔ باپ بیٹے کو وارننگ دے کر ایک ہفتے کے لیے کارٹونز اور ٹی وی پروگرامز دیکھنے پر پابندی لگادی گئی۔

جنک فوڈز بند کرادیے گئے کہ کہیں بیٹا بیمار نہ پڑجائے مگر... کمزوری اتنی بڑھ گئی کہ وہ اسکول جانے کی پوزیشن میں ہی نہیں رہا۔ اسکول والوں نے عرش کی خرابی طبیعت کی وجہ سے مجبوراً اس کا نام کمپٹیشن سے آؤٹ کردیا۔ ایمان اس لمحہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کی ساری محنت ضائع ہوگئی۔ نوید نے پیار سے سمجھایا' مگر اس نے پورے ہفتے اس بات کا سوگ منایا اب وہ بہت دنوں بعد خوشی خوشی میکے جارہی تھی کہ چھوٹا بیٹا' سنی گر گیا۔

"بابا کی جان... کچھ نہیں ہوا میرا بہادر بیٹا... آجاؤ... میں اپنے ہیرو کے بال دوبارہ بنادوں۔" نوید نے سنی کے سنہری سلکی بالوں میں نرمی سے برش پھیرتے ہوئے اسے بہلایا۔ وہ ایسا بچہ تھا جو بالوں میں برش کرواکر بہت خوش ہوتا۔ سنی رونا بھول بھال مزے سے اپنے بالوں کے اسپائک بنواکر۔ تھوڑی ہی دیر میں برش سے کھیلنے لگا۔

"چلیں... دیر ہورہی ہے۔" ایمان کو نوید کے موڈ آف ہونے کا اندازہ ہوا تو دھیمے سے کہا وہ کچھ کہے بغیر سنی کو گود میں اٹھاکر باہر نکل گیا۔

"مما... پلیز یہ پھر کھل گیا۔" عرش نے اپنے جوتے کی طرف اشارہ کیا تو ایمان نے جاگرز کے لیسز دوبارہ باندھے اور خود بھی شوہر کی تقلید میں گھر لاک کرتی ہوئی نکل گئی۔ نوید نے بہت آف موڈ کے ساتھ گاڑی اسٹارٹ کی۔ تھوڑی دیر سفر خاموشی سے گزرا تو وہ واپس اپنی جون میں لوٹ آیا۔ یہ ہی اس کی سب سے اچھی عادت تھی چیزوں کو بہت دیر تک خود پر سوار نہیں کرتا تھا۔

"تمہیں پتا ہے... امی... جان... ہمارا ذہن ایک ایسے شفاف چمکدار برتن کی مانند ہے' جس میں اگر تو توہمات اور مایوسی کی گرد بیٹھ جائے تو شعور کا ٹھنڈا صاف پانی بھی اس میں گدلا دکھائی دینے لگتا ہے۔" نوید نے اس کے نرم ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر پچھلی رات پڑھی گئی ایک بک کی لائن سنائی۔ ایمان نے سر ہلایا۔

"سوری... میں بہت جلد مایوس اور پریشان ہونے لگتی ہوں۔" ایمان نے اپنی کمزوری کا برملا اعتراف کیا۔

"چلو... میں تمہیں آج ایک سچا قصہ سناتا ہوں۔ اس میں موجود کردار تمہارے آس پاس پھیلے ہوئے ہیں۔ تمہیں یہ سب سن کر بہت مزا آئے گا۔" نوید نے کچھ سوچا اور آنکھیں میچ کر نرمی سے کہا۔ ایمان نے نا سمجھنے والی نگاہوں سے شوہر کے ہلتے ہونٹوں کو دیکھا۔

"دیکھو جان۔ راہ حیات میں۔ ایک "میں" کے سہارے نہیں جی سکتے۔ بلکہ بہت سارے۔ "تم" بھی ضروری ہوتے ہیں جن کے ساتھ گزارے پل ہی۔ حاصل زندگی بن جاتے ہیں۔ تو... سمجھو یہ قصہ "میں" اور "تم" کا ہے۔" نوید نے پیار سے بات شروع کی تو ایمان مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

✲ ✲ ✲

سراج انوار کو وہ سرخ بالوں والی عورت پہلی نگاہ میں ہی بری لگی' جس نے سارے بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑس کر سرخ لٹ نکالی ہوئی تھی۔ ان کے بس میں ہوتا تو وہ قریب جاکر اسے ایسے بے ہودہ فیشن کرنے پر لمبا لیکچر پلاتے۔ مگر خود پر ضبط کیا۔ وہ کہتے بھی تو کیا... اسی لیے... نگاہیں دوسری طرف پھیرلیں۔ ویسے بھی ان کی ذہنی تفکرات اتنی بڑھ چکی تھیں کہ آج کل وہ مزاج کے خلاف حرکتیں کررہے تھے' جس کی ماضی میں ان سے توقع بھی نہیں کی جاسکتی تھی۔ لنچ ٹائم ختم ہونے والا تھا' انہوں نے بے دلی سے سینڈوچ کو نا کترا۔ چہرے پر ناگواری چھائی ہوئی تھی۔

سراج انوار ایک بڑی کیمیکل فیکٹری میں منیجر کی پوسٹ پر فائز تھے۔ وہ جس جگہ لنچ کرنے آئے تھے' یہ ایک فوڈ کورٹ تھا' جو ان کے آفس کے ٹاپ فلور پر واقع تھا۔ یہاں ہر طرح کے لوگوں کا آنا جانا تھا' ان کے پاس کوئی ایسا اختیار نہیں تھا جس کی بل پر وہ ناپسندیدہ اشخاص کا داخلہ بند کراسکتے۔ جیسے کہ "نوید علوی"۔ وہ

شیشے کے دروازے کے پار سے ہاتھ ہلاتا ان کی طرف بڑھنے لگا۔ سراج جھنجلا اٹھے۔ انجان بن کر دوسری طرف دیکھنے لگے۔ مگر وہ۔ "چیپکو"۔ (یہ خطاب انہوں نے دل ہی دل میں اسے دے رکھا تھا) مسکراہٹ بکھیرتا قریب پہنچ گیا۔

"ایکسکیوزمی۔' سر۔ کیا۔ میں آپ کو جوائن کر سکتا ہوں؟" نوید علوی کے شائستہ انداز پر انہیں سر اٹھا کر دیکھنا ہی پڑا۔

"بالکل نہیں۔ میں یہاں کچھ دیر۔ تنہا بیٹھنا چاہتا ہوں۔" سراج انوار نے دل کی آواز کو دباتے ہوئے اخلاقاً" ۔ اثبات میں سرہلادیا۔ اس کی موجودگی کے ساتھ ہی خوشبو کا ایک دلفریب جھونکا ان کے اردگرد پھیل گیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" سراج نے مجبوری میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"میں اپنے کھانے کے لیے رول لے کر آتا ہوں۔ کیا۔ آپ کو کچھ اور چاہیے؟" چند لمحے خاموشی کی نذر ہوگئے تو نوید نے خوش خلقی دکھائی۔ انہوں نے نفی میں سرہلادیا۔ وہ اپنی کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا، پورے ہال میں وہ اپنے دراز قد اور کسرتی جسم کی وجہ سے نمایاں دکھائی دے رہا تھا۔

سراج انوار نے عینک درست کرتے ہوئے اس کا جائزہ لیا۔ نوید علوی۔ بلیو ڈریس پینٹ، گرے شرٹ پر بلیو ٹائی لگائے۔ ہاتھ میں۔ بلیک فولڈر والا قیمتی سیل فون تھامے۔ سرونگ کاؤنٹر کی طرف بڑھ رہا تھا، گو کہ اس وقت نوید کی موجودگی انہیں بے زار کر رہی تھی مگر وہ دل ہی دل میں اس کی پراثر شخصیت کو سراہے بغیر نہ رہ سکے۔ "پلیز۔ آپ کے لیے بھی، یہ کافی لایا ہوں۔" نوید کے ہاتھوں میں بھری ہوئی ٹرے اور چہرے پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، وہ کرسی کھینچ کر ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ "سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے نا" سراج انوار نے اخلاق کا دامن پکڑنے کی کوشش کی۔ نوید نے بے تکلفی سے سرہلادیا، انہوں نے اسے جانچا۔ وہ بڑا پرسکون اور فریش دکھائی دیا۔ نوید کو انسانوں کو سحر میں مبتلا کرنے کا فن آتا تھا۔ وہ ہمیشہ سے مرعوب ہونے کی جگہ دوسروں کو مرعوب کرتا آیا۔ ڈائریکٹرز کے ساتھ میٹنگز میں سراج انور اور ان کے ہم عصر ساتھی جتنے تناؤ کا شکار ہوتے، وہ اتنا ہی ریلیکس انداز میں نہ صرف اپنا موقف بیان کرتا، بلکہ اکثر اپنی بات منوا کر اٹھتا۔ اسی وجہ سے اس کے اور دفتر میں کام کرنے والے کچھ پرانے ملازمین کے درمیان ایک خلیج سی آگئی تھی۔

"دنیا کتنے ایسے لوگوں سے بھری ہوئی ہے، جن کا غم سے کبھی دور کا واسطہ نہیں پڑا۔ اور۔ ایک میں ہوں بدنصیب۔ بس جلتا رہتا ہوں۔" سراج انوار کی سوچ رانگ ٹریک پر چل پڑی۔ انہیں اس نوجوان پر رشک آیا۔ وہ نوید کے بارے میں اچھی خاصی معلومات رکھتے تھے۔ ان لوگوں کا اپنا فیملی بزنس تھا۔ اسے کوئی معاشی مجبوری نہیں تھی۔ بلکہ یہ نوکری اسے کے کیریر ٹریننگ کا حصہ تھی، اسے ایک سال یہاں خاص پروجیکٹ پر کام کر کے، تجربہ حاصل کرنا تھا، اسی لیے نوید نے اپنے والد کے دوست نظام علی کی یہ فیکٹری جوائن کی۔ ٹریننگ مکمل ہونے کے بعد اسے اپنی فیکٹری سنبھالنی تھی۔ وہ نوید کو دیکھ کر احساس کمتری کا شکار ہونے لگتے، اتنے برسوں کی نوکری کر کے بھی ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے، وہ چار دن سے آفس آنے لگا اور سب پر برتری ثابت کر بیٹھا اسی لیے انہیں بہت برا لگتا تھا۔

"یہ آج کل کی عورتوں کو کیا ہوگیا ہے، جانے کس قسم کے جتن کرنے لگی ہیں، اب سامنے بیٹھی محترمہ کو دیکھو، ان کے رنگے ہوئے بال زہر سے بھی بدتر لگ رہے ہیں۔" سراج انوار نے لاشعوری طور پر نوید کا غصہ اسی اجنبی عورت پر کیا اور۔ منہ سے بے ساختہ ایک چھوٹی بات نکال دی۔

نوید کافی کا کپ سامنے رکھے دم بخود انہیں گھورنے لگا۔ اس کے شاداں و فرحاں چہرے پر یکلخت سنجیدگی کی لہر چھا گئی۔ وہ اپنے سینئرز کی بہت عزت کرتا تھا مگر، سراج انوار سے ایسی ہلکی بات سننا، اسے بہت برا لگا۔

”سوری۔ سر۔ مگر۔ میرے خیال میں تو یہ محترمہ کا ذاتی معاملہ ہے، اگر انہیں ایسے بال پسند ہیں تو اٹس اوکے ہمیں کسی پر تبصرہ کرنے کی کیا ضرورت؟“ نوید نے مزید کچھ کہنا چاہا مگر ان کے بدلتے انداز دیکھ کر ایک دم خاموش ہو گیا۔

”میاں۔ کہنا کیا چاہ رہے ہو ذرا، کھل کر کہو۔“ سراج انور کے ہاتھ ایک چابی لگی۔ وہ ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھے۔

”میں تو بس یہ کہہ رہا ہوں، ہمیں ان سے کیا مطلب۔ آپ کی۔ کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ جلدی سے پی لیں۔“ نوید نے سر کھجاتے ہوئے بڑی رسانیت سے انہیں ٹالا مگر وہ تو آگ بگولا ہو گئے۔

”بات سنو۔ میں کوئی کل بچہ نہیں ہوں سب سمجھ رہا ہوں۔ تم میرے بارے میں کیسا سوچتے ہو؟ اپنے اخلاقیات کے فلسفے جا کر کسی اور کے سامنے پیش کرو۔“ وہ نوید پر برسنے لگے۔

”سر۔ یہاں بات فلسفے کی نہیں..... میں تو بس خواتین کا احترام کرتا ہوں۔ اسی لیے...“ نوید نے سنجیدگی سے انہیں دیکھ کر کہا۔

”میں بھی یہ بات جانتا ہوں۔ خاندانی آدمی ہوں کوئی ٹچا پچا نہیں۔ ایک چیز بری لگی اس کا برملا اظہار کر دیا۔ تم نے تو میاں بتنگڑ ہی بنا ڈالا۔“ سراج انوار نے انگلی اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کڑک دار انداز میں کہا۔ وہ کافی جذباتی ہو کر کھڑے ہوئے، غصے کے مارے ہاتھ لگنے سے کافی کا کپ بھی نیچے گر گیا۔ فرش پر ایک دم چھناکا ہوا۔ ہال میں پل بھر کے لیے خاموشی طاری ہوئی۔ سب لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ نوید کو ایک دم شرمندگی نے آگھیرا۔ سراج انوار کو بھی اپنی یہ حرکت کچھ غیر مناسب لگی، کچھ اور سمجھ نہیں آیا تو وہ جلدی سے گاڑی کی چابی اٹھا کر کاؤنٹر کی طرف بل کے پیسے دینے چل پڑے۔

”سچ ہے جوش میں ہوش کھونے کے بعد انسان کے ہتھے صرف شرمندگی ہی لگتی ہے۔“ نوید نے لمحے میں ان کی ذات کا تجزیہ کر ڈالا۔

منفی سوچ، حد سے بڑھ جائے تو، کبھی ندامت تو کبھی خفت ساتھ لاتی ہے، سراج انوار بھی اسی کیفیت میں مبتلا ہو کر اپنے کیبن میں داخل ہوئے۔

* * *

”سبحانہ... کہاں ہو؟ ایمان۔ بیٹا اسد... سب ایک ساتھ کہاں غائب ہو گئے؟“ سراج انوار نے گھر میں داخل ہوتے ہی سب کو پکارا، جواب ندارد۔ ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔

”گھر میں تینوں ہی نہیں ہیں۔“ وہ تشویش میں مبتلا ہوئے۔ پہلے ہی دفتر سے بہت خراب موڈ کے ساتھ لوٹے تھے۔ عادت کے مطابق اپنی چابی سے لاک کھولا۔ گھر خالی پایا تو کوفت نے آگھیرا، انہیں اچانک یاد آیا کہ آج تو وہ اپنے بڑے سالے کی طرف ڈنر پر انوائیٹڈ ہیں۔

”میں ایسے ہی ہول رہا ہوں۔ سب وہیں گئے ہوئے ہیں۔“ سراج نے بڑبڑاتے ہوئے استری شدہ کرتا شلوار اٹھایا جو ان کی بیوی الماری پر ہینگ کر کے گئی تھیں۔ سبحانہ نے رات کو ہی انہیں بھائی کے گھر وقت پر پہنچنے کی تاکید کی تھی، کیوں کہ وہ اپنے سسرال والوں سے کئی فٹ دور بھاگتے تھے۔ شاید اس طرح وہ سبحانہ کو کچھ جتانا چاہتے تھے۔

ایک گلاس پانی غٹا غٹ پی کر وہ فریش ہونے کی خواہش لیے تیزی سے واش روم کی طرف بڑھے مگر دروازے کی گھنٹی زوردار طریقے سے بجی۔

”کیا مصیبت ہے، اس وقت کون آگیا؟“ بڑبڑاتے ہوئے دروازے کی سمت بڑھے۔ ان کا اس وقت کسی سے بھی خوش اخلاقی برتنے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔

”بجائے جاؤ... میں دروازہ ہی نہیں کھولتا ہوں۔“ دل میں خواہش ابھری۔ مگر کوئی بہت ڈھیٹ ہستی تھی۔ بیل بجے جا رہی تھی۔ بادل ناخواستہ جا کر دروازہ کھولنا پڑا۔

”او... بھائی صاحب آپ... کیا۔ سبحانہ بھابھی گھر پر نہیں ہیں؟“ دروازہ کھلتے ہی سامنے والی سویرا بھابھی

کا جوش سے بھرا گول مٹول چہرہ دکھائی دیا۔ وہ تیزی سے اندر داخل ہونے لگیں۔ مگر سراج انوار کو گیٹ پر استادہ دیکھا تو ایک دم جھجک کر پیچھے ہو گئیں۔

”سبحانہ... تو ڈنر پر اپنے بھائی کی طرف گئی ہوئی ہیں۔“ سراج نے جلدی جلدی مدعا بیان کر کے جان چھڑانا چاہی اور اس کے ہاتھ میں تھامے مٹھائی کے ڈبوں کو حیرانی سے دیکھا۔

”چلیں کوئی بات نہیں میں یہ مٹھائی دینے آئی ہوں۔ اصل میں انزلہ کی بات پکی کر دی ہے‘ تو اسی خوشی میں سب کا منہ میٹھا کرا رہی ہوں۔ بھابھی آئیں تو یہ دے دیجیے گا۔“ سویرا ایک ڈبا انہیں پکڑا کر تیزی سے اوپر جانے والے زینے کی طرف بڑھ گئیں۔

سراج انوار گم سم کھڑے رہ گئے‘ مبارک باد دینا۔ یاد رہا نہ ہی نہانا۔ بس ایک ٹک مٹھائی کے اس چھوٹے سے ڈبے کو گھورنے لگے۔ جیسے اس میں کوئی بم ہو۔ ڈبے پر لگی نقرئی پنی کی چمک ان کی نگاہوں میں چبھنے لگی۔

”صبح دفتر جاتے ہوئے ساتھ لے جاؤں گا۔“ وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھے اور ڈبے کو اٹھا کر کیبنٹ میں پیچھے کی طرف چھپا دیا۔ اداسی بڑھنے لگی۔

”سراج بیٹا اچھا انسان وہ ہی ہے جو دوسروں کی خوشیوں کو مقدم جانے‘ لوگوں کی خوشیوں کو روندنے والا کبھی خوش نہیں رہ پاتا۔“ وہ شیو بنا رہے تھے کہ آئینے میں بابا کی شبیہ لہرائی۔ ایک دم ٹھٹک گئے‘ ریزر ہاتھ سے چھوٹ کر واش بیسن میں جا گرا‘ دل کو دھکا لگا۔ کچھ پل یوں ہی گزرے پر دعوت کا خیال آیا تو ہاتھ تیزی سے چلنے وہ خود سے نگاہیں چراتے‘ تولیہ سے منہ پونچھنے لگے۔

* * *

”آپ نے مجھے انزلہ کی منگنی کا کیوں نہیں بتایا؟“ سراج چہل قدمی کر کے واپس لوٹے تو سبحانہ غصے میں لال پیلی ہونے لگیں‘ انہوں نے بھولنے کا بہانہ کیا۔ مگر وہ ان کے داؤ میں کب آتی تھیں۔ ہونٹ چباتے ہوئے شوہر کو دیکھے گئیں۔ سراج مڑ کر صوفے پر براجمان ہوئے۔ ”بیٹا ایک گلاس پانی دینا“ انہوں نے ایمان کو پکارا۔

”جی بابا۔“ اس نے افسردگی سے سر ہلایا تو سراج انوار کو معاملہ بگڑنے کا احساس ہوا۔

”آج پھر سبحانہ کو دورہ پڑا ہے۔ ماحول کچھ کشیدہ ہے۔“ انہوں نے سب کو چپ چپ دیکھا تو اندازہ لگایا۔ دونوں بیٹیوں کا چہرہ اترا ہوا تھا‘ بلکہ ایمان کی آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔ اسد بھی کاؤچ پر بیٹھا‘ کتاب کھولے خلاؤں میں گھور رہا تھا۔

”میں نے آپ سے کچھ پوچھا ہے؟“ سبحانہ کمر پر ہاتھ رکھے‘ تن کر میاں کے سامنے کھڑی ہو گئیں۔

”ارے بابا۔ سبحانہ کا موڈ بگڑ چکا ہے میری خیر نہیں۔“ سراج انوار نے ایک نئے معرکے کے لیے خود کو تیار کیا۔

”غضب خدا کا۔ آپ کے لیے یہ معمولی بات ہے اور وہ سویرا بھابھی پوری بلڈنگ میں گاتی پھر رہی ہیں کہ سبحانہ بھابھی میری بیٹی کی منگنی سے جل گئیں‘ مٹھائی رکھ لی مگر جھوٹے منہ مبارک باد دینے نہیں آئیں۔“ انہوں نے اپنے گرم ہونے کی وجہ بتائی۔ سراج انوار چور سے ہو گئے۔

”ویسے ان کی کہی ہوئی باتیں تم تک کیسے پہنچیں؟“ وہ ایک دم سے بن کر بیوی سے پوچھنے لگے حالانکہ ان کی ”سورس آف انفارمیشن“ کو اچھی طرح سے جانتے تھے۔ وہ کوئی اور نہیں اس بلڈنگ میں کام کرنے والی ماسی وزیراں تھی‘ جس کا من پسند مشغلہ ادھر کی ادھر کرنا تھا۔

”شرلاک ہومز کی طرح جاسوسی کرنا چھوڑیں کہ کس نے بتایا۔ کس نے نہیں؟ اصل معاملے پر دھیان دیں۔ سارے زمانے کی کالی پیلی لڑکیوں کی شادیاں ہو رہی ہیں‘ منگنی کے لڈو بٹ رہے ہیں۔ رشتے طے ہو رہے ہیں۔ ایک ہمارے یہاں کس بات کی اندھیر پڑی ہوئی ہے۔ جو آتا ہے لڑکی دیکھتا ہے۔ پسند بھی کر لیتا ہے‘ مگر گھر جا کر انہیں ایسے پسو پڑتے ہیں کہ پلٹ کر جواب ہی نہیں دیتے‘ اس فروری میں

ایمان پورے چوبیس برس کی ہو جائے گی۔ میرا تو سوچ سوچ کر برا حال ہے۔ کروں تو کیا کروں؟" وہ ایک دم سے شروع ہو تیں ماں کے انداز فکر پر ایمان اذیت کا شکار ہوئی اور امداد طلب نگاہوں سے باپ کی طرف دیکھا، جو خود اس وقت مجبور دکھائی دیے۔

"فکر کیوں کرتی ہو۔ سب ہو جائے گا۔ تمہارے ہائپر ہونے سے گھر کا ماحول ہی خراب ہوتا ہے۔ مسئلہ تو حل نہیں ہوتا نا۔" سراج نے رسانیت سے سمجھایا۔

"آپ ہی بتائیں پھر کیا کروں؟ شایان بھی اس سے بس ایک سال چھوٹی ہے۔ مگر قد کاٹھ کی وجہ سے ایمان سے بھی بڑی دکھائی دیتی ہے، بڑی کا کچھ ہو تو چھوٹی کے لیے بھی سوچا جائے۔" سراج کی نرمی پر سبحانہ کے مزاج کی گرمی بڑھی۔

"یہ عورت بھی نا۔ اپنے آگے کسی کی نہیں سنتی۔ تم لوگوں کے اب سمجھ میں آیا کہ میں نے انزلہ کی مٹھائی کیوں چھپائی؟ کسی کی منگنی شادی کی خبر آجائے یہ آپے سے باہر ہو جاتی ہے۔" سراج انوار بھی بھک کر بیوی پر چڑھ دوڑے۔

"آپ کو تو فکر نہیں۔ میں ماں ہوں دن رات جلتی کڑھتی رہتی ہوں۔ دنیا والے تو مجھ سے سوال کرتے ہیں۔" سبحانہ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"تمہارا ہر دفعہ کا یہ 'ری ایکشن' اب ناقابل برداشت ہوتا جارہا ہے۔" سراج انوار نے انہیں وارننگ دینے کے لیے انگلی اٹھائی۔

"اسد میرے بچے کاش.... تم ان بہنوں سے بڑے ہوتے تو مجھے کچھ حوصلہ ملتا۔ تمہارے بابا۔ کو کوئی فکر نہیں۔ بس گھر سے دفتر۔ دفتر سے گھر آجا کر سمجھتے ہیں کہ تیر مار لیا۔" سبحانہ نے' بیٹے کی طرف دیکھ کر دہائی دی۔ اسد ایک دم اپنی جگہ سے اٹھا اور ماں کو لپٹا کر تسلی دینے لگا۔

سراج نے ٹھنڈی سانس بھری۔ سبحانہ ہمیشہ سے ایسی ہی جذباتی واقع ہوئی تھی۔ انہیں اندازہ تھا کہ انزلہ کی منگنی کی بات چھپنے والی نہیں، مگر آج کل ان کی مثال اس شتر مرغ کی سی تھی جو ریت میں منہ دے کر خود کو محفوظ سمجھتا ہے۔ انہیں خود بھی بیٹی کی بہت فکر تھی۔ پر وہ کر ہی کیا کر سکتے تھے۔ گھر کے ایسے حالات کی وجہ سے ہی ان کے ذہنی حالات تباہ حال ہو رہے تھے۔

"سنیئے جی۔ اس سے پہلے کہ وقت نکل جائے، کوئی اچھا لڑکا ڈھونڈ نکالیں۔ ورنہ مجھے کچھ ہو جائے گا۔" سبحانہ شوہر کی حالت سمجھے بغیر بولے جا رہی تھیں۔ ان کی بات پر دونوں بہنوں نے دہل کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ سبحانہ اپنی باتوں سے اہل خانہ کا مورال گرانے پر تل گئیں۔ ایمان کی برداشت جواب دے گئی وہ وہاں سے ہٹ گئی۔

"کیا کروں؟ سب سے تو کہہ رکھا ہے۔ مجھے لگتا ہے کسی نے ان دونوں پر تعویز کرا کر رشتوں میں بندش کرادی ہے۔ سوچ رہی ہوں وزیراں کے ساتھ اس کے پیر بابا کے پاس جاؤں۔ سنا ہے ایسے کاموں کے توڑ میں بڑی شہرت رکھتے ہیں۔" وہ افسردگی سے سر پر ہاتھ مار کر بولیں تو سراج کو ان کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا، اسد نے بھی پریشان نگاہوں سے پہلے ماں کو پھر شایان کی طرف دیکھا، جو زرد ہو رہی تھی۔

"لاحول ولا قوۃ۔ سبحانہ اسی کی کسر رہ گئی ہے۔ جہالت کی انتہا ہے۔ اور یہ بابا کی ساری کرامتوں کے بارے میں بھی تمہیں وزیراں نے بتایا ہوگا۔ وہ ایسے ہی گھر گھر گھس کر عورتوں کی نفسیات سے کھیلتی ہے۔ اسی لیے تو کہتے ہیں گھر میں کسی بزرگ کا ہونا ضروری ہے۔ مگر تم ایسی باتیں کہاں سنتی ہو۔" سراج انوار کی برداشت ایک دم زیرو تک جا پہنچی، انہوں نے بیوی کو بری طرح سے جھاڑا۔

"بس.... ہر بات کے بیچ میں اپنے باپ کا ذکر لے آیا کرو۔" وہ منہ ہی منہ میں بولیں۔ سب خاموشی سے ایک دوسرے کو تکنے لگے اچانک۔ "میرے۔ اللہ۔ پا۔ پا" ایمان کی چیخ سنائی دی۔ وہ سب کچن کی طرف بھاگے۔ ایمان پر کھولتا ہوا دودھ گر گیا تھا۔ پاؤں پر سرخ سرخ نشان پڑ گئے تھے۔ وہ اپنے آنسوؤں کو روکتی کمال ضبط کا مظاہرہ کرتی سلیپ تھامے کھڑی تھی۔ اس کا

خوب صورت گلابی چہرہ برداشت کی شدت سے سرخ پڑ گیا۔

"بیٹا۔ یہ کیسے ہوا؟ میری بچی تکلیف تو نہیں ہو رہی۔" سراج نے اسے کرسی پر بٹھایا اور بے قراری سے پوچھا۔ اور ایمان کے پاؤں پڑنے والے آبلوں پر پھونکیں مارنے لگے۔ سبحانہ نے آگے بڑھ کر بیٹی کا سر سینے سے لگالیا۔ اسد جلدی سے ٹوتھ پیسٹ لینے بھاگا تاکہ چھالوں پر لگادے۔ پورا گھر ایمان کی تکلیف پر مچل اٹھا۔

"پاپا۔ جلنے سے زیادہ تکلیف.... مما کی باتوں کی وجہ سے ہو رہی ہے۔" ایمان نے ایک نگاہ ماں کو دیکھا پھر لب کاٹتے ہوئے شکوہ کیا۔ سبحانہ کا سر جھک گیا' اچانک سراج انوار کے سر کے پچھلے حصے میں ایسا درد اٹھا کہ برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔ انہوں نے سر پر ہاتھ رکھا۔

* * *

"میری کرسی یہاں سے کہاں گئی۔ کس نے ہٹائی ہے؟" سراج انوار سر درد کی بنا پر آفس لیٹ پہنچے۔ کیبن میں داخل ہوتے ہی ان کا موڈ مزید آف ہو گیا۔ ٹیبل کے ساتھ رکھی بیٹھنے کی کرسی غائب تھی۔

"عارف صاحب.... میری چیئر کون لے گیا؟" انہوں نے اپنے کیبن سے باہر آکر اپنے ماتحت عارف سے پوچھا' تو اس نے کاندھے اچکا کر نفی میں سر ہلا دیا۔ فائل پر جھک کر کام کرنے لگا۔ وہ ہونٹ بھینچ کر ارد گرد کا جائزہ لینے لگے۔ سب اپنی اپنی دنیا میں مگن تھے۔

"میری کسی کی نگاہ میں کوئی اہمیت ہی نہیں رہی۔" سراج انوار کو اتنے لوگوں کے بیچ میں اپنا آپ تنہا لگا تو غصہ عود آیا۔

"کوئی میری بات کا جواب دے گا یا نہیں۔ میری چیئر کہاں گئی؟" وہ ہال کے بیچ میں کھڑے ہو کر تیز لہجے میں بولے تو سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ نوید ان ہی کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے صورت حال کو فوراً ہی بھانپا اور بیل دے کر حمید چپراسی کو بلایا۔ ان کی چیئر لانے کا کہا۔

"سر۔ ہم نے تو نہیں دیکھی حمید بھائی سے پوچھیں۔" عارف نے ایک دم گھبرا کر جواب دیا۔

"حمید۔۔۔ حمید؟" وہ ایک دم دروازے کی طرف منہ کر کے گرجے' اتنی دیر میں حمید باہر سے ان کی چیئر دھکیلتا ہوا لایا' کیبن میں لے جا کر رکھ دی۔ "آپ کس کی اجازت سے اسے یہاں سے اٹھا کر لے گئے تھے؟"

سراج نے اپنے اندر کی کھولن حمید چپراسی پر انڈیلتے ہوئے انسانی فطرت کا مظاہرہ کیا۔ جس کے تحت۔ ہر شخص اپنے سے کمتر کو ہی دباتا ہے۔

"سر جی.... اس دن آپ کہہ رہے تھے کہ میز کرسی کے نیچے بہت جالے ہو گئے ہیں صاف کر دینا۔ آج آپ آئے نہیں تو میں نے سوچا۔ شاید چھٹی کا ارادہ ہے۔ بس اسی لیے...." حمید سے آگے بولا ہی نہیں گیا' گلے میں پھندا سا پڑ گیا۔ سراج انوار نے اس بوڑھے اور کمزور سے آدمی کے جھکے سر کو دیکھا تو دل مزید خراب ہونے لگا۔ حمید ایک لفظ کہے بغیر باہر جا کر بیٹھ گئے۔

سراج انوار اپنے شیشے کے بنے کیبن میں پلٹ گئے۔ سسٹم آن کیا۔ مگر دل کام کرنے پر مائل ہی نہیں ہوا۔ ساری دنیا زہر سے بھی بدتر لگ رہی تھی۔ ایمان کی اتری صورت بار بار نگاہوں میں پھر رہی تھی۔ ان کی بیٹیاں بہت معصوم تھیں۔ کبھی کسی کچھ کا شکوہ کیا نہ ہی گلہ۔ پتا نہیں قسمت میں کیا لکھا تھا۔ نوید نے کی بورڈ پر تھرکتی انگلیوں کو روکا اور سراج صاحب کے کیبن کی طرف نگاہ دوڑائی۔ کافی دیر سے منہ میں پین دبائے' ایک ہی انداز میں بیٹھے کسی خیال میں گم دکھائی دیے۔

"سر کے ساتھ لگتا ہے کوئی خاص بات ہوئی ہے ورنہ وہ اس سے پہلے تو یوں کبھی کسی پر نہیں برسے۔ بے چارے حمید بھائی کا بھی منہ اتر گیا۔" نوید کی ہلکی براؤن آنکھیں ان کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ کچھ سوچ کر۔ انٹر کام اٹھا کر کسی سے بات کی پھر چلتا ہوا ان کی میز کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

"چپکو پھر آگیا۔" سراج انوار نے اسے دیکھ کر کوفت سے سوچا۔

”سراج صاحب۔ چلیں ذرا تازہ ہوا میں چلتے ہیں۔ میں نے سر کو انفارم کر دیا ہے۔“ نوید نے ان کا ہاتھ تھاما اور زبردستی کیبن سے باہر نکل کر لفٹ کی طرف بڑھا۔

”یہ اپنی بات منوائے بغیر جان نہیں چھوڑے گا“ وہ مسکرائے۔ کسی بچے کی طرح اس کے ساتھ گھسٹتے چلے گئے۔ انہیں اس کا یہ انداز برا نہیں لگا شاید وہ خود بھی فرار چاہ رہے تھے۔

نوید کو سراج انوار ہمیشہ سے بہت اچھے لگتے تھے۔ ان میں ایک کشش تھی۔ پر اسے کبھی کبھی لگتا۔ بظاہر مکمل دکھائی دینے والے سراج انوار کی شخصیت میں کچھ کمی سی ہے۔ جیسے تصویر کا ایک حصہ گم ہو گیا ہو۔ ان سے نظریں ملانے پر تشنگی کا احساس جاگتا تھا۔

وہ دونوں آفس کی بلڈنگ سے نکلے تو سامنے پھیلے احاطے میں موجود سبزہ زار او رلہلاتے خوش رنگ پھول پودے راہ میں آ گئے۔ نوید کے اندر تازگی کا احساس جاگا۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے تھکے ہوئے دماغ کو سبزہ توانائی اور نگاہوں کو تراوٹ بخش رہا تھا۔ اس نے مڑ کر خیالوں میں کھوئے سراج انوار کو دیکھا‘ مجال ہے جو ان پر فطرت کے نظاروں نے کوئی اثر ڈالا ہو۔ ”بیٹا۔ یہ تو بڑا بگڑا ہوا کیس ہے۔ ان پر تو مایوسی کا طویل دورہ پڑا ہوا ہے۔ فوری علاج کی ضرورت ہے۔ مسرت کے کیپسول‘ پیار کی ڈرپ اور امید بھرے انجکشن لگانے سے شاید کچھ افاقہ ہو سکے۔“ نوید نے کیفے ٹیریا جا کر ایک میز سنبھالتے ہوئے مزے سے سوچا۔ وہ اپنے گھرانہ کا سب سے منفرد سوچ رکھنے والا فرد تھا۔ اسے لوگوں کی نفسیات سے بڑی دلچسپی تھی۔

”اب بتائیے۔ آخر مسئلہ کیا ہے؟“ نوید نے چائے کا گرم گرم سپ لیتے ہوئے جی کڑا کر کے پوچھا۔

”کوئی بات نہیں۔ کوئی مسئلہ نہیں۔ چیکو۔“ سراج انوار نے روکھے پن سے جواب دیا۔ ”چیکو“ انہوں نے دل میں ہی کہا۔ اور چائے کی پیالی میں جھانکنے لگے‘ جس میں انہیں ایمان کی اتری صورت دکھائی دے رہی تھی۔ آنکھیں بھر آئیں‘ گلا خشک ہونے لگا۔ اس لمحے دل اچاٹ ہو گیا۔

”ایک بات کہوں۔ باتیں شیئر کرنے سے کچھ اور ہو نہ ہو دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔“ نوید کی جانچتی نگاہوں نے سمجھ لیا کہ اندر ہی اندر کوئی لاوا پک رہا ہے۔ اسی لیے ان کی کلائی کو چھو کر ایک دم دلاسا دیا۔ وہ چونکے۔ نوید کا پیار بھرا لمس اچھا لگا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر اپنائیت کے رنگ بہت بھلے لگے یا شاید ان کو کسی کاندھے کی ضرورت تھی۔ وہ دھیرے دھیرے سب بتاتے چلے گئے۔

”ہونہہ۔ اچھا تو یہ بات ہے۔ اچھا... ایک بسکٹ کھائیں۔ یوں چائے میں ڈبو کر مزا آجائے گا۔ اس کے بعد میرے ایک سوال کا جواب دیجیے گا۔“ نوید ان کی ساری باتیں سننے کے بعد ایک دم سوچ میں پڑ گیا۔ ریلیکس ہوتے ہوئے ان کو بسکٹ تھما کر خود چائے میں ڈبو کر کھا کر دکھایا‘ وہ اس کی شرارتی اسٹائل پر بہت دنوں بعد دل کھول کر ہنسے۔ اس کی تقلید میں خود بھی چائے میں بسکٹ ڈبو کر کھانے کا مزا لینے لگے۔ غم اڑن چھو ہو گئے اور کافی بہتر محسوس ہوا۔

”ہمیں چاہیے کہ ہم۔ اللہ سے اچھی امیدیں لگائے۔ آپ کا اس بات پر تو کامل یقین ہے نا؟“ نوید نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔

”اچھا... بتائیں... کیا آپ کے غصہ کرنے سے حالات بدل جائیں گے؟“ نوید نے سوال کر کے انہیں اشارہ دیا‘ وہ عقل مند تھے۔ ایک دم شرمندہ ہو گئے۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو بیٹا... میں واقعی گناہ گار انسان ہوں‘ جو امید چھوڑ بیٹھا... ورنہ جس رب نے میری بیٹیوں کو پیدا کیا ہے‘ اس نے ہی یقیناً ”ان کا جوڑ بھی بنایا ہو گا۔“ سراج اپنا کتھارسس کرنے لگے تو فکر اور غم خود ساختہ لگے۔

”وہ رحیم و کریم ہے... اپنے بندوں کو کبھی نہیں بھولتا... ہم ہی ناقص سوچ رکھنے والے ہیں... جو بے جا مایوسی کو اپنے اوپر سوار کیے رہتے ہیں۔“ نوید نے دلاسہ دیا۔

”چیکو... اتنا برا بھی نہیں۔“ اسے بغور دیکھتے ہوئے سوچا... مزے سے ٹانگ پھیلا کر ریلیکس انداز

میں بیٹھ گئے۔ نوید کو ان کے اسٹائل پر ہنسی آگئی۔

"صحیح بات ہے... بس تمہاری آنٹی... بہت پریشان رہتی ہیں۔ کبھی بدشگونی ٹھہراتی ہیں تو کبھی رشتوں میں بندش جیسی فضول بات پر یقین کرنے لگتی ہیں۔ مجھے کسی پیر، بزرگ کے پاس جانے کا کہتی ہیں۔" انہوں نے لاچاری سے کہا۔

"سراج سر... جب تک انسان زندہ ہے، اس کے روح میں روشن امید کا دیا بجھنا نہیں چاہیے، ایک پیر بابا خود ہمارے اندر چھپا بیٹھا ہوتا ہے۔ جو ہمیں برائی سے دور لے جاکر... سچائی کے قریب کرتا ہے۔ وہ ہمارا ضمیر ہے۔ بس کبھی کبھی اپنے اندر جھانک کر اسے پہچاننے کی ضرورت ہے۔" نوید کے منہ سے الفاظ کے موتی سراج انوار کے دامن میں ٹوٹ ٹوٹ کر برسنے لگے۔ وہ اس کی ہر بات سے اتفاق کرتے چلے گئے، سینے پر دھری بھاری سلیں ایک دم سرک گئیں۔ گھٹن سے نجات ملی تو ایک زوردار سانس اپنے اندر کھینچی۔

"بیٹا... تم تو واقعی کمال ہو۔" انہوں نے پہلی بار اسے پیار سے پکارا۔ نوید سرشار ہو گیا۔

"سر جی... میں کمال نہیں... نوید علوی ہوں۔" وہ ایک دم اترا کر بولا اور گھڑی پر نگاہ دوڑائی کافی ٹائم ہو چکا تھا۔

"ویسے اتنی کم عمری میں ایسی گہری اور پختہ سوچ... حیران کن ہے۔" دونوں واپسی کے لیے اٹھنے لگے تو سراج انوار نے اسے سراہا۔

"یہ میرے دادا مرحوم کی تربیت ہے۔ وہ بہت علم والے تھے۔ میں نے کافی وقت ان کے ساتھ گزارا ہے۔ مما نے ہمیشہ بزرگوں کے سائے کو رحمت سمجھا۔ اسی لیے ان کی دادا جی سے بہت بنتی تھی۔" نوید کی نگاہیں اپنے دادا کے ذکر پر نم ہوئی۔

"چلیں۔" سراج انوار سر ہلاتے ہوئے کھڑے ہوئے تو نوید ایک دم رک کر تذبذب سے انہیں دیکھنے لگا۔

"بیٹا... کچھ اور بھی کہنا ہے؟" سراج اس کی ہچکچاہٹ بھانپ گئے۔

"سر جی... آج ذرا سوچیے گا... کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی کا دل دکھا ہو یا کوئی آپ کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا ہو بس معافی میں تاخیر معاملات کو بگاڑنے کا سبب بن سکتی ہے۔" نوید کی آواز ان کی روح تک اترتی چلی گئی، انہیں لگا ذہن پر پڑا سیاہ غلاف کسی نے نوچ ڈالا ہے، روشنی دماغ تک پہنچیں تو وہ باتیں بھی یاد آگئیں جنہیں وہ بھولے نہیں تھے مگر مصلحتاً" نظرانداز کیے جارہے تھے۔ دیر ہو چکی تھی مگر اتنی بھی نہیں کہ تلافی نہ ہو سکے۔ وہ کھل کر مسکرائے۔

"بیٹا بڑی نیک ماں کی اولاد ہو۔" سراج انوار نے ایک دم نوید کے سر پر مشفقانہ انداز میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"آپ نے سچ کہا، میری مما بہت نیک خاتون ہیں۔ انہوں نے مشکل حالات میں بھی امید کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔" وہ ان دنوں کو نہیں بھولا جب والد کی بیماری کے بعد نوکروں کی غفلت کی وجہ سے کاروبار میں ایک دم گھاٹا ہونے لگا مگر ماما کا اطمینان بھرا انداز اور یقین سے لبریز لہجہ۔ ان سب میں زندگی کی نئی لہر دوڑا گیا۔ وہ ایک دم میدان عمل میں اتر آئیں اور کاروبار کے تمام معاملات اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ آج سب کو ان کی کامیاب زندگی دکھائی دیتی ہے، ماضی کے دکھ پس منظر میں چلے گئے۔

"اب تو تمہاری فیملی سے ملنے کی خواہش پیدا ہو رہی ہے۔ واقعی تمہارا تعلق اچھے خاندان سے ہے۔" وہ بشاشت سے گویا ہوئے۔ نوید کے دل میں ایک خیال آیا۔

"یہ کوئی ایسی مشکل بات نہیں۔ کیا میں کل شام اپنی مام کے ساتھ آپ کی طرف چائے پینے آسکتا ہوں؟" نوید نے بڑی محبت سے سوال پوچھا تو ان سے منع نہیں کیا گیا۔ ایمان کا تذکرہ سن سن کر جانے کیوں... اسے دیکھنے کی خواہش من میں جاگی۔

"ہاں... کیوں... نہیں۔" سراج انوار نے جھجکتے ہوئے حامی بھری۔ اثبات میں سر ہلا کر اجازت دے دی

”یہ چیکو۔۔۔ میرا مطلب ہے نوید۔ سچ کہتا ہے‘ اچھی امیدیں‘ انسان کے زوال کو کمال تک پہنچانے میں لمحہ نہیں لگاتیں۔“ وہ شرارت سے سوچتے ہوئے اسے دیکھ کر مسکرا دیے۔

* * *

”دادا جان۔ واہ بھئی۔۔۔ واہ۔۔۔“ اسد نے دروازہ کھولا تو باپ کے ساتھ۔ انوار صاحب کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر جوش سے چلایا‘ اندر سلائی کرتی سبحانہ کے ہاتھ میں سوئی چبھ گئی۔

”اوہ۔۔۔ بابا جانی۔ آپ نے۔ یہ بہت شاندار کام کیا۔“ ایمان اور شایان بھی باپ اور دادا کے گرد پروانوں کی طرح چکرانے لگیں۔ وہ سب اتنے ایکسائیٹڈ ہو رہے تھے کہ وہیں کھڑے ہو کر سوال جواب کرنے لگے۔

”ہاں۔۔۔ بچے۔۔۔ دیر آید درست آید۔“ سراج انوار بھی شوخ ہوئے۔

”بیٹا! کیا بات ہے۔۔۔ بہو ملنے نہیں آئیں؟“ انوار صاحب نے تھوڑی دیر انتظار کیا پھر بے چینی سے پوچھا۔ سراج بیوی کی حرکت پر باپ کے سامنے شرمندہ ہونے لگے۔

”شاید مما اندر کہیں بزی ہیں۔“ شایان نے دادا کا دل رکھنے کے لیے بہانہ گھڑا۔

”اتنے سال گزرنے کے باوجود سبحانہ میں تبدیلی نہیں آئی۔ ہم اسی لیے معراج کے گھر سے یہاں آنے کو منع کر رہے تھے۔ چلو ایک دو دن بچوں کے ساتھ رہ لیں۔ پھر ہمیں چھوڑ آنا۔“ انوار صاحب پھیکی سی مسکراہٹ چہرے پر سجائے‘ دکھ سے بولے۔ ہاتھ میں تھامی ہوئی چھڑی پھسلی۔ ایک دم لڑکھڑائے۔ اسد نے آگے بڑھ کر انہیں سہارا دیا۔ دوسری طرف سے سراج نے باپ کو تھام کر جلدی سے نرم صوفے پر بٹھا دیا۔

”نہیں۔۔۔ بابا۔۔۔ اتنے سال میں اس عورت کی ضد کی خاطر آپ سے دور رہا‘ اب مزید نہیں۔ چھوٹے نے اپنا فرض خوب نبھایا۔ اب کچھ ثواب مجھے بھی سمیٹنے دیں۔ میں پہلے ہی بہت گناہ گار ہو چکا ہوں۔ اس لیے آپ نے جانے کی بات کی تو اپنا سامان ساتھ ہی باندھ لوں گا۔“ ان کی زوردار آواز میں دی گئی دھمکی گھر بھر میں گونج اٹھی‘ سبحانہ کے کانوں تک پہنچی تو وہ شوہر کا فیصلہ سن کر گھبرا گئیں۔ ایمان دادا کی خاطر تواضع کے لیے کچن کی طرف چل دی۔

”نہیں بیٹا۔ ایسی باتیں نہ کرو۔ ہم نہیں چاہتے کہ بلاوجہ تمہارے گھر کا ماحول ایک بار پھر خراب ہو جائے۔“ انہوں نے دبی زبان میں بیٹے کو سمجھاتے ہوئے‘ ہر طرف ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ اپنے بڑے بیٹے کے گھر میں انہوں نے بہت کم عرصہ گزارا تھا۔

سبحانہ کو شروع سے اپنی پرائیوسی میں کسی کی دخل اندازی پسند نہ تھی۔ انوار صاحب بہت خودار تھے۔ بیوی کے انتقال کے بعد جلد ہی اپنے چھوٹے والے معراج کی شادی بھانجی سے کر دی اور دل پر پتھر رکھ کر ہمیشہ کے لیے اس کے گھر شفٹ ہو گئے۔ وہاں بہت آرام تھا مگر جب بھی سراج کی یاد آتی تو من میں ایک کسک سی جاگ اٹھتی۔

”بابا! پہلے بچے چھوٹے تھے تو میں ان کی وجہ سے مجبور ہو جاتا تھا‘ مگر اب وقت بدل گیا ہے۔ چاہے سبحانہ آپ کی خدمت نہ کرے۔ پر مجھے اب یہ اطمینان رہے گا کہ میرے تینوں بچے مل کر اپنے دادا کا خیال رکھ سکتے ہیں۔“ سراج نے ہاتھ اٹھا کر فیصلہ سنایا اور اسد کو سامان اندر لے جانے کا اشارہ دیا۔

”اللہ تم کو اپنی رحمتوں کے سائے میں رکھے۔“ انوار صاحب کی عمر بھر کی تھکن جیسے مٹ گئی۔ سب کے جانے کے بعد انہوں نے بیٹے کو گلے لگا کر دعا دی۔

”بابا۔۔۔ میری بیٹیوں کے حق میں بھی دعا کریں۔ شاید میرے گناہوں کی سزا ہے جو انہیں یہ سب بھگتنا پڑ رہا ہے۔“ وہ باپ کا ہاتھ تھام کر آنسو بہانے لگے۔ ویسے ہی جیسے بچپن میں چوٹ لگنے پر بابا سے لپٹ کر روتے تھے۔

”میرے بچے اللہ نے ہر کام کا ایک وقت مقرر کر

رکھا ہے۔ مایوسی کفر ہے، رب کائنات سے اچھی امیدیں وابستہ رکھو۔ مراد پوری ہونے میں دیر سہی مگر اندھیر نہیں ہوگی۔" انہوں نے بیٹے کو ایک بار پھر سینے سے لگا کر دلاسہ دیا۔

* * *

سیٹ پر بیٹھ کر سراج انوار نے کمپیوٹر آن کیا۔ مختلف لیبارٹریوں سے بھیجی گئی ای میل کو چیک کرنے لگے، حمید سب کی میز پر چائے کا کپ رکھتے ہوئے ان کی طرف بھی آئے اور خاموشی سے کپ کونے پر ٹکا کر جانے لگے، سراج انوار کے لبوں کو مسکراہٹ چھوگئی۔

"حمید بھائی۔ ذرا ادھر آئیے گا۔" سراج نے تھوڑا جھک کر سائیڈ کارنر سے ایک شاپر نکالا اور انہیں پکارا۔

"جی صاحب۔" وہ کچھ ہراساں سے ہوگئے۔ سراج انوار کے دل میں ملال سا جاگا۔

"یہ... میں آپ کی پسندیدہ دال کچوری لایا ہوں۔" انہوں نے حمید چپراسی کی طرف شاپر بڑھایا جو ناراض ناراض سے دکھائی دے رہے تھے۔

"صاحب... یہ تکلف کیوں کیا؟" حمید کے لہجے میں ایک دم کھنک سی آگئی، مسکراتے ہوئے تکلف سے کام لینے کی کوشش بھی کی۔

"تکلف کیسا... آپ ہم سب کا اتنا خیال رکھتے ہیں۔ کچوریاں گرماگرم بن رہی تھیں۔ بس مجھے بھی آپ خیال آگیا۔" سراج انوار نے انہیں سر اٹھا کر دیکھا۔

"صاحب... بہت شکریہ۔ ہماری... بٹیا کیسی ہیں؟ دعائیں دیجیے گا۔" سراج انوار کے چھوٹے سے عمل سے حمید چپراسی کی آنکھوں میں جگنو چمکنے لگے۔ وہ دعائیں دیتے کاندھے پر پڑے کپڑے سے ان کی میز صاف کرنے لگے۔

"حمید بھائی... ایک بات اور..." وہ خالی کپ اٹھا کر جانے لگے تو سراج انوار نے پیچھے سے آواز لگائی۔

"جی... صاحب" وہ ایک لمحہ ٹھٹکے اور مڑ کر انہیں سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"اس میں آپ کے پسندیدہ پانوں کا بنڈل ہے۔" سراج انوار نے بچوں کی شوخی سے انہیں بتایا تو ایک دم شرما کر سر ہلاتے ہوئے چل دیے۔ سراج کو چپراسی حمید کی پان کھانے کی عادت اور اس میں شامل تمباکو زردے کی مہک سے چڑ تھی۔ وہ اکثر ان کو آتے جاتے پیک مارتا دیکھ کر ٹوکتے، مگر آج جانے کیا ہوا خود ہی پان کی دکان سے بنڈل خرید لیا۔

* * *

"دادا جی۔ میں نے وضو کا پانی گرم کردیا ہے۔" ایمان نے مسکرا کر دادا کو بتایا۔ اس کے چہرے پر بڑی پیاری مسکان پھیلی ہوئی تھی۔

"میرا بچہ... خوش رہو۔ بڑی خدمت کرتی ہو۔ اللہ... تمہارے نصیب کھولے۔" انوار احمد نے دعا دی اور پوتی کا سہارا لے کر کھڑے ہو کر بالوں پر بوسہ دیا۔ ایمان خوش ہوگئی۔ ان کے ساتھ اندر چل دی۔ سراج نے انہیں دیکھا۔ طمانیت بھرا سانس لے کر شکر ادا کیا۔

"سنیں... وہ جو نوید کی فیملی ایمان کو دیکھنے آئی تھی... کیا انہوں نے کوئی جواب دیا؟" سبحانہ نے شوہر کو جوس کا گلاس پکڑاتے ہوئے عجلت میں پوچھا۔

"نہیں... ابھی تک تو کوئی جواب نہیں دیا۔" سراج نے انکار میں سر ہلا دیا۔ سبحانہ کے چہرے پر ناامیدی سی چھاگئی۔

"کتنے اچھے لوگ ہیں... لڑکا بھی لاکھوں میں ایک... کاش انہیں ایمان پسند آجاتی۔ وہ بھی دوسروں کی طرح نکلے۔ ایک مہینہ گزر گیا مگر کوئی جواب ہی نہیں دیا۔ انکار ہی کردیتے کم از کم آس تو ٹوٹ جاتی۔" سبحانہ نے شوہر کی جانب دیکھ کر دکھ سے کہا۔ سراج انوار بھی اس معاملے میں ان کے ساتھ تھے۔

"مجھے بھی نوید... ایمان کے لیے بہت مناسب لگا... پر کسی کے ساتھ زور زبردستی نہیں کرسکتے نا ان کی مرضی تم پریشان مت ہو اوپر والا ہمارے ساتھ ہے۔" سراج نے بیوی کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے آسمان کی

جانب اشارہ کیا اور تسلی دی۔

نوید کی فیملی سے مل کر وہ سب بہت مطمئن ہو گئے تھے مگر جب اس دن کے بعد سے وہاں سے کوئی جواب نہیں آیا تو سراج نے بھی خاموشی اختیار کرلی۔ آفس میں ان کی سوالیہ نگاہیں بارہا نوید سے ٹکراتیں مگر کوئی حوصلہ افزا جواب نہ پاکر انہوں نے بھی منہ سے ایک لفظ نہیں نکالا۔ بیٹی اتنی بھی بھاری نہیں تھی۔ نوید کے بھی نرالے انداز۔ زمانے بھر کی باتیں کرتا مگر مجال ہے جو ایمان کے رشتے کے حوالے سے اقرار یا انکار کرے۔

"کیا کروں... میری تو نیندیں اڑ گئی ہیں لوگوں کی معمولی صورت والی لڑکیاں بیاہی جارہی ہیں ہماری تو دونوں بیٹیاں کتنی خوب صورت ہیں۔" قسمت کے پھیرے سرخ بالوں والی خاتون کی یاد ابھری۔ وہ بھی تو اس دن ایسے ہی اپنے نصیب سے نالاں دوسروں کو بھلا برا کہنے میں مصروف تھے۔

"ایک بات کہوں سجانہ... دوسروں کی خوشیوں میں خوش ہونے والے لوگوں پر ہی اللہ کی رحمت برستی ہے، حسد و رشک میں مبتلا رہنے سے سوائے دکھوں کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ وہ ساری بچیاں بھی پیاری ہیں۔ ان کی خوشیوں کے صدقے میں رب کائنات ہماری ایمان اور شایان کا نصیب بھی کھولے گے۔ تم دوسروں کے بارے میں سوچنے کا انداز بدل ڈالو۔ یقین رکھو... ہماری کلفتیں دور ہو جائیں گی۔" سراج انوار نے بہت سنجیدگی سے اہلیہ کو باآور کرایا تو وہ تھوڑی شرمندہ ہو کر سوچ میں پڑ گئیں۔

* * *

"سنیں... مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔" نوید نے ایمان کے قریب جاکر کہا وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی خوشبو کا ایک جھونکا اس کے اردگرد پھیل گیا۔ ایمان آج بہت دنوں بعد یونیورسٹی آئی تھی۔ ابھی ہسٹری کی کلاس شروع ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔ تو وہ وقت گزاری کے لیے گارڈن کی بنچ پر بیٹھ گئی۔

خواتین کے لیے خوبصورت تحفہ

خواتین کا گھریلو انسائیکلوپیڈیا
کا نیا ایڈیشن قیمت -/750 روپے
کے ساتھ کھانا پکانے کی کتاب
کھانا خزانہ
قیمت -/250 روپے بالکل مفت حاصل کریں۔
آج ہی -/800 روپے کا منی آڈر ارسال فرمائیں۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف
سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

اک موسم دل کی بستی کا
رفعت ناہید سجاد
قیمت -/300 روپے

اُجالوں کی بستی میں

فاخرہ جبیں
قیمت -/400 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

"آپ... یہاں... میرا... مطلب... ہے۔" ایمان کے سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنے سامنے کھڑے اس خوبرو لڑکے سے کیا کہے۔ جو پچھلے مہینے اپنی فیملی کے ساتھ ان کے گھر آیا تھا۔

"اگر میں آپ سے شادی کرنا چاہوں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔" وہ بڑی دلکش مسکراہٹ سے اسے دیکھنے لگا، جس کا چہرہ نرم گرم دھوپ میں چمچما رہا تھا۔ نوید کا دل چاہا اسے دیکھتا رہے تاعمر اس کے حسن کی بارش میں اپنا تن من بھگوتا رہے، مگر احترام لازم تھا اس لیے سر جھکا کر جوتوں سے زمین کی نرم مٹی کریدنے لگا۔

"وہ... میں سمجھی نہیں۔" ایمان ایسی انوکھی صورت حال پر کپکپا اٹھی۔ لرزتے ہاتھوں سے نیم کا درخت تھاما، وہ دونوں جس کے نیچے کھڑے محو گفتگو تھے۔

"دیکھیں... ہمیشہ۔ لڑکوں کی پسند و ناپسند کو اہمیت دی جاتی ہے۔ مگر میں آپ سے پوچھنا چاہ رہا ہوں۔ اگر تاعمر مجھ جیسے ہینڈسم بندے کی رفاقت قبول ہو تو... میں سراج انکل تک اپنی مما کا پیغام پہنچادوں۔" وہ سنجیدہ بات کو ہلکے پھلکے انداز میں کرتا ہوا۔ ایمان کے دل میں اتر گیا۔ وہ بغیر جواب دیے شرمائی ہوئی جانے کے لیے کھڑی ہوگئی۔

"اچھا... ٹھیک ہے... تو میں اچھا نہیں لگا۔ چلیں... کوئی بات نہیں مما کو انکار کردیتا ہوں۔" وہ پکا منہ بنا کر بولا تو ایمان ایک دم گھبرا کر مڑی۔ کوئی بے وقوف لڑکی ہوگی جو نوید جیسے شخص کا ہاتھ تھامنے سے انکار کرے گی۔ وہ اتنی بھی بے وقوف نہیں تھی۔

"نہیں... میں... نے کب انکار کیا۔" وہ ایک دم روانی میں بول بیٹھی۔ پھر ایک دم جھینپ گئی۔

"اچھا... تو اقرار کیا ہے... مادام... کا شکریہ... کچھ باتیں بعد کے لیے رکھ دیتے ہیں۔" وہ دل پر ہاتھ رکھ کر ہلکا سا جھکا اور ہاتھ ہلاتا ہوا وہاں سے چل دیا۔ ایمان ایک ٹک اسے جاتا دیکھنے لگی۔

* * *

"سراج صاحب... آیئے ذرا مزے دار سی کافی پینے چلتے ہیں۔" لنچ ٹائم میں نوید ان کے پاس آیا اور معنی خیز انداز میں بولا۔ وہ بغیر حیل و حجت کے ساتھ چل دیے۔

"نوید بیٹا... گھر میں سب خیریت ہے؟" انہوں نے جھاگ والی مزے دار کافی کا سپ لیتے ہوئے خود ہی بات نکالی۔

"جی... اللہ کا شکر ہے... سب سے پہلے تو معذرت کہ اتنا ٹائم گزر گیا اور میں نے اس سلسلے میں آپ کو کوئی معقول جواب نہیں دیا۔" نوید نے شرمندگی سے کہا۔

"ارے نہیں رشتے ناطے تو نصیبوں کی بات ہے۔ اس میں کسی سے کیا شکوہ، اگر ایمان تمہاری مما کو پسند نہیں آئی تو کوئی بات نہیں شاید یہ ہی اس کے حق میں بہتر ہوگا۔" سراج انوار کے وجود پر پھیلا اطمینان دیکھ کر نوید مسکرا دیا۔ ان کی شخصیت کی کمی آج پوری ہوگئی، وہ ایک مکمل اور مضبوط انسان دکھائی دے رہے تھے۔ بالکل... اسی طرح کے جیسا نوید انہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

"یہ ہی تو مسئلہ ہے کہ... ایمان ماما کو تھوڑی نہیں... بہت زیادہ پسند آگئی ہے۔" اس نے سسپنس قائم کیا اور رغبت سے برگر کھانے لگا۔

"سوری... انکل... اب تو انکل کہہ سکتا ہوں نا۔" اس نے شرارتی انداز اپنایا۔

"ہاں... کیوں نہیں۔" سراج انوار نے پہلو بدلا اور سر ہلا کر اجازت دی۔

"ان لوگوں کا کل آپ کے گھر باقاعدہ رشتہ لے کر آنے کا ارادہ ہے... اب تک ماما... سبحانہ آنٹی کو کال بھی کرچکی ہوں گی۔" وہ کھل کر مسکرا دیا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ پر تم مجھے پہلے ہی بتا دیتے تو کوئی حرج نہیں تھا۔" سراج انوار کا خوشی کو کوئی عالم نہیں تھا، انہوں ہلکا سا شکوہ کرنا ضروری سمجھا۔

"مما... نے جب تک کنفرم نہیں کیا... میں نے آپ سے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا... اب جب کہ وہ خود آنا چاہ رہی ہیں تو... بتا دیا۔" نوید نے متانت سے

کہا تو وہ فخریہ اسے دیکھنے لگے آخر وہ ان کا ہونے والا داماد جو ٹھہرا۔

سراج انوار کا دل چل کر نہیں اڑ کر گھر پہنچنے کو بے تاب ہوا۔ وہ مسکراتے ہوئے نارمل انداز میں چل پڑے۔ اپنا بھرم جو قائم رکھنا تھا۔ خوشی خوشی گھر میں داخل ہوئے تو اہل خانہ کے چہرے پر پھیلی چمک اور تازگی نے انہیں بتادیا کہ نوید کی ماما کا فون آچکا ہے۔

”بے درد لمحوں کی کڑواہٹ میں امید کی چاشنی ہی زندہ رہنے کی وجہ بنتی ہے۔“ سراج انوار نے جس نوجوان سے زندگی کا یہ مثبت فلسفہ سیکھا وہ اب ان کے خاندان میں داماد کی حیثیت سے شامل ہونے جارہا تھا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے راستے سے خریدا ہوا گلاب جامن کا ڈبا بابا کے ہاتھ میں پکڑایا۔ جن کی دعاؤں سے یہ خاندان اپنے مرکز کی طرف لوٹ آیا۔

* * *

”جان۔۔۔ یوں تم میری زندگی میں بہار بن کر آئیں۔۔۔“ نوید نے گاڑی ایمان کے میکے کے دروازے پر روکتے ہوئے کہانی مکمل کی۔

”اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ نے پاپا کی وجہ سے مجھ سے شادی کی۔۔۔ میری لیے آپ کے دل میں کوئی جذبہ نہیں تھا۔“ ایمان نے یہاں عورتوں والی الٹی مت کا استعمال کیا۔

”اوہ پاگل خانی۔۔۔ کیا یہ ہماری لو میرج تھی۔۔۔؟“ نوید نے حقیقتاً“ اپنا ماتھا پیٹا اور خوب ہنسا۔ ایمان کا پیارا سا منہ مزید لٹک گیا۔ بچے دوران سفر سو چکے تھے، اسی لیے گاڑی میں سکون تھا۔

”نہیں۔۔۔ تو۔“ ایمان نے ہونٹ لٹکا کر بچوں کی طرح کہا تو نوید کا دل اس کی جانب ہمکا۔

”ویسے ایمی جان۔۔۔ ایک سچائی سے پردہ اٹھاؤں۔۔۔ تمہیں دیکھتے ہی پہلی نظر کی محبت کا شکار ہوگیا تھا۔ جب ہی تو یقین دہانی حاصل کرنے یونیورسٹی آیا تھا۔ سارا کام پکے طریقے سے کرنا چاہتا تھا۔ تم انکار کردیتی تو۔۔۔ میں تو ہیں کا نہ رہتا۔۔۔ نا۔“ نوید نے جذب کے عالم میں بولتے ہوئے اس کے گھنے بال پیار سے بکھیر دیے۔

”آپ سچ مچ مجھ سے پیار کرتے ہیں؟“ ایمان نے معصومیت سے دوبارہ یقین دہانی چاہی۔ کئی بار اس کے منہ سے پیار بھرا اقرار سن کر بھی اس سے یہ ایک ہی سوال پوچھے جاتی۔۔۔ من کو شانتی ملتی تھی، حالانکہ اس کی محبت لٹاتی نگاہیں حال کہنے سے گریزاں نہ تھیں۔

”ہاں۔۔۔ جان۔ بالکل سچ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں سراج انکل کی پریشانی دیکھ کر ماما کو تمہارے گھر لے کر آیا۔۔۔ مگر جب تمہیں دیکھا تو وہیں دل ہار بیٹھا۔ مما اس دوران اور لڑکیوں کو بھی دیکھ رہی تھی، مگر میں اڑ گیا شادی کروں گا تو ایمان سے ورنہ نہیں۔۔۔ اسی کشمکش میں پورا مہینہ نکل گیا، مگر آخر میری بات مانی گئی۔“ نوید نے شوخی سے بتایا۔

”ایسے ہی بنا رہے ہیں۔“ وہ مصنوعی منہ بنا کر کہنے لگی تو نوید نے جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”سنو۔۔۔ جان۔۔۔ تمہیں احساس نہیں کہ تمہارے ساتھ زندگی گزارنا۔ میری محبت کی معراج ہے۔۔۔ کیوں کہ۔۔۔ ”میں“۔۔۔ اور۔۔۔ ”تم“۔۔۔ ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہیں۔“ نوید نے اس کا ہاتھ تھام کر پیار سے کہا تو وہ کھلکھلاتی ہوئی ہاتھ چھڑا کر بچوں کو اٹھانے لگی۔

* *

تم اپنی سی لگتی ہو
فرحت اشتیاق
قیمت -/300 روپے

ناولٹ

نازیہ جمال

وے ڈھول سانول

"پلیز اماں! مان جاؤ نا!"

انتہائی لجاجت سے کہتے ہوئے اس نے صغریٰ کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ دیے۔

"ہاں تو میں کب منع کر رہی ہوں۔ لے لے دو ہزار کا لینن کا جوڑا۔ اگلے ماہ کمیٹی نکلنے والی ہے۔ ادھار چکا دوں گی۔" دال صاف کرتے ہوئے صغریٰ نے مصروف انداز میں جواب دیا۔

"اماں! زیادہ بن مت' تو اچھی طرح جانتی ہے' میں جوڑے کی بات نہیں کر رہی۔" اب کے وہ ضبط کرتے ہوئے بولی تھی۔

"اوہ اچھا! تو بال کٹوانے کا کہہ رہی تھی۔ ہے تو اپنی مرضی کی مالک' مگر مجھے تیرے لمبے ریشمی بال زیادہ پسند ہیں۔" صغریٰ کا انداز ہنوز تھا۔ دال صاف کرنے کے بعد وہ پیاز چھیلنے لگی۔

اماں! تو اچھی طرح جانتی ہے۔ میں جوڑے لینے اور بال کٹوانے کی بات نہیں کر رہی۔" اب کے وہ ذرا بلند آواز میں بولی۔ ماں کے مسلسل تجاہل عارفانہ نے اسے تپا کے رکھ دیا تھا۔

"جوڑا خریدنے یا بال کٹوانے کے لیے میں نے پہلے کبھی تیرے ترلے کیے ہیں. جواب کروں گی؟"

"اور تو میرا جواب اچھی طرح جانتی ہے۔ کبھی نہیں مر کر بھی نہیں۔" اب کے صغریٰ نے سیدھا سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھا اور صاف اور دو ٹوک انداز میں بولی۔

"مگر کیوں اماں! تو کیوں بالک ہٹ پہ اڑی ہوئی ہے۔ میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی چھین کر تجھے کون سا سکون مل جائے گا۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔ سرمئی نین کٹورے لبالب نمکین پانیوں سے بھر گئے' پیاز اتنے کڑوے تو نہ تھے۔

"کملی بالکی تو تو ہے۔ میں تیری ماں ہوں۔ پانچ بچے جنے ہیں میں نے' لوگ کپڑا لتا خریدتے وقت سو وارئی جانچ پرکھ کرتے ہیں اور میں ایسے ہیرے ورگی بٹی کوڑیوں کے مول دے دوں۔" صغریٰ نے سالن کے لیے تیار شدہ چیزیں اوپن ایئر کچن میں رکھنا شروع کر دی تھیں۔ سہ پہر نے شام کا چولا پہنا تو سائے مشرق کی طرف سے لمبے ہوتے جا رہے تھے۔

"کوڑیوں کے مول؟" نورینہ کو دھچکا لگا تھا ماں کی بات سن کر۔

"اماں! سوچ سمجھ کے تو بات کر۔ فیروز میں کس چیز کی کمی ہے' پڑھا لکھا' سمجھ دار اور برسر روزگار۔" اسے حقیقتاً" ماں کی بات سے صدمہ پہنچا تھا۔

"اور یہ پڑھا لکھا' سمجھ دار اور برسر روزگار فیروز رہتا کہاں ہے؟" خشک لکڑیاں توڑ توڑ کر چولہے میں رکھتے ہوئے صغریٰ ترخ کر بولی تھی۔ بے حد جارحانہ انداز میں سلگتی لکڑیوں کو پھونکیں مارنے لگی۔

"زمین پہ رہتا ہے اور کہاں رہنا ہے اس نے' جیسے ہم سب رہتے ہیں۔" نورینہ نے سادگی سے کہا تو صغریٰ کا جی چاہا کہ آگے بڑھ کر اسے ایک تھپڑ رسید کر دے. جو بلاوجہ اس کا دماغ خراب کیے جا رہی تھی۔

"نہیں وہ چک تینتری میں رہتا ہے جہاں صرف ایک کچی پکی سڑک جاتی ہے' جہاں کے تالابوں کا پانی انسان اور جانور ایک ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ ایک

کمرے کا دواخانہ جہاں پہ صرف سردرد اور مروڑ کی ٹکیاں اور زرد سرخ کڑوا محلول ملتا ہے۔" صغری کا انداز سراسر جتانے اور اسے یاددلانے والا تھا۔

"اچھاوہ چک تینتری میں رہتا ہے اور جیسے میں تو یہاں گلبرگ یا ڈیفنس میں رہتی ہوں نا!" نہ چاہتے ہوئے بھی نورینہ کا لہجہ طنزیہ ہو گیا تھا۔

"ساری زندگی آدھ کنال کے کچے پکے گھر میں گزار دی۔ شکر سے کھایا' پہنا' برتا اور آگے زندگی کے لیے محل حویلیوں کے خواب ہونہہ۔" اس نے سر جھٹکا۔

"السلام علیکم! کیا ہو رہا ہے؟" ایک بھرپور تازہ دم آواز پہ وہ دونوں متوجہ ہوئیں۔ سامنے شاہدہ کھڑی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں سالن کی کٹوری تھی۔

"ہماری اماں! پالک کا ہفتہ منا رہی ہیں امید کرتی ہوں آپ کی ہانڈی مجھے مایوس نہیں کرے گی۔" شگفتگی سے کہتے ہوئے شاہدہ پیڑھی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

Copyrighted material

"ہاں بچی! دال قیمہ بنا رہی ہوں۔ ذرا اس عقل کی بیری کو بھی سمجھاؤ' ماں تو اسے دشمن لگ رہی ہے' اپنی خوشیوں کی قاتل۔" صغریٰ تھکے ہارے انداز میں بولی۔

"ہائے نوری! تو ابھی تک اسی کملے پن میں ڈوبی ہوئی ہے؟" شاہدہ نے بے حد تعجب سے اسے یوں آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تھا جیسے اس کے چہرے سے اس کی ذہنی حالت کا اندازہ لگانا چاہ رہی ہو۔

"نہ تو میں چلتی ریل کے آگے لیٹ رہی ہوں اور نہ ہی کنویں میں چھلانگ لگا رہی ہوں جو تمہیں اتنی حیرت ہو رہی ہے۔" وہ رونے کی وجہ سے سرخی کی آمیزش لیے سرخ چہرے کے ساتھ ازحد خفگی سے بولی۔

"سراسر تہذیب و تعلیم سے کوسوں دور' بنیادی سہولتوں سے محروم' انتہائی پسماندہ گاؤں میں تاحیات رہنا میرے نزدیک خودکشی ہرگز نہیں مگر زندگی کو کٹھن بنانا ضروری ہے۔" شاہدہ صاف گوئی سے بولی۔

دو کنال کا اتنا بڑا گھر' واحد بالن گوبر کے اپلے' جگہ جگہ مرغیوں کی بیٹ' دھول مٹی۔ تم وہاں کیسے ساری زندگی رہ پاؤ گی نوری!" انتہائی دلسوزی سے بولتے ہوئے شاہدہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"مگر تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ اس دو کنال کے' گندگی سے اٹے' سہولیات تو کیا ضروریات سے محروم گھر میں فیروز بستا ہے۔ فیروز۔۔۔ جو میرے گلستان دل کا مالی ہے۔ جس کے سوا میں کسی اور کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ شعور کی سیڑھی پہ پاؤں رکھتے ہی میرے دل نے اس کے نام کی تسبیح پڑھنا شروع کر دی تھی' وہ چاہے چک تینتری میں رہے یا کسی پہاڑ کی کھوہ میں' میں نے زندگی اسی کے ساتھ بتانی ہے اور بس۔"

وہ شاہدہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے انتہائی مضبوط اور اٹل لہجے میں بولی۔

کچن کے زرد بلب اور آگ کے لہراتے شعلوں کی روشنی میں شاہدہ اس کے چہرے کو دیکھتی رہی' جس پہ اس کے کہے الفاظ کی صداقت صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"بجلی نہیں ہے' پانی نہیں ہے' جیسے یہاں تو ہر وقت چوبیس گھنٹے بجلی موجود رہتی ہے۔ ابھی کل ہی طاہر مسجد کے "بور" سے پانی بھر آیا وضو کے لیے منہ میں ڈالا تو مانو جیسے زہر کا گھونٹ بھر لیا ہو' یہاں تو شربت زلال پیا جا رہا ہو اور اعتراض تالابوں کے پانی پر۔" شاہدہ پہلے تو توجہ سے اسے تیز تیز بولتے دیکھتی رہی پھر اس کے خاموش ہونے پہ ہنستی چلی گئی۔

"توبہ ہے نوری! محبت انسان کو اتنا بدتمیز اور بے لحاظ بنا دیتی ہے۔ میں پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔"

"یار تم نے اور اماں نے مجھے گاؤں گاؤں کر کے نفسیاتی طور پر اتنا پریشرائز کر دیا ہے کہ میں فوراً" ادب آداب بھول بیٹھتی ہوں۔" وہ قدرے خفیف ہو کر بولی۔

"ہائے تم وہاں کیسے رہو گی؟ بابا ویسے رہوں گی جیسے چاچا امین کی فیملی برسوں سے رہتی آ رہی ہے۔"

شاہدہ نے مصنوعی تاسف زدہ سانس کھینچی۔

"خالہ! تیری بیٹی کا کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ اب سمجھنے سمجھانے کی حدود سے نکل چکی ہے۔ بہتر ہے کہ اب کی بار چاچی ممتاز آئے تو اسے ہاں کہہ دے۔"

کھانا تقریباً" تیار ہو چکا تھا۔ شازمینہ اور دوسرے بچے چولہے کے گرد گھیرا باندھ کر بیٹھ گئے۔

"ہاں بچی! اس نے ماں کو اسی ڈھٹائی سے چپ کروا دیا ہے تو کس کھیت کی مولی ہے۔" صغریٰ نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کٹوریوں میں سالن ڈالنا شروع کر دیا۔

"ہماری جیٹھانی صاحبہ خوب پھل' سبزیاں' مرونڈے اور مٹھائی سے لدی پھندی تاریخ مانگنے چلی آئیں۔ جیسے ان ساری چیزوں سے میں متاثر ہو جاؤں گی۔ میں نے سات توے مانگ لیے۔ جسم سے جان تو نکل کے رہ گئی ہو گی۔ اب آئیں تو پتا چلے۔" صغریٰ لطف لینے والے انداز میں بولی۔

"اماں! تو زیادتی کر رہی ہے۔ اتنا سونا وہ کیسے چڑھا

سکتی ہیں ایک ہی تو فیروز کمانے والا ہے۔ اتنا بوجھ تو نہ ڈال ان پر۔" وہ جیسے منت کرتے ہوئے بولی۔ ماں کا مطالبہ اسے سراسر ظالمانہ ہی لگا تھا۔

"تو چپ کر۔ بڑی آئی ماں کو صلاح دینے والی۔" صغری جھڑک کر بولی۔

"بقول تیرے کہ فیروز بھی تیرے عشق میں گوڈے گوڈے ڈوبا ہوا ہے تو سات کیا دس کے بھی زیور بنوا سکتا ہے۔ ساتھ رحیم نائی نے بھی اپنی بہو کو آٹھ تولے کے زیور چڑھائے ہیں۔"

وہ لب بھینچے ماں کو بولتے دیکھتی رہی۔ صغری کا ایک ایک لفظ اس کے دل کو ڈبوئے جا رہا تھا۔

"اتنی منگائی ہے۔ یہ شادی تو نہ ہوئی، کوئی سودا ہو گیا۔ تو ایسی مادیت پرست اور زر اندوزانہ خواہش کیوں رکھ رہی ہے۔" مدھم سی آواز میں بولتے ہوئے اس نے روٹی کا نوالہ توڑا اور بے دلی سے منہ میں منتقل کیا تھا۔ شاہدہ سالن تبدیل کروا کر جا چکی تھی۔

"نہ صرف سات تولے سونا بلکہ بری بھی شان دار ہونی چاہیے۔ میں نے بھابھی جی کو صاف جتا دیا، گاؤں میں پھیری لگانے والوں سے میری بیٹی کا ایک جوڑا تک نہیں لینا۔ سب کچھ شہر سے خریدا ہوا ہو۔ ایک دم بڑھیا اور خوب صورت۔" صغری نے اپنے مطالبات پہ ڈٹی ہوئی تھی۔

"ہائے اماں! اتنی کٹھور اور بے مہر نہ بن۔" وہ جیسے کراہ اٹھی تھی۔

✡ ✡ ✡

"اچھا اور بہترین کپڑا؟"

سیلز مین نے فیروز کے الفاظ دہرائے پھر تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دینے کے بعد ڈھیروں جوڑے صائمہ اور تبسم کے آگے پھیلا دیے۔ خوب صورت، نفیس، مہین ملبوسات، مگر دونوں بہنوں کو کچھ نہ پسند آیا "یہ ایسے پھیکے، لسے رنگوں والے کپڑے ہم بھائی کی شادی پر پہنتی اچھی لگیں گی؟" صائمہ منہ بنا کر بولی۔

"تو اور کیا؟ پنڈ والے کیا کہیں گے کہ ملتان سے ایسی شاپنگ کر آئی ہیں۔ نہ رنگ نظر کو بھلا لگ رہا ہے نہ کام دل کو۔" تبسم کلاتھ شاپ پہ ناقدانہ نظر ڈالتے ہوئے بولی۔

"جلدی سے کپڑے پسند کرو اور بھی بہت کچھ خریدنا ہے۔" فیروز بہنوں سے مخاطب ہوا۔ نور بہ کے لیے اس نے عین اس کی پسند کے مطابق خریداری کی تھی بوتیک کے ڈیزائنر جوڑے۔ بے حد نفیس اور دلکش کڑھت سے سجے۔

"کیسے پسند کر لیں۔ دکان کپڑوں سے بھری ہوئی ہے، مگر ایک بھی کپڑا دل کو نہیں لگ رہا۔ وے بھرا! تو ہمیں ایسے کپڑے دکھا نا جنہیں۔ پہن کر لگے کہ ہم دلہے کی بہنیں ہیں نا کہ دور پرے کی سگیاں۔"

تبسم اب کے سیدھے سیدھے سیلز مین سے مخاطب ہوئی تو اس نے نگاہ بھر کر دیکھا اور ان کے سامنے "مطلوبہ" مال ڈھیر کر دیا۔

دونوں کے چہرے ایک دم کھل اٹھے تھے۔ گہرے شوخ رنگوں والے بھڑکیلے کپڑے، جن پہ سیروں کے حساب سے موتی ستارے اور نگ تھپے ہوئے تھے۔ بے حد بوجھل اور کامدار اپنے ذوق و پسند کے عین مطابق سرخ، زرد، نارنجی جوڑے شاپ کے قد آدم آئینوں میں ساتھ لگا کے دیکھے تو کپڑوں کی چمک، دمک اور بھاری پن نے ان کے اندر ہیجان پیدا کر دیا تھا۔

خوامخواہ اتنا ٹائم ضائع کیا کام کی چیز تو بعد میں دکھائی۔" دونوں بے حد مسرور تھیں۔ بل کی ادائیگی کے وقت ممتاز دوکان دار سے الجھ پڑی۔

"ناں پتر! تو نے تو کہا تھا کہ آپ چیز پسند کریں، خوب رعایت کریں گے، مگر تو نے تو میرے بیٹے کے کھیسے سے ہزاروں روپے نکال لیے۔"

وہ کمر پہ ہاتھ رکھ کر اپنی مخصوص پاٹ دار آواز میں بولی تو دکان میں موجود گاہکوں نے چونک کر انہیں دیکھا تھا۔ فیروز خفیف سا ہو کر رہ گیا۔

"ماں جی! جتنی رعایت بنتی تھی۔ میں نے کی، صرف جائز قیمت وصول کی ہے۔" سیلز مین نہایت ادب و شائستگی سے بولا۔

”ہونہہ! اگر مناسب قیمت لگاتا تو پھر چھوٹے پتر کی بری بھی تیری دکان سے آکر خریدتی، مگر تو نے واپسی کی راہ خود ہی بند کر دی۔“

”اماں! بس چلو یہاں سے۔“ فیروز بازو سے تھام کر انہیں باہر لایا۔ وقت تیزی سے گزرتا جا رہا تھا اور ابھی بہت کچھ خریدنا باقی تھا۔

”کڑیو! دیکھو تو کیسے انہوں نے پتلوں کو کپڑے پہنا کر کھڑا کیا ہوا ہے۔“ گلاس ڈور کے قریب کھڑے ڈمی کو اشتیاق سے دیکھتے ہوئے ممتاز بیٹیوں سے مخاطب ہوئی۔

”اگر تم لوگ ہر پانچ قدم بعد رک کر چیزوں کا جائزہ لینے اور تبصرہ کرنے رک گئیں تو مجھے نہیں لگتا کہ آج رات تک ہم گھر واپس پہنچ سکیں گے۔“ فیروز انتہائی ضبط سے ماں بہنوں سے مخاطب ہوا۔

مارکیٹ میں تیز قدموں سے چلتے ہوئے جوتوں کی دکان پہ پہنچ کر معاً اسے احساس ہوا کہ اماں لوگ تو اس کے ساتھ ہیں ہی نہیں۔ الٹے قدموں لوٹنے پر وہ اسے تھڑے پہ سجی آرائشی اشیا دیکھنے کے ساتھ ساتھ دکان دار سے بحث کرتی پائی گئیں۔

”اللہ! اتنی مہنگائی۔ ان وڈے شہروں کے نام بس سننے میں اچھے لگتے ہیں۔ مگر یہ تو اچھے بھلے آدمی کو کنگال کر دیں۔“ ممتاز نے ہلکے سے گال پیٹے۔

”اب دیکھو، یہ شیشوں والا پراندہ اپنے پنڈ میں پچاس روپے تک آرام سے مل رہا ہے اور یہاں پورے دو سو میں۔“

”جب تم لوگوں نے جو چیز لینی ہی نہیں۔ اس کی قیمت پوچھ کے کیا کرنا ہے۔“ فیروز اچھا خاصا جھلایا ہوا تھا۔

”پتر! اب کرایہ بھر کر آئے ہوئے ہیں۔ ادھر ادھر دیکھیں گے تو سہی۔ اب جو بھی خریدے گا۔ بھاؤ تاؤ میں خود کروں گی۔ تو بڑا سیدھا اور بھولا بھالا ہے۔ یہ شہری لوگ ہمیں پنڈ کا سمجھ کر ٹھگنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر اب میں دیکھتی ہوں...... اوئی ماں، مر گئی۔“ ممتاز بے ساختہ درد سے دہری ہو کر ماتھا تھام کے بیٹھتی چلی گئی۔ شوز ہاؤس کی چمکتی دمکتی دکان میں لپک کر داخل ہوتی ممتاز کو گلاس وال نظر ہی نہ آئی تھی۔

”اماں! تو میرے ساتھ چل۔ تجھے بتایا تو تھا کہ یہاں دکانیں شیشے کی بنی ہوتی ہیں۔“ ماں کو دونوں بازوؤں سے تھام کر اٹھاتے ہوئے فیروز نرمی سے بولا۔

تبسم اور صائمہ ماں کی حالت سے بے نیاز گھوم کر اسٹائلش جوتے دیکھ رہی تھیں۔

سر سے اٹھتا درد نظر انداز کیے ممتاز دکان دار سے رعایت کی یقین دہانی برابر لیتی رہی۔

”دور دراز کے گاہکوں کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ ہمیں دیکھو ابھی سورج نہیں نکلا تھا۔ مرغ بانگ ویلے سے موٹر پکڑی۔ صرف ایک چاء کی پیالی پی کر ادھر آئے ہیں۔“

”اماں! تو اپنے لیے کوئی چپل پسند کر پھر چلتے ہیں۔“ فیروز جز بز ہو کر بولا۔

چلتے سمے صائمہ کو نگینوں سے مزین ایک کلچ پسند آیا تھا۔ فیروز نے مطلوبہ قیمت چار سو روپے دوکان دار کی طرف بڑھائے ہی تھے کہ راستے میں ممتاز نے پیسے جھپٹ لیے۔

”نہیں سو روپے کی رعایت لینی ہے۔“

ایک سو روپے نکال کر بقایا تین سو دوکان دار کی طرف بڑھا دیے۔

”نہیں ماں جی! بالکل مناسب ریٹ لگایا ہے۔ آپ میٹریل بھی تو دیکھیں نا۔“ دکان دار شائستگی سے سو روپے کا طلب گار ہوا۔

”بس انہیں کافی سمجھو۔ راہ چلتے بچی کو پسند آگیا۔ ورنہ لینے کا ارادہ نہ تھا۔ کرایہ بھی بچانا ہے ہم نے۔“ دوکان دار نے ایک سانس بھر کر کاؤنٹر سے تین سو روپے اٹھا لیے ممتاز نے داد طلب نظروں سے فیروز کو دیکھا۔ مگر سو روپے کی بچت کی ساری خوشی شاپنگ مال کے چکنے صاف اور چمکیلے ماربل فلور نے غرق کر کے رکھ دی۔ بے حد جما جما کے چلنے کے باوجود بھی گاؤں کی کچی اور ناہموار زمین پہ چلنے کی عادی ممتاز بی بی کے پاؤں بالآخر رپٹ ہی گئے۔

"ہائے فیروز' میں مرگئی۔"

فیروز کے تیزی سے آگے بڑھ کر ماں کو سنبھالنے سے پہلے ہی ممتاز چکنے فرش پر دراز ہو چکی تھی۔

* * *

آخیر مارچ کی تپتی' چبھتی دھوپ سارے میں پھیلی ہوئی تھی۔ کھیتوں میں سرسوں خوب کھل پھول رہی تھی۔ رود کوہیوں سے سیراب ہوتی گندم کی بالیاں بے خودی سے جھومنے لگیں تو من کے اندر بھی جیسے سورج کے تھال سے رنگین شعاعیں سی منعکس ہو رہی تھیں۔ درختوں پہ نئی کونپلیں بڑھوتری کی طرف مائل' کلیاں' مکھ کھول مسکا رہی تھیں۔

"اللہ! بھابھی آپ کتنی سوہنی لگ رہی ہیں۔" تبسم اس کے کمرے میں داخل ہوئی اور بے ساختہ تعریفی انداز میں بولی۔ وہ محض انکساری سے مسکرادی۔

بنارسی شیفون فیبرک میں گہرے زرد اور آتشی گلابی رنگوں کے امتزاج سے مزین گھیردار فراک اور چوڑی دار پاجامے میں' وہ واقعی بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔

لمبے دراز ریشمی بال ڈھیلی ڈھالی چوٹی کی صورت گندھے ہوئے تھے۔ وہ پہلے ہی خوب صورت اور دلکش تھی' اب تو فیروز کی والہانہ چاہت و محبت نے وہ سندرتا بخشی تھی کہ نظر ٹکائے نہ ٹکتی۔ آنکھوں میں جلتے محبت کے جھل مل کرتے دییوں نے روش روش موسم گل کی راج دھانی قائم کردی تھی۔

اور جب زندگی پہ موسم گل کا پہرا لگ چکا ہو تو خوب سجنے سنورنے کا اہتمام تو لازم تھا۔

فیروز نے بری کے سارے ہی جوڑے بہت ہی دیدہ زیب اور اسٹائلش خریدے تھے' جنہیں زیب تن کرنے کے بعد اسے ہر ایک کی نگاہوں میں اپنے لیے ستائش نظر آتی۔ تبسم اور صائمہ نے جب فیروز کو نورینہ کے لیے ڈیزائنو کے دھیمے اور ہلکے کام والے کپڑے خریدتے دیکھا تھا تو خوب ناک بھوک چڑھائی تھی۔

"بھلا' دلہنیں ایسے کپڑے پہنتی ہیں؟ ملنگوں سے کھلے' لمبے چغے۔" اپنے بھاری اور کامدار کپڑوں کو جتنے چاؤ اور ناز سے تن پہ سجایا تھا' اتنی ہی خواری اٹھانی پڑی تھی۔

بے حد نوکیلے ستاروں سے مزین کپڑوں نے صرف ان کے چہرے اور بازوؤں پہ جابجا خراشیں ڈال دی تھیں بلکہ ساتھ سے گزرنے والی ہر لڑکی اور خاتون کے لباس سے بری طرح الجھ جاتے تھے۔ ساری شادی بس اپنے کپڑے ہی چھڑاتے گزری۔

دونوں بہنوں نے پکا ارادہ کرلیا تھا کہ شادی کے فورا" بعد ان جوڑوں کو نذر آتش کرنا ہے. جو وہاں دکان میں تو خوب جگر جگر کر رہے تھے اور اب یہاں جھلملاہٹ نام کی کوئی چیز نہ تھی ان میں' جس پہ وہ مر مٹی تھیں۔

"اماں! ٹھیک کہتی تھی' یہ شہری لوگ بڑے چالاک ہوتے ہیں۔ ہم دیہاتیوں کو بھولا بھالا سمجھ کر ٹھگ لیا۔ مطلب کی چیز پھر بھی نہیں دی۔" صائمہ تقریبا" رونے والے انداز میں بولی تھی۔

صرف صائمہ اور تبسم ہی نہیں بلکہ ان کی سہیلیوں کو بھی نورینہ خوب پسند آئی تھی۔ خوب صورت' خوش اخلاق' ہنس مکھ۔ کوئی لڑکی خالی ہاتھ نہ آتی۔ پراندے' دستی پنکھے' رلیاں' کڑھی چادریں۔ نورینہ کے پاس تحائف کا ڈھیر لگ گیا۔ وہ ان سب کی محبتوں کی دل سے ممنون تھی۔

"آئیں نا بھابھی! بھائی ہمارے فوٹو بنا رہا ہے ہم بھی بنوائیں۔" تبسم اس کا ہاتھ تھام کے باہر لے آئی۔ فیروز نے اسے باہر آتے دیکھا۔ واری صدقے جاتی نظریں وہ دھیمے سے مسکرادی۔

اپنے موبائل سے فیروز نے اس کی گھر کے ہر فرد کے ساتھ ڈھیروں تصاویر لیں۔

"چلو آؤ اب میرے ساتھ ایک فوٹو' اسے بڑا کر کے میں کمرے میں لگاؤں گا۔"

فیروز کہتے ہوئے اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ اور اس کے شانے پر چہرہ ٹکا کے سامنے ہاتھ میں پکڑے

موبائل پہ تصویر بنالی۔ وہ اس درجہ قربت پہ سرخ پڑ گئی۔

"پتا ہے نوری! مجھے یقین نہیں آرہا کہ ہم دونوں ایک ہوچکے ہیں۔" وہ دونوں چلتے چلتے گھنی بیری کے نیچے آگئے۔ نورینہ کی نگاہ اوپر اٹھی تو فیروز نے ہاتھ بڑھا کر کئی بیر توڑ کر اس کی حنائی ہتھیلی پہ رکھ دیے۔

"کتنے میٹھے اور رسیلے ہیں۔" نورینہ کے تو منہ میں جیسے شیرینی گھل گئی تھی۔

"اماں کو نجانے کیوں لگتا تھا کہ تم اس ماحول میں سیٹ نہ ہوپاؤ گی۔ مگر میں نے کہا میری محبت میں اتنا دم خم ہے یہاں کیا نوری میرے ساتھ کہیں بھی سیٹ ہونے کو تیار ہوجائے گی۔" وہ مسکراتے ہوئے بتا رہا تھا۔ نظریں بس حسین مکھڑے کا طواف کیے جارہی تھیں۔

"ہاں میری اماں کو بھی کچھ اسی قسم کے خدشات تھے مگر....." نورینہ بات ادھوری چھوڑ کر گردن کھجانے لگی تھی۔

"سارے پنڈ میں شہرہ ہے کہ فیروز کی دلہن بہت پیاری ہے، بہت اچھی باتیں کرتی ہے۔" فیروز ہنوز مسکرا رہا تھا مگر اگلے پل پریشان ہو اٹھا۔ نورینہ گردن کے ساتھ ساتھ گورے بازوؤں کو کھجلا رہی تھی۔ لمبے ناخن سفید بازوؤں پہ سرخ لکیریں بناتے جارہے تھے۔ اس کے چہرے پہ اضطراب و بے چینی تھی۔ فیروز پریشان ہو اٹھا۔

"نوری! کیا ہوگیا ہے تجھے۔ کہیں کتی نے پانی تو نہیں پھینک دیا تم پر۔" فیروز نے پریشانی سے اوپر بیری کو دیکھا تھا۔

"پتا نہیں فیروز! میرے پورے جسم پر خارش اور جلن ہو رہی ہے۔" مارے اذیت کے آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

"ارے نہیں یار! تمہیں واقعی کتی کا پانی لگ چکا ہے۔" فیروز تیزی سے اسے کھینچ کر بیری کے نیچے سے کھینچ لے آیا۔ بیری پہ سینکڑوں کی تعداد میں کیٹر پلر نما کیڑے رینگ رہے تھے۔ جن کے جسموں سے غیر محسوس ریشہ گرتا رہتا تھا جو انسانی جسم میں ایسی اذیت سے پر جلن پیدا کرتا کہ بندہ کھجلا کھجلا کر خود کو نیم جاں کر بیٹھتا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے نورینہ کے سارے جسم میں خارش پھیل گئی۔ مارے گھبراہٹ کے فیروز کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

"سارا تیرا قصور ہے۔ دلہن تو نئی نویلی ہے، پر تجھے تو پتا ہے کہ چیت کے موسم میں بیری کھیتوں سے اٹ جاتی ہے۔" سرسوں کے نمک ملے تیل سے نورینہ کو مساج کرتے ہوئے ممتاز نے فیروز کو خوب لتاڑا تھا۔ نورینہ الگ ناراض نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔

* * *

"ہائے نوری! میری چن دا ٹوٹا دھی، یہ تیرے چہرے کو کیا ہوا؟" صغری تو اسے دیکھتے ہی چیخ اٹھیں۔ سارے چہرے پہ سرخ و سفید دھبے چہرے کو عجیب سا چتکبرا بنا رہے تھے۔

"ارے اماں! کچھ نہیں ہوا مجھے۔ بیر کھا رہی تھی۔ لارولے کے جسم کے روئیں سے نجانے کیسا ریشہ گر رہا تھا کہ مجھے خارش شروع ہوگئی۔ ٹھنڈے پانی سے منہ دھونے سے منہ بالکل ٹھیک ہوجائے گا۔ تو پریشان نہ ہو۔" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں مسکراتے ہوئے ممتاز کو صدماتی کیفیت سے باہر نکالنا چاہا۔

آج وہ حسب قاعدہ سات دن بعد میکے آئی تھی۔

صغری پتا نہیں اس کی وضاحت سے مطمئن ہوئی یا نہیں مگر آنکھوں میں فکرمندی ہنوز تھی۔

"تو ٹھیک تو ہے۔ وہاں سب کیسے ہیں تیرے ساتھ، ممتاز کوئی زیادتی تو نہیں کرتی تیرے ساتھ۔"

"ارے نہیں اماں! کیسی باتیں کر رہی ہے۔ سب بہت اچھے، میرا خیال کرنے والے ہیں اور فیروز تو بہت ہی ٹوٹ کے مجھ سے محبت کرتا ہے۔ سر آنکھوں پہ بٹھا رکھا ہے سب نے، تبسم، صائمہ سب مجھے کسی ہفت اقلیم کی دولت سے کم نہیں سمجھتے۔"

وہ بولتے بولتے ہنس پڑی۔ سرشار اور مطمئن انداز

صغریٰ کے دل کو یک گونہ سکون ملا۔

"تیرے مرحوم ابا کی طے کی ہوئی نسبت اور تیری فیروز سے دیوانہ وار چاہت... ان سب باتوں نے مجھے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا ورنہ میرا ارادہ تو تجھے جمیل سے بیاہنے کا تھا۔ اچھی بھلی پولیس کی نوکری' دو قدم پہ گھر' آنکھوں کے سامنے رہتی۔ بھابھی رخشندہ کتنی میری منتیں کرتی رہی۔" صغریٰ جیسے دل مسوس کر بولی تھی۔

"چھوڑ اماں! فیروز میرا نصیب تھا۔ تیری بیٹی خوش ہے' تیرے لیے یہ کافی نہیں کیا۔ تو ماں ہے واقعی میرے لیے بھلا ہی سوچتی ہے' مگر میں کیا کروں میرے دل میں فیروز کے سوا کسی اور کا خیال بھولے سے بھی نہیں آتا تھا۔"

وہ ایک جذب سے بولی تھی۔ صغریٰ بس اسے دیکھتی رہی پھر آگے بڑھ کر اس کا چہرہ تھام کر ماتھے پہ بوسہ دیتے ہوئے بولی "میری بچی! خدا تمہیں سکون آشنا رکھے' خوشیوں کے ہنڈولے میں جھولتی رہو۔" صغریٰ نے آنکھوں میں آتی نمی صاف کی۔

"فیروز تیرے ابا کا بھتیجا اور جمیل میرا' جمیل کی طرف میرا جھکاؤ صرف اس لیے زیادہ تھا کہ تو میری آنکھوں کے سامنے رہے۔ جب چاہوں تجھے آواز دے کر بلا لوں' اب دیکھو شاہدہ کی منگنی جمیل سے طے ہو گئی ہے' ہر روز ماں کے گھر آیا کرے گی۔ قریبی کا یہ فائدہ ہے۔"

"کیا شاہدہ کی منگنی ہو گئی ہے؟ گھنی' میسنی اس لیے تو مامی زرینہ کی خوب خدمتیں کرتی تھیں۔" وہ ایک دم خوشی سے بھرپور آواز میں بولی۔ صغریٰ نے خاندان بھر کی دعوت کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ ابھی کچھ دیر میں سب کی آمد ہونے والی تھی۔

نورینہ نے چہرے کے دھبوں کو چھپانے کی خاطر ڈھیر سارا فاؤنڈیشن لگایا تھا۔ کافی تیز بلش آن رخساروں پہ جمایا "رات کی دعوت ہے۔ میک اپ تیز ہی اچھا لگے گا۔"

ماتھے پہ جھومر ٹکاتے ہوئے اس نے طمانیت سے خود کلامی کی تھی۔

* * *

"ہاں تو پھر بھر جائی کے کمرے میں آکر جم کے بیٹھ گئی ہے یہ جو اتنے کام پڑے ہیں' وہ کون کرے گا۔" ممتاز اندر آکر اپنی مخصوص کراری آواز میں بولی تو تبسم کے ہاتھ سے لوشن کی بوتل گرتے گرتے بچی۔

صائمہ کے مقابلے میں قدرے دلکش نقوش اور صاف رنگت کی حامل تبسم تو پہلے ہی سے سجنے سنورنے کی شوقین تھی' اب جو نورینہ کی بہترین اور اعلیٰ کوالٹی کی کاسمیٹکس کی اشیاء دیکھیں تو ہر وقت انہیں خود پہ آزماتی رہتی۔

اب بھی وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی مختلف کریمیں چیک کر رہی تھی' نورینہ اپنی الماری کو ٹھیک کرنے میں لگی ہوئی تھی۔

"اماں! ابھی تو برتن دھو کر آئی ہوں' تو صائمہ سے بول ناں' وہ کر دے۔" نیل پالش چیک کرتے ہوئے تبسم نے ماں کو صفا چٹ جواب دیا۔

"صائمہ بھی تیری ہی بہن ہے۔ میں دیکھ رہی ہوں جب سے دلہن آئی ہے تم دونوں ناکارہ ہو گئی ہو۔" ممتاز مخاطب تو اپنی بیٹی سے تھی مگر گھبرا نورینہ گئی۔

"چاچی جی! آپ مجھے کام بتائیں۔ میں کر دیتی ہوں۔" وہ الماری کو بند کرتے ہوئے شائستگی سے بولی۔

"نہ میری دھی! تو ابھی دلہن ہے۔ یہ سارا گھر تیرا ہے۔ تو نے ہی میری چوکی پیڑھی سنبھالنی ہے' مگر ذرا ٹھہر کر۔ ابھی تو تیرے ہاتھوں کی مہندی بھی پھیکی نہیں پڑی۔" تبسم سے بات کرتے ہوئے لہجہ جتنا کھردرا تھا' نورینہ سے اتنے ہی میٹھے انداز میں ممتاز بولی تھی۔

"ارے چاچی! مہندی کا کیا ہے' مدھم پڑے بھی کیسے' ہر ہفتے تبسم پھر سے مہندی لگا دیتی ہے۔" وہ مسکرا کر کہتے ہوئے ممتاز کے ہمراہ باہر آ گئی۔

ممتاز کو چکی پہ چنے کی دال دلنی تھی۔ ساتھ والی زلیخا پورا ایک تھیلا چنوں کا دے گئی تھی۔ ممتاز اجرت پہ

سارے محلے کو کبھی دال دل دیتی تو کبھی آٹا پیس دیتی۔ نورینہ ہفتہ بھر میں جان گئی تھی کہ اس گھر کا ہر فرد مشقت بھری زندگی گزار رہا تھا۔ چکی بالکل کمرے کے ایک بالکل تاریک کونے میں تھی۔ نورینہ چنے مٹھی بھر بھر ڈالتی گئی اور ممتاز تیزی سے پاٹ گھماتی رہی۔ کام مکمل کر چکنے کے بعد وہ باہر آئی تو خود کو سر تا پا پسینے سے شرابور دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"اس لیے تو میں اماں کا ہاتھ نہیں بٹا رہی تھی۔ کبھی چاول اور باجرے کا آٹا تو کبھی چنوں کا بیسن وہ بھی من کے من اوپر سے اتنی گرمی۔" تبسم اس کی حالت دیکھ کر ہمدردی سے بولی تھی۔ کچھ کہے بنا اس نے نہا کر کپڑے چینج کر لیے۔

اسے ممتاز کی یہ چکی وغیرہ کی مشقت بلاوجہ اور غیر ضروری ہی لگتی تھی کہ فیروز ایگری کلچرڈ یپارٹمنٹ میں سیڈ کوالٹی انسپکٹر کا اسسٹنٹ تھا' سو اچھی خاصی آمدنی تھی' مگر ممتاز کے پاس بھی اپنی اس اضافی مصروفیت کے خاصے متاثر کن دلائل تھے۔

"پورے گھر کا بار اکیلے فیروز پر ہے۔ خود اس کی تو شادی ہو گئی ہے۔ مگر اگلے چار بھائی بہنوں کا تو فرض پورا کرنا ہے اسے۔ میں اور تم مل کر اس کا بوجھ ہلکا کریں گے تو سارے فرض ان شاء اللہ آسانی سے پورے ہو جائیں گے۔" اس کا دامن دل محبت' خلوص اور قدر کے انمول موتیوں سے لبالب بھرا ہوا تھا اس لیے تو ساری ذمہ داریاں اسے سہیل محسوس ہوتی تھیں۔

فیروز اس کی صورت کا تو اسیر تھا ہی۔ اب اس کی خوش خلقی' ملنساری اور گھر بھر میں روز بروز بڑھتی اس کی پسندیدگی خاصی باعث راحت و طمانیت تھی۔ ممتاز اس کی نورینہ سے شادی کی مکمل انکاری تھی۔

"ہرگز نہیں' اتنی نازک مزاج اور نفیس طبیعت لڑکی کو میں تو بہو نہیں بنانے والی۔ سنا ہے صغری نے پھولوں کی طرح رکھا ہے اسے۔ مجھے تو ایسی بہو چاہیے جو میرے ساتھ آکر میری ذمہ داریاں بانٹے۔"

"اماں! نوری ایسی بالکل نہیں ہے' جیسی تو سمجھ رہی ہے۔ ہاں بس چاچی پہلوٹی اولاد ہونے کی وجہ سے اس سے بہت محبت کرتی ہے۔" وہ ماں کے خدشات کم کرنے کی حتی المقدور کوشش کرتا۔ نورینہ نے اس کی خاطر ماں کے ہر اعتراض کو دلائل کی تلوار سے ختم کیا تھا۔ وہاں اس نے بھی کچھ کم پاپڑ نہ بیلے تھے۔ ممتاز تو نورینہ کا نام اس کی زبان پہ سن کر آپے سے باہر ہو جاتی تھی اور جب صغری کی طرف سے سات تولے سونے کا مطالبہ آیا تو وہ بالکل ہی ہتھے سے اکھڑ گئی تھی۔

"دیکھ لیا ناں فیروز! اپنی لالچی فطرت چاچی صغری کو کیسے منہ پھاڑ کر سات تولے مانگ لیے' جیسے میں غریب بیوہ کئی مربعوں زمین کی مالک ہوں نا۔" ممتاز کو لہجہ حد درجہ کٹیلا ہوتا۔

"تو تو کہتا تھا کہ نوری کو تجھ سے کئی گناہ زیادہ چاہت ہے۔ پھر ماں کو سمجھاتی کیوں نہیں کہ دو تولے پہ راضی ہو جاتے۔ پر ناں حریص ماں کی حریص بیٹی۔"

"اماں! یہ سراسر چاچی کا مطالبہ ہے۔ ورنہ نوری ایسی خواہش رکھنے والی ہرگز نہیں۔ سچے موتیوں جیسا دل ہے اس کا۔ اسے صرف فیروز چاہیے۔" وہ ماں کو اچھی طرح جتا کر بولا۔ مقابل بھی ممتاز تھی' کئی دنوں تک رولا ڈالے رہی۔ مگر اس کا چند دن کا فاقہ اور خاموشی رنگ لے آئے۔ اپنے پورے سات تولے کے زیور پالش کروا کے نئے موتیوں سے مزین کروائے۔ ساتھ ملتان سے ہنسی خوشی اس کی بری خریدنے چل دی۔

"ہائے یہ جنم دینے والی ہستیاں بھلا ان سے زیادہ سچا اور خالص رشتہ بھلا اور کون سا ہو سکتا ہے۔" فیروز کو ٹوٹ کے ماں پہ پیار آیا تھا۔ اور اب یہ حال کہ ممتاز کا کوئی بھی کام نوری کے بغیر کرنے کو جی نہ چاہتا۔

"بہو رانی! زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں' کل کلاں کو میں رہوں نہ رہوں' اس لیے تو ہر کام میں تجھے ساتھ رکھتی ہوں چاہے چکی پیسنا ہو یا جانوروں کا چارہ ٹوکہ۔ بعد میں تجھے کسی کام میں کوئی مشکل تو نہ ہوگی۔"

"جی چاچی! گھر کے کام تو اب میں نے کرنے ہی

ہیں۔" وہ گائے کے تھنوں کی طرف منہ لگانے کو بے تاب بچھڑے کو رسی سے بمشکل سنبھالے ہوئے دودھ دوہتی ممتاز کو ادب سے جواب دیتی۔

"باجی! تیری اجلی رنگت میلی ہوتی جا رہی ہے۔ پہلے کیسی دودھ مکھن سا روپ ہوتا تھا تیرا اور اب۔" فیروز اسے اپنی بائیک پہ ہر ہفتے میکے لے آتا تو شازمینہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر دل گرفتی سے کہتی۔

"شاید آب و ہوا کا فرق ہے، اس لیے رنگ سنولاتا جا رہا ہے اور یہ بھی تو دیکھو نا۔ یہاں میں اپنی مرضی سے کام کرتی، اگر نہ بھی کرتی تو اماں نے مجھے کبھی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔ وہ میرا اپنا گھر سسرال ہے، پہلی بہو ہوں، ہر کام ذمہ داری اور توجہ سے تو کرنا پڑے گا۔" وہ بہن کے بالوں کی لٹ کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے محبت سے بولی۔

اماں کی کہی باتیں بالکل درست نہیں، تو ایسی غلط بھی ثابت نہ ہوئی تھیں۔

پو پھٹنے سے پہلے وہ جاگ کر ممتاز کے ہمراہ چولہا سلگانے سے لے کر رات کو سونے تک مسلسل کام کرتی ہی رہتی۔ مگر جب وہ مچھروں کو بھگانے کے لیے خشک اپلوں کے ڈھیر میں چند انگارے ڈال کر فیروز کے بازو پر سر رکھ لیٹتی تو دن بھر کی تھکان نجانے کہاں چلی جاتی۔ دھواں دھواں ماحول میں وہ آنکھیں میچے فیروز کی مدھم محبت بھری سرگوشیاں سنے جاتی۔

یہ شازمینہ کی باتوں کا اثر تھا یا کچھ اور۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی آئینے تک آتی۔ بغور اپنا عکس دیکھا۔

"چلو کثیف پانی کی وجہ سے اسکن خراب ہو گئی ہے، مگر میری آنکھوں کو کیا ہوا۔ ان کے شفاف، چمکیلے پن پہ گدلاہٹ کیوں آ گئی ہے؟" آنکھ کے نچلے حصے پر انگلی سے کھینچ کر اپنی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے خود سے پوچھا۔

"شاید آگ جلاتے وقت پھونکیں مارنے سے دھواں اندر چلا جاتا ہے۔" وہاں اپنے گھر میں تو آئینہ ایسا کچھ نہیں دکھاتا تھا۔ بس فیروز کی آنکھوں میں ہی اسے اپنا عکس دکھائی دیتا تو وہ مطمئن ہو جاتی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں خود کو دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی تھی۔ مگر ماں کے گھر کا آئینہ تو بہت کچھ دکھا رہا تھا۔ چہرے کا سانولا پن، آنکھوں کے گرد ملگجے، گھنی آئی بروز۔ ممتاز کی یہ بات تو غلط ثابت ہوئی تھی کہ وہ وہاں رہ نہ پائے گی۔ وہ ہنسی خوشی رہ رہی تھی۔ البتہ شاہدہ کے دعوے کے مطابق زندگی کٹھن اور صبر آزما ضرور ہو گئی تھی۔

* * *

آج اس کا اپنے کمرے کی تفصیلی صفائی کا ارادہ تھا۔ کچے صحن میں جھاڑو پھرنے سے اس کا کمرہ دھول مٹی سے اٹ چکا تھا۔

"دلہن رانی! کیا کر رہی ہو؟" ممتاز اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"چاچی! کمرے کی صفائی کر رہی ہوں۔ کسی چیز کا اصل رنگ نظر نہیں آ رہا۔" بیڈ شیٹ بدلتے ہوئے اس نے مصروف انداز میں جواب دیا۔

"مجھے ذرا اپنے جھمکے تو دکھا۔ کمیٹی نکلی ہے میری۔ سوچ رہی ہوں تبسم کے لیے چھوٹا موٹا زیور گہنا بنوا لوں۔ بیٹی کا فرض ہے جتنی جلدی ہو اچھا ہے۔" ممتاز دھیمے سے بولتے ہوئے صوفے پہ بیٹھ گئی۔ ممتاز کی بات سن کر اس کے مصروف عمل ہاتھ لمحہ بھر کو تھم گئے۔ پھر سر کو اثبات میں ہلا کر وہ بیڈ سے اتر آئی۔ پرس سے الماری کی چابی نکالی اور جھمکوں کا ڈبا ساس کو تھمایا۔

"ماشاء اللہ! خاصے وزنی ہیں، میں اتنے وزنی بیٹی کو تو زیور نہیں پہنا سکتی۔ بہو کو ہی چڑھائے ہیں۔ میری بہو ہے ہی اتنی سوہنی۔" محبت سے بولتے ہوئے ممتاز نے جھمکوں سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ بھی مروتاً مسکرا دی۔

"تو ہر وقت انہیں پہنا رہا کر۔ فیروز نے ضد کی اماں میری دلہن کو پورے سات تولے چڑھانے ہیں، میں نے بلا چوں چراں ہائے، تیرا بیڑہ غرق۔۔۔ گندم پر ٹوٹ پڑیں۔"

بولتے بولتے ممتاز کی نظر سامنے صحن پر گئی تھی۔ اس نے کچھ دیر پہلے گندم کے دانے دھو کر صحن میں چٹائیوں پر پھیلائے تھے۔ محلے کی بکریوں کا ایک ریوڑ آ کر گندم کے دانے کھانے لگ گیا تھا۔ شاید دروازہ کھلا رہ گیا تھا۔

”ارے او تبسم! صائمہ، کہاں مر گئی ہو دونوں۔ نکالو بکریوں کو۔“ ممتاز زور زور سے بیٹیوں کو آوازیں دینے لگی۔

”ٹھہریں چچی! میں بکریوں کو نکال آتی ہوں۔“ وہ نرمی سے کہتی باہر چلی گئی۔ الماری کھلی ہوئی تھی۔ اور چابی ہول سے لٹک رہی تھی۔ ممتاز پھرتی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ نورینہ کو بکریوں کو اکٹھا کر کے باہر نکالنے میں دقت پیش آ رہی تھی کہ ایک ادھر بھاگ رہی تھی تو دوسری ادھر۔ ممتاز نے اعتماد سے چابی ہول سے نکالی اور صابن کی نرم ٹکیہ پہ چابی کو زور دے کر چابی کا نقش لے لیا۔

* * *

اگلا ایک ماہ ہی بخیریت گزر سکا۔

”قسم لے لو فیروز! مجھے نہیں پتا زیور کہاں چلے گئے ہیں۔ میں تو انہیں الماری میں لاک کیے رکھتی ہوں۔“ نورینہ کب سے روتی۔ یہی ایک بات دہرائے جا رہی تھی۔ اس کے علاوہ اور کیا کہتی کہ سچ تو یہی تھا۔ گھنی مونچھوں تلے بھنچے لبوں پہ مٹھی رکھے فیروز کی نظریں سامنے چونچ سے پر سنوارتی چڑیا پہ جمی تھیں۔

”کہاں چلے گئے ہیں۔ یہ بول ناں کہ تیری ماں کے بکسے میں منتقل ہو گئے ہیں۔“ ممتاز پھٹ پڑنے والے انداز میں بولی تھی۔ مسلسل اور اونچا بولنے سے سر میں درد ہونے لگا تھا اس کے، اس لیے تو دوپٹے کو کس کے سر پہ باندھ لیا تھا۔

”میں بھی کہوں ہماری دیورانی صاحبہ کیسے بڑھ بڑھ کر سات تولے مانگ رہی تھی کہ اپنی نیت جو خراب تھی۔ پتا تھا ناں کہ مجھ غریب کے پاس سات تولے موجود ہیں۔ اس لیے تو منہ پھاڑ کے مانگ لیے۔ میرا نام بھی ممتاز ماتی ہے۔ اپنا ایک ایک ماشہ صغری کے حلق میں انگلی ڈال کر نکلواؤں گی۔“ ممتاز سینے پہ زور زور سے ہاتھ مار کر جنونی انداز میں بولی تھی۔ چڑیا تو کب سے پر سنوار کر اڑ چکی تھی، مگر فیروز کی نظروں کا محور دھریک کی شاخ ہی تھی جس پہ وہ بیٹھی تھی۔ وہ ماں اور نورینہ دونوں کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔

”چاچی! خدا سے ڈر، میری ماں پہ ایسا الزام نہ لگا۔ اسے تو میرے زیور غائب ہونے کا علم نہیں اور اماں کو میرے زیوروں سے بھلا کیا غرض؟“ شدت گریہ سے وہ پھٹی ہوئی آواز میں بولی۔

”کیا غرض؟ اپنے چار بچوں میں تقسیم کرے گی ان کی شادی کے وقت اور کیا۔“ ممتاز اپنے تلخ لہجے میں کڑواہٹ سمو کر بولی۔

”وے فیروز، وے زن مرید! بول اپنی بیوی سے کہ سارا گہنا میرے سامنے حاضر کرے۔“ اب کے گم صم اور لاتعلق بیٹھے فیروز کا شانہ بری طرح جھنجھوڑ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

”تو اس کی شکل پہ **ریجھ** گیا ہے۔ اس کی سوہنے مکھڑے نے تیری مت مار کے رکھ دی ہے۔ مگر میں چٹی ان پڑھ، انگوٹھا چھاپ تیری بیوی اور ساس کے چلتر اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔“ ممتاز کی بات پہ اس کی نگاہیں اپنے ہاتھوں پہ گئی تھیں۔ میلے ٹوٹے ہوئے ناخن اور پھٹی ہوئی سانولی جلد۔

”اماں! میں کیا کروں۔ نوری اپنے زیور الماری میں ہی رکھتی ہے میرے سامنے کھولتی اور بند کرتی ہے ڈبے۔ اب میں اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں۔“ وہ بے بسی سے ماں کو دیکھنے لگا۔

”تو یہ کہنا چاہ رہا ہے کہ زیور میں نے اٹھائے ہیں۔“ ممتاز کی آنکھیں ابل پڑیں۔

”اس نے چاچی کہا میں نے بھتیجی مان لیا۔ ایک دن ساس والا منہ نہیں دکھایا اسے۔ ذرا پنڈ میں جھاتی ڈال کے دیکھو۔ ہر ساس اپنی بہو کے گہنے اپنے قبضے میں رکھے ہوئے ہے، چاہے ایک **چھلا** ہی کیوں نہ ہو۔ میں نے بھروسہ کیا، اس لیے نیر بہا رہی ہوں۔“

بولتے بولتے ممتاز کی چندھی میلی آنکھوں سے آنسو نکل ہی پڑے تھے۔ دونوں ہاتھوں سے سر دباتے ہوئے کمرے کی طرف منہ کر کے زور سے آواز لگائی۔

”وے صائمہ! ذرا دو ٹکیاں تیر والی (ڈسپرین) تو پانی میں گھول دے۔ سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔“

سر تو نورینہ کا بھی پھٹا جا رہا تھا۔ یہ سوچ سوچ کر کہ چابی اس کے پاس موجود ہوتے ہوئے بھی زیور کس نے الماری سے نکال لیے۔

”فیروز! کہیں تم بھی تو یہ نہیں سمجھ رہے ہو کہ میں اماں کو زیور دے آئی ہوں۔“ ڈبڈباتی آنکھوں سے فیروز کا متفکر چہرہ دیکھتے ہوئے اس نے اک آس سے پوچھا تھا۔

”ارے پگھلی تو نہیں ہو گئیں۔“ فیروز نے ڈپٹتے ہوئے اس کے آنسو اپنی انگلیوں سے صاف کر ڈالے۔

”میں نے تجھ سے محبت کی ہے۔ اگر محبت میں اعتماد‘ بھروسہ اور یقین شامل نہ ہوں تو در فٹے منہ ایسی محبت کا۔ میں کب کہہ رہا ہوں کہ تو نے زیور چاچی کے پاس رکھوائے ہیں؟“

اس کے نازک ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں لے کر گرم جوشی سے دباتے ہوئے اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

”اور تو یہ بھی تو نہیں کہہ رہا کہ میں نے اماں کے پاس زیور نہیں رکھوائے۔“ وہ نروٹھے پن سے بولی۔ فیروز کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔

”میرا چن بچھڑا! تیرے مامے رفیق نے خود نوشابہ کے لیے تیرا نام لیا تھا‘ بدلے میں وہ صدیق اور عتیق کے لیے تیری دونوں بہنیں لینے کو تیار تھا‘ مگر تو نے نورینہ کا نام لیا‘ میں مان گئی کہ میرے پتر کی خوشی اسی میں ہے‘ میرے پورے گہنے مانگ لیے‘ میں نے دے دیئے‘ لیکن اتنی اجازت ہرگز نہیں دوں گی کہ میری چیز کسی اور گھر میں چھپی رہے۔ میرے مرحوم پیو نے مجھے دیے تھے‘ یا تو نوری زیور موجود کرے یا پھر خود ماں کے گھر کی راہ لے۔“ ممتاز کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔

* * *

بے فیضاں دی آشنائی کولوں کسے فیض نہ پایا
کیکر تے انگور چڑھایا ہر گچھا زخمایا

”نوری! تجھے کہتی تھی نا یہ اجڈ گنوار دیہاتی تیرے جیسی باشعور اور نیک فطرت لڑکی کے لیے کسی طور قابل نہیں۔ دکھا دی نا اپنی اصلیت۔“ روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے مرغیوں کو ڈالتی صغری دکھ بھرے لہجے میں بول رہی تھی۔

وہ بان کی کھری چارپائی پہ ٹانگوں کے گرد بازو لپیٹے بان کے ڈیزائن پر غور کیے جا رہی تھی۔ خشک پھٹے ہوئے ہونٹ باہم پیوست تھے اور کاجل سے خفا آنکھیں ایک دم ویران۔

ممتاز تو ویسے ہی کفن پھاڑ کر بولتی تھی‘ اب تو معاملہ خاصا سنگین اور گمبھیر تھا۔

ہمسائے تو پہلے ہی دن سے ہنگامہ سنتے آ رہے تھے‘ اناج پسوانے والی عورتوں ہی کے طفیل بات صغری تک پہنچ گئی۔ اسی دن نورینہ کو پنڈ جا کے گھسیٹ کے لے آئی۔ وہ لاکھ ہاتھ چھڑاتی رہی۔

”اماں! میں نے نہیں جانا تیرے ساتھ‘ مجھے اپنے گھر رہنا ہے۔“ طیش و غضب کے بھانبڑ میں جلتی صغری پہ بھلا اس کے منمنانے کا خاک اثر پڑتا۔

”غضب خدا کا‘ صرف ایک گناہ ہوا اپنی ہیرا صفت بیٹی ادھر دھول مٹی میں رول دی تو یہ قدر کہ پوری بستی میں چوری کا الزام لگا کر منہ چھپانے پر مجبور کر دیا۔ اگر زیور واقعی میرے پاس ہیں تو پولیس میں رپٹ درج کروا۔ پھر ملتے ہیں تھانے میں۔“ صغری بھی اپنے نام کی تھی۔ کچا آنگن عبور کرنے سے پہلے ممتاز کو خوب کھری کھری سنائی تھیں۔

* * *

”سلام لیکم! میری بہن پیاری‘ سدا وسدی رہ۔“ نیچے جھک کر چولہے میں زور زور سے پھونکیں مارتے ہوئے ممتاز کے کانوں میں ایک ناشناسا اور پرجوش آواز پڑی تو جھٹکے سے سر اوپر اٹھایا۔ دھوئیں سے بھری

چندھیائی آنکھوں کے سامنے ایک لمبا چوڑا وجود نظر آیا۔ ڈبوں والی دھوتی کے اوپر کرتا، گھنگھریالے تیل لگے بالوں میں درمیان سے نکلی مانگ، دنداسے سے رنگ سرخ مسوڑھے اور ہونٹ، پیروں میں طلے والی کھیڑی، مضبوط گٹھا ہوا جسم۔

"اوہ ممتاز بہن! ایسے اجنبی آنکھوں سے کیوں دیکھے جا رہی ہے۔ پہچانا نہیں، میں بالا ہوں۔ تیرا بھرا۔" ہنس کر کہتے ہوئے اونچا پیڑھا گھسیٹا اور بے تکلفی سے ٹانگیں کھول کر بیٹھ گیا۔ ممتاز نے ایک لمبی سانس بھری۔ چہرے پہ بے زاری چھا گئی تھی۔

"وے بالے! تو ادھر کہاں سے آگیا۔ کہیں پولیس سے چھپتا چھپاتا تو نہیں آنکلا۔"

جبراً مسکراتے ہوئے ممتاز نے طنز سے پوچھا۔

"خدانخواستہ پولیس کیوں پیچھے لگے گی۔ اپنی بہن کے گھر آیا ہوں، بس دل ملنے کو چاہ رہا تھا۔" مقابل شاید بے حد خوش اخلاق تھا، تبھی تو ممتاز کے طنز کا برا مانے بغیر ہنس کر بولا۔

"کچھ ٹکر شکر پوچھ، کوئی چاپانی۔ پہلے تو تو بڑی مہمان نواز ہوتی تھی۔ تیرا بھرا صبح سے بھکا (بھوکا) ہے۔" وہ رسوئی میں نظریں گھماتے ہوئے بہت اپنائیت سے بولا۔

"دیتی ہوں کچھ کھانے کو۔ اور یہ مہربانی کر۔ اپنے آپ کو میرا بھرا نہ بول۔ سلامت رکھے خدا میرے ویر کو۔ رفیق میرا بھرا ہے۔"

رکھائی سے کہتے ہوئے ممتاز نے مونگ کی دال کے سالن سے اسٹیل کی کٹوری بھری، دو روٹیاں چنگیر میں رکھ کر تقریباً "پٹخ کر چنگیر سامنے رکھی تھی۔

"ہا! بھرا کیسے نہ بولوں۔ تو میری پھپھی کی بہن ہے۔ بھلا تیرا میرا بہن بھائی کے علاوہ اور کیا رشتہ ہو سکتا ہے؟"

بڑا سا نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے بالے نے لگاوٹ سے پوچھا۔ ممتاز کی بے گانگی اور بے زاری تو جیسے اسے لطف دے رہی تھی۔ مجال ہے جو ایک بل ماتھے پہ آیا ہو۔

"اماں! یہ ماما اقبال ہمارے گھر کیوں آیا ہے؟" فیروز نے دبے دبے لہجے میں پوچھا تھا۔ صرف ممتاز ہی نہیں بلکہ ہر فرد کے لیے اقبال عرف بالے کی آمد پہلے تو باعث حیرت پھر باعث تشویش بن گئی تھی۔

"میں کیا جانوں، کیوں آیا ہے۔ خود پوچھ لو۔" ممتاز کا کلیجہ کون سا اس کے آنے سے ٹھنڈا ہوا تھا۔ جلے بھنے انداز میں جواب دیا۔

اقبال پیٹ بھر کر روٹی کھا کے اور دو پیالے چائے پینے کے بعد چارپائی پہ لیٹ گیا۔ پیچھے کو موڑ کر دونوں بازوؤں کے تکیے پر سر رکھے وہ اونچی تانیں اڑا رہا تھا۔

"وے اک پھل موتیے دا مار کے جگا سوہنیے!"

یہ گھر میں پھیلی عسرت اور تنگدستی ہی تھی جس نے اقبال کو بچپن میں گھر کی چھوٹی موٹی چیزیں سب سے نظر بچا کر اٹھانے پر مجبور کیا تھا۔ بیمار ٹی بی کا مریض باپ ملک عدم آباد کو سدھارا تو ماں چٹائیاں، مصلے بن کر گھر کی روزی روٹی چلانے لگی۔ قلیل آمدنی اور نو بہن، بھائیوں سے بھرا گھر کبھی پیٹ بھر کر کھانے کو نہ ملتا۔ بھوک سے بلبلاتے پیٹ کو کسی طور تو خاموش کرانا تھا۔ گھر کی چیزیں تو با آسانی ہاتھ لگ جاتیں، مگر روکھی سوکھی روٹی اور پتلے پانی شوربے کو کب تک ہنسی خوشی کھاتا، ہاتھ میں صفائی آئی تو محلے والوں کی اکثر چیزیں بڑے آرام سے اس کی ملکیت میں آجاتیں۔

عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ چوری کی عادت بھی پختہ ہوتی گئی۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اقبال کی عرفیت بالا ڈکیت مشہور ہو گئی۔ ماں نے اپنی بھانجی سے اس کی منگنی طے کی تھی، ماسی نے شہرت سے ڈر کر کہیں اور بیٹی کو بیاہ دیا۔ رشتہ داروں نے گھر کے دروازے اس پہ بند کر دیے۔ پھر اڑتی اڑتی خبریں سارے رشتہ داروں تک پہنچتی رہتیں۔

"بالے نے بنک لوٹ لیا۔ پورے ضلع کی پولیس اس کے پیچھے ہے۔"

"بالے کو اگلے ماہ سینٹرل جیل منتقل کر دیا جائے گا۔"

ممتاز کا تو سکون ہی غارت ہو کر رہ گیا تھا۔ سارا دن چوکس بیٹھی بالے کی نگرانی کرتی رہتی۔

* * *

صحن کے وسط میں لگے کیکر کی ہر ڈال زرد پھولوں سے لدی ہوئی تھی۔ وہ کیکر کے نیچے چھاؤں میں رکھی چارپائی پہ گرتے زرد پھولوں کو نجانے کب سے بیٹھی اپنی قمیص کے دامن میں اکٹھے کرتی جارہی تھی۔

"باجی! اندر آؤ' اماں چاولوں کا دوسہ بنا رہی ہے۔ تیرا پسندیدہ۔" شازمینہ نے کچن کی کھڑکی سے اسے پکارا تھا تو اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا اور پھر سے پھول اکٹھے کرنے لگی۔

اگلے ہی لمحے خود ہی صغری چنگیر میں گرم گرم دوسہ لیے اس کے قریب چارپائی پہ آبیٹھی۔

"نوری چندا! چل اٹھ کر نہا دھو لے۔ کب تک ایسی اجڑی حالت میں رہے گی۔" صغری نے اس کے الجھے بکھرے جھونجھو بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے محبت سے کہا۔ اپنی پہلوٹی اولاد کی ایسی ویران حالت اس کے دل کو کاٹے جارہی تھی۔ نہ ڈھنگ سے کھاتی پیتی' نہ زیادہ کسی سے بات' بس سارا دن خاموش گم سم بیٹھی رہتی۔

"تو دوسہ کھاناں' تیرے لیے میٹھا بنایا ہے۔ شیرہ ڈال کر۔" صغری نوالہ توڑ کر اس کے منہ میں دینے لگی۔

"یہ ممتاز تو خود ایک نمبر کی بدنیت اور لالچی عورت ہے۔ بہت پہلے جب تیرا ابا زندہ تھا تو رود کوہیوں نے طغیانی مچائی کہ سارا پنڈ زیر آب آگیا تھا۔ تیرا چاچا امین بال بچوں سمیت ادھر ہمارے گھر آگیا۔ دیگر سازو سامان کے ساتھ ممتاز دو مرغیاں بھی بغل میں دابے ہوئے تھی۔ میں نے خود بھی مرغیاں پال رکھی تھیں۔ ایک ہی ڈربے میں مرغیوں کو بند کیا۔ مگر یہ منحوس عورت سارے انڈے خود اپنی جھولی میں سمیٹ لیتی۔ اب میں اپنی مرغیوں کے انڈوں کی کون سی نشانی لاتی۔ بس خون کے گھونٹ بھر کر خاموش رہ جاتی تھی۔

جب انڈوں سے چوزے نکلے تو ساری اصلیت کھل کر سامنے آگئی اکثر چوزے میری مرغی کے انڈوں کے تھے۔ سرخ سرخ کئی دن کھسیاہٹ سے بول ہی نہ پائی تھی۔"

وہ بے دلی سے صغری کی کئی بار کی سنائی اسٹوری کو سنتی رہی۔ چنگیر خالی ہوگئی تھی۔ باتوں باتوں میں صغری اسے پورا دوسہ کھلا چکی تھیں۔

اچانک پاس پڑا اس کا موبائل مدھر دھنیں بکھیرنے لگا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر دیکھا۔ فیروز کا نام بلنک کر رہا تھا۔ اس کی بے رنگ آنکھوں میں رنگ اترنے لگے تھے۔ اسے مہینہ ہوچکا تھا اسے یہاں آئے ہوئے۔ یہ فیروز کی پہلی کال تھی۔

یہ اس پہ خفا کہ ایک بازو اماں کے ہاتھ میں تھا تو دوسرے بازو کو وہ تھام کر اسے روک لیتا۔ جانے نہ دیتا۔ اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتا اور وہ اس پہ حیران۔

"تم میرے گھر کا آنگن کیسے پھلانگ کر چلی گئیں۔ میں تمہارا ہاتھ پکڑتا تو چاچی اور اماں دونوں کی نظروں میں گستاخ ٹھہرتا۔ تمہیں خود ہی میرا بازو دبوچ لینا چاہیے تھا۔ اب چاچی دونوں کو گھسیٹ کر تو نہیں لے جاسکتی تھیں تم دھان پان کھینچتی چلی گئیں۔" فیروز کی بات پہ اس نے مسکراتے ہوئے ہتھیلی اوپر اٹھا کر پھیلا دی۔ دو تین زرد پھول اس کی ہتھیلی پہ آگرے تھے۔

* * *

بے حد احتیاط سے ٹرنک کا تالا کھولا۔ اندر پورے سات تولے کے زیورات موجود تھے۔ جنہیں نورینہ سے حاصل کرنے کے لیے اس نے کتنی ترکیبیں لڑائی تھیں۔ کتنے پاپڑ بیلے تھے۔

فیروز جب جب نورینہ کا نام لیتا اس وقت اس کے تن بدن میں آگ لگ جاتی تھی۔ جب اسے اپنی دیورانی صغری ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی تو اس کی بیٹی کیونکر اچھی لگتی۔ وہ فیروز کے لیے اپنی بھتیجی نوشابہ کی خواہاں تھی مگر شاید فیروز کی نورینہ سے محبت ہی اتنی زور آور تھی کہ اسے گھٹنے پڑ گئے تھے۔

اور جب صغری نے بیٹی کی رخصتی ہی سات تولے

سے مشروط کر دی تو گویا اس کے کلیجے پہ ہاتھ مارا تھا اس نے۔ کماؤ پوت بیٹے سے بگاڑ سراسر اسے اپنا ہی نقصان لگا تھا۔ سو بظاہر رضا و رغبت زیور بری میں شامل کر دیے۔

عیاری اس کی گھٹی میں پڑی ہوتی تھی۔ ٹھنڈا کر کے کھانے کی عادی تھی تبھی تو سارے زیورات بحفاظت اس کی تحویل میں آچکے تھے۔

”کیسے نورینہ مہارانی میری کل پونجی کی مالک بن بیٹھی تھیں۔ میرے پانچوں بچوں کا برابر کا ان پہ حق ہے۔“

طمانیت سے سوچتے ہوئے ممتاز نے صندوق کو تالا لگا دیا۔

* * *

کافی دنوں بعد اس نے شاہدہ کے گھر کا چکر لگایا۔

”ارے آؤ نوری! یہ پزا ٹیسٹ کرو۔ جمیل نے اس تنخواہ پہ اوون خرید کر دیا ہے۔“

شاہدہ نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ پورا گھر چم چم کر رہا تھا۔

”جب سے گھر میں ماربل ٹائلز لگوائے ہیں۔ جانو عذاب میں پڑ گئی ہوں۔ ذرا سی دھول واضح نظر آنے لگتی ہے۔ بہت بری لگتی ہے۔ فوراً صفائی کرنا پڑتی ہے۔ تم خوش نصیب ہو اس معاملے میں پورا گھر کچا ہے جتنی دھول مٹی بیٹھے بری تو نہیں لگتی۔“ چائے کا کپ بھر کر اس کی طرف کھسکاتے ہوئے شاہدہ ہنوز مسکرا رہی تھی۔ اس نے گھونٹ بھرتے ہوئے خاموش نظروں سے شاہدہ کا چہرہ تکا۔

”محبت میں بڑا دم خم ہوتا ہے۔ فیروز تمہیں یہاں بھی گھر لے کر دے سکتا ہے۔ ویسے وہ الگ گھر افورڈ تو کر سکتا ہے نا۔“ شاہدہ نے قدرے **جھجکتے** ہوئے پوچھا۔ تو اس کا چہرہ پل بھر کو متغیر ہوا تھا۔

”ہاں کیوں نہیں اچھی خاصی تنخواہ ہے فیروز کی۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں روکھا پن در آیا تھا۔

”چلو اچھا ہے۔ میاں کی آمدنی تگڑی ہو تو ہر خواہش باآسانی پوری ہو جاتی ہے۔ اب مجھے دیکھو میں نے برآمدے میں جالیاں لگوانے کی فرمائش کی تو جمیل نے اسی ہفتے لگوا دیں۔ تم پزا لو نا۔“

بولتے بولتے شاہدہ کو احساس ہوا کہ نورینہ نے بس تھوڑا سا پزا چکھا ہے۔

”اچھی طرح کھا لو۔ کیا پتا فیروز تمہیں لینے آجائے۔ وہاں گاؤں میں کہاں پزے ملتے ہیں۔“

شاہدہ خود بڑا سا بائٹ منہ میں رکھتے ہوئے بولی۔

”نہیں بس میں چلتی ہوں۔“ وہ ایک دم خشک انداز میں کہتی ادھ پیا چائے کا کپ رکھ کر کرسی دھکیل کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

* * *

بشمول فیروز سارے بہن بھائی ماں کو حق دق زار و قطار روتا دیکھ رہے تھے۔ ممتاز زمین پہ بیٹھی سینہ کوبی کیے جا رہی تھی کپڑے مٹی سے اٹ چکے تھے۔

”وے بالا‘ تیرا ککھ نہ رہے۔ پیروں میں چھالے پڑیں‘ ہاتھ ٹوٹیں تیرے جن سے تو نے میری کل جمع پونجی اٹھا لی ہائے میرا کچھ نہیں رہا۔“

”اماں! کچھ بتا تو سہی ہوا کیا ہے۔ تو کیوں اتنے بین ڈال رہی ہے۔“ صائمہ ماں کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئی فکر مندی سے بولی۔ یہ رونا دھونا تو کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

”فیروز! تو بالے کا پیچھا کر وہ زیادہ دور نہیں گیا ہو گا۔“ ممتاز روتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اور فیروز کا بازو جھنجھوڑ کر بولی۔

”اماں! مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ مامے اقبال کا پیچھا میں کیوں کروں؟“ وہ ہنوز الجھن زدہ نظروں سے ماں کو دیکھ رہا تھا۔ ممتاز کا واویلا خاک پلے پڑا تھا۔

”وہ جنم جلا بالا تیری بیوی کے سارے زیور اٹھا کر بھاگ گیا ہے۔ تو جا اس کے پیچھے۔“

”نوری کے زیور تو تین ماہ پہلے ہی غائب ہو چکے ہیں۔ ماما اقبال کے ہاتھ کہاں سے لگ گئے۔“ اس نے

آنکھیں سکیڑ کر ماں کا چہرہ دیکھا۔

”وہ زیور میرے پاس تھے۔ میری صندوق میں۔“ ممتاز زمین پر نظریں گاڑے پست آواز میں بولی۔

”اماں!“ صائمہ اور تبسم کے منہ ایک ساتھ کھلے تھے۔ حیرت اور دکھ نے اکٹھے ہلا بولا تو فیروز کے قدم لڑکھڑا گئے تھے۔

”اماں! یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟“ اس کے منہ سے سرسراتے ہوئے لفظ نکلے تھے۔

”مجھے معاف کر دے بیٹا! میں شیطان کے بہکاوے میں آگئی تھی، میری آنکھوں پہ لالچ کی پٹی بندھ گئی تھی۔ تو کچھ کر۔“ ملتجی لہجے میں گم صم کھڑے فیروز کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھرتے ہوئے ممتاز پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

”اماں! تو اشارے میں کہہ دیتی، نوری خود تجھے سارے زیور اٹھا کر دے دیتی۔“ بے حد دکھ سے بولتے ہوئے اس نے ترحم بھری نظر روتی بلکتی ماں پہ ڈالی تھی۔

* * *

”چاچی! میں تیرے آگے شرمندہ ہوں۔ مجھے سو چھتر مار لے۔ پر یہ ظلم نہ کر۔“

”صغری چارپائی پہ بیٹھی تھی۔ دائیں بائیں کھلے بازو سختی سے چارپائی پہ جمے ہوئے تھے۔ چہرے کے کھنچے عضلات فیروز کی بات سن کر ڈھیلے پڑے تھے۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا عین صغری کے قدموں میں جا بیٹھا۔

”تجھے کاہے کو چھتر لگاؤں۔ لے آتا نا اپنی ماں کو۔ اس کا شرمندہ چہرہ دیکھ کر میں نوری کو تیرے ساتھ روانہ کر دیتی۔“ وہ فیروز کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے گہرے طنز سے بولی۔

”اماں! تو اب زیادتی کر رہی ہے۔ چاچی شرمندہ ہے۔ اس لیے تو فیروز چل کر مجھے لینے آیا ہے۔“ نورینہ تڑپ کر سامنے آئی تھی۔ ماں کا ماش کے آٹے کی طرح اینٹھے چلے جانا اسے پسند نہیں آرہا تھا۔

جس دن اسے زیورات کی بازیابی کی خبر ملی تھی۔ اسی وقت خوشی سے صحن میں جھمریاں ڈال رہی تھیں۔

”گھڑی مک گئی اے انتظار دی۔“

مگر صغری اپنے دل کا کیا کرتی جو تنور بنا بھڑ بھڑ جلے جا رہا تھا۔ ”تو چپ کر نورینہ! زیادہ بولی تو گلا گھونٹ کر یہیں صحن میں دفن کر دوں گی تجھے۔“ صغری نے غصے سے اسے بری طرح جھڑکا تھا۔

”بھابھی ممتاز نے ہم پر چوری کا الزام لگایا، خاندان بھر کی باتیں ہم نے سہی ہیں۔ اب زیور خود کے پاس سے نکل آئے تو نوری بازو ہلاتی چل پڑے۔ ناممکن خود بھابھی ممتاز آئے گی۔ خاندان کے چار بندوں میں مجھ سے معافی مانگے گی پھر کوئی تصفیہ ہو گا۔“

صغری کا انداز دو ٹوک اور اٹل تھا۔

* * *

وہ عجب مصیبت میں آن پڑی تھی۔

جب بھی گھر جانے کا نام لیتی، صغری بری طرح جھڑک کے رکھ دیتی۔

”قدم نکال کے تو دکھا، ٹانگیں توڑ کے رکھ دوں گی۔ میری بھی کوئی عزت ہے یا نہیں۔“ ادھر فیروز ہر ہفتے چکر لگاتا اسے لے جانے کی خاطر۔

”صائمہ کو کچھ لوگ دیکھنے آئے تھے۔ پسند بھی کر گئے ہیں۔ مگر اماں چاہتی ہے کہ نورینہ کی موجودگی میں رشتے کی بات آگے بڑھائی جائے۔“

شازمینہ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے فیروز صغری سے مخاطب تھا۔

”ہاں تیری ماں بخوبی جانتی ہے کہ جس گھر کی بہو میکے بیٹھی ہو اور وہ بھی چوری کے الزام میں تو اس گھر کی بیٹی سے رشتہ جوڑتے ہوئے لوگ سو واری سوچیں گے تو سہی۔“ صغری گہرے طنز سے بولی تو فیروز اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔ تاہم تحمل سے بولا۔

”ایسی بات نہیں ہے۔ وہ لوگ صائمہ کو پسند کر چکے ہیں۔ اماں بھی ان کا گھر بار دیکھ آئی ہے۔ مگر میری

تسلی نہیں ہو رہی۔ اماں کی پسند کا دائرہ بس صحن کے لمبے چوڑے رقبے، گھونٹوں سے بندھی ڈھیر ساری بکریوں اور گندم سے بھرے ڈرم تک ہی محدود ہے۔ میں چاہتا ہوں نورینہ ان لوگوں کے گھر جا کر ان کا رہن سہن اور باہمی میل جول کو دیکھ آئے۔“ سنجیدگی سے بولتے ہوئے فیروز نے صغریٰ کو آس بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

”ہاں تو اپنی ماں سے کہہ نا کہ وہ آئے اور اپنی بہو کو لے جائے۔“ صغریٰ قدرے بے گانگی سے بولی تھی۔

”وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔“ نورینہ اور فیروز دونوں نے ایک لمبی سانس کھینچی تھی۔ فیروز کی بات پہ اسے یاد آیا کہ شازمینہ کو بھی چند دن پہلے کچھ خواتین دیکھ کر گئی تھیں۔ صغریٰ تو خوب ان پہ ریشہ خطمی ہو چکی تھی۔

”اماں! تو شازمینہ کے لیے ہاں کرنے سے پہلے فیروز سے کہہ کر لڑکے کے کردار اور عادات کا پتا کرا لے۔ دیکھیں تو سہی لڑکے کا چال چلن اور حلقہ احباب کیسا ہے۔“ وہ بے ارادہ ہی ماں سے اس موضوع پہ بات کر بیٹھی۔

”چل رہنے دے فیروز ساری زندگی دیہات میں پلا بڑھا اور یہ لوگ ادھر رہنے والے۔ ویسے بھی فیروز زراعت کے محکمے میں بیجوں اور سپرے کی بوتلوں کی چھان پھٹک کرنے والا اور ان کا بھائی پولیس میں ملازم، تبھی اس شہر تو کبھی اس۔“ اسے ماں کے الفاظ نہیں انداز ضرور برا لگا تھا۔

طاہر شازمینہ سے پوچھ رہا تھا۔

”شازی باجی! کیا تم بھی شادی کے بعد نوری باجی کی طرح ہمارے گھر آؤ گی تو گنے، پاپ کارن، حلوہ اور مرونڈے لے کر آؤ گی۔“ معصوم واشتیاق بھرا سوالیہ انداز۔

”نہیں میرے بھائی! میں کوئی دیہات تھوڑی جا رہی ہوں۔ یہ تو خالص دیہات کی سوغاتیں ہیں جو نوری باجی لاتی ہے۔ میں تو شہر شہر پھر کر نئی نئی چیزیں اپنے بھائی کے لیے لاؤں گی۔“

شازمینہ نزاکت سے چہرے پر اسکرب رگڑتے ہوئے پیار سے بول رہی تھی۔ جب سے اس کا پرپوزل آیا تھا، تب سے وہ جی جان سے خود کو نکھارنے میں لگی رہتی تھی۔

”یہ میں آج کل اتنی زود رنج کیوں رہنے لگی ہوں۔“ آنکھ میں آئی نمی کو صاف کرتے ہوئے اس نے دل میں سوچا۔

☼ ☼ ☼

شازمینہ کے رشتے کے لیے آنے والی خواتین واقعی اسٹائلش، سلجھی ہوئی اور باوقار تھیں۔ اسے ان سے مل کر واقعی بہت خوشی ہوئی تھی۔ شرافت، رکھ رکھاؤ سبھی ان کے انداز گفتگو سے ظاہر ہو رہا تھا۔

”تمہیں منع بھی کیا تھا کہ تم ان رشتہ لانے والی عورتوں کے سامنے نہیں آؤ گی، پھر کیوں اندر گئیں۔“ مہمان خواتین کے جانے کے بعد صغریٰ نے بڑے سخت انداز میں اس سے بازپرس کی تھی۔

”مگر کیوں اماں! میں تو شادی شدہ ہوں، شازمینہ کی بڑی بہن ہونے کے ناطے ان سے ملنا میرا فرض تھا۔ کوئی یہ صورت حال تھوڑی تھی کہ بڑی بہن کا رشتہ نہ ہونے پہ چھوٹی بہن کو کمرے میں بند کر دیا جائے۔“ ذرا سا مسکرا کر شازمینہ کو دیکھتے ہوئے وہ ماں سے بولی۔

شازمینہ کے چہرے سے بھی ناراضی مترشح تھی۔

”افوہ! تم نہیں سمجھو گی۔“ صغریٰ جھنجلا کر بولی۔

”تم شادی شدہ ہو۔ یہ میں نے پہلی ملاقات میں بتا دیا تھا۔ اب اگر انہیں اس بات کی کرید لگ گئی کہ تم تین ماہ سے یہاں کیوں میکے میں مقیم ہو تو سوچو وہ محض یہ جواز بنا کر بھی پیچھے ہٹ سکتے ہیں کہ بڑی بہن میکے آئی بیٹھی ہے۔ کہیں دوسری بہن بھی اس مزاج کی نہ ہو۔“

”کس مزاج کی اماں؟“ اس کی آواز بھیگ گئی تھی۔

”کم عقل لڑکی! عقل سے تو تجھے سدا کا ویر ہے۔ نیا نیا رشتہ جڑ رہا ہے۔ احتیاط اچھی چیز ہوتی ہے۔ اب ہم

زیورات والی کہانی انہیں بالفرض سنا بھی دیں تو کون سا انہوں نے یقین کرلینا ہے، رشتہ پکا ہو لینے دو پھر خوب ان سے گپ شپ کرلینا۔" صغریٰ اب مہمانوں کی خاطر مدارت پہ خرچ ہونے والے پیسوں کا حساب کرنے لگی تھی۔

"کم عقل نہ ہو تو، لڑکیاں شادی کے بعد سمجھ دار ہوتی ہیں۔ اور تو اب شادی شدہ ہے کچھ تو سمجھ سے کام لے لیا کر۔" وہ ڈھیلے ڈھالے قدموں سے چلتی اندر آگئی۔ صغریٰ کی آواز اندر تک آرہی تھی۔

اس نے موبائل اٹھا کر فیروز کا نمبر ملایا۔

"ہاں فیروز! تمہیں یاد ہے جب تم مجھے بائیک پہ اماں کے گھر چھوڑنے آتے تھے تو ہم نے راستے میں میاں جی کے باغ میں کتنے مزے کے امرود کھائے تھے نا۔" وہ بچوں کی سی معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں مجھے یاد ہے، مگر تم......" وہ حیران سا اس کی بات پہ غور کرتا بس اتنا ہی کہہ سکا تھا کہ وہ اس کی بات کاٹ گئی تھی۔

"میں تمہیں بتارہی ہوں جب تم مجھے لینے آؤ گے تو پنڈ سے اپنے گھر جاتے ہوئے ہم میاں جی کے باغ میں ضرور رکیں گے۔ میرا امرود کھانے کو بڑا دل کررہا ہے۔"

"نوری! چاچی مان گئی ہے؟" فیروز کی آواز میں بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

"ہاں فیروز! اماں نے خود کہا ہے کہ میں اب شادی شدہ ہوں۔ شادی شدہ لڑکی کو سمجھ داری سے کام لینا چاہیے۔ اور اس وقت تمہیں کال کرکے گھر واپس لے جانے سے بڑھ کر کوئی اور سمجھ داری کی بات ہو سکتی ہے؟" وہ پراعتماد لہجے میں اس سے پوچھ رہی تھی۔

"یقیناً" "نہیں، میں بس ابھی آرہا ہوں۔" فیروز نے مسکراتے ہوئے کال ڈس کنیکٹ کردی۔

* *

ابن انشاء کی شخصیت اور علمی و ادبی
خدمات پر ڈاکٹر ریاض احمد ریاض کا
تحریر کردہ مقالہ

ابنِ انشاء
احوال و آثار
شائع ہوگئی ہے

قیمت: -/1200 روپے
ڈاک خرچ: -/50 روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

فرحین اظفر

ردائے وفا

سوہا اور ماہا دونوں بہنیں اپنی ماں کے ساتھ گھر کی اوپری منزل میں رہائش پذیر ہیں۔ ان کے والد کی وفات ان کے بچپن میں ہی ہو گئی تھی۔

گھر کی نچلی منزل میں ان کے تایا اور تائی اپنی دو بیٹیوں عفت اور نائلہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ تایا اکثر بیمار رہتے ہیں۔

حدید‘ انس‘ عفت اور نائلہ کے خالہ زاد ہیں۔ نائلہ‘ انس میں دلچسپی رکھتی ہے۔ مگر انس‘ سوہا سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اپنی پسندیدگی کا اظہار اپنی خالہ اور سوہا کی تائی کے سامنے کر دیتا ہے۔ خالہ کو بے پناہ دکھ کا احساس ہوتا ہے‘ مگر بظاہر راضی خوشی اس کا رشتہ لے کر اپنی دیورانی کے پاس جاتی ہیں۔ سوہا کی والدہ یہ رشتہ خوشی خوشی قبول کر لیتی ہیں۔

نائلہ باقاعدگی سے اپنے والد کو اسپتال لے کر جاتی ہے۔ وہاں اسپتال کے کلرک شبیر حسین عرف شبو سے روابط بڑھ جاتے ہیں کہ اچھے برے کی تمیز کو بھول جاتی ہے۔

سوہا اور انس کی شادی کی تقریبات بہت اچھے طریقے سے انجام پاتی ہیں اور سوہا رخصت ہو کر انس کے گھر آ جاتی ہے۔

حدید کسی کو ڈراپ کرنے جاتا ہے اور اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔

سوہا کے اکیلے پن کی وجہ سے عفت اس کے پاس رک جاتی ہے۔ گھر کے کاموں کے علاوہ حدید کا بھی خیال رکھتی ہے۔

حدید‘ عفت کے دل میں اپنے لیے پسندیدگی کو جان لیتا ہے اور سوچ لیتا ہے کہ اس بار خالہ کو مایوس نہیں کرے گا۔

نائلہ‘ شبیر حسین سے ملنا نہیں چھوڑتی اور آخر کار اپنی عزت گنوا بیٹھتی ہے‘ جس کا اندازہ اس کی ماں کو بھی ہو جاتا ہے اور وہ اپنی عزت بچانے کے لیے حدید کے ساتھ نائلہ کی شادی کا فیصلہ کر لیتی ہیں اور اس بات کا اظہار انس اور ماہا سے بھی کر دیتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

٦
چھٹی قسط

outube info

Copyrighted material

پوری رات آنکھوں میں جاگتے ہوئے کٹ گئی تھی۔

"پاپا" کسی کی آواز ہتھوڑے کی مانند اس کے دماغ، سماعتوں اور اعصاب پر برستی رہی تھی۔

"کیا حبیب کسی کے باپ ہیں۔"

وہ رات بھر فکر تشویش اور نم آنکھوں سے پلٹ پلٹ کر حبیب کا محو خواب چہرہ دیکھتی خود سے سوال کرتی رہی تھی۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ دل ماننے کو تیار نہ تھا اور دماغ جھٹلانے سے انکاری۔ اب اصل بات کیا تھی یہ تو صرف حبیب ہی بتا سکتا تھا مگر اس کے چھکا چھک بھاگتے دل کو سکون و قرار آئے بھی تو کیسے؟

نرم و ملائم بستر... کل تک جس پر گرتے ہی نیند کی مہربان پری اس کی پلکوں پر اپنے پر پھیلا دیتی تھی۔ آج جیسے میدان خارزار بن گیا تھا۔ کسی پل۔ چین نہ تھا۔ کسی کروٹ قرار نہ تھا۔

صبح تک اس کی آنکھیں سرخ ہو کر سوج چکی تھیں۔

"ماہا کیا ہوا۔ طبیعت ٹھیک ہے تمہاری۔" حبیب اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"جی ٹھیک ہے۔"

رات کی بہ نسبت صبح اس کا لہجہ حد درجہ روکھا تھا۔ حبیب کو یقین نہیں آیا۔

"کیا بات ہے تم روئی ہو۔" پوچھنے کی دیر تھی کہ آنسو پھر سے اس کی آنکھوں میں چمکنے لگے لیکن اس سے کچھ بولا نہیں گیا۔

"کیا بات ہے ماہا بولو۔ بتاؤ کیا مسئلہ ہے۔" وہ بے چین ہو گیا۔

ابھی کل رات تو وہ اتنی خوش اور مطمئن تھی۔ اب ایک ہی رات میں کیا ہو گیا تھا۔

"یہ ہے مسئلہ... یہ۔" ماہا تیزی سے کمرے میں جا کر اس کا سیل فون اٹھا لائی۔ جس پر کسی کی کال آرہی تھی۔

"ولی کالنگ۔" کے الفاظ پوری آب و تاب کے ساتھ جگمگا رہے تھے۔ حبیب نے ایک نظر اسے دیکھا پھر، فون آن کر کے کان سے لگایا۔

"جی بیٹا میں ذرا بزی ہوں۔ بعد میں بات کر لوں گا۔"

ماہا زور سے پیر پٹخ کر کمرے میں چلی گئی۔ حبیب اس کے پیچھے ہی آیا تھا۔

"ماہا کیا کر رہی ہو یہ۔"

اس نے جواب نہیں دیا وہ، تیزی سے وارڈ روب سے کپڑے نکال کر بیڈ پر پھینک رہی تھی۔

"ماہا کیا ہو رہا ہے یہ... پلیز۔"

"پیکنگ۔"

"کیوں۔" وہ دو قدم آگے بڑھ آیا۔

"میں اپنے گھر جانا چاہتی ہوں۔" اس کا انداز قطعی تھا۔

"پاگل ہو گئی ہو تم مجھے..."

"ہاں آپ یہی سمجھ لیں اور برائے مہربانی میری سیٹ بک کروائیں۔ مجھے فوراً" پاکستان جانا ہے۔"

"میری بات تو سن لو ماہا۔ تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس کا لہجہ بے بس تھا۔

"کیا غلط فہمی۔ یہ لڑکا آپ کا بیٹا نہیں ہے۔"

کسی موہوم سی امید کے سہارے اس کے ہاتھ ذرا کی ذرا تھم گئے۔

حبیب چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر مجرمانہ انداز میں سر جھکا کر بولا۔

"ہاں وہ... میرا بیٹا ہے۔"

ماہا نے ہاتھ میں تھامے کپڑے پھینک کر رونا شروع کر دیا۔

”ماہا پلیز رو مت۔“ اس نے قریب جا کر اس کے ہاتھ تھامے۔

”مت ہاتھ لگائیں مجھے۔“ اس نے زور سے حسیب کے ہاتھ جھٹکے۔

”ایک بار میری بات تو سنو۔“

”نہیں نہیں مجھے کچھ نہیں سننا۔ مجھے پاکستان جانا ہے فوراً“۔“

”کیوں جانا ہے۔ کیا تم مجھے چھوڑ کے جانا چاہتی ہو۔“

”ہاں میں نہیں رہوں گی۔ آپ کے پاس ' آپ کے ساتھ۔ میں ایک بٹے ہوئے شخص کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ میں ایک جھوٹے شخص کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔“

وہ زور سے چلائی۔ حسیب بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

”میں بٹا ہوا شخص نہیں ہوں۔ اتنے دن میں تم نے کہاں میری محبت میں کمی دیکھی۔“

وہ جتنا گرم ہو رہی تھی۔ حسیب اتنا ہی دھیما پڑ رہا تھا۔

”کیا آپ چاہتے ہیں۔ میں وہ وقت بھی دیکھوں۔ اس کے بعد فیصلہ کروں۔“

”کیسا فیصلہ کیسی باتیں کر رہی ہو تم۔“

”میں آپ کے ساتھ نہیں رہوں گی مجھے پاکستان جانا ہے بس۔“

وہ زارو قطار رو رہی تھی۔ بات کرنی مشکل ہو رہی تھی۔

”اس سے پہلے کہ آپ کی پہلی بیوی یہاں آئے اور مجھے دھکے دے کر نکالے۔“

”تم بہت جلد بازی میں فیصلہ کر رہی ہو۔ مجھے اپنی صفائی میں کچھ تو کہنے دو۔“

”مجھے کچھ نہیں سننا۔“ حسیب کا ہارا ہوا انداز دیکھ کر اس کے آنسو سسکیوں میں بدل گئے۔

حسیب دکھ سے اسے روتے دیکھتا رہا۔ پھر مرے مرے قدموں سے باہر چلا گیا۔

* * *

وہ بہت انہماک سے صبح کے لیے کپڑے پریس کر رہی تھی۔ حدید نے پیچھے سے آ کر اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔

”حدید۔“ وہ سنجیدگی سے کہتی ہوئی کام میں لگی رہی۔

”اتنی چپ چپ کیوں رہتی ہو نائلہ۔“ وہ ہاتھ ہٹا کر اس کے سامنے آگیا۔

”نہیں تو۔“ وہ اس کی شرٹ ہینگ کر رہی تھی۔ صبح کا باسی اخبار کھولتے ہوئے حدید نے اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

”اچھا تو پھر مجھے ایسا کیوں لگتا ہے۔“

نائلہ کو بیڈ پر بیٹھتے ہوئے الجھن نے گھیرا۔ وہ ایک فضول بات کر رہا تھا۔ بے معنی ' بے مقصد۔

”پتا نہیں۔ ہو سکتا ہے آپ کا وہم ہو۔“ وہ سونے کی تیاریوں میں تھی۔ اپنے دھیان میں اس نے دوپٹا سائیڈ ٹیبل پر اچھالا۔ پھر جیسے ہی پیچھے کی طرف ٹیک لگانے لگی۔ حدید نے اسے اپنے قریب کر لیا۔ نائلہ ایک دم سن سی ہو گئی۔ ایسی برجستگی کی امید جو نہیں تھی۔

”اگر یہ میرا وہم ہے تو دور کر دو ناں۔“ وہ بہت نرم نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

نائلہ نے بدقت تمام نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ آج بھی حدید سے اتنا ہی جھجکتی تھی۔ جتنا شادی سے

پہلے۔ اس کا چہرہ نائلہ کے بہت پاس تھا۔ اور وجود کی خوشبو دار حرارت حواس مختل کرنے کے لیے کافی تھی۔ ہو بہو وہی نین نقش، وہی رنگت، آواز... انداز... اس کے دل میں کسی نے چٹکی لی۔

”اگر ہو بہو اس جیسا مل گیا۔ تو وہ ہی کیوں نہیں۔“

حدید بہت غور سے اس کا چہرہ پڑھ رہا تھا۔ جہاں ایک دم ہی بے زاری کے تاثرات نمودار ہوئے۔ اگلے ہی پل وہ **کسمسا** کر اس کی گرفت سے نکل چکی تھی۔

”میں کیسے دور کروں بلا وجہ ہنستی ہوئی تو اچھی نہیں لگوں گی۔“ وہ یونہی ڈریسنگ سے کوئی کریم اٹھا کر لگانے لگی۔ حدید نے بطور خاص اس کا گریز ملاحظہ کیا۔

”نائلہ! میرے پاس آؤ۔“ اب کے اس کی آواز میں تحکم تھا۔

نائلہ کے ہاتھ ساکت ہو گئے لیکن اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

”آپ کو کوئی کام ہے تو... کہہ دیں۔“

”کام کہنے کے لیے ہی بلا رہا ہوں۔“

اس نے لوشن کی بوتل بند کر کے ٹیبل پر رکھی اور حدید کے پاس آ گئی۔

”تم مجھ سے دور کیوں بھاگتی ہو نائلہ۔“ وہ اس کے قریب ہوتے ہوئے بولا۔

”کیا ناراضی ہے کوئی۔“ نائلہ سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

”کتنے دن گزر گئے۔ تم سکون سے میرے پاس نہیں بیٹھیں۔“

اس کی آواز دھیمی ہو گئی۔ وہ حدید کی بات کا مقصد خوب سمجھ رہی تھی۔ اس کی گرم سانسیں نائلہ کے رخساروں سے ٹکراتی اس کی وحشتوں میں اضافہ کر رہی تھیں۔ اسے حدید کی قربت سے اس لیے بھی گھبراہٹ ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ بالکل انس جیسا تھا اور انس کل بھی اور آج بھی نائلہ کے دل کا مکین تھا۔

اس نے حدید سے شادی ضرور کر لی تھی۔ مگر دل سے اب تک اسے قبول نہ کر پائی تھی۔

”حدید پلیز چھوڑ دیں مجھے۔“ اس نے زور سے حدید کے ہاتھ جھٹک دیے۔ وہ نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگا۔

”کیا ہوا۔ کیا میں نے کچھ غلط کیا۔“

نائلہ کا چہرہ پسینے سے تر ہو چکا تھا۔ اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

”میرے... پاس... مت آیا کریں... آپ۔“ الفاظ رک رک کر ٹوٹ کر اس کے لبوں سے نکلے۔

حدید کے چہرے پر بے یقینی چھا گئی۔

”کیا مطلب۔ کیوں۔“

”بس۔“ اس کی آنکھوں میں اکا دکا آنسو ابھرے۔

”مجھے اچھا نہیں لگتا۔“

”اچھا نہیں لگتا۔“ اس نے حیرت سے اس کے الفاظ دہرائے۔

”کیا اچھا نہیں لگتا۔“

نائلہ نظریں نیچی کیے بمشکل ضبط کر رہی تھی۔

”بولو۔“ اس نے نائلہ کی ٹھوڑی پر انگلیاں اٹکا کر چہرہ اپنی طرف گھمایا۔

”آپ مجھے چھوئیں۔ یہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔“ بات مکمل کر کے وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

حدید منہ کھولے اس کے پیچھے تکتا رہ گیا۔

* * *

نیند آنکھوں سے ناراض ہو کے دور جا بیٹھی تھی۔ داہنی طرف کروٹ لیٹے لیٹے اس کا پہلو دکھنے لگا تو اس نے کروٹ بدلی۔ اس کی چوڑی پشت اس کے سامنے تھی۔ اس کی حسرت زدہ نظریں اس پر ٹک گئیں۔

کتنے دن گزر گئے تھے۔ اس نے سوہا کی طرف سے کروٹ بدل کر سونا شروع کر دیا تھا۔ اسے تو یہ بھی یاد نہ تھا کہ آخری بار اس نے محبت سے کب دیکھا تھا۔ اس کی اپنی حالت ایسی تھی کہ ایک عجیب سی بے زاری اور اکتاہٹ ہمہ وقت دجود پر چھائی رہتی تھی۔

ابتدائی دنوں میں خوش خبری ملنے پر جو ایکسائٹمنٹ انس نے دکھائی تھی۔ وہ رفتہ رفتہ کم ہوتے ہوئے اب بالکل ختم ہو گئی تھی۔ یا نہ ہونے کے برابر۔

تین دن سے وہ ڈاکٹر کے پاس جانے کے لیے کہہ رہی تھی اور انس مسلسل ٹال رہا تھا۔ اوپر سے اس کے آفس میں اس کے ساتھ ہونے والی زیادتی۔ مگر' کیا ضروری تھا کہ وہ خود سے ہوئی ناانصافی کا سارا غصہ سوہا کے دجود پر اتارتا۔ وہ بھی نائلہ جیسی عورت کو اس پر فوقیت دے کر۔

نائلہ' جس نے زندگی میں شاذ ہی کبھی ماہا اور خود اس کے ساتھ سیدھے منہ بات کی ہو یا ان دونوں بہنوں کو کبھی درخور اعتنا جانا ہو۔

وہ نائلہ آج اس کے گھر کی مختار کل بنی بیٹھی تھی۔

تینوں ٹائم کے کھانے کی ذمہ داری اس نے سوہا کی طبیعت کو بہانہ بنا کر اپنے ذمہ لے لی تھی۔ دن میں دونوں وقت کا کھانا اس کی مرضی اور پسند کا بنتا۔ سوہا اگر کچھ کھانا چاہتی تو وہ اپنی مرضی سے پکا کر کھا سکتی تھی۔ یہ آسان اختیار بھی نائلہ نے اسے کمال مہربانی سے دے دیا تھا۔

سوہا اس سے یہ سوال بھی نہ کر سکی کہ کیا اس کی اتنی مرضی بھی نہیں چل سکتی کہ ایک ٹائم کا کھانا اس کی مرضی اور پسند کا بن جائے اور سب وہی کھا لیں۔ ایک دو بار اس نے نائلہ سے کہنے کی کوشش کی تو اس کی رائے کو نائلہ نے سرے سے رد کر دیا اور اگر انس اس وقت سامنے ہوتا تو سب سے زیادہ نائلہ کی ہاں میں ہاں ملانے والا بھی وہی ہوتا۔

بعد میں سوہا نے ایسا کوئی بھی ارادہ ترک کر دیا۔

اسے آج کل چائنیز اور ہلکے مسالوں والے کھانے اچھے لگتے تھے۔ سو وہ اپنے لیے وہی پکانے لگی۔ مگر انس کو اس کی یہ بات بھی پسند نہیں آتی۔ نہ اس کے ہاتھ کے بنے چائنیز کھانے۔ ایک دو بار کے بعد ہی اس نے سوہا سے کہہ دیا تھا کہ وہ سوہا کے بجائے نائلہ کے ہاتھ کا بنا کھانا زیادہ پسند کرے گا۔ نائلہ نے فوراً" بخوشی ذمہ داری سنبھال لی۔

بظاہر تو اب بھی سب کچھ ٹھیک ہی تھا۔ وہ انس کے آنے کے بعد اس کے ساتھ ہی کھانا کھاتی تھی۔ بلکہ انس کے زیادہ تر کام بھی وہی نمٹاتی۔ صفائی ستھرائی اور برتنوں کی دھلائی کے کام بھی بٹے ہوئے تھے اور دونوں ہی اپنے وقت پر بہ حسن و خوبی اپنے کام انجام دیتی تھیں۔ مگر پھر بھی کہیں نہ کہیں' کوئی نہ کوئی دراڑ ضرور تھی۔ جو اس کے اور انس کے درمیان کسی اور کو محسوس ہو نہ ہو۔ مگر سوہا کو ضرور دکھائی دینے لگی تھی۔ اور اس دراڑ کے پار سے جھانکتا نائلہ کا چہرہ اسے اس سے بدزن اور خوفزدہ کرنے کے لیے کافی تھا۔

بظاہر کچھ نہ ہونے کے باوجود' وہ پورے گھر پر چھائی ہوئی محسوس ہونے لگی تھی۔ اسے بھی اور شاید انس کو بھی۔

رات دھیرے دھیرے اپنا سفر تمام کر رہی تھی۔ اس کا تکیہ کتنی ہی دیر آنسوؤں سے بھیگتا رہا۔ گھٹی گھٹی ہچکیاں' دبی دبی سسکیاں۔ انس کی بے اعتنائی کا نام لے لے کر فضا میں بکھرتی رہیں اور وہ بے خبر دشمن جاں اس کی حالت

زار سے بے خبر، محو خواب رہا۔

وہ نائلہ اور اپنا۔ انس سے شادی سے پہلے اور شادی کے بعد کے رویے کا موازنہ کرتی رہی۔ اور روتی رہی۔

* * *

گرم چائے ٹھنڈی ہو کر بدرنگ ہو چکی تھی۔ توس آملیٹ، جیم، مکھن، ناشتے کے سارے لوازمات یونہی سامنے میز پر دھرے تھے۔ جیسے حسیب چھوڑ کر گیا تھا۔ خود اس سے بھی، ان تکلیف دہ ساعتوں کے بعد کچھ کھانا پینا مشکل تھا۔

ماہا کو اس کی کل تک کی محبت اور پروا، آج ایک ڈھکوسلے اور دکھاوے سے زیادہ کچھ نہیں لگ رہی تھی۔ سارا دن ایک گلاس جوس کے علاوہ ایک دانہ تک اس کے منہ میں نہیں گیا تھا۔

دیارِ غیر میں آج تنہائی کا احساس حد سے سوا تھا اور اوپر سے یہ دکھ کا پہاڑ جس جیون ساتھی کو اپنا سب کچھ جان کر اپنا سب کچھ چھوڑ کر اس کے پیچھے چلی آئی تھی۔ یہاں اور دوسرے بھی اس کے چاہنے والے تھے۔

"بھلا میری کیا ضرورت تھی۔"

ایک ٹوٹے کانچ جیسی چبھن لیے سوچ اس کے دل میں پیوست تھی۔ اور لہو قطرہ قطرہ نمی بن کر آنکھوں سے بہہ نکلتا تھا۔ صبح سے دوپہر، دوپہر سے شام اور پھر رات ہو گئی۔

دھیرے دھیرے سرکتی رات اگر اس سے پہلے کبھی حسیب کی غیر موجودگی میں سے پر اپنے قدم دھرتی تو وہ حسیب کو فون کر کر کے پاگل کر دیتی تھی۔ آج جیسے کسی چیز کی پروا نہیں تھی۔ خیال تھا تو بس اپنی کم مائیگی کا اور اس جھوٹ کا۔ جس کا پول بہت بھونڈے انداز میں مگر بہت جلدی اس پر کھل گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس سے اپنا دکھ کہے۔

ماں سے۔ جو اسے پردیس بھیج کر مسلسل اس کی خوشیوں کے لیے دعاگو تھی۔ اس بات سے بے خبر کہ انہیں کب کی نظر لگ چکی۔ یا اپنی بہن سے۔ لیکن وہ تو پہلے ہی ازدواجی زندگی کے پرپیچ راستوں پر قدم جمانے کی کوششوں میں ناکام ہو رہی تھی ماہا سے سوہا کی کوئی بات اور کوئی جذبات چھپے ہوئے نہ تھے۔

انس کے حوالے سے سوہا کے دل پر جو بھی بوجھ تھا وہ، صرف ماہا کے سامنے ہی ہلکا کیا جا سکتا تھا۔ اور ماہا کے پاس تو اس جیسا کوئی سامع بھی نہ تھا۔

شام کو آفس سے واپسی پر حسیب کے ہاتھ میں اس کے لیے گجرے تھے۔ ماہا نے تھامتے ہوئے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس نے نگاہیں چرالیں۔ اس نے گجرے بے دلی سے ڈریسنگ پر ڈال دیے اور خود اس کے لیے چائے بنانے کچن میں چلی آئی۔

کل تک یہاں اس گھر میں حسیب کی آمد کے ساتھ ہی اس کی ہنسی کی چہکاریں گونجنے لگتی تھیں۔ مگر آج، اس نے پلٹ کر لاؤنج میں بیٹھے حسیب کو دیکھا۔ اس کا دل بھر آیا۔ وہ کتنا مطمئن دکھائی دیتا تھا۔ مگر اصل میں تھا نہیں اس کی نظریں ٹی وی پر اور سوچیں کہیں اور بھٹک رہی تھیں۔

"کیا مجھے ان کو صفائی دینے کا موقع دینا چاہیے۔" اس نے خود سے پوچھا۔

"شاید ہاں۔" دل مضطرب میں اب کوئی کیفیت یقینی نہیں تھی۔ وہ چائے اس کے سامنے رکھ کر چپ چاپ وہیں بیٹھ گئی۔ حسیب نے ٹی وی بند کر کے اس کو دیکھا۔

"میری فلائٹ کب کی ہے پاکستان کی۔" حسیب نے اس کی بات پر ایک گہری سانس لی۔

"تم نے بالکل حتمی فیصلہ کر لیا ہے کہ تم ضرور جاؤ گی۔"

”یہاں رہنے کا کوئی جواز بھی تو نہیں۔“

”مجھ سے بڑا کوئی جواز ہو سکتا ہے۔“

”نہیں۔ آپ یہاں آنے کی سب سے بڑی وجہ تھے اور اب آپ ہی یہاں سے جانے کا واحد اور سب سے مضبوط جواز ہیں۔“

وہ بے تاثر لہجے میں کہہ کر اپنے ناخن کھرچنے لگی۔

”میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”تم جانا چاہتی ہو تو بے شک چلی جاؤ۔ مگر میری محبت کو جھوٹ مت سمجھو۔ میں اپنے آپ کو بے قصور تو نہیں کہوں گا۔ مگر میرا تم سے جھوٹ بولنے یا یہ سب چھپانے کا مقصد تمہیں کوئی دھوکا دینا نہیں تھا۔“

ماہا اسے دیکھتی رہی۔ وہ یوں متذبذب تھا جیسے ابھی مزید کچھ کہنا چاہتا ہے۔

”اب سے قریباً“ دو سال پہلے میں نے ایک برٹش نیشنل پاکستانی لڑکی کو شادی کے لیے پسند کیا تھا۔ اسے پرپوز بھی کر دیا تھا۔ اور وہ شادی کے لیے راضی بھی تھی مگر، جب اسے ولید کے بارے میں پتا چلا تو وہ..... مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔“ ماہا حیرت اور دکھ سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

وہ اپنے آپ کو حسیب کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی سمجھتی تھی مگر پہلے تو کیا وہ تو دوسری بھی نہیں تھی۔ پتا نہیں تیسری بھی تھی یا... اس کا کون سا واں نمبر تھا۔

”مجھے صرف یہی ڈر تھا کہ اگر تمہیں اس بارے میں پتا چلا تو کہیں تم بھی مجھے....“ اس نے بات ادھوری چھوڑ کر سر جھکا لیا۔

”اس لیے آپ نے سوچا کہ مجھے سرے سے لاعلم رکھا جائے۔“

”میں نے سوچا تھا مناسب وقت آنے پر تمہیں بتا دوں گا۔“ وہ جلدی سے بول اٹھا۔

”کون سا مناسب وقت، جب اتنی دیر ہو جاتی کہ کسی مجبوری کی زنجیریں میرے پیروں میں پڑی ہوتیں اور میں بے بسی سے....“

”جب میری محبت پر اعتماد تمہارے ایمان کی حدوں کو چھو چکا ہوتا اور تمہارے پیروں میں کسی مجبوری کی زنجیر نہیں بلکہ تمہارے دل پر میری محبت کی حکمرانی ہوتی۔“

حسیب کا لہجہ لو دے اٹھا مگر، ماہا کے لیے اب یہ سب باتیں بے کار تھیں۔

”بہر حال مجھے جلدی پتا چل گیا اچھا ہوا۔ آپ کل ہی میری سیٹ کنفرم کرا دیں۔“ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولی تو اس کا گلا رندھ گیا۔ اور وہ تیزی سے اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔

حسیب اپنی ہتھیلیوں کی خالی لکیروں کو کھوجنے لگا۔

نادانی کی عمر میں فقط ایک قدم بھٹک گیا تھا۔ مگر اسے اندازہ نہ تھا کہ یہ ایک بھٹکا ہوا قدم اسے مستقبل میں کن اندھیروں میں لے جانے والا ہے۔

”فقط چند لمحوں کی گمراہی کیا زندگی بھر مجھے منزل کی تلاش میں بھٹکائے گی۔“

اسے ایک بے نام سی تھکن پورے وجود میں سرائیت کرتی محسوس ہو رہی تھی۔

* * *

”رات میں جلدی آجایئے گا۔ ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔“

انس کے عجیب سے لاتعلق رویے کو دیکھتے ہوئے اس کے لہجے میں خود بخود خفگی جھلکنے لگی تھی۔

‘‘میں نہیں آسکتا۔’’

‘‘تو میں کیا کروں۔’’ انس نے آئینے میں ایک نظر اسے دیکھا۔

‘‘تم نائلہ کے ساتھ چلی جانا۔’’

‘‘میں نائلہ کی ذمہ داری نہیں ہوں۔’’ اس کا حلق کڑوا ہو گیا۔

‘‘تو ایسا کرنا اگر حدید جلدی آجائے تو۔۔۔’’

‘‘میرے شوہر آپ ہیں۔ حدید نہیں۔’’

انس نے بے زاری سے ہیئر برش ڈریسنگ ٹیبل پر پھینک دیا۔

‘‘کیا بکواس ہے یہ۔’’

‘‘یہ بکواس نہیں۔ آپ کی زندگی کی وہ حقیقت ہے۔ جس پر شاید آپ پچھتا رہے ہیں۔’’

‘‘میں کیوں پچھتاؤں گا۔’’ اسے اچنبھا ہوا۔ سوہا کی بات پر۔

‘‘یہ تو آپ اپنے دل سے پوچھیے۔’’

‘‘انکشاف تو تم نے کیا ہے۔’’ وہ جرابیں پہننے لگا۔

‘‘تو غلط تو نہیں ہے نا۔’’

سوہا نے بغور اس کی مصروفیت ملاحظہ کی۔ وہ بحث ضرور کر رہا تھا مگر۔۔۔ صرف وقت گزاری کے لیے۔

‘‘سوہا تم جانتی ہو میں آج کل کتنا پریشان ہوں۔’’ وہ شوز پہن کر کھڑا ہو گیا۔

‘‘آپ بھی جانتے ہیں جس فیز میں میں گزر رہی ہوں۔’’

‘‘یہ فیز تمہارے لیے پریشان کن بہر حال نہیں ہونا چاہیے مگر آج کل آفس میں۔۔۔’’ اس کا لہجہ مصالحانہ تھا۔

‘‘آفس، آفس، آفس۔ میں تنگ آگئی ہوں آفس کی اس گردان سے۔ آفس میں ٹینشن ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ وہ ٹینشن اٹھا کر گھر لے آئیں۔’’

‘‘گھر میں بھلا کیا ٹینشن ہے تمہیں۔ بلکہ جتنے ٹھاٹھ سے تم رہ رہی ہو۔ لڑکیاں تو خواب دیکھتی ہیں ایسے سسرال کے جہاں ہل کر پانی بھی نہ پینا پڑے۔’’ اس نے بڑے سکون سے سوہا کا سکون تہہ و بالا کیا۔

‘‘تو آپ کے خیال میں میں سارا دن ایسے ہی پڑی رہتی ہوں۔ کوئی کام وام نہیں کرتی جو آپ ایسے کہہ رہے ہیں۔’’

‘‘کم سے کم مجھے تو یہی دکھتا ہے۔’’

وہ اپنے تئیں بات سمیٹ کر باہر نکلا۔ سوہا تیزی سے اس کے پیچھے لپکی۔

‘‘بہتر ہو گا اپنی آنکھوں کا علاج کروالیں آپ۔’’

اسے دنیا کا مشکل ترین کام لگا تھا کہ انس کو زبردستی روک کر دن بھر کے کاموں کی تفصیل اسے سنائے بلکہ جتائے۔

یہ حرکت تو اس سے تب بھی نہیں ہوئی تھی۔ جب امی ماہا کی طرف داری کرتے ہوئے اسے ڈانٹ دیتی تھیں۔ حالانکہ وہ تو قریب ترین اور سگے رشتے تھے۔ لیکن اس نے ساری زندگی ہی مل بانٹ کر کام کیا تھا۔ مگر نہ تو کبھی کسی کا کریڈٹ زبردستی خود لینے کی کوشش کی نہ کبھی اپنی محنت کا میڈل کسی اور کو گلے میں پہنتے دیکھا تھا۔

یہ الٹ پھیر تو زندگی میں پہلی بار ہی ہو رہا تھا۔ لہٰذا کلس کر صرف یہی کہہ سکی۔ وہ مڑ کر اسے گھورتا ہوا سیڑھیاں اتر گیا۔

* * *

ماہا کا فون تھا۔ سوہا کو سن کر حیرت نے آگھیرا۔ لیکن اس حیرت کے پیچھے سے خوشگواریت کے بجائے تشویش جھانک رہی تھی۔

”خیریت تو ہے۔“

”خیریت نہیں ہے سوہا۔ میں پاکستان آگئی ہوں۔“

”کیا۔“ سوہا کے پیٹ میں درد کے بگولے اٹھنے لگے۔ کیوں کا سوال بے آواز لبوں کی پھڑپھڑاہٹ میں دب گیا۔

”اتنی جلدی۔“

وہ کیوں آگئی پاکستان کس لیے آئی ہے اور... اور کیا اکیلی؟ وہ بے جان لائن سے ٹوں ٹوں کی آواز بے دھیانی میں سن رہی تھی اور ٹھنڈے پسینے اس کا وجود بھگو رہے تھے۔

دوپہر کے قریب امی کا فون آیا۔

”سوہا بیٹا۔ ماہا گھر آگئی ہے۔“

”جی امی۔ کچھ بتایا اس نے۔ ایسے کیسے آگئی اتنی اچانک۔ بغیر کسی پیشگی اطلاع کے۔“

اس کے دل کو پہلے ہی پنکھے لگے ہوئے تھے۔ اس نے سوالوں کی بوچھاڑ کردی۔

”ارے نہیں کیا خاک بتایا بس ہنستے ہنستے مل کر رو دی اور کہنے لگی کہ بہت یاد آرہی تھی تو 'سرپرائز دے دیا۔“

امی ازحد پریشانی کے عالم میں بتا رہی تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ انہیں ماہا کی بات پر رتی برابر یقین نہیں آیا ہے۔

”میری بات کروائیں اس سے۔ کیا انس یا حدید بھائی میں سے کسی کو بتایا آپ نے۔“

”نہیں ابھی نہیں بتایا اور وہ تو نہا دھو کر سونے چلی گئی۔ دروازہ بند ہے۔ اب اٹھے گی تو پوچھوں گی۔“ انہیں اس کا سامان دیکھ دیکھ کر ہول اٹھ رہے تھے۔

”آپ حوصلہ کریں امی سب خیریت ہی ہوگی۔“ اسے خود اپنے لفظوں کے کھوکھلے پن کا اندازہ تھا۔

”ارے کیا خاک حوصلہ کروں۔ دبئی کوئی یہاں رکھا ہے دوسری گلی میں۔ ٹکٹ ویزے کی مصیبتیں اور ابھی تو گئی تھی۔ مشکل سے مہینہ گزارا ہوگا۔ حسیب کو فون کروں؟ اس نے بھیج کیسے دیا اتنی دور اکیلے۔“ کوئی ایک فکر ان کی جان کو لاحق تھی۔

سوہا کا دل چاہا ماہا کو جا کر جھنجوڑ ڈالے۔ جبکہ وہ بند کمرے میں سرخ آنکھوں سے میسج لکھ رہی تھی۔

”امی کو ساری بات کا کچھ علم نہیں اور علم ہونا بھی نہیں چاہیے۔ فی الحال میں کسی کو پریشان نہیں کرنا چاہتی۔“ میسج سینڈ کر کے موبائل پھینک کر وہ گھٹی گھٹی آواز میں سسک اٹھی۔

* * *

انس اور حدید رات میں دونوں ہی دیر سے واپس آئے۔ نائلہ سونے کے لیے جا چکی تھی۔ سوہا نے اسے ماہا کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ البتہ وہ خود جلے پیر کی بلی بنی پورے گھر میں گھومتی رہی۔ اسے کسی پل قرار نہ تھا۔ جانے کس خدشے کی بے چینی اس کی رگ دپے میں اودھم مچا رہی تھی کہ اس سے سکون سے بیٹھنا محال تھا۔ اس پر اسے انس کا چند لفظی میسج ملا کہ وہ اور حدید گھر جا رہے ہیں۔ واپسی میں دیر ہو جائے گی۔

اس کے بعد اس نے کتنی ہی دفعہ دونوں کے موبائل پر بار بار کال ٹرائی کی۔ مگر بیل جاتی رہی اور کسی نے ریسیو نہیں کیا۔ اس کے دل کو پنکھے لگے ہوئے تھے۔ رات کو ساڑھے گیارہ بجے کے قریب دروازہ کھلا۔ وہ جیسے اڑتی ہوئی صحن پار کر کے ان تک پہنچی تھی اور دونوں کے سنجیدہ اور کس حد تک اترے ہوئے چہرے دیکھ کر دھک سے رہ گئی۔ باری باری دونوں نے اپنی بائیک اندر کھڑی کیں۔

“کھانا لاؤں۔” اپنا سوال اسے خود بھی بے تکا لگا۔

حدید جواب دیے بغیر کمرے میں چلا گیا۔ وہ سوالیہ نظروں سے انس کا چہرہ کھوجتی، اس کے قدموں کے نشان پر پیر رکھتی کمرے میں آئی تھی۔ صبح سے دل میں جو پکڑ دھکڑ ہو رہی تھی۔ اس کا ماخذ یقیناً ”کوئی بری خبر تھی۔

“یا اللہ خیر!” اس کے دل سے بے آواز صدا نکلی۔

“پتا تو چل گیا ہوگا تمہیں۔ ماہا بالکل اچانک ہی آج صبح پاکستان پہنچی ہے۔”

“جی۔” اس نے یوں مجرمانہ انداز میں سر جھکایا جیسے اس میں اسی کا قصور ہو۔

“وہ کہہ رہی ہے کہ حسیب...؟”

وہ چند لمحے رکا۔ گویا سوہا کی سانسیں بھی رک گئیں۔

“حسیب نے وہاں شادی کر رکھی ہے۔ اور اس کا ایک بیٹا بھی ہے۔”

سوہا نے بے ساختہ لبوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی چیخ کو دبایا۔

“کیا یہ سچ ہے۔”

وہ بے یقین نظروں سے، سر ہاتھوں میں گرائے انس کو دیکھ رہی تھی۔

“انس بتائیں نا۔ یہ سچ ہے کیا۔” اس نے اس کا کندھا ہلایا۔ اس نے سر اٹھا کے سوہا کی ڈبڈباتی ہوئی آنکھیں دیکھیں۔

“پتا نہیں۔”

اس نے دونوں بازو کھول کر سوہا کو سمیٹ لیا۔ وہ بے قراری سے اس کے سینے سے لگ کر رو پڑی۔

انس اس کا سر سہلاتے ہوئے دکھی دل سے سوچ رہا تھا کہ، حسیب نے انہیں اندھیرے میں رکھا... کیوں۔

اسے یہ دھوکا دہی کر کے کیا ملا۔

* * *

انس نے دبئی فون کر کے حسیب سے بات کرنے کی کوشش کی۔ مگر اسے سخت مایوسی ہوئی۔ حسیب نے اس سے، اس موضوع پر کوئی بھی بات کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

“دیکھو میں مانتا ہوں غلطی میری ہے۔ مجھے یہ بات چھپانی نہیں چاہیے تھی۔ ایٹ لیسٹ ماہا سے۔” اس نے ایک گہری سانس لی تھی۔

گویا خبر کے غلط ہونے کا جو ننھا منا سا امکان تھا۔ وہ بھی جل بجھا۔

“مگر اب جبکہ ماہا کو سب پتا چل ہی چکا ہے۔ تو ماہا کو چاہیے تھا کہ وہ یہیں رہ کر اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کرتی جو میرے لیے اس کے دل میں جڑ پکڑ چکی ہے۔ مگر یار...” حسیب تھوڑا رک گیا۔

“اسے ہم دونوں کے معاملے کو ہاٹ ایشو بنانے سے پہلے یہ تو سوچنا چاہیے تھا کہ اس طرح بات بننے کے بجائے بگڑ بھی سکتی ہے۔”

“حسیب پلیز۔ غلطی تمہاری ہے اسے ایکسیپٹ کرو۔” انس نے ایک دم سنجیدگی سے اسے ٹوکا۔

“میں کر تو رہا ہوں۔ میرے بات چھپانے سے نقصان صرف ماہا کا ہوا ہے۔ میں صرف اسے وضاحت دینے کا پابند ہوں۔ ساری دنیا کو نہیں۔”

“ساری دنیا تم سے کوئی وضاحت نہیں مانگ رہی۔” اس نے مصالحانہ انداز اختیار کیا۔

“مگر جس طرح سے وہ آئی ہے۔ اس کے گھر میں صرف اس کی والدہ ہیں۔ کوئی مرد گھر میں نہیں ہے۔ اس لحاظ

سے ان کی پریشانی ایک فطری عمل ہے۔"

"میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں۔ اتنے سارے لوگوں کو پریشان کرنے کے بجائے اگر وہ یہیں معاملہ کلیئر کر لیتی تو شاید اب تم کو مجھ سے اس طرح بات نہیں کرنی پڑتی۔"

"آئی ایم سوری۔ وہ میرے لیے بہنوں جیسی ہے اور میں۔۔۔"

"اگر وہ تمہارے لیے بہنوں جیسی ہے تو پلیز اس سے اصرار کرو کہ ایک بات میری بات سن لے۔" انس چند لمحے سوچتا رہا۔

"ٹھیک ہے میں پھر بات کروں گا اس سے بھی اور تم سے بھی۔"

"بہتر ہو گا کہ ماہا مجھ سے پہلے بات کرے۔ باقی سب تو پھر بعد کی باتیں ہیں۔" حسیب نے ڈھکے چھپے الفاظ میں جتا دیا کہ اس معاملے میں ماہا کے علاوہ کسی کی سننے کو تیار نہیں۔

انس فون بند کر کے گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

حسیب کی ذات اور اس کے مزاج کا ایک بالکل نیا پہلو اس پر منکشف ہو رہا تھا۔

* * *

حدید نے نائلہ کے قریب جانے کی دوبارہ کوشش نہیں کی۔ نائلہ کی بات نے اس کا دل بہت دکھا دیا تھا۔ وہ اس کے گریز کی وجہ سے لاعلم بھی تھا۔ اور اسے جاننے سے قاصر بھی۔ مگر جب تک لاعلم تھا تب تک خیر تھی۔ مگر جب اسے وجہ کا علم ہو جاتا تو اسے جاننے کے بعد وہ جس کرب و اذیت سے گزرتا۔ اس کے لیے دکھ بڑا معمولی لفظ ہوتا۔

ابھی تو وہ یہ بات از خود فرض کیے بیٹھا تھا کہ شاید نائلہ نے اپنے اور اس کے تعلق کو دل سے قبول نہیں کیا۔ اسے قبول کرنے کے لیے تھوڑا وقت درکار ہے۔ جب نائلہ اس رشتے کو دل سے قبول کر لے گی تو خود ہی اس کی طرف قدم بڑھا دے گی۔ وہ بہت صبر سے اس وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ جب نائلہ خود اس سے اپنی محبت کا اقرار کرتی اور نائلہ کا معاملہ بالکل ہی الگ نکلا۔

اس کے دل و دماغ میں حدید کی شرافت اور خاموشی کو دیکھتے ہوئے کچھ اور ہی شیطانی منصوبے بالا ہی بالا تشکیل پانے لگے تھے۔ جن پر وہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑی کامیابی کے ساتھ عمل پیرا تھی۔

انس واضح طور پر تو نہیں مگر 'ڈھکے چھپے انداز میں اکثر سوہا کی سست طبیعت سے بے زاری کا اظہار کر جاتا تھا۔ نائلہ کو انتظار تھا کہ جب بے زاری پہلے کھل کر سامنے آتی اور پھر اس کے بعد نفرت میں بدل جاتی۔ تب سوہا کو انس کی زندگی سے نکال باہر کرنا بہت آسان ہوتا۔ لیکن ایسا کرنے کے لیے اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔

خود چاہے وہ حدید سے الگ ہو کر انس کی بن پاتی یا نہیں لیکن سوہا اور انس کو ضرور جدا کر دینا چاہتی تھی۔ ایسا کر کے وہ اپنے تئیں 'انس سے خود کو ٹھکرانے کا انتقام لینا چاہتی تھی۔ کیونکہ اسے لگتا تھا انس اور سوہا کو ایک دوسرے سے جدا کر کے وہ اسی طرح تنہا کر دے گی۔ جس طرح اس نے تنہائی کا عذاب بھگتا۔ اور اس عذاب سے جان بچانے کے لیے ایک تھرڈ کلاس شخص سے دھوکا کھایا اور پھر ایک ایسے آدمی کی زندگی میں نہ چاہتے ہوئے داخل ہونا پڑا۔ جس کے بارے میں اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

* * *

موسم کی مزاج میں حدت آتی جا رہی تھی۔

صبح سورج چڑھتے وقت بلا کی تپش ہوتی۔ پھر کہیں شام ڈھلتے ڈھلتے ٹھنڈی ہوا چلتی تو وہ صحن میں کرسی ڈال کر بیٹھتی تو وہیں مغرب اور پھر عشا کر دیتی۔ سوچوں کا ایک نہ رکنے والا تسلسل اور یادوں کا نہ رکنے والا دھارا اس کی

نگاہوں کے سامنے بہتا رہتا۔

امی آتے جاتے اسے دیکھ دیکھ کر کڑھتی رہتیں۔

وہ گھر کے کاموں میں ذرہ برابر ہاتھ نہیں بٹاتی تھی۔ بس خاموش بیٹھ کر خلاؤں میں گھورتی رہتی یا روتی رہتی۔ شروع میں انہوں نے بات کرنے کی کوشش کی تو اس نے ایسی چپ سادھ لی۔ جو لاکھ سر پٹخنے پر بھی نہ ٹوٹی۔

پہلے دن اچانک آکر اس نے ان کے سر پہ جو قیامت توڑی تھی۔ اس کے بعد اس کے اپنے وجود پر موت کا سا سناٹا طاری تھا۔ وہ خود بھی کسی دکھ کے ماتم کے زیر اثر تھی۔ ابھی بھی اس کے سامنے رکھی چائے ٹھنڈی برف ہو چکی تھی اور یہ روز کا معمول بن گیا تھا۔

امی نماز پڑھ کر کمرے سے نکلیں تو ایک نظر ڈال کر کچھ کہنا چاہا پھر سر جھٹک کر کچن میں چلی گئیں۔ اس نے کھٹکے پر سر اٹھایا۔ اوپری سیڑھی پر عفت کھڑی تھی۔ امی کو سلام کرکے وہ اس کی طرف آگئی۔

"کیسی ہو ماہا!"

وہ خود بھی ہر وقت ہنستی مسکراتی نہیں رہتی تھی۔ مگر اس وقت اس نے خود کو ماہا سے بہتر حالت میں محسوس کیا۔ اس کی اپنی آنکھوں میں بہر حال اتنے گہرے حلقے نہیں تھے۔ کہ پچھلے رتجگوں کی گواہی دے سکیں۔

"ٹھیک ہوں۔" ماہا نے پپڑی زدہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔

"مگر تم کیسی ہو۔"

"میں بھی۔" اس کا حال خود کون سا ماہا سے جدا تھا۔

دل کی نگری تو دونوں کی ہی اجڑ چکی تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ ماہا اس کا کھل کر اظہار کر سکتی تھی اور کر رہی تھی۔ اور عفت تو اپنے اوپر کسی حادثے کے گزرنے کا پتا بھی نہیں دے سکتی تھی۔

"تم کبھی نیچے ہی آجایا کرو۔ سارا دن اکیلی بور ہوتی ہو گی۔"

اس کی آواز میں کوئی تاثر نہ تھا۔ بس یونہی جیسے بہت سوچ بچار کے بعد یہی بات سمجھ آئی کرنے کے لیے۔

"تم آجایا کرو ناں اوپر۔" ماہا نے جیسے ادھار چکایا اور پھر دونوں خاموش ہو بیٹھیں۔ اپنے اپنے دھیان میں گم۔ اپنی اپنی گتھیوں کو لے کر، سلجھانے کی ناکام کوشش کرتی ہوئی۔ پھر عشاء کا وقت ہوا تو وہ جس طرح اوپر آئی تھی۔ اسی طرح خاموشی سے اٹھ کر نیچے چلی گئی۔ نہ اس نے امی سے کلام کیا۔ نہ ماہا ہی سے کچھ بولی۔

امی نے جو یوں خاموشی سے ڈھیلے ڈھالے انداز میں اسے جاتے دیکھا تو انہیں برا محسوس ہوا۔ جانے کیوں گھر کی تینوں لڑکیوں کے گھر بس جانے کے بعد انہیں عفت سے خود بخود ہمدردی محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ وضو کرنے کا ارادہ ملتوی کر کے بگڑے ہوئے تیور لیے اس کے سر پر آموجود ہوئیں۔

"ماہا! میں پوچھتی ہوں ایسا کب تک چلے گا۔" ماہا ایک دم گڑبڑا سی گئی۔

"پتا نہیں۔"

"کیا پتا نہیں۔ تم حسیب سے بات کیوں نہیں کر لیتیں۔"

"کیا بات کروں میں، سمجھ میں نہیں آتا۔" وہ واقعی الجھی ہوئی تھی۔ امی کو اس پر ترس آگیا۔

"اس سے پوچھو تو سہی کچھ۔" وہ کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"کیا پوچھوں۔" وہ الٹا ان ہی سے پوچھنے لگی۔

"یہی کہ اس نے یہ بات چھپائی کیوں کہ وہ شادی شدہ اور ایک بچے کا باپ ہے۔" اسے بولنے پر آمادہ دیکھ کر وہ ایک دم مستعد سی ہو گئیں۔

"اب یہ پوچھنے کا کیا فائدہ۔۔۔ پتا تو چل ہی گیا ناں۔" وہ بجھی بجھی سی تھی۔

”تو پھر یہ پوچھو کہ آگے کا ارادہ کیا ہے۔ اسے طلاق دے گا یا دو کشتیوں کا سوار رہے گا۔“

”قطعی نہیں۔ میں کبھی ان کی پہلی بیوی کی موجودگی میں ان کے پاس نہیں جاؤں گی۔“ وہ تنک گئی۔

”تو پھر۔“

”ڈائیورس دیں اس کو۔“

”اور نہ دے پھر۔“ امی کے خدشے میں برسوں کا تجربہ بول رہا تھا۔

”تو پھر مجھے دیں۔“ بمشکل اس کے لبوں سے نکلا۔

”کیا بک رہی ہو۔ ہوش میں ہو۔“ امی تڑپ ہی تو گئیں۔

ابھی دن ہی کتنے ہوئے تھے اسے باعزت طریقے سے دہلیز پار کیے ہوئے اور اب وہ اتنی جلدی واپس آکر مستقل انہیں ہولا رہی تھی اور آج اس کی یہ بات... وہ اچانک ہی منہ پر دوپٹا ڈال کر رو پڑیں۔

”خدا کا واسطہ ہے تجھے ماہا۔ رحم کر میرے حال پر۔“ ماہا بری طرح گھبرا گئی۔

”امی!... امی! روئیں تو مت۔“

”روؤں نہیں تو اور کیا کروں۔ ساری زندگی دو بیٹیوں کا بوجھ سل کی طرح سینے پر اٹھا کر مرد کے بغیر زندگی پھونکی ہے۔ اب اس عمر میں آکر مٹی رولے گی میری۔“

ان کی بھرائی ہوئی آواز اور رندھا ہوا گلا اسے بے حد دکھ سے ہمکنار کر گیا۔ اور اس رات کئی راتیں گزارنے کے بعد ایسا ہوا تھا کہ حسیب کی کال آئی تو وہ بنا سنے ڈس کنکٹ نہیں کر سکی۔

* * *

نائلہ آئی بیٹھی تھی۔

اماں اس کے لیے خاص طور پر کھڑے مسالے کا بھنا بھنا سالن عفت سے پکوا رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر ابا کے پاس بیٹھی خیر خیریت پوچھتی رہی۔

”اب تو تیری ماں جاتی ہے میرے ساتھ ہسپتال ' دو گھنٹے لگ جاتے ہیں فارغ ہوتے ہوتے۔“

ابا کی وہی باتیں تھیں۔ بے ضرر ' بے بسی اور محبت سے بھری۔ بظاہر عام سی مگر ' نائلہ کے لیے کسیلی یادوں سے بھرپور۔ وہ کچھ ہی دیر میں گھبرا کر اٹھ گئی۔ اماں نے اس کا گھبرانا بطور خاص نوٹ کیا۔

”ارے تم یہاں کیوں آگئیں۔ اندر بیٹھو ناں۔“ عفت نے اسے کچن میں آتے دیکھا تو ' پسینہ پونچھتی ہوئی بولی۔

چولہے پر دھرے توے سے نکلتی تپش سے اس کا چہرہ بھبک رہا تھا۔ نائلہ اس کا چہرہ ٹٹولتی پتا نہیں کیا کھوجتی رہی۔ عفت حدید کی خیریت پوچھ رہی تھی مگر ' نائلہ کو اس کے چہرے پر کوئی خاص رنگ نظر نہیں آ رہا تھا۔ یا تو اس نے اپنے آپ کو سمجھا لیا تھا۔ یا پھر بہت ٹرینڈ کر لیا تھا۔

”ماہا کا پتا تو چلا ہو گا تمہیں۔“ عفت کی آواز میں افسوس تھا۔

”ہوں۔“ نائلہ کے سرسری انداز میں کوئی تاسف نہ تھا۔

عفت اس کے کوئی تبصرہ نہ کرنے پر گہری سانس بھر کے رہ گئی۔ وہ جان گئی تھی کہ نائلہ کو اس کی زندگی میں آئے اس دکھ بھرے موڑ سے کوئی دلچسپی نہیں تو پھر اس بات پر دکھ کیا ہو گا۔

”حدید آئیں گے مجھے لینے ابھی۔“

کچن سے نکلتے نکلتے اس نے عفت کو دیکھ کر اس کے لہجے اور انداز میں کوئی تبدیلی محسوس کرنے کی کوشش کی۔

مگر وہاں سوائے گرمی سے بے زاری کے اور کوئی تاثر نہ تھا۔ وہ چڑسی گئی۔

اسے یاد تھا۔ اس کی اپنی شادی سے پہلے عفت حدید میں دلچسپی رکھتی تھی۔ شاید اب بھی....

مگر وہ جان نہیں سکی کہ عفت کے دل میں اگر ابھی بھی حدید کے لیے کچھ ہے تو اس سے خود اس کو کیا دلچسپی ہے۔ اور کیوں؟

* * *

حسیب پاکستان آچکا تھا۔

جس شام اسے ماہا سے ملنے کے آنا تھا۔ وہ چاہنے کے باوجود کوئی اہتمام نہ کر سکی۔ حالانکہ امی نے بہت کہا کہ کم از کم لپ اسٹک ہی لگالو۔ مگر وہ صرف ایک نیا جوڑا پہن کر بال بنا کر تیار کھڑی تھی۔

”کہیں باہر چلیں ڈنر کے لیے۔“ ماہا نے ایک نظر اسے دیکھ کر نگاہ چرالی۔

وائٹ شرٹ اور ڈارک گرے کلر کی جینز میں اس کی شخصیت کے نکھار پر کسی نے اداسی کا عطر چھڑک دیا تھا۔ ماہا کو ڈر ہوا کہ وہ کہیں ہنس کر اتنی بڑی بات فراموش نہ کر دے۔

یہ محبت ایسی ہی نامراد شے ہے۔ جسے اپنے سر آنکھوں پر بٹھاتی ہے۔ اسے کبھی بھی گھٹنے ٹیکنے ’ناک رگڑنے پر مجبور بھی کر سکتی ہے۔

وہ جلدی سے نفی میں سر ہلا کر کمرے میں چلی گئی۔ حسیب نے بھی قدم بڑھائے۔

”بیٹا۔“ امی اسے کمرے میں جاتا دیکھ کر سامنے آگئیں۔

”جی۔“ وہ مودب سا کھڑا تھا۔

”جو بھی بات کرنی ہے۔ آج صاف کر کے اسے اپنے ساتھ لے کر ہی جانا۔ میں نیچے جا رہی ہوں۔ تم اطمینان سے بات کر لو۔“

ان کے مشفق لہجے میں ماؤں والی مٹھاس بھی تھی اور بیٹی کی ماؤں والی بے بسی بھی۔ وہ سر جھکا کر سوچتا ہوا اندر داخل ہوا۔ ماہا سامنے ہی بیٹھی تھی۔

”کیسی ہو تم۔“ وہ اس سے ذرا فاصلے پر بیٹھا۔

”ٹھیک ہی ہوں بس۔“ اس کا لہجہ خفا سا تھا۔

”آپ کا بیٹا کیسا ہے۔“ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ اس نے یہ سوال کیوں کیا۔ وہ چند لمحے سر اٹھا کر اسے دیکھتا رہا۔ پھر دھیرے سے بولا۔

”وہ ٹھیک ہے۔“

”اور وائف۔“ وہ ایک بار پھر اس کا چہرہ تک رہا تھا۔

”اس کی ماں میری بیوی نہیں ہے۔“ حسیب کا لہجہ بڑا ٹھنڈا سا تھا۔

”یعنی.... آپ اسے چھوڑ چکے ہیں۔“ (اب تک دل خوش فہم کو ہیں تجھ سے امیدیں)

”نہیں۔ اس سے میری شادی کبھی ہوئی ہی نہیں تھی۔“

حسیب بہت ٹھہر کر بولا اور ماہا کو لگا کمرے کی چھت اس کے سر پر آن گری ہے۔

”یعنی.... یعنی.... وہ آپ کی ناجائز....؟“ اس سے جملہ مکمل نہیں کیا گیا۔ اس کی آواز کسی سہمی ہوئی سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔

حسیب کا جھکا ہوا سر اور ہارا ہوا انداز اس نے کس دل سے دیکھا۔ پر شاید اس کا اپنا دل ہی جانتا تھا۔

اسے لگا۔ اس کا اپنے کردار پر زندگی بھر کا فخر ملیا میٹ ہو گیا ہو جیسے....

"میرا خیال ہے اب آپ کو چلے جانا چاہیے واپس۔" کمرے کی بوجھل فضا میں تیرتی خاموشی ٹوٹی بھی تو ایک انتہائی سرد آواز اور مایوس کن بات سے۔

"ماہا! میں جانتا ہوں۔ تم اس بات سے....."

"پلیز حسیب.... پلیز آپ کا بہت احسان ہو گا مجھ پر' آپ چلے جائیں۔ یہاں سے۔" اس کی بلند آواز کسی چیخ سے مشابہ تھی۔ رندھا گلا اور ڈبڈباتی ہوئی چھلک پڑنے کو بے تاب آنکھیں....

حسیب نے کھڑے ہو کر ایک نظر اس کی من موہنی صورت پر ڈالی۔

اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اپنی زندگی کا یہ پہلو اسے دکھائے گا۔ مگر ماہا جان گئی تھی۔ نہ صرف جان گئی تھی بلکہ بہت بے تکے انداز میں اور بہت غلط موقع پر بھی۔ بلکہ شاید کچھ جلدی۔

شدت ضبط سے اس کا سرخ چہرہ' اندرونی اکھاڑ پچھاڑ کا غماز تھا۔ ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

حسیب کا دل چاہا اس کے نازک' سرد و سفید ہاتھ ایک بار اپنے ہاتھوں میں دبا کر محبت کی حرارت سے اس طرح بھر دے کہ ماہا پھر ہاتھ چھڑا نہ سکے مگر..... وہ جس طرح آیا تھا۔ اسی خاموشی سے واپس پلٹ گیا۔

ماہا اس کے جاتے ہی بستر پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ وہ پاکستان آنے کے بعد آج پہلی بار یوں تڑپ کر روئی تھی۔ جیسے کوئی کسی بہت اپنے' جان سے پیارے' کسی دیرینہ رشتے کے بچھڑ جانے پر روئے۔ دائمی جدائی پر بین کرے۔

* * *

اک ایک لمحہ' آگے سرکتا وقت کو دنوں' ہفتوں اور مہینوں کی دوری میں ڈھالتا چلا گیا۔ سوہا اور انس کی دھوپ چھاؤں جیسی زندگی میں انس کی محبت کی چھایا کبھی کبھی چھاتی۔ زیادہ تر دھوپ کا راج رہتا۔ اور اس پر سلگتے رویے کی تپش اپنے وجود پر جھیلتی وہ نڈھال ہوتی چلی گئی۔

رنگ روپ خواب ہوا اور آنکھوں میں مستقل حزن آن ٹھہرا۔ سوکھے لبوں پر پھیکی مسکراہٹ کبھی کبھی چھب دکھلاتی۔ زیادہ تر وہ سنجیدگی سے اپنے کام میں مشغول رہتی۔ ہاں ایک چیز جس کی وہ بڑی سختی سے پابندی کرتی۔ وہ انس کے کام تھے۔ جنہیں وہ ہر حال میں اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی۔

اسی کوشش میں اس کی نائلہ سے ایک دو بار جھڑپ بھی ہوئی۔ حسب توقع انس نے تمام چیخ و پکار کا ذمہ دار اسی کو ٹھہرایا۔ حدید البتہ غیر جانبدار رہا اور نائلہ بظاہر خاموش۔

سوہا کو لگنے لگا تھا اس کے اور انس کے درمیان نائلہ نہ ہوتے ہوئے بھی کہیں موجود ہے۔ حدید اور نائلہ کے تعلقات کی سرد مہری اپنے عروج پر تھی۔ حدید کو لگتا اس کی زندگی میں ایک ایسا خلا در آیا ہے۔ جو کسی تیسرے کو ہم راز بنائے بغیر سہا نہیں جا سکتا۔ لیکن وہ تیسرا شخص کون ہو سکتا ہے۔

وہ اپنے چاروں طرف نظر دوڑاتا مگر' کسی کو اس کسوٹی پر پورا اترا ہوا نہیں پاتا۔ ہاں مگر ایک مہربان چہرہ۔ جو بار بار چاہتے ہوئے بھی نظروں سے سامنے آ ٹھہرتا۔ وہ بار بار نہ چاہتے ہوئے بھی سر جھٹک دیتا۔

ماہا کی زندگی ایک صحرا کی مانند تنہائی کے بگولوں کی نظر ہونے لگی تھی۔ امی کو دن رات اس کی خاموشی اور اداسی ہولاتی رہتی۔ انہوں نے بہت سر پٹخا مگر' وہ انہیں کچھ بتانے پر آمادہ نہیں تھی۔

کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس شام ان دونوں میں کیا بات ہوئی۔ کیا نتیجہ نکلا۔ یا فیصلہ ہوا۔ اس کے پاس موجود تمام ہی محبت بھرے رشتے خاموش تماشائی بنے رہنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ ماہا نے سب کو سختی سے حسیب سے بات

کرنے سے منع کردیا تھا۔

* * *

ایک ماہ بعد سوہا کی ڈلیوری تھی۔

انس کو بہت مشکل سے اس کے چیک اپ کا ٹائم مل سکا۔ اتنے دن بعد دکھانے اور لاپروائی کا مظاہرہ کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ بی پی زیادہ تھا۔ اور ایچ بی کم۔۔۔۔

لیڈی ڈاکٹر نے پہلے سوہا اور بعد میں انس کو بلا کر ٹھیک ٹھاک جھاڑ پلادی۔ سوہا ڈاکٹر کی باتیں سن کر شکوہ کناں نگاہوں سے انس کو دیکھتی رہی۔ بالاخر بیڈ ریسٹ پر آکر بات رکی۔

انس کا موڈ واپسی پر بہت اچھا نہیں تھا۔ اس کے لیے دودھ جوسز اور پھل خریدتے ہوئے بظاہر تو وہ اس کے لیے فکر مند تھا۔ مگر سوہا کو لگا جیسے وہ مارے باندھے یہ سب کررہا ہے۔ ڈاکٹر نے اسے بائیک پر زیادہ سفر کرنے سے بھی منع کردیا تھا۔ گھر آکے وہ کمرے میں لیٹ گئی۔ باربار سیڑھیاں اترنے چڑھنے پر بھی پابندی لگ گئی تھی۔ یوں بھی اس سے باربار چکر نہیں لگتے تھے۔

انس بہت دیر سے اوپر آیا۔

"یہ میڈیسن رکھی ہیں۔" اس نے سائیڈ ٹیبل پر لفافہ رکھا۔

"آپ کہاں تھے۔"

"کھانا کھا رہا تھا۔" وہ واش روم میں گھس گیا۔

"مجھے تو بتایا ہی نہیں آپ نے کہ نیچے کھانا کھا رہے تھے۔ میں بھی کھالیتی۔"

وہ باہر نکلا تو سوہا کہہ بیٹھی۔

"وہ تو حدید کھا رہا تھا۔ تو نائلہ نے مجھے بھی بٹھالیا۔ تم ان کے ساتھ کھانا کب پسند کرتی ہو۔"

سوہا نے انس کو دیکھتے دیکھتے بے زاری سے منہ پھیر لیا۔ اب اسے انس کی اس قسم کی باتوں پر حیرت بھی نہیں ہوتی تھی۔ ہاں دکھ کا احساس اپنی جگہ رہتا تھا۔

"وہ مجھے اپنے ساتھ کھلانا پسند نہیں کرتی۔" وہ کہے بنا رہ نہیں سکی۔

"دنیا کی ساری برائیاں اسی میں ہیں۔" انس طنزیہ انداز میں بولا۔

"اگر مجھ میں تھیں تو شادی کیوں کرلی۔" وہ کلس کر بولی۔

آج کل اس کا دل انس کی باتوں سے بہت برا ہوتا رہتا تھا۔ اور اس وقت تو اور بھی زیادہ جب وہ بلاوجہ نائلہ کی طرف داری کرتا۔

"پہلے پتا نہیں چلا۔" انس اپنی طرف سے تیر چلا کر باہر چلا گیا۔ غالباً "نیچے" مگر سوہا سے اب برداشت کرنا مشکل تھا۔ وہ نقاہت کے باوجود اس کے پیچھے پہلی سیڑھی تک آئی۔

"ابھی بھی کچھ دیر نہیں ہوئی ہے۔ اگر اتنا شوق آرہا ہے تو آفر کرکے دیکھ لیں۔ کیا پتا قسمت کھل جائے۔" وہ زور سے چلائی۔

لاؤنج میں ٹی وی دیکھتے حدید تک اس کی آواز پہنچی اس نے پلٹ کر دیکھا تو انس آخری سیڑھی پر تھا۔ انس کے اندر غصے کی شدید لہر اٹھی۔ وہ جس کے بارے میں بات کررہی تھی۔ وہ حدید کی بیوی تھی۔

"بکواس بند کرلو سوہا۔ اندر جاؤ۔"

"میں تو اندر ہی تھی۔ آپ کی بکواس سن کر ہی آئی ہوں۔"

حدید کو غیر معمولی سا احساس ہوا۔ اس نے سنجیدگی سے انس کی شکل دیکھی۔ پھر اپنے کمرے کے بند دروازے کو۔ نائلہ اندر پتا نہیں سو رہی تھی یا جاگ رہی تھی۔

”منہ بند کر لو سوہا۔ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔“

”اچھا اب تک جو ہو چکا ہے میرے ساتھ وہ کیا بہت اچھا تھا۔ اب تو پتا چل گیا ناں آپ کو۔ کتنی بری ہوں میں۔ تو ٹھیک ہے جائیں......“

”سوہا!“

انس ایک دم طیش میں آ کے واپس اوپر چڑھا۔ حدید نے تیزی سے اپنی جگہ چھوڑی۔ اور انس کو پکارتا ہوا پیچھے لپکا۔ سوہا اپنی جگہ پر جمی کھڑی تھی۔ انس بالکل اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ قریب تھا اس کا ہاتھ اٹھ جاتا مگر حدید دو دو سیڑھیاں پھلانگتا اس کے پاس پہنچ گیا۔ گو کہ اس کوشش میں اسے کافی دقت تو ہوئی مگر اس وقت اسے نظر انداز کرنا ہی بہتر تھا۔ حدید نے انس کو بروقت پکڑا تھا۔

”سوہا اندر جاؤ آپ۔“

اس نے تیزی سے سوہا سے کہا، وہ ایک دم پلٹ گئی۔ انس خود کو چھڑانے کی کوشش میں تھا۔

”چھوڑ دو مجھے حدید۔ میں ابھی اسی کی زبان بند کرتا ہوں۔“

”ہاں ہاں اسی کی تو کسر رہ گئی ہے۔ بار بار کی تکلیف سے بہتر ہے ایک ہی بار گلا دبا دیں میرا۔“ اب کی بار وہ پوری قوت صرف کر کے اتنی زور سے چلائی کہ اس کے حلق میں خراشیں پڑ گئیں۔

”کیا ہو گیا سوہا پلیز۔“ حدید نے زبردستی انس کو بھیج کر خود اندر آ کر دروازہ بند کر دیا وہ اب بری طرح رو رہی تھی۔

”آپ نہیں جانتے۔ اٹھتے بیٹھتے مجھے برا بھلا اور نائلہ کی تعریفیں۔ کان پک گئے ہیں میرے سن سن کر۔ وہ اچھی ہے تم بری ہو۔ اگر وہ اتنی اچھی ہے تو مجھ سے شادی کیوں کی۔“ وہ ایک بار پھر چیخی۔

حدید سامنے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

”ابھی ابھی انہوں نے کہا ہے مجھ سے کہ پہلے پتا نہیں چلا۔ ورنہ...... ورنہ کیا کرتے۔ اور میں کوئی غلط تھوڑا ہی کہہ رہی ہوں۔ ابھی کون سی بہت دیر ہوئی ہے۔ آفر کر کے دیکھ لیں۔“

”سوہا خدا کے لیے چپ ہو جاؤ وہ میری بیوی ہے۔“ حدید نے ایک دم بات کاٹی۔

”میں بھی تو ان کی بیوی ہوں۔ جب تم کو اس بات کا احساس ہے کہ وہ تمہاری بیوی ہے۔ تو انہیں کیوں نہیں ہوتا۔“

حدید نے پاس جا کے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

”چپ ہو جاؤ تم۔ مجھے معلوم ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں اسے سمجھاؤں گا۔“

حدید کو احساس ہو رہا تھا کہ وہ اسے آپ کے بجائے تم کہہ گئی ہے۔ اسے اس کے غم و غصے کا اندازہ ہوا۔ اس نے آج تک حدید کو تم کہہ کر بات نہیں کی تھی۔

”آپ کو پتا ہے میری طبیعت خراب ہے۔ ان کو پتا نہیں ہے جن کی وجہ سے میں ان حالوں کو پہنچی ہوں۔“

حدید کے پاس اس کی مایوسی کے جواب میں کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ وہ چند لمحوں کے بعد نیچے چلا گیا۔

* * *

انس نیچے حدید کا ہی منتظر تھا۔

”دیکھا تم نے کس قدر گھٹیا ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے اس نے۔“

”کیوں الجھتے ہو اس کے ساتھ۔ تمہیں پتا ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ حدید نے دھیرج سے اسے سمجھایا۔

”کوئی دنیا سے انوکھی ماں نہیں بننے جا رہی وہ۔“

”اس طرح کی بات کرو گے تو، جو بھی عورت ہو گی اسے برا ہی لگے گا۔“

انس چپ ہو گیا مگر چہرے پر رقم "میں نا مانوں" والے تاثرات صاف ظاہر ہو رہے تھے۔

"پچھتا رہے ہو اس سے شادی کر کے؟"

"نہیں یار۔"

"تو پھر تم نے یہ کیوں کہا کہ تمہیں پہلے پتا چل جاتا تو..."

"میں نے یہ نہیں کہا۔"

"مطلب تو یہی نکلتا ہے ناں۔ ایک عورت جو تمہاری بیوی ہے اس کا سب سے زیادہ حق ہے تم پر۔ تمہارے بچے کی ماں بننے جا رہی ہے تو اسے سب سے زیادہ تمہاری محبت اور توجہ کی ضرورت ہے۔ اور تم ہو کہ اس کے سامنے ایک دوسری عورت کی تعریفیں کر رہے ہو۔ جو اس کے خیال میں ماضی میں تمہیں پسند بھی کرتی رہی ہے۔ اور اب تمہارے بھائی کی بیوی ہے۔ خدا کو مانو انس۔ کچھ نہیں تو یہی خیال کر لو کہ اب وہ میری عزت ہے۔"

حدید کے انداز سے ناراضی ظاہر تھی۔ اگر اسے سوہا کی بات بری لگی تھی تو اس کا ذمہ دار بھی وہ سراسر انس کو ٹھہرا رہا تھا۔ اور یہ کوئی ایسا غلط بھی نہیں تھا۔

"جاؤ اب جا کے مناؤ اسے چاہے جتنا بھی غصہ کرے وہ۔ محبت سے بات کرو اس سے۔ ناراضی ختم کرو اور شکر ادا کرو خدا کا کہ اولاد جیسا خوب صورت رشتہ عطا کر دیا ہے تمہیں۔" انس کو اس کے لہجے میں کسی محرومی کی تپش سی سلگتی ہوئی دکھائی دی۔

"ایک بات پوچھو۔" انس کا دھیان ایکا ایکی کسی اور جانب مڑ گیا۔ حدید سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"تم نے اب تک خوش خبری نہیں سنائی۔"

حدید اس سوال کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ چپ کا چپ رہ گیا۔ البتہ اس کے چہرے کے تاثرات سے انس نے فوراً ہی کوئی غیر معمولی احساس بھانپ لیا۔

"سب خیریت ہے ناں۔" انس گہری نگاہوں سے اس کا وجود ٹٹول رہا تھا۔ حدید کو لگا کسی نے یخ بستہ پانی اس کے وجود پر انڈیل دیا ہے۔

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح انس کو آگاہ کرے۔

"سب خیریت ہے مگر...؟"

"مگر...؟"

وہ چند لمحے اپنے پیر کے انگوٹھے کو دیکھتا رہا۔

"نائلہ ابھی یہ سب نہیں چاہتی۔"

"نائلہ نہیں چاہتی... کیوں؟" انس کی حیرانی بجا تھی۔

"شاید ذمہ داری کے لیے تیار نہیں۔"

انس کی خاموشی بول رہی تھی کہ اسے حدید کی بات پر یقین نہیں آیا۔

"اب اس سے ذرا ڈھنگ سے بات کرنا۔" وہ انس کو جاتے دیکھ کر پیچھے سے بولا۔

"کیا ہوا سوہا کیوں چلا رہی تھی۔" کمرے میں نائلہ حدید کی منتظر تھی۔

"انس سے جھگڑا ہو گیا تھا۔"

اسے جاگتا دیکھ کر حدید کے دل میں کسی محرومی کا احساس کروٹیں بدلنے لگا۔ وہ جان بوجھ کے نائلہ کے نزدیک آیا۔ وہ فوراً دوسری طرف مڑ کر ٹیبل لیمپ آف کرنے لگی۔ حدید نے وہیں رک کر کسی منہ زور جذبے کی لگامیں کھینچیں۔ اور دوسری طرف نائلہ کے لبوں پر ابھرتی معنی خیز مسکراہٹ نہیں دیکھ سکا۔

* * *

موسم ابر آلود سا تھا، مگر حبس کی وجہ سے گرمی بھی بلا کی تھی۔

بہت عرصے بعد اس نے انس کے کپڑے دھونے کی غرض سے واشنگ مشین لگائی تھی۔ لاؤنج میں نائلہ بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ یوں تو اس نے کافی عرصے سے انس کے ناشتے کی ذمہ داری اٹھالی تھی۔ مگر آج سوہا کو کپڑوں کے ڈھیر سے نبرد آزما دیکھ کر بھی لاتعلقی سے اپنا کام کرتی رہی۔

سوہا کو اس سے مدد کی امید تھی نہ توقع۔ وہ صرف انس کی موجودگی میں بڑھ چڑھ کر کام کرتی تھی اور سوہا اس کی چالاکیوں کو خوب سمجھتی تھی۔ یہ اور بات کہ وہ یہ لاتعلقی انس کو دکھا نہیں سکتی تھی۔ وہ اس بات سے لاعلم تھی کہ انس تو نہیں مگر حدید کی نظروں سے اس کی حرکتیں پوشیدہ نہیں ہیں۔

کافی دیر بیٹھنے کے بعد سیدھا کھڑا ہونا مشکل تھا۔

وہ بمشکل کپڑوں سے لدی بالٹی لے کر باتھ روم کے دروازے سے سیڑھیوں تک آئی۔ صحن میں کپڑے ڈالنے پر نائلہ نے ہی پابندی لگائی تھی کہ یہاں اندر داخل ہونے والوں کو کپڑے لٹکتے دکھتے ہیں تو برا لگتا ہے، اور پھر سوہا نیچے سے سوکھے کپڑے اتار کر اوپر کمرے تک لے جانے میں اتنی آلکسی دکھاتی ہے کہ دھوپ میں پڑے پڑے کپڑوں کا رنگ خراب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے اور انس کے کپڑے اوپر ہی پھیلائے اور وہیں سے اتار کر تہ کر لے۔

نائلہ نے جھانک کر اسے ہانپتے ہوئے دیکھا اور منہ پھیر لیا۔

اسی وقت صحن کا دروازہ کھلا اور حدید نے اندر قدم رکھا۔ وہ اس وقت بالکل غیر متوقع طور پر جلدی گھر آ گیا تھا۔ نائلہ کی جو اس پر نظر پڑی تو وہ بجلی کی سی تیزی سے اٹھی، مگر دیر ہو چکی تھی۔ حدید، سوہا کو دیکھ چکا تھا اور اب ملامت بھری نظروں سے نائلہ کو دیکھ رہا تھا۔ نائلہ اس کی نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے سوہا کے پاس آئی۔

”لاؤ میں ڈال دوں۔“ اس نے سوہا سے زبردستی بالٹی چھینی۔

اس کے چہرے کے بگڑے تاثرات اس کے مزاج کی برہمی کے گواہ تھے۔ مگر فی الحال سوہا کے اندر اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ نائلہ سے بالٹی واپس لیتی۔

نائلہ ایک ایک سیڑھی چڑھتی دل ہی دل میں اپنی کھولن دبا رہی تھی۔ پچھلے چند دنوں سے اسے سوہا سے سخت چڑ سی محسوس ہونے لگی تھی۔ کچھ دن پہلے جب اس کا انس سے جھگڑا ہوا تھا تو اس کا خیال تھا کہ ان دونوں کے تعلقات کافی دن تک سرد رہیں گے اور نائلہ کو اپنی کارکردگی دکھانے کا کھل کر موقع ملے گا۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا اور اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا جب اس نے 'دوسرے ہی دن صبح انس کو بہت خوش گوار موڈ میں سوہا سے باتیں کرتے' کھانا ڈھنگ سے کھانے اور دوا وقت پر لینے کی تاکید کرتے دیکھا۔

ابھی یہ ہی غم غلط نہ ہوا تھا کہ حدید کی ملامتی نظریں یاد آ گئیں۔ گو کہ حدید نے کبھی نائلہ کو سخت سست نہ سنائی تھیں، مگر اس کے لیے اس کی نظریں ہی کافی تھیں۔

ایک اسٹیپ پر بالٹی ذرا کی ذرا اٹکا کر اس نے مڑ کر دیکھا۔ سوہا بمشکل پھولے ہوئے سانس کو قابو کرتی اس کے پیچھے ہی آ رہی تھی۔ اس کے شیطانی ذہن میں اچانک ہی ایک بے حد خطرناک سوچ نے سر اٹھایا، اور اس نے بے سوچے سمجھے عمل بھی کر ڈالا۔ اس کا پیر معمولی سا لڑکھڑایا۔ اس نے سنبھلنے کے لیے ریلنگ تھامی اور کپڑوں سے بھری بالٹی چھوٹ کر سوہا کے سر پر آ گری۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

* *

مکمل ناول

نبیلہ ابر راجہ

میں گماں نہیں یقین ہوں

۳

تیسری قسط

زیان ان کی اگلی کوئی بات سنے بغیر اٹھ کر آگئی۔ ویسے بھی وہ زرینہ بیگم کے سامنے آنے سے احتراز ہی کرتی تھی۔ اس کی کوشش ہوتی وہ بات بھی کم سے کم کرے۔ پھر بھی زرینہ بیگم کو اس کے وجود سے تکلیف ہی ہوتی۔

زرینہ نے بھڑ دروازہ مکمل طور پہ بند کیا اور پھر سے امیر علی کے پاس اپنی جگہ بیٹھ گئیں۔ ان کا انداز انتہائی رازدارانہ اور چوکنا تھا۔ امیر علی بھی انہیں غور سے دیکھنے لگے۔

”آپ نے لڑکا اور اس کی فیملی دیکھی کیسے لگے آپ کو؟“ وہ آہستہ آواز میں دلچسپی سے پوچھ رہی تھیں۔ جیسے کسی کے سن لیے جانے کا ڈر ہو۔

”پہلی ملاقات میں ہی کسی کی اچھائی یا برائی کا فیصلہ کیسے کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی بتایا جا سکتا ہے کہ کوئی کیسا ہے۔“ امیر علی نے خاصے محتاط الفاظ کا سہارا لیا تھا، پر زرینہ کو پھر بھی ان کی بات یا رائے پسند نہیں آئی۔

”میں نے تو صرف یہ پوچھا ہے کہ کمال کے گھر والے آپ کو کیسے لگے رہی بات اچھائی برائی کی، تو بیگم اختر نے ان کی بہت تعریفیں کی ہیں۔ کمال اعلا تعلیم یافتہ ہے، کھاتے پیتے خوش حال گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ بہت شریف لڑکا ہے۔ بظاہر کوئی عیب بھی نہیں ہے۔ بے غرض اور بے لوث عادات کا مالک ہے۔ پہلے اپنی تین بہنوں کی شادیاں کیں اور صبر سے اپنی باری کا انتظار کیا۔ بہت سی لڑکیوں کے والدین نے خود اپنے منہ سے کمال کے رشتے کا کہا، پر وہ ایسا سعادت مند کہ کہا مجھے اپنے والدین کی پسند پہ اعتبار ہے، جسے وہ میرے لیے چنیں، میں اسی سے شادی کروں گا۔

کمال کے گھر والوں کو ہماری زیان بہت پسند آئی ہے۔ کیونکہ ان کی باتوں سے بار بار اظہار ہو رہا تھا۔ میں نہیں چاہتی کہ اتنا اچھا لڑکا ہاتھ سے نکل جائے۔“ زرینہ نے مجازی خدا کو متاثر کرنے اور کمال کے لیے ہموار کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔

”زیان پڑھ رہی ہے، وہ ابھی بیس سال کی بھی پوری نہیں ہوئی ہے اور کمال لڑکا نہیں پورا مرد ہے۔ مجھے اس کے گھر والے بھی پسند نہیں آئے۔ عجیب شو آف سطحی محسوس ہوئے ہیں مجھے۔ کیسے زیان کا رشتہ دے دوں انہیں۔“ امیر علی نے لگی لپٹی رکھے بغیر صاف انکار کر دیا۔ زرینہ کی کنپٹیاں سلگ اٹھیں۔

”ٹھیک ہے کمال کی عمر تھوڑی زیادہ ہے پر اتنی بھی زیادہ نہیں ہے۔ اٹھائیس سال کا ہے صرف۔“ انہوں نے مبالغے کی انتہا ہی تو کر دی۔ ”اس کی بڑی بہن بتا رہی تھی کہ محنت کر کر کے اور پڑھائی میں جان ماری کی وجہ سے کمال زیادہ عمر کا لگنے لگا ہے۔ ورنہ اٹھائیس سال کوئی ایسی بھی زیادہ عمر نہیں ہے۔ آپ بھی تو مجھ سے چھ سال بڑے ہیں۔ میرے ماں، باپ نے تو آپ کی عمر اور ساتھ پہلی بیوی کی بیٹی پہ بھی اعتراض نہیں کیا تھا۔ آپ نے زیان کو ساری عمر گھر بٹھا کر رکھنا ہے کیا؟ اس کی شادی ہو گی تو رابیل اور مناہل کی باری آئے گی نا۔“ شروع میں زرینہ بہت غصے میں

تھیں۔ لیکن آخر میں مصلحت کے تحت نرم پڑ گئیں۔

”رابیل اور مناہل ابھی بہت چھوٹی ہیں، جس طرح زیان میری بیٹی ہے۔ اس طرح وہ بھی میری ہی اولادیں ہیں۔ میں ان کے بارے میں بھی سوچتا ہوں۔ وقت آنے پہ سب کام ہو جائیں گے۔ تم خوامخواہ ہلکان مت کیا کرو خود کو۔“

”کیسے ہلکان نہ کروں میں خود کو۔ آپ بیمار رہتے ہیں گھڑی بھر کا پتا نہیں ہے۔ میں نے ہر مشکل وقت میں آپ کا ساتھ دیا ہے۔ دکھ سکھ کے سب موسم آپ کے ساتھ کاٹے۔ کبھی کوئی شکوہ وشکایت نہیں کی۔ میں زیان کی دشمن تھوڑی ہوں۔ اچھے رشتے بار بار نہیں ملتے۔ میں تو صرف اتنا چاہتی ہوں کہ وہ آپ کے جیتے جی اپنے گھر کی ہو جائے۔ آپ اسے بہت پیار کرتے ہیں۔ لاڈلی ہے وہ آپ کی۔ میں سب جانتی ہوں، تب ہی تو بیگم اختر کو کہلوا کر کمال کو پہلی ملاقات میں ہی آپ سے ملوانے کے لیے گھر بلوایا۔ میں چاہتی ہوں زیان قدردان سسرال میں جائے۔ پہلی بار ہی

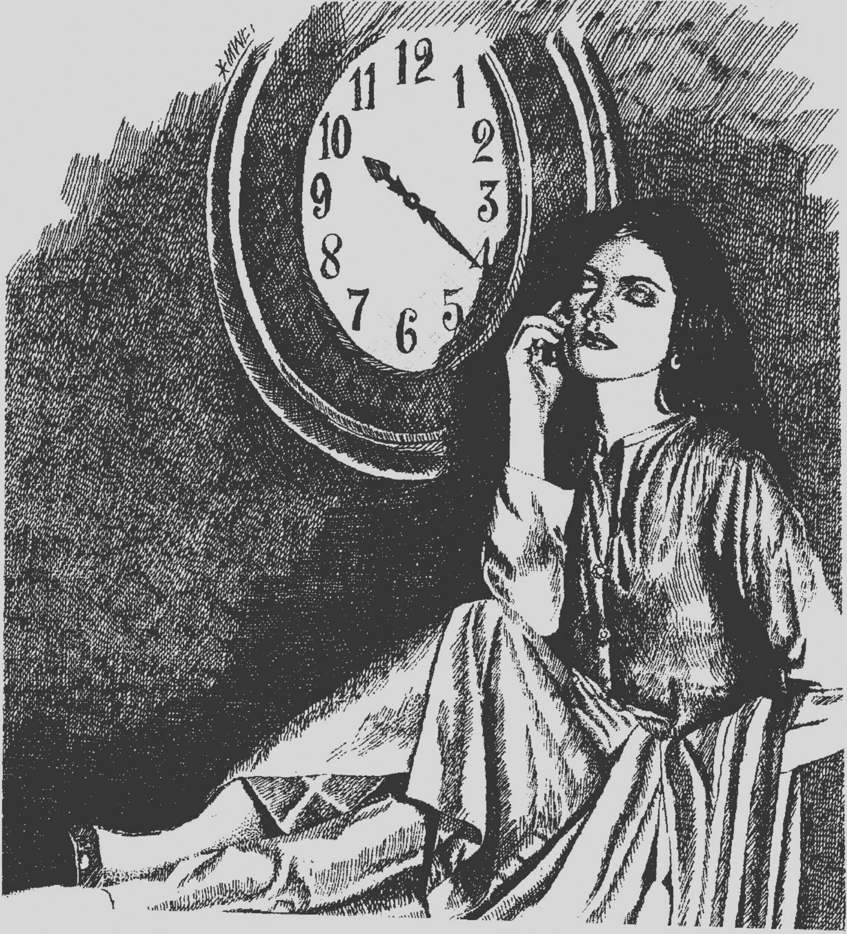

Copyrighted material

کمال کے گھر والے اس پہ واری صدقے ہو رہے تھے۔ اچھے لوگ ہیں۔ زیان عیش کرے گی۔ کمال عمر میں زیان سے تھوڑا بڑا ہے، پر یہ کوئی ایسا عیب نہیں ہے جس کو وجہ بنا کر رشتہ ٹھکرا دیا جائے۔ زیادہ عمر کے شوہر، بیوی کو خوش رکھتے ہیں۔ آپ نہیں چاہتے تو میں انکار کہلوا دوں گی کمال کے گھر والوں کو۔"

امیر علی ان کی باتوں اور دلائل سے قائل ہوتے جا رہے تھے، تب ہی تو زرینہ نے انداز بدلا تھا۔ پھر اس کے بعد وہی ہوا جو زرینہ بیگم چاہ رہی تھیں۔ امیر علی یک دم نرم پڑ گئے۔

"ٹھیک ہے، تم لڑکے کے گھر جاؤ، اسے دیکھو، رہن سہن کا جائزہ لو، چھان بین کراؤ، اس کے بعد دیکھا جائے گا۔" امیر علی نے صاف رضامندی تو نہیں دی تھی، پر انکار بھی نہیں کیا تھا۔ زرینہ بہت مسرور تھیں۔ ان کے لیے اتنا ہی بہت تھا۔ باقی کے مراحل آسان تھے۔ امیر علی کی حیثیت ویسے بھی کمزور ہو گئی تھی۔ انہوں نے بیماری کے دوران تمام جائیداد کا وارث زرینہ بیگم کو بنا دیا تھا۔ اس وقت حالات کا تقاضا ہی یہ ہی تھا۔ زرینہ آسانی سے مختار کل بن گئی تھیں۔ وہ خوش تھے کہ ان کی شوہر پرست شریک سفر زیان کا حق نہیں مارے گی۔ وہ ماں کی طرح ہی سوچے گی، پر زرینہ کی نیت بدل چکی تھی۔ ان کی پہلی کوشش یہ ہی تھی۔ زیان کی جلد از جلد شادی ہو جائے۔ اس سے پہلے کہ کسی کمزور لمحے میں امیر علی کی محبت جاگ پڑے اور وہ پھر سے وکیل کو بلوا کے وصیت تبدیل کروا دیں۔ زیان جب تک یہاں تھی اس کا امکان سو فیصد تھا۔ اس کی شادی کے بعد یہ خطرہ بھی ٹل جاتا اور بعد میں اگر امیر علی وصیت میں تبدیلی کا بولتے تو کون سا انہوں نے انہیں یہ کام کرنے دینا تھا۔ ایک مفلوج معذور انسان کی کسی صحت مند ہاتھ پاؤں والے کے سامنے کہاں چلتی ہے۔ امیر علی کو رام کرنے کے بہت سے طریقے تھے اور وہ ان کے دلائل سے قائل ہو بھی جاتے تھے۔

"ہاں ٹھیک ہے، میں روبینہ آپا کو ساتھ لے کر بہت جلد خود کمال کے گھر جاؤں گی۔ ہر چیز کو دیکھ بھال کر پرکھ کر خود بتاؤں گی آپ کو۔ اگر مجھے کہیں ذرا سی بھی گڑبڑ لگی تو آپ سے پہلے میں خود انکار کروں گی۔"

"تم کتنی اچھی ہو زرینہ۔ میں سوچتا ہوں تم میری زندگی میں نہ ہوتیں تو میری زندگی کتنی مشکل ہوتی۔" وہ تہ دل سے ان کے شکر گزار احسان مند تھے۔

"ارے آپ ایسی باتیں نہ کریں۔" زرینہ دل میں بہت خوش تھیں۔

"تم ٹھیک کہتی ہو زیان کی شادی ہو جانی چاہیے۔" اس بار وہ تلملا کر رہ گئیں، کیونکہ امیر علی کے لہجہ اور آنکھوں میں زیان کے لیے فکر مندی تھی۔

پر وہ وقت جذبات کے اظہار کے لیے مناسب نہیں تھا۔ انہیں کمال کے رشتے کے لیے راہ ہموار کرنی تھی۔ امیر علی سے زیادہ مشکل کام زیان کو منانے کا تھا۔ وہ ننگی تلوار تھی، کسی وقت کچھ بھی کر سکتی تھی۔ پھر وہاب اس کے حصول کے لیے ہر راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار تھا۔ وہاب کے کوئی قدم اٹھانے سے پہلے انہیں زیان کی شادی کرنی تھی۔

* * *

زیان نے مٹھی میں تھامے نوٹ گنے بغیر ٹیبل پہ پھینکے۔ جس مقصد کے لیے اسے یہ روپے دیے گئے تھے۔ وہ اس وقت اس کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہ رہی تھی۔ مگر دماغ تھا کہ گھما پھرا کے ادھر ہی لیے جا رہا تھا۔ زرینہ آنٹی نے اسے ابو کے پاس سے اٹھا دیا تھا۔ یقیناً" انہوں نے آج آنے والے مہمانوں، بلکہ خاص الخاص مہمانوں کے بارے میں ہی ان سے بات کرنی تھی۔ خوشی سے زرینہ آنٹی کا چہرہ چمک رہا تھا۔ جیسے آج ہی میدان مار کے رہیں گی۔ زیان مضطرب تھی۔ بوا رحمت کی ڈھکی چھپی **نصیحتیں**، زرینہ بیگم کی خوشی، امیر علی کی لاتعلقی و بے نیازی آنے والے مہمانوں کی دلچسپی اس کی پریشانی کو بڑھا رہی تھی۔

شادی کے بارے میں وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ یہ اس کا ٹارگٹ یا مقصد نہیں تھا۔ پھر کیوں

زرینہ بیگم اس کے پیچھے پڑ گئی ہیں۔ وہ خوش ہے، پرسکون ہے، اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے، لیکن زرینہ بیگم اس کی ہر خوشی چھیننے کے درپے ہیں۔

مرد کی ضرورت اگر زندگی کا خاصہ و لازمہ ٹھہرتی ہے، تو اس کے سامنے مرد کا روپ باپ کی صورت میں موجود تھا۔ پر باپ کے ہوتے ہوئے بھی اس نے خود کو اکیلا کمزور اور بے بس ہی تصور کیا تھا۔ ماں کے حوالے سے طعنے ہی سنے تھے۔ حقارت ہی سمیٹی تھی۔ اس نے سب حقارت، ذلت بے بسی اکیلے ہی برداشت کی تھی۔

امیر علی نے تو اسے کبھی بھی زرینہ بیگم کی نفرت سے نہیں بچایا، نہ اس کی مدد کو آئے۔ اب وہاب جو اس کے بارے میں انتہائی حد تک جا کر سوچ رہا ہے، تب بھی تو وہ اکیلے ہی سہ رہی ہے نا۔ پھر وہ کیوں زرینہ بیگم کے سامنے جھکے، سرنڈر کرے۔ وہ اس کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتیں۔ باقی جو دل چاہے کریں، پر وہ کوئی تر نوالہ نہیں ہے۔ اتنی آسانی سے تو کسی صورت بھی ہار نہیں مانے گی۔ ناکوں چنے چبوا دے گی۔ امیر علی اپنی بیگم کے سامنے بے بس ہوں گے۔ وہ بالکل بھی نہیں ہے اور وہ انہیں ایسا کر کے دکھائے گی۔

ذیان کے لبوں پہ زہر میں ڈوبا تبسم رقصاں تھا۔ زرینہ بیگم اگر اس وقت اس کے چہرے کو دیکھ لیتیں تو ایک ثانیے کے لیے ڈرتیں ضرور کہ ذیان نے ہار نہ ماننے کا تہیہ کر لیا تھا اور یہ تو وہ بھی اچھی طرح جانتی تھیں کہ ذیان ضد میں اپنی منواتی ہے۔ بے شک وہ ان سے خائف تھی، دبتی تھی، پر اس کے سرکش خیالات بدلے نہیں جا سکتے تھے۔

* * *

زرینہ، روبینہ آپا سے فون پہ بات کر رہی تھیں۔ موضوع گفتگو کمال اور اس کی فیملی ہی تھی۔

"کیسے ہیں لڑکے والے؟" روبینہ نے سوال کیا۔

"مجھے تو سب بہت اچھے لگے ہیں۔"

"اور امیر بھائی کیا کہتے ہیں؟"

"مجھے تو لڑکا بہت پسند آیا ہے، پھر آپ کے بھائی صاحب کہتے ہیں کہ اچھی طرح چھان بین کروا کے بات آگے بڑھائی جائے۔ انہیں کمال کی عمر پہ بھی اعتراض ہے۔ اپنی بیٹی ننھی، چوزی لگ رہی ہے، پر ذیان ایسی بچی تو نہیں ہے کہ شادی جیسی ذمہ داری بھی نہ اٹھا سکے۔"

زرینہ نے بتاتے ہوئے جیسے ناک بھوں چڑھائی تھی۔ روبینہ نے متفق ہونے میں دیر نہیں لگائی۔

"ویسے بھی لڑکیاں جلدی سیانی ہو جاتی ہیں۔"

"آپا آپ کو اگلے ہفتے میرے ساتھ کمال کے گھر چلنا ہے۔ میں نے اسی لیے آپ کو فون کیا تھا۔"

زرینہ نے باتوں باتوں کے دوران اچانک انہیں بتایا تو وہ پریشان سی ہو گئیں۔ "کس دن جانا ہے؟"

"آپا آپ فکر مت کریں، جب وہاب آفس میں ہو گا ہم تب چلیں گے۔ آپ کے بھائی نے فضول کی پخ لگا دی ہے کہ لڑکے کے گھر جاؤ، سب سے ملو، جائزہ لو۔" زرینہ ان کی پریشانی کی وجہ جانتی تھیں۔ تب ہی تو فوراً تسلی دی۔

"تم جانے سے ایک دن پہلے مجھے بتا دینا۔"

"ہاں میں بتا دوں گی۔" روبینہ غائب دماغی سے سر ہلانے لگیں۔

* * *

راعنہ، رات سے مایوں بیٹھ رہی تھی۔ ٹھیک سات دن بعد اس کی بارات آئی تھی۔ وہ سب چنڈال چوکڑی بہت خوش اور پرجوش تھی۔ کومل اور رنم نے روایتی انداز کے سوٹ سلوائے تھے۔ کومل تو خاص طور پر پرجوش تھی۔ اس کی تیاریاں ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ پراندے کو اس نے سو سو بار کندھے کے آگے پیچھے ڈال کے دیکھا۔ جبکہ اس کے برعکس رنم ہمیشہ کی طرح پراعتماد تھی۔ سبز چوڑی دار پاجامے، پیلی شرٹ ہم رنگ دوپٹا اوڑھے وہ بڑا مشرقی اور الگ سا تاثر پیش کر رہی تھی۔ بالوں میں پراندہ اور موتیے کے

گجرے دیکھ کر فراز اور اشعر نے بے اختیار ہی "واؤ" کہا۔ اس کی آنکھوں میں اعتماد کا رنگ کچھ اور بھی گہرا ہو گیا۔

جوان لڑکیوں کے نقرئی قہقہے شور، ہنگامہ، موج مستی، ماحول پہ چھائے خوب صورتی کے رنگوں کو اور بھی بڑھا رہے تھے۔ ڈھولک کومل کے قبضے میں تھی۔ راعنہ کی کزن کے ساتھ مل کر اس نے شادی بیاہ کے گانوں کی خوب ہی ٹانگ توڑی۔ راعنہ ان سب کے درمیان بیٹھی مسکرا رہی تھی۔

رنم ہنگامے، شور شرابے سے تھک ہار کر راعنہ کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ راعنہ نے سر سے ڈھلکتا آنچل ٹھیک کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے، تم سب کے ساتھ انجوائے کیوں نہیں کر رہی ہو؟"

"میرا دل چاہ رہا ہے تمہارے پاس بیٹھوں، باتیں کروں، تمہاری شادی ہو جائے گی تو کہاں ہاتھ آؤ گی۔" رنم مسکراتے ہوئے شگفتہ انداز میں بولی۔

"شادی کے بعد میں نے شہریار کے گھر ہی جانا ہے اور تو کوئی جگہ نہیں ہے۔ تم جب چاہو آسکتی ہو۔" راعنہ مسکرائی۔ رنم نے ایک نظر ڈھولک بجاتی لڑکیوں پہ ڈالی۔ ان میں کومل سب سے پیش پیش تھی۔ اسے ہنسی آگئی۔ راعنہ بھی مسکرا رہی تھی۔ کومل ایسی ہی تھی، زندگی کے ہر پل سے خوشی کشید کرنے والی، شرارتی، ہنسوڑ جذباتی۔

چند لمحے ڈھولک بجاتی کومل کو دیکھنے کے بعد رنم پھر سے راعنہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ "تم نے برائیڈل لے لیا؟ شو روم والے نے کل کی ڈیٹ دی تھی۔" اسے اچانک یاد آیا۔ "نہیں۔" راعنہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"شہریار نے منع کر دیا ہے۔"

"کیوں کس وجہ سے؟" وہ حیران ہو کے بولی۔

"فنکشن ختم ہو جائے تو بتاؤں گی۔ ویسے شہریار کے گھر والے میرا برائیڈل اور دیگر سب چیزیں لے آئے ہیں۔ ادھر سے فارغ ہو کر دکھاؤں گی۔" راعنہ کی بات پہ وہ سر ہلانے لگی۔ راعنہ نے تقریب ختم ہونے کے بعد کچھ بتانے کا بولا تھا۔ رنم کو شدت سے انتظار تھا کہ کب فنکشن ختم ہوتا ہے۔

رات کے آخری پہر جاری ہنگامہ ختم ہوا تو ان سب کی آنکھیں نیند سے بند ہوئی جا رہی تھیں۔ راعنہ کے کمرے میں ہی رنم اور کومل کا بسیرا تھا۔ وہ تو آتے ہی بیڈ پہ ڈھیر ہو گئی۔ پر رنم کو راعنہ کا کچھ گھنٹے پہلے والا پراسرار انداز ہضم نہیں ہوا تھا۔ تب ہی تو اس نے فوراً" یاد دہانی کرائی۔ "تم نے مجھے کچھ بتانا تھا راعنہ؟"

"اوہ ہاں۔۔۔" وہ فوراً" بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اتنے میں اس کی گھریلو ملازمہ کافی کے تین مگ ٹرے میں رکھے ان کے لیے لائی۔ رنم نے تو بے تابی سے اپنا مگ اٹھایا۔ راعنہ ملازمہ کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔ اس کے جانے کے بعد راعنہ نے اپنا مگ اٹھایا۔

"برائیڈل اور جیولری سب مما کے روم میں ہے۔ میں نے ملازمہ کو لانے کے لیے بھیجا ہے۔" وہ رنم کو بتا رہی تھی۔

"کیسا برائیڈل اور جیولری؟" کومل نے حیرانی سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی، ملازمہ شاپرز اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔

"ادھر سامنے ٹیبل پہ رکھ دو۔" راعنہ نے اشارہ کیا تو اس نے ٹیبل سے باقی سب سامان اٹھا کر تمام شاپرز وہاں رکھ دیے۔

راعنہ نے شاپرز کھول کر سب سامان باہر نکالا۔ کومل حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بہت سے سوال مچل رہے تھے۔

"یہ ہے میرا برائیڈل جو شہریار نے خود لیا ہے۔" راعنہ نے ایک عام سا عروسی سوٹ دیکھنے کے لیے ان کی طرف بڑھایا۔

"یہ تمہارا برائیڈل ہے اتنا عام سا۔" کومل کو یقین نہیں آرہا تھا کہ راعنہ کا شادی کا جوڑا اتنا کم قیمت بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ٹھیک کہ راعنہ کے سسرالی اسٹیٹس میں راعنہ کے پاپا کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ پر ان کی حالت ایسی گئی گزری بھی نہیں تھی کہ وہ اپنی بہو کے

لیے شان دار سا برائیڈل نہ بنا سکتے۔ رنم کی آنکھوں میں بھی وہی کومل والا سوال تھا۔

"یہ برائیڈل شہریار نے خالصتاً" اپنی کمائی سے خریدا ہے۔ اتنا کم قیمت بھی نہیں ہے، پورے تیس ہزار کا ہے۔ حالانکہ پاپا نے جیولری، برائیڈل، سینڈلز ہر چیز کا آرڈرز کر دیا تھا، پر شہریار نے منع کر دیا۔ انہوں نے پاپا کو صاف صاف کہہ دیا ہے کہ وہ نہ جہیز لیں گے، نہ اپنے سسرال والوں کی کوئی مدد لیں گے اور تو اور شہریار نے اپنے گھر والوں کو بھی منع کر دیا ہے کہ وہ میرے لیے کچھ مت کریں۔ شہریار نے میرے لیے سب کچھ خود اپنی کمائی سے لیا ہے۔" راعنہ کے لہجہ میں بے پناہ فخر اور غرور تھا۔

شہریار کی خریدی گئی کم قیمت چیزیں ان چیزوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی جو وہ اپنے پاپا کے گھر میں استعمال کرتی رہی تھی۔ "کوائیٹ امیزنگ راعنہ" رنم حیرانی کے حصار سے باہر آئی۔

"شہریار نے پاپا سے بولا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ خود سب کچھ بنا لیں گے۔ فی الحال ان کے پاس جو کچھ ہے وہ انہیں قبول کرنا ہو گا۔ انہوں نے ولیمہ کا جوڑا بھی خود خریدا ہے۔" وہ ایک کے بعد ایک ناقابل یقین خبر سنا رہی تھی۔

"اور تمہارے پاپا نے شادی پہ جو لگژری فلیٹ تمہیں گفٹ کرنا تھا اس کا کیا بنا؟" رنم کو اچانک یاد آیا۔

"شہریار نے منع کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ تم پاپا سے کچھ مت لینا۔ میرے پاس جو ہے تم اسی میں گزارا کرو گی۔ وہ بہت خوددار ہیں رنم۔" راعنہ کی آواز میں ایک خاص قسم کا فخر اور غرور تھا۔

"تم کو کوئی اعتراض نہیں ہے؟" کومل نے سوال کیا۔

"نہیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، بلکہ میں تو بہت خوش ہوں کہ شہریار اتنے خودار ہیں۔ کوئی اور ہوتا تو خوشی خوشی ان سب چیزوں سمیت مجھے قبول کرتا، لیکن شہریار کو اپنی محنت پہ بھروسا ہے۔ وہ سسرال کے بل بوتے پہ ترقی کرنا، آگے بڑھنا نہیں چاہتے۔"

"تم گزارا کر لو گی؟" رنم نے سوال کیا۔

"ہاں میں شہریار کے ساتھ ہر قسم کے حالات میں گزارا کر لوں گی، کیونکہ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔" راعنہ کے چہرے پہ دلکش مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

رنم بے پناہ حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ یہ سب اس کے لیے بہت انوکھا اور حیران کن تھا۔ راعنہ جیسی آسائشوں میں پلی بڑھی لڑکی محبت کے بل بوتے پہ اپنے شوہر کے ساتھ ہر حال میں رہنے کا عزم کر چکی تھی۔ وہ شہریار کی طرف سے آئے، عام سے عروسی سوٹ اور زیورات کے باوجود خوش تھی اور شہریار جیسے خوددار کردار تو صرف کہانیوں، فلموں اور ڈراموں میں ہی نظر آتے ہیں جو گھر آئی لکشمی کو ٹھکرا دیتے ہیں، جو اپنے زور بازو پہ بھروسا کرتے ہیں۔ باقی رات رنم کو نیند ہی نہیں آئی۔ وہ شہریار اور راعنہ کے بارے میں ہی سوچتی رہی۔

☼ ☼ ☼

زرینہ تیار ہو کر روبینہ آپا کے گھر آ گئی تھیں۔ وہاب حسب معمول اپنے آفس میں تھا۔ زرینہ نے اس کی عدم موجودگی سے اطمینان سا محسوس کیا۔ کیونکہ اس کی موجودگی میں کچھ چھپانا دشوار تھا۔ ایک دفعہ ذیان کے ساتھ کمال کا رشتہ طے ہو جاتا، پھر بعد کی بعد میں دیکھی جاتی۔ فی الحال زرینہ وہاب کے تیور اور دھمکی دونوں سے خائف تھیں۔

"آپا جلدی کریں نا۔" وہ بڑے صبر سے روبینہ آپا کو بالوں میں برش کرتا دیکھ رہی تھیں۔ انہیں کمال احمد کے گھر جانے کی جلدی تھی۔ وہ اسی مقصد کے لیے روبینہ آپا کی طرف آئی تھیں۔ کل رات بطور خاص انہیں فون پہ یاد دہانی کروائی تھی کہ میرے آنے سے پہلے تیار رہیے گا۔ ابھی آنے سے پہلے بھی انہوں نے آپا کو فون کیا تھا کہ میں گھر سے نکل رہی ہوں۔ یہاں

پہنچی تو وہ اطمینان سے بیٹھی ہوئی چائے پی رہی تھیں۔ ان کے شور مچانے پہ انہوں نے کپڑے بدلے۔ بال بنانے کے بعد انہوں نے پورے آرام سکون کے ساتھ چادر اوڑھی، پرس اٹھایا اور آئینے میں اپنا تنقیدی جائزہ لیا۔ "چلیں" روبینہ، زرینہ کی طرف مڑیں جو اضطراب کے عالم میں تھیں۔ "ہاں آپا چلیں، پہلے ہی کافی دیر ہو گئی ہے۔" زرینہ پہ عجلت سوار تھی۔

کمال کے گھر ان کا استقبال سب سے پہلے گیٹ پہ متعین چوکیدار نے کیا۔ زرینہ اندر آ کر جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔ گھر پرانے وقتوں کا تعمیر شدہ تھا۔ اس لیے اس میں جدیدیت مفقود ہی تھی۔ کمال کی والدہ عفت خانم انہیں دیکھ کر پریشان اور ہراساں سی نظر آئیں۔ حالانکہ زرینہ نے دو دن پہلے ہی اپنے آنے کی اطلاع کر دی تھی۔

انہوں نے خیر مقدمی چہرے پہ سجاتے ہوئے حال احوال پوچھنے کے بعد دونوں بہنوں کو ڈرائنگ روم میں لا بٹھایا۔ یہاں جگہ جگہ بے ترتیبی نظر آ رہی تھی۔ شاید صفائی کرنے والی نہیں آئی تھی۔ زرینہ نے دل ہی دل میں اندازہ لگایا جو بعد میں درست بھی ثابت ہوا۔ عفت خانم شرمندہ انداز میں بتا رہی تھیں کہ صفائی کرنے والی پورے ہفتے سے غائب ہے۔

"تب ہی گھر کا یہ حال ہے۔" زرینہ نے دل میں کہا۔ عفت خانم گزشتہ چالیس منٹ سے اپنے دکھڑے رو رہی تھیں۔ اس دوران انہوں نے ایک بار مروتا″ بھی دونوں بہنوں سے چائے پانی کا نہیں پوچھا۔ بہت دیر بعد جب روبینہ نے بے زار ہو کر زرینہ کو آنکھوں آنکھوں میں اٹھنے کا اشارہ کیا تو تب عفت خانم کو مہمانوں کی خاطر مدارات کا خیال آیا۔

"دراصل میں ہماری کھانا بنانے والی پچھلے ہفتے سے اپنے گاؤں گئی ہوئی ہے۔ کھانا بنا کر وہ فریج میں رکھ گئی تھی۔ کمال اور میں گرم کر کے کھا لیتے ہیں۔ روٹی کمال ہوٹل سے لے آتا ہے۔ میں صرف چائے ہی مشکل سے بنا پاتی ہوں۔ جوڑوں کے درد نے لاچار کر دیا ہے، کچھ بھی نہیں ہوتا مجھ سے۔ لیکن آپ دونوں تو خاص الخاص ہیں ہمارے لیے۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" عفت خانم وضاحت دینے کے بعد باورچی خانے کی طرف چلی گئیں۔

روبینہ کی نگاہ پورے ڈرائنگ روم کا جائزہ لے رہی تھی۔ سامنے رنگ اتری دیوار پہ ایک تصویر فریم میں ٹنگی تھی۔ انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے بہن کی طرف دیکھا، جیسے پوچھنا چاہ رہی ہوں کہ یہ کس کی ہے۔ زرینہ نے فورا″ ان کا سوال سمجھ لیا۔

"یہ کمال کی فوٹو ہے، عفت خانم کا بیٹا تین بہنوں کا اکلوتا بھائی جس کا رشتہ زیان کے لیے آیا ہے۔" روبینہ سر ہلا کر رہ گئیں۔ وہ معنی خیز نگاہوں سے زرینہ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ انہیں عفت خانم، گھر اور کمال کی فوٹو کچھ بھی پسند نہ آیا تھا۔ بندہ مہمانوں کا ہی خیال کر لیتا ہے۔ پورے ایک گھنٹے بعد عفت خانم کو چائے پانی کا خیال آیا تھا۔ روبینہ اٹھنا چاہ رہی تھیں۔ پر زرینہ نے ہاتھ پکڑ کر اس عمل سے باز رکھا۔

وہ کون سا یہاں خوشی سے بیٹھی تھیں۔ رشتے کا خیال نہ ہوتا تو کب کی یہاں سے جا چکی ہوتیں۔ فطرتا″ وہ صفائی پسند اور سلیقہ مند عورت تھیں۔ یہاں جگہ جگہ گرد، مٹی، دھول اور بے ترتیبی دیکھ کر ان کی نفاست پسند طبیعت خراب ہونا شروع ہو چکی تھی۔ اسی وجہ سے عفت خانم کی بنائی چائے کے چند گھونٹ زبردستی پیے۔ کالی، بدرنگ، بدذائقہ چائے تھی ساتھ باسی فروٹ کیک۔ حالانکہ زرینہ آتے ہوئے ان کے گھر کیک، مٹھائی اور کافی سارا موسمی فروٹ بھی لائی تھیں۔ عفت کو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ ان میں سے ہی کچھ مہمانوں کے آگے رکھ دیتیں۔

چائے پی کر عفت خانم کے لاکھ روکنے کے باوجود دونوں وہاں سے اٹھ آئیں۔ باہر نکل کر سکون کا سانس لیا۔ جیسے جیل سے رہائی لی ہو۔ عفت خانم کے گھر عجیب سی بساند پھیلی ہوئی تھی جو وہاں بیٹھے مسلسل محسوس ہوتی رہی، پھر زرینہ نے ایک بار بھی اظہار نہیں کیا۔ انہیں گھٹیا سی خوشی ہو رہی تھی۔ زیان کو کمال کے گھر میں جو، جو مسائل پیش آنے تھے اس کا

اندازہ زرینہ کو قبل از وقت ہی ہو گیا تھا۔ زیان کا سارا غرور، نخرہ، اکڑ دھری کی دھری رہ جانے والی تھی۔ امیر علی اپنے باپ کے گھر میں اس نے بہت عیش کر لیے تھے۔ اب عفت خانم کے گھر بھگتنے کی باری اس کی تھی۔ زرینہ بہت مسرور تھیں۔

* * *

زرینہ، امیر علی کے بیڈ کے پاس کرسی رکھے اس پہ بیٹھی آہستہ آواز میں بات کر رہی تھیں۔ سب اپنے اپنے کمروں میں تھے۔

"میں دیکھ آئی ہوں آپا روبینہ کے ساتھ کمال کا گھر!" اتنا بول کر وہ چپ ہو گئیں۔ وہ دراصل ان کی تجسس کو ابھارنا چاہ رہی تھیں۔ امیر علی خاموشی سے ان کے اگلے جملے کا انتظار کر رہے تھے۔ سو زرینہ خود ہی پھر سے شروع ہو گئیں۔

"اتنے بڑے گھر میں صرف عفت خانم تھیں، کمال آفس میں تھا۔ انہوں نے اتنے اچھے طریقے سے خاطر مدارات کی کہ دل خوش ہو گیا ہے۔ زیان وہاں راج کرے گی راج۔ نہ کوئی روک نہ ٹوک سب اپنی مرضی سے کرے گی۔ میں تو کہتی ہوں کہ اب کوئی چھوٹی موٹی سی رسم ہی کر لیں اور ساتھ ہی شادی کی تیاری کریں۔"

"تمہیں اتنی جلدی کیوں ہے؟" ان کی اتنی باتوں کے جواب میں انہوں نے مختصر سوال کیا پر زرینہ تیار تھیں۔

"کمال بہت اچھا لڑکا ہے، انہیں شادی کی جلدی ہے، ایسا نہ ہو یہاں سے مایوس ہو کر وہ کسی اور طرف کا رخ کر لیں اور زیان بیٹھی رہ جائے۔" آخری جملے پہ امیر علی نے تڑپ کر ان کی طرف دیکھا۔

"میری بیٹی میں کوئی عیب یا کردار میں خرابی نہیں ہے۔ لاکھوں میں ایک ہے وہ..... بہت اچھا مقدر ہو گا اس کا۔ اللہ نہ کرے وہ بیٹھی رہے۔" امیر علی اچانک تلخ ہو گئے۔ زرینہ وقتی طور پہ خاموش ہو گئیں، پر امیر علی کا رویہ حیران کن تھا۔ وہ جلدی زیان نامی بلا کو سر سے اتارنا چاہ رہی تھیں۔ اس میں اتنی ہی رکاوٹیں پیش آ رہی تھیں۔ ادھر امیر علی کی محبت جاگ اٹھی تھی۔

"میرا وہ مطلب نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔" زرینہ نے فوراً" مصلحت کا لبادہ اوڑھتے ہوئے نرم لہجہ اختیار کیا۔ "زیان ماشاء اللہ خوب صورت ہے۔ تب ہی تو کمال جیسے نوجوان کا رشتہ آیا ہے۔" انہوں نے بمشکل خود کو "مرد" کہنے سے روکا۔

"زیان میں کوئی کمی یا عیب نہیں ہے۔ میں تو ہر وقت آپ کی صحت کی طرف سے پریشان رہتی ہوں۔ میں کہتی ہوں آپ جلدی اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔" بوجھ کہتے کہتے زرینہ نے بروقت فرض بولا تھا۔ دل ہی دل میں خود کو داد بھی دی۔

"ہاں دیکھو کیا حکم میرے رب کا۔ وہ اچھی ہی کرے گا۔" امیر علی نے آنکھیں موند لی تھیں، جیسے اب مزید کوئی بات نہ کرنا چاہ رہے ہوں۔ زرینہ کو دل میں بہت غصہ آیا۔

* * *

افشاں بیگم اور ملک جہانگیر دونوں لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ موسم بہت خوب صورت تھا۔ ملک جہانگیر نے بہت دن بعد لان میں بیٹھ کر چائے پینے کی فرمائش کی تھی۔

"ملک صاحب آپ اپنے دوست کے گھر دوبارہ کب جائیں گے۔ پہلے آپ بہت جلدی میں تھے۔" افشاں بیگم کے دل میں اس وقت اچانک یہ بات آئی تھی۔ انہوں نے قصہ چھیڑ کر ملک جہانگیر کی توجہ پھر سے اس زیر التوا مسئلے کی طرف مبذول کروادی تھی۔

"ہاں جاؤں گا سیال کی طرف بھی۔ اس نے بولا تو تھا کہ پہلے اپنی بیٹی کی رائے لوں گا۔ اس کے بعد بتاؤں گا۔" چائے سپ کرتے ہوئے ملک جہانگیر نے اطمینان سے افشاں بیگم کو جواب دیا۔

"ویسے معاذ کی جگہ ایبک کی بات چلا کر آپ نے اچھا نہیں کیا ہے، ممکن ہے اس کے دل میں یہ بات

ہو، تب ہی تو میرا ایک خاموش سیا رہنے لگا ہے۔“ افشاں بیگم نے نازک سی بات کردی تھی۔

”میں ایک کا باپ ہوں، اس کی مرضی کے بغیر اس کی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ کیسے کرسکتا ہوں۔“

”آپ کی مہربانی ہوگی، ملک صاحب اگر آپ ایسا کریں تو...“ جواباً“ وہ مسکرانے لگے۔ ”تم فکر مت کرو۔“

”ٹھیک ہے ملک صاحب میں فکر نہیں کرتی پر معاذ کے بارے میں بھی سوچیں، وہ پردیس جاکر بیٹھ گیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی گوری بغل میں داب کے لے آئے۔“ ایک ماں کی حیثیت سے افشاں بیگم کی پریشانی فطری تھی۔

”معاذ کا بھی کرنا پڑے گا کچھ۔ سچ پوچھو تو احمد سیال کی بیٹی میں نے اس نالائق کے لیے ہی پسند کی تھی۔ وہ ناخلف مجھے مشورہ دے رہا تھا کہ پہلے بڑے بھائی کی شادی کرویں۔“ ملک جہانگیر تھوڑے تلخ ہوگئے تھے۔ اس لیے افشاں بیگم نے فوراً“ ہی ان سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کردیں۔

* * *

راعنہ پارلر جانے کے لیے تیار تھی۔ ملازمہ اس کا عروسی لباس اور دیگر چیزیں رکھ رہی تھی۔ کومل اور رنم دونوں اس کے ساتھ جارہی تھیں۔ ”تمہیں اپنا برائیڈل پسند ہے؟“ گاڑی پارلر جانے والی سڑک پہ مڑ رہی تھی، جب کومل نے گھما پھرا کر تیسری بار یہ ہی سوال کیا۔

”ہاں مجھے بہت پسند ہے۔“ وہ پورے اعتماد سے بولی۔

”تمہیں اس آرڈینری ڈریس کو پہن کر آکورڈ فیل نہیں ہوگا؟“ کومل نے اب ایک نئے زاویے سے سوال کیا۔

”کیوں آکورڈ فیل ہوگا ساری عمر اپنے پاپا کے دیے ہوئے پیسوں سے خریداری کی ہے، بے دردی سے رقم خرچ کی ہے۔ یہ شہریار نے اپنی کمائی سے خریدا ہے، مجھے فخر ہے اس پہ۔“ راعنہ اس بار قدرے غصے سے بولی تو کومل جہاں کی تہاں بیٹھی رہ گئی۔

دلہن بن کر راعنہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ اس کا عروسی لباس اور جیولری اتنی قیمتی نہیں تھی پر ایسی گئی گزری بھی نہیں تھی۔ شہریار کو جاب شروع کیے اتنا زیادہ ٹائم نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنی حیثیت کے مطابق ہی سب کچھ لیا تھا۔ نہ تو اس نے اپنے والدین سے شادی جیسا معاشرتی فرض نبھانے کے لیے کوئی مالی مدد لی تھی اور نہ ہی راعنہ کے پاپا سے کچھ لینا گوارا کیا تھا۔ اسے اپنی محنت اور اللہ پہ بھروسا تھا۔ وہ اکثر نوجوانوں کی طرح شارٹ کٹ جیسے راستوں سے راتوں رات ترقی کی منازل طے کرنے والے خواب نہیں دیکھتا تھا۔ اس نے اللہ کا نام لے کر جاب کے ساتھ اپنا پارٹ ٹائم بزنس بھی شروع کردیا تھا۔ یہ اسی کی برکت تھی کہ اس نے راعنہ کے لیے شادی کی خریداری کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا چھوٹا سا گھر بھی خرید لیا تھا۔

اسے جب راعنہ کے برابر لاکر بٹھایا گیا تو انجانے سے تفاخر سے اس کی گردن اور سر اوپر اٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے کی چمک بتارہی تھی کہ راعنہ کے مقابلے میں اپنی حیثیت پہ شرمندہ نہیں ہے۔ اس کے پاس راعنہ کے پاپا جتنی دولت نہیں تھی، لیکن اس کے انداز اور شخصیت سے کسی بھی قسم کا احساس کمتری نہیں جھلک رہا تھا۔

رنم، راعنہ سے قدرے دور کھڑی اسے دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہی تھی۔ اگر ایسا برائیڈل ڈریس اس کا ہوتا تو وہ اتنے مہمانوں کے بیچ کبھی نہ پہنتی۔ پر راعنہ کتنی مسرور تھی۔ رنم کے لیے تو یہ بات ہی حیران کن تھی کہ شہریار، راعنہ سے کم حیثیت ہونے کے باوجود سسرال سے کسی بھی قسم کی مدد نہیں لے رہا تھا۔ وہ چاہتا تو بہت آسانی سے سب کچھ حاصل کرسکتا تھا۔ کیونکہ راعنہ کے پاپا بیٹی کو گھر، گاڑی، بینک بیلنس، بیش قیمت فرنیچر، زیورات سب کچھ ہی تو دینا چارہے تھے۔ پر شہریار نے سب کچھ لینے سے انکار کردیا تھا اور

راعنہ کو بھی سختی سے منع کیا تھا۔

رنم جلد از جلد گھر جا کر اپنے پاپا سے یہ خبر شیئر کرنا چاہ رہی تھی۔

* * *

روبینہ آپا آئی ہوئی تھیں۔ کمال اور عفت خانم کے گھر سے واپسی کے بعد آج زرینہ کے یہاں ان کا پہلا چکر تھا۔ اس کے بعد بہن سے ان کی بات ہی نہیں ہوئی۔ وہ معلوم کرنا چاہ رہی تھیں کہ کمال کے بارے میں امیر علی نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ ادھر ادھر کی باتوں کے دوران روبینہ نے اچانک بہن سے یہ سوال کر لیا۔

“امیر بھائی نے کیا فیصلہ کیا کمال کے رشتے کے بارے میں؟”

“ابھی تک تو اونٹ کسی کروٹ نہیں بیٹھا ہے۔ آپ کے بھائی کہتے ہیں کہ اتنی جلدی کا ہے کی ہے۔” وہ برا سا منہ بناتے بولیں۔

“ویسے سچ پوچھو تو مجھے کمال کی ماں سے مل کر ذرا بھی کسی خلوص یا گرمجوشی کا احساس نہیں ہوا۔ پھر گھر کی حالت کیسی عجیب سی ہے۔ اوپر سے کمال کی جو فوٹو میں نے دیکھی، مجھے کمال بھی پسند نہیں آیا ہے۔ اتنی زیادہ عمر کا لگ رہا ہے۔ کم سے کم لڑکا زیان کے جوڑ کا ہو۔” روبینہ نے تو بڑے عام سے انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ پر زرینہ بیگم کو بہت غصہ آیا۔

روبینہ آپا، کمال، اس کے گھر اور اس کی ماں عفت خانم کے خلاف بولتے ہوئے در حقیقت زیان کی سائیڈ لے رہی تھیں اور یہ ہی اس معاملے کا اختلافی پہلو تھا۔

“اتنی بھی زیادہ عمر کا نہیں ہے کمال۔۔۔ رہی گھر کی بات تو اچھا کماتا، کھاتا لڑکا ہے۔ گھر بھی ٹھیک کروا لے گا۔ زیان کے عیش ہوں گے۔ نندیں اپنے گھروں کی ہیں۔ ساس بوڑھی اور بیمار ہے، اس کا اپنا راج ہو گا۔” زرینہ بڑھ بڑھ کر کمال کی حمایت میں بول رہی تھیں۔

پر بہن کے لاکھ چاہنے کے باوجود بھی وہ اس سے متفق نہیں ہو پا رہی تھیں۔ کچھ بھی سہی وہ لاکھ بری ہونے کے باوجود زرینہ کی طرح دشمنی اور بدگمانی میں اندھے ہو جانے والوں میں شامل نہیں تھیں۔ وہاب ان کا لاڈلا بیٹا زیان کی محبت میں پاگل تھا۔ اس کی خوشی دیکھتے ہوئے روبینہ ماں ہونے کی حیثیت سے چاہ رہی تھیں کہ زیان کا رشتہ وہاب سے طے ہو جائے پر زرینہ ان کی ماں جائی اس حق میں نہیں تھی۔

روبینہ اپنی بہن کی فطرت، ہٹ دھرمی اور ضد سے اچھی طرح واقف تھیں۔ اس لیے انہیں ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ زرینہ اس رشتے پہ آمادہ ہو گی۔ اس لیے وہ خاموش ہو گئی تھیں۔ پر کمال کی صورت میں زرینہ نے زیان کے لیے جو رشتہ اسے دکھایا تھا، وہ بھی زیان کے لیے ہر لحاظ سے ناموزوں تھا۔ چپ چاپ خاموش گہری اداس آنکھوں والی زیان پہ نہ جانے کیوں انہیں رہ، رہ کر ترس آ رہا تھا۔

* * *

زیان کالج سے لوٹی تو گھر میں سناٹا تھا۔ ویسے بھی اس وقت سب کھانا کھا کر آرام کرتے تھے۔ آفاق، رابیل اور مناہل اس سے پہلے گھر آتے اور کھانا کھا کر اپنے کمرے کی راہ لیتے۔ زیان کی کالج سے گھر واپسی پہ کوئی بھی باہر نہ نکلتا، سوائے بوا کے۔ وہ ایک ماں کی طرح اس کا خیال رکھتیں اور ایک ایک چیز کی فکر کرتیں۔ عرصہ دراز سے اس گھر میں تھیں، سو مکینوں کے مزاج سے واقف تھیں۔

زیان نے بیگ ٹیبل پہ رکھا۔ پاؤں جرابوں اور شوز کی قید سے آزاد کیے۔ موسم میں خنکی تھی۔ اس نے لینن کا سوٹ الماری سے نکالا اور یونیفارم اتار کر وہی پہنا۔ کپڑے بدل کر وہ باہر ہی آ رہی تھی جب بوا سے مڈبھیڑ ہوئی۔

“السلام علیکم بوا۔” زیان نے خوش گوار لہجہ میں کہا تو وہ نہال سی ہو گئیں۔ کتنے دن بعد انہوں نے آج اس کا ہلکا پھلکا موڈ دیکھا۔ وہ اداس یا پژمردہ نظر نہیں آ رہی تھی۔

“کیا بات ہے، آج بہت خوش نظر آ رہی ہو بیٹی۔” انہوں نے محبت سے اسے تکتے ہوئے پوچھا۔

"بوا کل سے ہمارے کالج میں اسٹوڈنٹس ویک شروع ہو رہا ہے، میں نے بھی ایک ڈرامے میں حصہ لیا ہے۔ کل وہ ڈراما ہماری کلاس کالج اسٹیج پر ایکٹ کرے گی۔ سب میری بہت تعریف کررہے ہیں۔ آپ کو کیا بتاؤں۔" وہ بے پناہ خوش تھی۔

"اچھا تو کل تم ڈرامے میں حصہ لوگی؟" اسے خوش دیکھ کر بوا بھی خوش تھیں۔

"بوا کل میں اپنی فرینڈز کے ساتھ کالج جاؤں گی ڈرائیور کے ساتھ نہیں۔"

"ہاں میں اسے بتادوں گی تم بے شک اپنی سہیلیوں کے ساتھ چلی جانا۔ اب تم آؤ ہاتھ منہ دھو کر میں کھانا لا رہی ہوں۔"

"بوا آج مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"کیسے بھوک نہیں ہے، میں نے تمہاری پسند کی چیزیں بنائی ہیں۔" بوا نے پیار بھرا اصرار کیا۔

"رات کو کھالوں گی نا، سچی ابھی بھوک نہیں ہے۔ آپ چائے کے ساتھ دو کباب فرائی کردیں مجھے۔" بوا مایوس سی ہوگئیں تو زیان سے رہا نہیں گیا، جھٹ چائے کا بول دیا۔

"میں ابھی لاتی ہوں۔" بوا کا چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھا۔ وہ کچن میں گئیں تو زیان پھر سے کل کے دن کے خیال میں ڈوب گئی، جب کل اسے اسٹیج پہ ڈراما ایکٹ کرنا تھا، اپنا رول ادا کرنا تھا۔

* * *

رات سر پہ آگئی تھی اور نیند تھی کہ آنے کا نام نہ لے رہی تھی۔ کروٹیں لینے کے باوجود نیند کا نام و نشان تک نہ تھا۔ زیان بستر سے اٹھی اور کپڑوں کی الماری کے ساتھ مصروف ہوگئی۔ کچھ دیر بعد وہ اسے کھول چکی تھی۔ اوپر والے خانے میں ایک کالا شاپر رکھا تھا۔ زیان نے ہاتھ بڑھا کر وہ شاپر اتارا۔ اندر شاپر میں امیر علی کا براؤن کرتا اور سفید شلوار تھی۔ ایک چھوٹے لفافے میں مونچھیں تھیں ساتھ ہی استعمال کے عام چپل بھی تھے، جو سائز میں اس کے نرم و نازک پاؤں سے تھوڑے زیادہ تھے۔ اس نے یہ ہی سوٹ پہن کر اور نقلی مونچھیں لگا کر ریہرسل کی تھی اور سب ٹیچرز ساتھی طالبات سے خوب داد وصول کی تھی۔ آواز بدلنے میں اس کا کافی تجربہ ہوگیا تھا۔ یہ ہی وجہ ہے جب وہ اپنے مکالمے بول رہی تھی تو بالکل بھی نہیں لگ رہا تھا کہ یہ آواز کسی لڑکی کی ہے۔ بالکل مردانہ آواز محسوس ہو رہی تھی۔

زیان نے شاپر بستر پہ اپنے سرہانے رکھ لیا۔ لائٹ بند کرکے وہ پھر سے بستر پر دراز ہوگئی۔ اس بار نیند کے مہربان ہونے میں دیر نہیں لگی تھی۔

صبح اس کی آنکھ معمول سے پہلے کھولی، لیکن اس کے لیے یہ مناسب وقت تھا۔ وہ دوبارہ سوئی نہیں۔ باتھ روم میں جا کر کپڑے تبدیل کیے۔ اب اس کے جسم پہ براؤن مردانہ کرتا اور سفید شلوار تھی۔ کرتا بہت کھلا اور شلوار لمبی تھی۔ شلوار اس نے نیفے والی جگہ سے موڑ کر اندر کرلی۔ اب اس کی لمبائی اتنی زیادہ نہیں لگ رہی تھی، مگر کرتا جوں کا توں تھا۔ یہ بات اس کے حق میں جا رہی تھی، کیونکہ کھلے کرتے نے اس کے جسمانی نشیب و فراز کو کافی حد تک چھپا لیا تھا۔ ویسے بھی تو وہ دبلی پتلی سی تھی۔

اب بالوں کا مسئلہ تھا۔ زیان کے بال لمبے کمر سے نیچے تک جا رہے تھے۔ اس نے موڑ کر بل دے کر چٹیا سی بنائی۔ پھر اسی چٹیا کو بل دے کر سر کے گرد گولائی میں لپیٹ کر سر کے بالوں پہ مضبوطی سے ڈھیر سی پنیں لگا دیں۔ اب بالوں کا آسانی سے کھلنا کافی مشکل تھا۔ پھر زیان نے اپنی سفید چادر نکالی، اسے لمبائی میں تہ لگا کر درمیانے سائز کے دوپٹے کی شکل دی۔ اب اسی چادر نما دوپٹے کو اس نے سر کے گرد پگڑی کی صورت میں لپیٹ دیا۔ اب اس کے سر کے بال ماتھے کے اوپر والا حصہ پگڑی میں چھپ گیا تھا۔ کانوں میں پہنی گئی چھوٹی چھوٹی بالیاں وہ رات کو ہی نکال چکی تھی۔ باقی کسی قسم کی جیولری وہ پہنتی ہی نہیں تھی۔ ہاں کلائی میں ایک موٹا سا کڑا خاص طور پہ پہنا تھا، جو لڑکے عام طور پہ پہنتے ہیں۔

ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کے ناخن وہ کاٹ چکی تھی۔ تیار ہونے کے بعد اس نے خود کو آئینے میں دیکھا تو ایک ثانیے کے لیے پہچان ہی نہیں پائی کہ آئینے میں نظر آنے والی صورت اسی کی ہے۔ مونچھیں لگانے سے رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی۔ اب کہیں سے بھی وہ لڑکی نہیں لگ رہی تھی۔ بلکہ دبلا پتلا نو عمر لڑکا نظر آرہی تھی۔

ڈھیلے ڈھالے کرتے اور نقلی مونچھوں کے اضافے نے بہت کچھ چھپا لیا تھا۔ وہ اپنے بہروپ سے پوری طرح مطمئن تھی۔ بس گھر سے نکلنے کا مرحلہ باقی تھا۔

بوا کو اس نے رات میں ہی کہہ دیا تھا کہ صبح وہ ناشتا نہیں کرے گی، نہ ڈرائیور کے ساتھ کالج جائے گی۔ چھ سات ماہ سے وہ ڈرائیور کے ساتھ کالج جارہی تھی، ورنہ پہلے وین اسے کالج چھوڑتی اور گھر واپس لاتی تھی۔ جب سے نیا ڈرائیور آیا تھا، تب سے وہ اس کے ساتھ جاتی تھی۔

پر آج ڈرائیور کے ساتھ کالج جانا اس کے پروگرام میں شامل نہیں تھا۔ صبح کے سات بجتے ہی زیان نے اپنے کمرے کا دروازہ ذرا سا کھول کر خود کو پیچھے کیے کیے باہر جھانکا، کوئی بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ رابیل، مناہل اور آفاق تینوں آٹھ بجے ڈرائیور کے ساتھ گھر سے نکلتے۔ زیان بھی ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ وہ سب سے آخر میں زیان کو کالج چھوڑتا۔ پر آج زیان نے پروگرام بدل لیا تھا۔

بوا اٹھ چکی تھیں اور ناشتے کی تیاری میں لگی تھیں۔ ان کے ساتھ مدد کروانے کے لیے ثمینہ بھی تھی۔ گویا زیان کے لیے میدان صاف تھا۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل پہ پڑی امیر علی کی مردانہ ریسٹ واچ اٹھا کر اپنی کلائی پہ باندھی یہ قیمتی مردانہ گھڑی اس کی کلائی میں کافی ڈھیلی تھی۔ پر زیان کو غنیمت لگ رہی تھی۔ امیر علی کی یہ گھڑی کافی پرانی تھی۔ کچھ دن پہلے ہی زیان کو دراز میں سب سے نچلے حصے میں پڑی نظر آئی تو اس نے اٹھا کر اپنے کمرے میں رکھ دی۔ یہ ریسٹ واچ اس مردانہ بہروپ پہ بہت کام آرہی تھی جو زیان نے اس وقت دھارا ہوا تھا۔

پاؤں میں ناپ سے قدرے بڑے سلیپر پہن کر اس نے آخری بار آئینے میں خود کو تنقیدی نگاہوں سے دیکھا۔ بہروپ مکمل تھا۔ اس نے مطمئن ہو کر گھر سے نکلنے سے قبل ایک بار پھر باہر کا جائزہ لیا۔ کچن اس کے بیڈ روم کے مخالف سمت میں قدرے الگ جگہ بنا ہوا تھا۔ وہ اگر اپنے کمرے سے نکل کر بیرونی گیٹ تک جاتی تو کسی کی بھی نظروں میں نہ آتی کیونکہ بوا اور ثمینہ کچن میں اپنے کام میں لگی ہوئی تھیں۔ زرینہ بیگم نو بجے بے دار ہو کر ناشتا کرتیں۔ تینوں بچے اسکول کے لیے تیار ہو رہے تھے، جبکہ ڈرائیور اپنے کوارٹر میں تھا۔ فی الحال کوئی اور نہیں تھا جس کی نظر زیان پہ پڑتی۔ اس نے آہستگی سے دروازہ کھول کر کمرے سے باہر پہلا قدم رکھا اور پھر تقریباً" بھاگنے والے انداز میں کمرے سے گیٹ تک کا فاصلہ طے کیا۔ گیٹ سے باہر کوئی ذی روح نظر نہیں آرہا تھا۔

اس کا دل خوشی سے بلیوں اچھل رہا تھا۔ سرمستی کا احساس رگ وپے میں بھر چکا تھا۔ اسے پہچانا نہیں گیا۔ وہ نئے روپ میں قبول کی جاچکی ہے۔ گویا اس نے ڈرامے کے لیے جو مردانہ روپ دھارا تھا وہ سو فیصد کامیاب تھا۔ بہروپ مکمل تھا۔ یہ خیال آتے ہی اس کی چال میں اور بھی اعتماد آگیا تھا۔ وہ ٹہلنے کے انداز میں آرام سے چلنے لگی۔ کچھ آگے چند قدموں کے فاصلے پہ ایک مارکیٹ تھی۔ زیادہ تر دکانیں بند تھیں۔ ایک آدھ ہی کھلی تھی۔ دکانوں سے آگے کنارے پہ کھڑی دو آدمی آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ زیان نے فوراً" ایک فیصلہ کیا اور عمل بھی کر ڈالا۔ وہ ان دو آدمیوں کے پاس پہنچ گئی۔

"بھائی جان پی سی او کدھر ہے؟" اس نے لہجے میں حتی الامکان اکھڑپن سمونے کی کوشش کی۔ وہ اچانک ان کے سامنے آئی تھی۔ دونوں اپنی اپنی باتوں میں مصروف تھے۔ جب دبلے پتلے لڑکے نے انہیں مخاطب کیا۔ وہ منتظر نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ موٹی موٹی مونچھوں کے برعکس اس کے چہرے پہ بڑی

ملاحت تھی۔ مونچھیں کسی طرح بھی اس کی پوری شخصیت کے ساتھ میل نہیں کھا رہی تھیں۔

دونوں آدمیوں میں سے ایک نے بڑے غور سے اس کی سمت دیکھا۔ اس کا رنگ سانولا، جسم مضبوط اور آنکھوں میں سرخی تھی، تیر چھیدتی نگاہ تھی اس کی۔

"یہاں کوئی پی سی او نہیں ہے۔ ہمارے گھر چلو پاس ہی ہے، فون کر لینا ساتھ دو چار باتیں کریں گے۔ چائے پانی بھی پی لینا۔ ویسے اس شہر کے لگتے نہیں ہو۔"

دوسرے آدمی نے آفر کی۔ یہ پہلے کی نسبت کالا اور بھاری ڈیل ڈول کا مالک تھا۔ چہرے پہ چیچک کے داغ تھے جو اس کی بدنمائی میں اور بھی اضافہ کر رہے تھے۔ پہلے والے آدمی نے زیان کے پاؤں میں موجود اس کے سائز بڑے جوتوں کو معنی خیز چبھتی نگاہوں سے دیکھا۔ اور ساتھ ہی دوسرے آدمی کو ہاتھ سے کوئی اشارہ کیا۔ جسے زیان بالکل بھی نہیں سمجھ پائی۔ دونوں اب زیان کے نرم و نازک گلابی پاؤں کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے آپس میں نگاہوں کی زبان میں کوئی بات کی۔ زیان کے دل میں خدشات کا الارم زور و شور سے بجنے لگا۔

"نہیں بھائی جان! میں آگے جا کر کہیں اور سے فون کر لوں گا۔" ان دونوں مردوں کی ہوس ناک نگاہوں کو اس نے عورت کی فطری حس کی وجہ سے فورا” پڑھ لیا۔ وہ جلد از جلد ان سے دور ہونا چاہ رہی تھی۔ لیکن ان کے تیور ہرگز ایسے نہیں تھے جو آسانی سے اسے جانے دیتے۔ ایک زیان کے دائیں اور دوسرا بائیں جانب آ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا مکھن ملائی لونڈا ہے تو یار۔۔۔ لگتا ہے اوپر والے نے لڑکی بناتے بناتے بالکل آخری وقت میں تمہیں لڑکا بنا دیا ہے۔" ایک نے زیان کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے یہ جملہ سوفی صد اسی کے بارے میں کہا تھا۔ اپنے کندھے پہ پڑا ہاتھ زیان کو کسی سانپ کی مانند زہریلا محسوس ہوا۔ اس نے تیزی سے اس آدمی کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹاتے قدم آگے بڑھائے۔ وہ دونوں بھی اس کے ساتھ چلنا شروع ہو گئے۔ زیان کی کوشش تھی جلد از جلد ان سے آگے نکل جائے۔ اگلے موڑ پہ پی سی او نما کھوکھا تھا۔ وہ سوچے سمجھے بغیر اس کی سمت بڑھی۔

اندر دو، تین آدمی تھے اس کے دل کو ڈھارس سی ہوئی۔ زیان کو کھوکھے کی سمت لپکتا دیکھ کر وہ دونوں ادھر ہی رک گئے۔ تاہم زیان اب بھی ان کی نگاہوں کا مرکز تھی۔ "مینوں فون کرنا اے" (مجھے فون کرنا ہے) زیان نے اپنی طرف سے بڑی گاڑھی پنجابی بولی۔

کھوکھے کے باریش مالک نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور سامنے پڑا فون سیٹ اس کی سمت کھسکایا۔ زیان نے اعتماد سے اپنی ایک کلاس فیلو کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے کسی ملازم نے فون اٹینڈ کیا۔

"السلام علیکم طارق گل کردا آں (السلام علیکم! طارق بات کر رہا ہوں۔) وہ دوسری طرف کی سنے بغیر شروع ہو گئی۔" باریش آدمی نے اپنے سامنے کھڑے دوسرے گاہک کو دیکھا اور پھر باتیں کرتی زیان کو۔

"اللہ کی شان یہ نرم و نازک نوجوان بالکل لڑکی لگ رہا ہے۔" باریش شخص نے یہ جملہ اپنے سامنے کھڑے دوسرے آدمی سے زیان کی سمت اشارہ کرتے ہوئے ادا کیا۔ وہ فون پہ اپنی ہی ہانک رہی تھی۔ ورنہ سن کر پریشان ہو جاتی۔ بات ختم کر کے اس نے مطلوبہ رقم باریش آدمی کے ہاتھ پہ رکھی اور آگے کی سمت بڑھ گئی۔

جوں ہی وہ کھوکھے سے باہر آئی وہ دونوں آدمی بھی فاصلہ رکھ کر اس کے پیچھے چل پڑے۔ ان کی نظر زیان پہ تھی زیان اس بات سے بے خبر سوزوکیوں کے اڈے کی طرف جا رہی تھی۔ وہاں بڑی چہل پہل تھی۔ پاس ہی مین روڈ تھا۔ اسکول و کالج، دفاتر میں آنے جانے والے اپنی اپنی گاڑی کے انتظار میں تھے۔ زیان کو فورا” اپنے کالج کے روٹ کی سوزوکی مل گئی اور وہ اس میں سوار ہو گئی۔ اس کے ساتھ وہ دونوں آدمی بھی سوزوکی میں سوار ہو گئے۔ زیان سے پہلے دو آدمی گاڑی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ لیڈیز والی ساری سیٹیں خالی تھی۔ زیان اس طرف بیٹھی تھی۔ ذرا دیر بعد حواس قابو میں

آئے تو اس کی نگاہ فوراً" ان ہی دو آدمیوں پہ پڑی۔ وہ زیان کو ہی دیکھ رہے تھے۔ غلیظ' خباثت بھری نگاہیں جو ان کے ہوس ناک ارادوں کا پتا دے رہی تھی۔ وہ کسی طرح بھی اس کا پیچھا چھوڑنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ اگلے اسٹاپ سے عورتیں سوار ہوئیں تو کلینر نے زیان کو مردوں والے حصے کی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

"بھائی وہاں بیٹھو' یہ لیڈیز سیٹیں ہیں۔" ناچار زیان مردوں والے حصے کی آخری سیٹ پہ بیٹھ گئی۔ بھاری ڈیل ڈول رکھنے والے آدمی کا کندھا اس کے کندھے سے ٹکرا رہا تھا۔ وہ جان کر مزید اس کے قریب ہوا تو زیان بالکل کونے کی طرف ہو گئی۔ پہلی بار اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ سوزوکی دوبارہ چلنے لگی۔ آگے جا کر زیان کی دو کلاس فیلوز سوار ہوئیں تو اس کی جان میں جان آئی۔ وہ جھٹ اپنی سیٹ سے اٹھی اور ان کے برابر بیٹھ گئی۔

"اندھے ہو کیا نظر نہیں آتا۔ یہ عورتوں کی سیٹ ہے۔" اس کی کلاس فیلو سدرہ دھاڑ سے مشابہہ آواز میں غرائی۔ زیان کے چہرے پہ پسینے کے قطرے ابھر آئے۔ کیونکہ سب مرد اسے دیکھ رہے تھے۔ کیا خبر سدرہ کے شور مچانے پہ اس کی ٹھکائی ہی نہ شروع کر دیتے۔

"سدرہ یہ میں ہوں زیان۔۔۔" وہ سرگوشی سے مشابہ آواز میں بولی۔ سدرہ نے اسے غور سے دیکھا' جی بھر کے حیران ہوئی' وہ اسے پہچان چکی تھی۔ آواز سو فیصد زیان کی تھی۔ کیونکہ وہ اصلی آواز میں بولی تھی۔ غور سے دیکھنے پہ نقوش بھی مانوس لگے۔ مگر زیان کی یہ بے تکی حرکت اور گیٹ اپ اسے بہت الجھا رہا تھا۔ پر اس وقت وہ سوال کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ زیان نے ہونٹوں پہ انگلی رکھتے ہوئے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

گاڑی میں موجود سب مردوں کی نگاہیں ان ہی کا طواف کر رہی تھی۔ وہ دبلا پتلا نوعمر لڑکا جس کے چہرے پہ موجود مونچھیں عجیب سا تاثر دے رہی تھی۔ ان دو لڑکیوں کے ساتھ بیٹھا تھا اور وہ لڑکیاں اب شور بھی نہیں کر رہی تھیں۔ جو کہ خلاف عقل تھا۔ سب اپنی عقل کے مطابق قیاس کے گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ سانولا کالا آدمی اور اس کا دوسرا ساتھی مایوس ہو چکے تھے کہ زوردار لونڈا ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ اس کم بخت کا آنکھ مٹکا تو ایک ایک نہیں دو دو لڑکیوں کے ساتھ تھا۔

کالج گیٹ کے سامنے جوں ہی سوزوکی رکی تو زیان سب سے چھلانگ مار کر اتری۔ تیزی سے اترنے کی وجہ سے اس کی مونچھ کی ایک سائیڈ جلد سے الگ ہو کر اس کے ہونٹوں پہ جھک آئی تھی۔ زیان غڑاپ سے کالج گیٹ سے اندر غائب ہو چکی تھی۔ سوزوکی میں موجود سب لوگ ادھر ہی دیکھ رہے تھے۔ ان دو آدمیوں کی حالت دیکھنے والی ہو رہی تھی جو زیان کا پیچھا کرتے یہاں تک پہنچے تھے۔

* * *

گیٹ سے اندر چوکیدار زیان سے سوال جواب کے لیے تیار تھا۔ سدرہ اور نائلہ پیچھے پیچھے تھی۔ چوکیدار سے کلیئر ہونے کے بعد تینوں آگے بڑھیں۔

"میں نے تو صرف ایڈونچر میں آکر ایسا کیا کہ دیکھوں اس روپ میں کوئی مجھے پہچانتا ہے کہ نہیں۔ سب سے چھپ کر گھر سے نکلی ڈرائیور کو بھی منع کر دیا کہ دوستوں کے ساتھ جاؤں گی۔" وہ انہیں اپنی بے وقوفی دوسرے الفاظ میں ایڈونچر کے بارے میں بتا رہی تھی۔

"تمہاری اس بے وقوفی کی وجہ سے تمہیں اگر کچھ ہو جاتا تو۔۔۔" نائلہ غصے سے بول رہی تھی۔

"ہوا تو کچھ نہیں میں بس ان دو آدمیوں کی وجہ سے پریشان ہو گئی تھی۔ لیکن اب ٹھیک ہوں۔" وہ اندرونی خوف و بزدلی پہ قابو پاتے ہوئے (جس سے کچھ دیر پیشتر وہ دو چار ہوئی تھی۔) ہنس دی۔ پر سدرہ اور نائلہ دونوں کو اس کی بات پہ یقین نہیں آیا۔

"اس وقت تو ہوائیاں اڑ رہی تھیں چہرے پہ۔۔۔ کیسے گاڑی میں میرے ساتھ چپکی جا رہی تھی۔"

سدرہ چمک کر بولی۔

"اچھا جو بھی ہے یہ بتاؤ لگ رہا ہوں نہ لڑکا؟" ان کے سامنے اکڑ کر زیان اسٹائل سے کھڑی ہو گئی۔ آس پاس سے گزرنے والی طالبات بھی رک کر انہیں دیکھنے لگ گئی تھیں۔

"ہاں لگ تو رہے ہو نرم نرم سے لڑکے۔" سدرہ قدرے چہک کر عاشقانہ انداز میں بولی۔ زیان نے جھینپ کر اسے ایک دھپ لگائی۔

"مجھے تمہاری اس حماقت پہ ابھی تک یقین نہیں آرہا ہے۔ صرف اس شوق و تجسس میں کہ اس گیٹ اپ میں تم لڑکا لگتی ہو کہ نہیں، تم صبح سویرے گھر سے ایسے نکل آئیں۔ نتائج تک کی پروا نہیں کی۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" نائلہ اسے سمجھانے کے موڈ میں تھی۔

"آئندہ ایسے نہیں کروں گی۔ یہ تو ڈرامے کی وجہ سے اچانک میرے دل میں یہ عجیب خیال آیا۔"

"عجیب نہیں واہیات نامعقول خیال کہو۔" سدرہ نے تیزی سے کہا۔

"شکر کرو بچ گئی ہو۔" نائلہ نے ایک بار پھر اسے فہمائشی نگاہوں سے دیکھا۔ زیان نے جان چھڑانے والے انداز میں ان کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

تینوں ہال میں پہنچ چکی تھیں۔ جہاں سب طالبات اور ٹیچرز جمع تھیں۔ زیان ڈرامے کی ٹیم کی طرف آگئی۔

* * *

احمد سیال کھانا کھا رہے تھے۔ رنم انہیں راعنہ کی شادی کی روداد سنا رہی تھی۔ "پاپا! راعنہ کے ان لاز نے کوئی ڈیمانڈ نہیں کی ہے اور نہ کوئی جہیز لیں گے وہ لوگ۔"

"اچھا..." احمد سیال کو سن کر حیرانی نہیں ہوئی۔ وہ نارمل موڈ میں تھے۔ رنم کا چہرہ بجھ سا گیا۔ اس نے اپنے تئیں اتنی زبردست عجیب و غریب شاکڈ کرنے والی بات بتائی تھی، لیکن پاپا نے کوئی خاص رسپانس ہی نہیں دیا۔

"تم کب تک فری ہو گی؟" احمد سیال نے کھانا کھاتے کھاتے سوال کیا۔ "کیوں پاپا؟"

"تم راعنہ کی شادی کی مصروفیت سے فری ہو جاؤ تو انفارم کرنا۔" وہ مبہم سے انداز میں بولے۔ "کیوں پاپا؟" اس نے پھر سوال کیا۔

"میں نے تمہیں بتایا تو تھا میرے دوست جہانگیر ملک نے تمہارے لیے اپنے بیٹے کا پروپوزل دیا ہے۔ تمہارے ایگزام کے دوران وہ آیا تھا۔"

"ہاں مجھے یاد آرہا ہے آپ نے ذکر کیا تھا۔" اس نے بھی احمد سیال کے انداز میں کہا۔

"میں ملک جہانگیر کی فیملی کو بلواتا ہوں کسی دن، تم بھی مل لو۔" وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔

رنم نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا تو انہوں نے سیدھے اسٹڈی روم کا رخ کیا۔ رنم ادھر ہی بیٹھی دل ہی دل میں پاپا سے خفا ہو رہی تھی۔ پر ابھی اس کے پاس لمبی چوڑی ناراضی دکھانے کا ٹائم نہیں تھا، کیونکہ کل راعنہ اور شہریار کا ولیمہ تھا۔ اسے تیاری بھی کرنی تھی۔ اس موضوع پہ پاپا سے بعد میں بھی بات کی جا سکتی تھی۔

* * *

ولیمہ پہ شہریار نے بہت زیادہ مہمانوں کو انوائیٹ نہیں کیا تھا۔ راعنہ کی فیملی اور ان دونوں کے مشترکہ رشتہ دار اور کچھ دوست احباب تھے۔ کھانے میں چار ڈشز تھیں۔ راعنہ کے ولیمہ کا جوڑا بہت نفیس پر زیادہ قیمتی نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ بے پناہ خوش نظر آرہی تھی۔ راعنہ کے گھر والے بھی مسرور تھے۔ شہریار کے کسی بھی عمل پہ انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ بلکہ راعنہ کے پپا بے پناہ خوش تھے کہ انہیں شہریار کی صورت میں اپنی بیٹی کے لیے خوددار، غیرت مند شوہر ملا ہے۔ وہ سب دوست راعنہ اور شہریار کا گھر دیکھنے بھی گئے۔ یہ گھر کسی پوش علاقے میں نہیں تھا۔

پر صاف ستھری کالونی میں تھا۔ چھوٹا سا مناسب اور موزوں فرنیچر سے آراستہ تین کمروں کا گھر راعنہ اور شہریار کی محبت کے وجود سے سج گیا تھا۔

رنم حیرانی سے ایک ایک چیز کو دیکھ رہی تھی۔ شہریار کے پاس سیکنڈ ہینڈ گاڑی تھی۔ راعنہ کو شہریار کے ساتھ اس گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ذرہ بھر احساس کمتری نہیں تھا۔

"میری یہ لائف پاپا کے گھر کی لائف سے بالکل ڈیفرنٹ ہے۔" انہیں کھانے پینے کی سب چیزیں خود سرو کرتے ہوئے راعنہ خوشی سے بتا رہی تھی۔

"تم یہاں آرام سے رہ لوگی؟" رنم نے نگاہیں اس کے چہرے پہ ٹکادیں۔

"میں یہاں رہتے ہوئے بہت کمفر ٹیبل فیل کررہی ہوں۔ پاپا مجھے اور شہریار کو بہت کچھ دینا چاہ رہے تھے، مگر شہریار عام مردوں کی طرح لالچی نہیں ہیں۔ ورنہ ہمارے طبقے میں اکثر شادیاں بزنس ڈیل ہوتی ہیں۔ پر ہماری شادی بزنس ڈیل نہیں ہے، رئیل شادی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے تحمل سے رنم کے جواب دے رہی تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو ہمارے سوشل سرکل میں شادی بزنس ڈیل ہی ہوتی ہے۔" اس نے تائید کی۔

"تمہارے لیے بھی تو ایک جاگیردار فیملی سے رشتہ آیا ہے۔ بہت اونچا ہاتھ مارا ہے تم نے۔" کومل کو یاد آیا۔ رنم کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

"میری شادی پاپا میری مرضی سے کریں گے۔" وہ غصے سے بولی۔ پتا نہیں کومل کے عام سے جملے پہ وہ کیوں ہائپر ہوگئی تھی۔

"ہاں تمہارے پاپا تمہاری شادی اپنی مرضی سے اپنے کسی دوست کے بیٹے سے کریں گے۔ جو ان کی طرح بزنس مین ہوگا بہت امیر۔" کومل اسے تنگ کررہی تھی۔ رنم ناراض ہوکر وہاں سے اٹھ آئی۔

☼ ☼ ☼

رنم، احمد سیال کے پاس بیٹھی پورے ایک گھنٹے سے مسلسل بول رہی تھی۔ "پاپا، راعنہ کے ہزبینڈ نے کچھ نہیں لیا ہے نہ جہیز، نہ گاڑی، نہ بنگلہ، نہ بینک بیلنس۔۔۔ شہریار بھائی نے خود راعنہ کے لیے شادی کا جوڑا اور جیولری خریدی۔ وہ شہریار بھائی کے لائے ہوئے جوڑے میں ہی اپنے پاپا کے گھر سے رخصت ہوئی۔ پاپا میں بہت حیران ہوں، پر یہ سب مجھے بہت اچھا لگا ہے۔" احمد سیال اس کی حیرانی سی پھیلی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے مسکرائے۔ "راعنہ کا شوہر خوددار اور سیلف میڈ ہے، اسے اپنے زور بازو پہ بھروسا ہوگا، تب ہی اس نے کسی قسم کی ہیلپ نہیں لی ہے۔" احمد سیال نے تبصرہ کیا "اور ہاں وہ جہانگیر کے گھر والے آنا چاہ رہے ہیں تمہیں دیکھنے۔" انہیں اچانک یاد آیا۔

"پپا میری خواہش ہے، میری شادی جس شخص کے ساتھ ہو۔ وہ شہریار بھائی کی طرح خوددار ہو۔ کسی قسم کی ہیلپ نہ لے۔ سب کچھ اپنی محنت سے بنائے۔" رنم اپنی دھن میں بول رہی تھی۔ اس نے احمد سیال کی بات سنی ہی نہیں۔

"میں اتنی زیادہ دولت و جائیداد کا کیا کروں گا رنم۔ اگر تم کچھ لیے بغیر میرے گھر سے رخصت ہوجاؤ گی۔" احمد سیال کو اپنی لاڈلی کی یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔

"پاپا آپ جہاں میری شادی کریں گے، کیا ان کے پاس گھر، دولت، جائیداد یہ سب کچھ نہیں ہوگا؟" وہ اچانک سنجیدہ ہوئی۔

"میری جان بے شک سب کچھ ہوگا، لیکن میں اپنی اکلوتی اولاد کو کسی بھی چیز سے محروم نہیں کرسکتا۔ میں تمہاری شادی دھوم دھام سے کروں گا۔ میرا سب کچھ تمہارا ہے۔ میں تمہیں اس گھر سے خالی ہاتھ رخصت نہیں کروں گا، ایسا جہیز دوں گا کہ دنیا دیکھے گی اور تمہاری شادی ہمارے سوشل سرکل کی شان دار اور یادگار شادی ہوگی۔" احمد سیال باتوں باتوں میں بہت دور نکل گئے تھے۔

"مجھے کچھ نہیں چاہیے، پپا مجھے شہریار بھائی جیسا لائف پارٹنر چاہیے بس۔" وہ جھنجلا سی گئی۔

"تمہاری سوچ بچوں والی ہے۔" وہ مسکرائے۔ احمد

سیال اسے بچوں کی طرح ہی ٹریٹ کر رہے تھے۔

"پاپا میں سیریس ہوں۔" وہ اپنی بات پہ زور دے کر بولی۔

"اپنی وے میں ملک جہانگیر کے گھر والوں کو انوائیٹ کروں گا۔ تم ان کے بیٹے کو دیکھ لینا مل لینا۔" احمد سیال نے اس کی بات کو اہمیت نہیں دی۔ رنم کو بے طرح غصہ آیا۔

"میں کسی سے نہیں ملوں گی پاپا۔" وہ دھم دھم کرتی وہاں سے چلی آئی۔ احمد سیال اس دروازے کو دیکھ رہے تھے، جہاں سے وہ نکل کر ابھی ابھی گئی تھی۔ وہ اس کے غصے کا سبب تلاش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اچانک نہ جانے اسے کیا ہو گیا تھا۔ جب سے وہ راعنہ کی شادی اٹینڈ کر کے آئی تھی۔ تب سے اس کے پاس ایک ہی موضوع تھا کہ شہریار نے سسرال والوں سے اپنی کم حیثیتی کے باوجود کسی قسم کی مالی امداد قبول نہیں کی ہے۔ وہ اس پہ غور کر رہے تھے۔ رنم نے ملک جہانگیر کی فیملی سے ملاقات کرنے کے ضمن میں کسی قسم کی رضامند نہیں دی تھی۔

* * *

ملک ارسلان شہر گئے ہوئے تھے۔ عنیزہ کچھ دیر افشاں بیگم کے پاس بیٹھی رہیں۔ ویسے بھی ارسلان کے بغیر ان کا جی گھر میں گھبراتا اس لیے اس طرف آجاتیں۔ شام اپنے پر پھیلانا شروع کر چکی تھی، جب انہوں نے افشاں بھابھی سے اجازت چاہی۔

حویلی میں سناٹا طاری تھا۔ ملازم کام نپٹا کر اپنے اپنے کوارٹرز میں تھے جو حویلی کے مشرقی حصے میں بنائے گئے تھے۔ گھر میں اس وقت دو خاتون ملازمائیں تھیں جو عنیزہ کو دیکھ کر فوراً ہی متحرک نظر آنے لگیں۔ عنیزہ انہیں نظر انداز کرتی اپنے بیڈ روم میں چلی آئیں۔ انہوں نے دروازہ لاک کر کے اپنی دیوار گیر الماری کھولی۔ سب سے نچلے حصے میں ایک خفیہ خانہ تھا۔ عنیزہ نے اسے اپنی طرف کھینچا اور چابی گھمائی۔ لاک کھل چکا تھا۔ اندر ایک پیکٹ موجود تھا۔ عنیزہ نے پیکٹ اٹھا کر باہر بیڈ پہ رکھا۔ اس پیکٹ کی حفاظت اٹھارہ سالوں سے وہ قیمتی خزانے کی طرح کرتی آ رہی تھیں۔ نرم آرام ہاتھوں سے انہوں نے پیکٹ کھول کر اندر موجود اشیا باہر نکالنی شروع کیں۔ بیڈ پہ ننھے منے کپڑوں، بے بی پاؤڈر، آئل سوپ اور دو عدد چھوٹے چھوٹے شوز کے جوڑوں کا چھوٹا سا ڈھیر لگ گیا تھا۔ سب چیزیں پرانی اور استعمال شدہ تھیں۔ بے بی آئل بوتل میں آدھے سے کم بچا تھا۔ پاؤڈر کا ڈبا بھی تقریباً خالی تھا۔ چھوٹے چھوٹے شوز قدرے میلے تھے۔ پرانے کپڑوں، فراکس، نیکر کا رنگ اتنے سالوں میں مدھم پڑ گیا تھا۔ گتے کے ڈبے میں ایک فیڈر بھی تھا۔ کچھ کھلونے بھی تھے۔

عنیزہ نے اس چھوٹے سے ڈھیر کو سمیٹ کر سینے سے لگا لیا۔ آنسوؤں کا جھرنا اس کی آنکھوں سے پھوٹ پڑا۔ وہ ایک ایک چیز کو بار بار چھو رہی تھیں، چوم رہی تھیں، سونگھ کر کچھ محسوس کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ جیسے ان کپڑوں اور بے جان کھلونوں میں کوئی زندہ وجود ہو، ان کا لمس ہو۔ وہ اب سسک سسک کر رو رہی تھی۔ نڈھال انداز میں روتے ہوئے وہ بیڈ کے ہی ایک کونے میں گٹھڑی بن کر لیٹ گئی۔ اس عالم میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا۔ دل کا غبار کم ہوا تو انہوں نے اٹھ کر سب چیزیں سمیٹیں اور پہلے کی طرح ایک پیکٹ بنایا۔ الماری میں رکھ کر پہلے کی طرح الماری لاک کر کے چابی اپنی مخصوص جگہ پہ رکھ دی۔ اسی اثنا میں عشاء کی اذان ہونا شروع ہو گئی۔ وہ وضو کر کے اپنے رب کے حضور جھک گئیں۔ دل کا سارا درد آنسوؤں میں بہہ رہا تھا۔ یہاں انہیں دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ جی بھر کر اپنے رب سے حال دل کہہ سکتی تھیں۔ فریاد کر سکتیں۔ دنیا کے دربار میں اس کی شنوائی نہیں تھی۔ پر وہ جس کے دربار میں تھیں وہ پاک ہستی لامحدود اختیار کی مالک تھی۔

"میرے اللہ میرے اللہ...... میرے مالک تو خوب جانتا ہے، خوب سمجھتا ہے۔ مجھ پہ میری طاقت سے زیادہ بوجھ مت ڈالو۔ میں تھک گئی ہوں اس آبلہ پائی

سے۔ میرے مالک میری آزمائش ختم کردے مجھے، شکر گزار بنا۔" روتے روتے وہ اپنی جملوں کی تکرار کررہی تھیں۔ "میرے مالک، میں تھک گئی ہوں، اب مجھے اس اذیت، اس کرب سے نجات دلادے۔" اپنی فریاد رب کے حضور پہنچا کر انہیں قدرے سکون حاصل ہوا۔

* * *

ملک ارسلان رات گھر واپس آئے تو عنیزہ بخار میں تپ رہی تھیں۔ بہت زیادہ رونے اور ٹینشن کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہوئی تھی۔ انہوں نے ان کے ماتھے پہ ہاتھ رکھا۔

"میں تمہیں اچھا خاصا چھوڑ کر گیا تھا کیا ہوا ہے تمہیں؟" وہ ان کی سوجی متورم آنکھیں دیکھ رہے تھے۔

"بخار ہوگیا ہے تھوڑا اور تو میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائیں۔

"صرف بخار نہیں ہوا، تمہاری طبیعت اچھی خاصی خراب ہے اور تم روتی بھی رہی ہو، تمہیں پتا ہے تمہارا رونا میں برداشت نہیں کرسکتا۔"

"میں نہیں روئی ہوں۔" عنیزہ نے بے اختیار ان کی بات کاٹی۔

"میں تمہارے مزاج کے ہر رنگ سے واقف ہوں۔ محبت نہیں عشق کیا ہے تم سے۔ عیاں ہو تم پوری کی پوری۔" وہ تلخی اور نروٹھے پن سے اسے دیکھ رہے تھے۔ عنیزہ کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو اچانک چھلکے اور وہ ارسلان کے سینے سے لگ گئیں۔ "میں آج بہت اذیت میں ہوں۔" وہ بری طرح رو رہی تھیں۔ ارسلان نے انہیں اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

"تم ماضی کو بھول کیوں نہیں جاتیں، ماضی کی اذیت کی وجہ سے مجھے، اپنے آپ کو کیوں نظر انداز کرتی ہوں۔ تمہارا ماضی دفن ہوگیا ہے۔ میں تمہارا فیوچر ہوں۔ اپنی آنے والی زندگی کے بارے میں سوچو۔ تمہیں مجھ پہ ترس نہیں آتا۔ تمہارے آنسو مجھے کتنی تکلیف دیتے ہیں، تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے۔" وہ اس کے آنسو صاف کررہے تھے۔ اسے بہلا رہے تھے۔ یہ سب باتیں وہ پچھلے اٹھارہ برس سے کرتے آرہے تھے۔ ہر بار عنیزہ خود کو سمیٹنے کا عہد کرتیں اور ہر بار بکھر جاتیں۔ اس ٹوٹی پھوٹی محبوب بیوی کو سمیٹنے کا ہنر ملک ارسلان کے ہی پاس تھا۔

"ملک صاحب میرے پاس آنے والی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں ہے۔ نہ کوئی خوشی، نہ امید، نہ روشنی کے جگنو، میں آپ کو ایک بچہ تک نہ دے سکی۔ میرے کرب کو آپ کیا سمجھ پائیں گے۔" وہ ایک بار پھر رونے لگیں۔ ملک ارسلان نے جگ سے پانی گلاس میں انڈیل کر انہیں پلایا۔

"میری محبت ہمیشہ تمہارے ساتھ ہے اور رہے گی۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ تم جس دن جان جاؤ گی اس دن اپنی قسمت پہ رشک کرو گی۔ باقی ہماری اولاد نہیں ہے تو کیا ہوا، میں اس کے بغیر بھی تمہارے ساتھ بے پناہ خوش ہوں۔ میری زندگی میں تم ہو اور صرف تمہاری وجہ سے میں پوری زندگی ہنسی خوشی گزار سکتا ہوں۔ تم اکیلی نہیں ہو۔ میں ہمیشہ سے تمہارے ساتھ ہوں۔"

وہ ہمیشہ کی طرح اپنے محبت کے سہارے ان کے سب دکھ، سب کانٹے چنتے جارہے تھے۔ ملک ارسلان کی محبت کو عنیزہ کبھی بھی نہیں سمجھ سکتی تھیں۔ وہ گہرے پرسکون سمندر کی مانند تھے۔ بہت دیر بعد ارسلان کی کوشش سے وہ نارمل ہوئیں۔

* * *

دو دن سے اس کی پاپا کے ساتھ کوئی بات بھی نہیں ہوئی تھی۔ نہ اس نے ان کے ساتھ کھانا کھایا تھا۔ یہ اس کی طرف سے مکمل ناراضی کا اظہار تھا۔ احمد سیال ایک ڈیلی گیشن کے ساتھ مصروف تھے۔ اس لیے رنم کی خاموش ناراضی ان کے علم میں نہیں تھی۔ رنم فی الحال دو دن فری تھی، کیونکہ یونیورسٹی

سے چھٹی تھی۔ اس نے شام ڈھلتے ہی فراز کو کال کی۔

”میں تم سے ملنا چاہ رہی ہوں۔“ اس نے کسی بھی سلام ودعا کے تکلفات میں پڑے بغیر تیزی سے کہا۔

”میں جم میں ہوں‘ ایک گھنٹہ تک فارغ ہوں گا۔“

”مجھے تم سے ابھی ملنا ہے۔ مون لائٹ ریسٹورنٹ میں پہنچ جاؤ۔ میں پندرہ منٹ میں گھر سے نکل رہی ہوں۔“ رنم ضدی انداز میں بولی۔

دوسری طرف موجود فراز گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اسے پتا تھا کہ اسے ابھی اور اسی وقت جم سے نکلنا ہوگا اور اگلے پندرہ سے بیس منٹ میں مون لائٹ ریسٹورنٹ جانا ہوگا۔ ”اوکے تم پہنچو میں بھی آرہا ہوں۔“ فراز نے ہار ماننے والے انداز میں کہا۔

رنم کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ اسے پتا تھا کہ فراز اس کی بات ٹال نہیں سکتا۔ وہ گنگناتے ہوئے بال سنوارنے لگی۔

* * *

فراز اس کے سامنے والی کرسی پہ بیٹھا پوری سنجیدگی سے اس کی بات سن رہا تھا۔ رنم نے الف تا یے سب بتادیا تھا۔ ”پاپا نے کوئی رسپانس نہیں دیا‘ بلکہ الٹا کہا‘ تمہاری سوچ بچوں والی ہے۔ میں تمہیں دھوم دھام سے رخصت کروں گا۔ لیکن مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ میں چاہتی ہوں کہ راعنہ کی طرح میری شادی جس شخص سے ہو وہ جہیز کے نام پہ کچھ بھی میرے پاپا سے نہ لے۔ بس مجھے ایسے ہی قبول کرلے۔ مجھے جہیز لینا‘ بہت سا بینک بیلنس‘ کار‘ کوٹھی‘ بنگلہ‘ شادی کے گفٹ کی صورت میں لینا کسی صورت بھی منظور نہیں۔ پاپا کے فرینڈ بہت امیر ہیں‘ ظاہر ہے ان کا بیٹا بھی ویسا ہی ہوگا۔ انہیں بھلا کسی چیز کی کیا ضرورت ہے۔“ وہ ایک ہی سانس میں تیز تیز بول رہی تھی۔ فراز نے ایک بار بھی اسے نہیں ٹوکا اور نہ ہی خود درمیان میں بولا۔ جب وہ خاموش ہوئی‘ تب فراز نے خاموشی توڑی۔

”میں سمجھ گیا ہوں تم کیا چاہتی ہو۔“

”رئیلی فراز تم اتنی جلدی سمجھ گئے ہو‘ میرے بیسٹ فرینڈ ہو نا۔ پر پاپا میری بات کو کیوں اہمیت نہیں دے رہے ہیں۔“

”اچھا یہ بتاؤ تمہارے پاپا کے وہ دوست کب آرہے ہیں؟“ فراز نے اس کی روہانسی صورت نظر انداز کرکے بالکل غیر متوقع سوال کیا۔

”میں نے پاپا کو کوئی رسپانس ہی نہیں دیا۔“ وہ منہ بنا کے بولی۔

”ایسے تو کام نہیں چلے گا۔ کچھ نہ کچھ کرنا تو ہوگا۔“ وہ پرسوچ لہجہ میں بولا۔

”سوسمپل میں ایسے انسان سے شادی ہی نہیں کروں گی جو مجھ سے ان سب چیزوں کے بغیر شادی نہیں کرے گا۔“

”اس کا مطلب ہے تم کسی مڈل کلاس نوجوان سے شادی کرلوگی؟“

”ہرگز اب ایسی بھی کوئی آفت نہیں آئی‘ میرا ایک اسٹینڈرڈ ہے۔ مجھے بس ایک ایسا انسان چاہیے جو شہریار بھائی کی طرح ہو۔“ فراز اس بار اپنی مسکراہٹ نہیں روک سکا۔ اس نے مشکل سے اپنے قہقہے کا گلا گھونٹا تھا۔

”تم کیوں ہنس رہے ہو؟“ رنم نے اسے گھور کر دیکھا۔

”مڈل کلاس نوجوان سے تم شادی کروگی نہیں‘ کیونکہ وہ تمہاری کلاس سے نہیں ہے اور تمہارے سوشل سرکل میں ایسا لڑکا ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا جو تمہارے پاپا کی سپورٹ سے فائدہ نہ اٹھائے۔ دولت دولت کو کھینچتی ہے اور جس کسی کی بھی شادی تمہارے ساتھ ہوگی۔ اسے تمہارے ساتھ ساتھ بہت ساری دولت بھی ملے گی۔“ فراز نے حقیقت بیان کی تھی۔

”میں ایسے کسی بھی شخص سے شادی نہیں کروں گی۔“ رنم کا انداز قطعی اور دوٹوک تھا۔

”ویسے ایسا شخص تمہیں مل سکتا ہے۔“ فراز خلا میں کسی غیر مرئی چیز کو دیکھ رہا تھا۔

”کہاں ملے گا ایسا شخص۔“ رنم اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے

اچھل ہی تو پڑی۔

"کوئی ایسا شخص جو تم سے سچی بے پناہ محبت کرتا ہو۔ صرف ایسا شخص ہی تم سے تمہاری دولت کے بغیر شادی کر سکتا ہے۔" اسے صرف تم سے محبت ہو' تمہاری یا تمہارے پاپا کی دولت سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔" وہ جیسے کھوئے کھوئے انداز میں بول رہا تھا۔

"ایسا تو کوئی بھی بندہ نہیں ہے جسے مجھ سے محبت ہو۔" رنم بہت سادگی اور مایوسی سے گویا ہوئی۔

"ایسا کرو کہ تم کوئی بندہ ڈھونڈو' جو تم سے سچی محبت کرے۔ ایک دن پھر اسے اپنے پاپا سے ملواؤ۔ آگے کے کام آسان ہو جائیں گے۔ وہ تم سے شادی کر لے گا۔ اپنے گھر لے جائے گا۔" جانے فراز نے یہ سب سنجیدگی سے کہا تھا یا اس سے مذاق کر رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پائی۔ "اینی وے تم اپنے پاپا سے بات کرو۔" فراز کو اس کے چہرے پہ چھائی مایوسی ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"میں تمہارا بیسٹ فرینڈ ہوں نا' میری بات مان لو۔ اپنی ضد سے باز آجاؤ۔ تمہارے پاپا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تم ان کی اکلوتی اولاد ہو' ہر چیز کی وارث ہو۔ ساری عمر انہوں نے جان لڑا کر اپنے بزنس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ اس ساری کامیابی کا دولت کا کیا فائدہ جب تم اپنی زندگی کو ہی آسان نہ بنا سکو۔ ہر چیز کو ٹھوکر مار دو' ان کی تو سب محنت اکارت جائے گی۔" فراز نے اچانک نیا پینترا بدلا تو رنم سے ہضم نہیں ہوا۔

"فراز ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ۔"

"میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ ہر نئی چیز و نیا منصوبہ تمہیں اپنی طرف کھینچتا ہے۔ تمہیں لگے بندھے فرسودہ راستوں پہ چلنے سے نفرت ہے۔ تمہیں نئے نئے کام کرنے کا شوق ہے' کچھ ایسا کہ سب حیران ہو جائیں۔ یہ سب خیالات تمہارے ذہن میں راعنہ کی شادی کے بعد آئے ہیں۔ کیونکہ اپنے سرکل میں تم نے راعنہ کے ہزبینڈ جیسا کوئی نوجوان نہیں دیکھا۔ اس لیے تم شہریار کی خودداری سے متاثر ہو گئی ہو' کیونکہ اس خودداری میں کم سے کم تمہارے لیے نیا پن ہے' اب تم بھی یہ ہی چاہتی ہو کہ راعنہ کی طرح خالی ہاتھ رخصت ہو۔ تمہارے خاندان میں ملنے جلنے والوں کے لیے یہ ایک حیرت انگیز واقعہ ہو گا کہ احمد سیال جیسے کامیاب بزنس ٹائیکون کی بیٹی جہیز کے نام پہ ایک تنکا بھی لے کر نہیں گئی۔ یہ خبر ہر جگہ ڈسکس ہو گی۔ تم اور تمہاری شادی گرما گرم موضوعات کا حصہ بنے گی اور تم سب کو چونکانے میں کامیاب رہو گی۔ تمہارے لیے یہ سب وقتی ایڈونچر ہے۔ کیونکہ تم جدت پسند ہو' ایکسائیٹڈ ہو رہی ہو کہ تمہیں ایسا شخص ملے جو کہے کہ میں تین کپڑوں میں قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اس کے بعد کیا ہو گا' تمہیں نہیں معلوم۔ راعنہ کی شادی اپنی فیملی میں ہوئی ہے۔ بعد میں شہریار کا طرز عمل کیا ہو گا' ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ جبکہ تمہارے لیے آؤٹ آف فیملی پرپوزل آیا ہے' تمہیں نہیں معلوم وہ لوگ کیسے ہیں۔ تمہارے پاپا کا ایک نام ہے۔ عزت ہے وہ بھلا اپنے منہ سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں اپنی بیٹی کو کچھ نہیں دوں گا یا میری بیٹی کو یہ سب پسند نہیں ہے۔ ہمارے معاشرے میں معاشی لحاظ سے گیا گزرا گھرانہ بھی بیٹی کو جب رخصت کرتا ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق سب کچھ دینے کی کوشش کرتا ہے' بیٹی پیدا ہوتے ہی اس کے لیے جہیز جمع کرنا شروع کر دیا جاتا ہے۔ ایسے ہی تمہارے پاپا کی بھی خواہش ہے کہ تمہیں شایان شان طریقے سے رخصت کر سکیں۔ تمہاری سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی۔"

فراز بہت رسان سے بات کر رہا تھا۔ رنم کے چہرے سے لگ رہا تھا۔ وہ اس سے ذرا بھی متفق نہیں ہے۔ بس بحالت مجبوری اس کی بات سن رہی ہے۔ تب ہی تو فراز کو بولتا چھوڑ کر تھوڑی دیر بعد وہ بیگ اٹھائے چلتی بنی۔ فراز الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک ایڈونچر' ایک تبدیلی' ایک نئے پن' ایک تجربے کی خاطر کچھ بھی کر سکتی تھی۔ اس سے کچھ بھی بعید نہ تھا۔

* * *

زیان دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد بوا کے ساتھ گپ شپ کر رہی تھی۔ جب وہاب کی اچانک آمد ہوئی۔ بوا اور زیان صحن میں بیٹھی تھیں۔ وہاب سیدھا ادھر ہی آیا۔ بہت دن بعد اپنے گوہر مقصود کو دیکھا تھا۔ اس کے روم روم میں سکون و راحت طاقت بن کر دوڑنے لگی۔

"السلام علیکم کیسے ہیں آپ لوگ۔" اس کی چہکتی آواز سے ہی اس کی خوشی صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔ زیان نے ہلکی آواز میں سلام کا جواب دیا۔ جبکہ بوا گرمجوشی سے اس سے حال احوال پوچھ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد بوا' اس کی خاطر مدارات کے لیے اٹھ گئیں تب وہاب نے بڑی فرصت سے زیان کو دیکھنا شروع کردیا۔ اس کی یہ حرکت زیان سے کیسے پوشیدہ رہ سکتی تھی۔ زرینہ بیگم نے اسے قبل از وقت ہی وہاب کے ارادوں سے آگاہ کردیا تھا۔ اس لیے وہاب کی نظروں نے اسے بے پناہ غصے سے دوچار کردیا تھا۔ وہ اچانک اپنی جگہ سے اٹھی۔ وہاب کو پتا تھا' زیان یہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی جائے گی اور پھر اس کے جانے کے بعد ہی باہر نکلے گی۔ اس کے لیے اس نے کمال جرات سے کام لیتے ہوئے اچانک اپنا ایک بازو آگے کردیا' جیسے اسے جانے سے روکنا چاہتا ہو۔

"یہ کیا ہے؟" وہ کڑوے لہجے میں بولی۔

"تمہیں گھر آئے مہمان سے ذرا بھی خوش اخلاقی برتنا نہیں آتی۔" وہاب اس کا تپا تپا چہرہ دیکھتے ہوئے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ سامنے سٹنگ روم میں بیٹھی زرینہ نے گلاس ونڈو سے یہ منظر پوری وضاحت کے ساتھ دیکھا۔ نفرت میں ڈوبی مسکراہٹ ان کے لبوں پہ آئی۔ زیان کو جلدی یہاں سے بھگانا پڑے گا۔ ورنہ وہاب جھگڑے کھڑے کر سکتا ہے۔ وہاب کے چہرے کے والہانہ تاثرات نوٹ کرتے ہوئے زرینہ کے دل میں اس خیال نے جڑ مضبوط کرلی۔

* * *

بہت زوردار طوفان تھا ہوا کے بہت تیز جھکڑ چل رہے تھے۔ بند دروازوں اور کھڑکیوں کے باوجود ہوا کی زوردار سائیں سائیں کی آواز اندر کمروں تک آرہی تھی۔ عنیزہ ایک کونے میں سکڑی سمٹی خوف زدہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ حویلی میں کام کرنے والی ایک نوکرانی ان کے پاس تھی۔ ارسلان باہر زمینوں پہ ڈیرے کی طرف تھے۔ وہیں سے وہ اپنے ایک دوست کی دعوت پہ اس کے گھر چلے گئے تھے۔ سرشام سے ہی موسم کے تیور بدلے تھے' پہلے آہستہ آہستہ ہوا چلنا شروع ہوئی' پھر اس نے زوردار طوفان کی شکل اختیار کرلی۔ عنیزہ نے فوراً" حویلی کے تمام دروازے اور کھڑکیاں بند کروائیں۔

باہر سے زوردار آواز آئی تھی' شاید کوئی درخت ٹوٹ کر گرا تھا۔ عنیزہ نے سہم کر بند دروازے کی طرف دیکھا' جیسے طوفان دروازے سے اندر کا رخ کرلے گا۔ نوکرانی اپنی مالکن کے خوف کو بہت اچھی طرح محسوس کر رہی تھی اور اسے ہمدردی بھی تھی' کیونکہ جب بھی آندھی یا طوفان آتا عنیزہ کمرے میں بند ہو جاتیں۔

اچانک ہی لائٹ چلی گئی اور گھپ اندھیرا چھا گیا۔ کھڑکیوں پہ پہلے ہی بھاری پردے پڑے تھے۔ رہی سہی کسر لائٹ نے پوری کردی۔ نوکرانی نے اٹھ کر ایمرجنسی ٹارچ آن کی۔ تب تک باہر موجود ملازم جنریٹر آن کرنے کی تیاری میں جت گئے۔ چند منٹ بعد ہی جنریٹر کے چلنے سے حویلی پھر سے جگ مگ کرنے لگی۔ عنیزہ اپنے ماضی میں پہنچ گئیں۔ یہاں سے بہت دور بہت سال پہلے کا ایک منظر ذہن کے بند دروازوں پہ رہ رہ کے دستک دے رہا تھا۔

اس کھلے کھلے برآمدے والے گھر میں ایسی ہی ہوا کے جھکڑ چل رہے تھے۔ بہت تیز طوفان تھا۔ وہ اپنے سامنے پڑے ننھے منے سے وجود کو پریشان نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ جسے طوفان یا تیز ہواؤں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

دروازے کو زور زور سے دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔ عنیزہ کے ذہن میں سب کچھ گڈمڈ ہو رہا تھا۔ دو مضبوط

تنومند ہاتھ، چھینا جھپٹی، چیخ و پکار، آنسو، آہیں پھر لمبی خاموشی۔ دروازے پہ پھر سے دستک ہو رہی تھی، مگر یہ ماضی نہیں تھا۔ عنیزہ چونک کر حال میں آئیں۔ نوکرانی دروازہ کھول چکی تھی۔ آنے والے ملک ارسلان تھے۔ عنیزہ نے سکون کی سانس لی۔ کم سے کم ملک ارسلان اس کی زندگی میں طوفان لانے والے نہیں تھے۔

* * *

بند کھڑکی کے شیشے سے چہرہ ٹکائے وہ باہر دیکھ رہی تھی، جہاں تیز ہوا کی شدت سے ہر چیز پھڑپھڑا رہی تھی۔ درخت زوردار طریقے سے ہل رہے تھے۔ بند دروازوں کی دھمک سے عجیب سی آواز پیدا ہو رہی تھی۔ زرینہ بیگم اور سب اپنے اپنے کمروں میں دبک گئے تھے۔ وہ طوفان اور آندھی سے بہت ڈرتی تھیں۔ یہ ہی حال بوا کا تھا۔ موسم کے باغی تیور دیکھتے ہوئے انہوں نے تسبیح اٹھا کر استغفار کا ورد شروع کر دیا تھا۔ وہ اس طوفان کو دیکھتے ہوئے اس کی شدت سے ڈر گئی تھیں۔ زیان کو تیز ہوا اس کی شدت اور طوفان سے ذرہ بھر بھی ڈر محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ پوری دلچسپی سے ہوا کو مختلف چیزوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے دیکھ رہی تھی۔ پر بوا کو چین نہیں آ رہا تھا۔ تسبیح اٹھائے ہانپتے کانپتے اس کے پاس پہنچ گئیں۔ سب سے پہلے کچھ پڑھ کر اس پہ پھونک ماری۔

”تم یہاں کھڑکی کے پاس کیوں کھڑی ہو؟ جاؤ، وہاں جا کر بیٹھو۔“ انہوں نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

”کیوں بوا، یہاں کیا ہے، طوفان سے مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔“ اس نے ہنس کر بے نیازی دکھائی۔

”تمہیں نہیں پتا، میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ طوفان میں بہت سی بلائیں بھی آتی ہیں ہوا کے ساتھ۔“

”بوا ایسا کچھ بھی نہیں ہے، یہ سب فرسودہ باتیں ہیں۔ ایمان کی کمزوری کی علامت ہے یہ۔“ اس نے ہنس کر بات ٹالی۔ بوا اسے پریشانی سے دیکھ کر رہ گئیں۔

”بہت سال بعد آج پھر وہی ویسا طوفان دیکھ رہی ہوں۔ اللہ خیر کرے۔“ بوا کا ہاتھ اپنے سینے پہ تھا۔

”کیا بہت پہلے بھی ایسا طوفان آیا تھا؟“ وہ دلچسپی سے بولی۔

”ہاں ایسا ہی ہولناک، وحشت ناک طوفان تھا وہ۔“

”میں تب کہاں تھی، مجھے کیوں نہیں پتا اس طوفان کا؟“ اس کے لبوں پہ ڈھیروں سوال مچل رہے تھے۔

”تب تم چھوٹی سی تھی، اتنی سی۔ تمہیں طوفان کا کیسے پتا چلتا۔“ بوا نے بمشکل جتن کر کے آنکھوں میں چھلکنے والی نمی کو روکا۔ زیان پھر سے کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ بوا نے شکر ادا کیا، ورنہ اس کے مزید سوالوں کا جواب دینا نہایت کٹھن ہوتا۔

* * *

روبینہ، زرینہ سے فون پہ بات کر رہی تھیں۔ زرینہ ہمیشہ کی طرح اپنے دکھڑے رو رہی تھیں۔ آدھے گھنٹے سے وہ مسلسل زیان کے موضوع سے چمٹی ہوئی تھی۔ کافی دیر بعد وہ زرینہ سے بات کر کے فارغ ہوئیں تو وہاب کو غور سے اپنی طرف دیکھتے پایا۔

”امی آج کل خالہ آپ سے کچھ زیادہ ہی قریب نہیں ہو گئی ہیں۔“ وہ استفسار کر رہا تھا۔

”کیوں کیا ہوا ہے؟“ روبینہ نے پوچھا۔

”آج کل جب دیکھو آپ ان ہی کے ساتھ فون پہ بات کر رہی ہوتی ہیں۔ ویسے ایک لحاظ سے اچھا ہی ہے۔ بہت جلد آپ دونوں بہنیں ایک اور رشتے میں منسلک ہو جائیں گی۔“ وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ روبینہ فوراً اس کی بات کی تہ میں پہنچ گئیں۔

”یہ خواب دیکھنا چھوڑ دو وہاب۔“ بیٹے کی بات پہ ان کے دل کو کچھ ہوا، مگر اسے سمجھانا بھی ضروری تھا۔

”اماں یہ خواب نہیں ہیں، مجھے خوابوں کو حقیقت میں کیسے بدلنا ہے، مجھے اچھی طرح اس کا علم ہے۔ آپ زرینہ خالہ کے گھر جانے کی تیاری کر لیں۔ بہت جلدی آپ کو میرا رشتہ مانگنے جانا ہے۔“ اس کے لبوں پہ پراسرار مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ روبینہ سر پکڑ کر

بیٹھ گئیں۔ وہاب تو کسی صورت بھی پیچھے ہٹنے یا ان کی ماننے والا نہیں لگ رہا تھا۔

* * *

احمد سیال زندگی میں پہلی مرتبہ سخت غصے میں تھے۔ انہوں نے رنم کو بہت بار سمجھایا، لیکن وہ ماننے میں نہیں آ رہی تھی۔ انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی فضول سی ضد چھوڑنے کے لیے تیار کیوں نہیں ہے۔ تھک ہار کر وہ رنم کے علم میں لائے بغیر راعنہ اور شہریار سے ملے۔ احمد سیال کی پریشانی کی وجہ جان کر وہ دونوں خود بھی فکر مند ہو گئے۔ راعنہ نے تو یونی ورسٹی میں رنم کو جا پکڑا۔ کچھ دن سے وہ بے حد مضطرب اور تھکی تھکی نظر آ رہی تھی۔ اکثر کلاسز بنک کر دیتی، جب دیکھو گراؤنڈ میں بیٹھی غیر مرئی نقطے کو دیکھتی پائی جاتی۔

”رنم کیا بات ہے، کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ۔ مجھے فیل ہو رہا ہے تم بہت اپ سیٹ ہو؟“ راعنہ نے کمال ہوشیاری سے بات شروع کی۔

”ہاں اپ سیٹ ہوں۔“ اس نے فوراً اقرار کیا اور رکے بغیر سب بتاتی چلی گئی۔

”پاپا میری بات نہیں سمجھ رہے ہیں۔ مجھے صرف شہریار بھائی جیسا لائف پارٹنر چاہیے جو کوئی ڈیمانڈ نہ کرے۔“

”فرض کیا کوئی ایسا شخص مل بھی جاتا ہے جو بغیر کسی ڈیمانڈ کے تم سے شادی کر لے اور پھر کچھ عرصے بعد سب چیزوں کا مطالبہ کر دے، کیونکہ تمہاری احمقانہ ضد تمہیں کسی بھی بڑے نقصان سے دوچار کر سکتی ہے۔“

”مجھے نقصان ہو گا کسی اور کو تو نہیں۔“ وہ نروٹھے پن سے بولی۔

”رنم تمہاری ضد کا ہر جگہ چرچا ہے۔ بہت سے نوجوان لالچ میں آ کر تم سے شادی کرنے پہ تیار ہو جائیں گے کہ جی ہمیں کچھ نہیں چاہیے، بعد میں جب تم نکاح کے بندھن میں جکڑی جاؤ گی تو تمہارا شوہر زبردستی دھونس، دھمکی، بلیک میلنگ کے ذریعے تمہاری سب دولت، جائیداد اپنے نام کروا سکتا ہے۔ تب تم کیا کرو گی۔ انکل سیال کا سب کچھ تمہارا ہی تو ہے، وہ اپنی خوشی سے تمہیں شادی کے موقع پہ ہر چیز دینا چاہتے ہیں۔ تم مان جاؤ۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ہر شخص ہی لالچی ہو۔ انکل کسی ایسے ویسے نوجوان سے تمہاری شادی نہیں کریں گے۔“ راعنہ نے اسے ایک اور پہلو سے سمجھانے کی کوشش کی۔

”تو کوئی ایسا ویسا نوجوان مجھ سے میرے پاپا کی دولت کے بغیر شادی کیوں نہیں کر لیتا۔ اتنی بڑی دنیا میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے کیا؛ جیسا مجھے چاہیے۔“ ایک عجیب سی حسرت پنہاں تھی اس کے لہجے میں۔

”مائی ڈیئر فرینڈ یہ لائف ہے، کوئی فلم یا ناول کی کہانی نہیں ہے۔“

”تمہاری شادی بھی تو شہریار بھائی سے ہوئی ہے نا۔“ وہ چمک کر بولی۔

”شہریار میرے کزن ہیں۔ بچپن سے دیکھے بھالے ہیں پھر ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں شروع سے ہی۔ میں نے ان کی محبت میں سب کچھ قبول کیا ہے، کیونکہ شہریار میری فیملی سے کسی قسم کی فائننشل سپورٹ حاصل کر کے زیر بار نہیں ہونا چاہتے، انہیں اللہ کی ذات پہ، محنت پہ بھروسا ہے۔“ راعنہ نے اسے حقیقت بتائی۔

”ہماری فیملی میں آپس میں بہت سے Conflicts ہیں جس کی وجہ سے شہریار نے یہ سب کہا۔ میں اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتی، بس اتنا کہوں گی اپنی ضد سے باز آ جاؤ۔“ رنم جواب میں کندھے جھٹک کر رہ گئی۔

* * *

بہت دن بعد رنم اور احمد سیال اکٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ”تم نے مجھے کوئی جواب ہی نہیں دیا ملک جہانگیر کی فیملی کے بارے میں۔“ احمد سیال نے کھانے کے درمیان بات شروع کی۔ رنم نے حیرانی سے انہیں دیکھا، جیسے اسے پاپا سے اس سوال کی توقع نہ ہو۔

”میں کیا جواب دوں۔“ وہ ناراض لہجے میں بولی۔

”اینی وے وہ آرہے ہیں، تم خود کو تیار کرلو، اس کے بعد خواجہ صاحب ہیں وہ بھی تمہارے سلسلے میں آنا چاہ رہے ہیں۔“ انہوں نے اسے انفارم کیا۔

”پاپا مجھے نہ تو ملک جہانگیر کی فیملی میں کوئی انٹرسٹ ہے اور نہ کسی خواجہ صاحب میں۔ اگر آپ میری بات مانتے ہیں تو میں اس بارے میں سوچوں گی۔“ نہ چاہنے کے باوجود بھی رنم کے لہجے میں تیزی آگئی۔

”میں تم پہ کوئی اپنی مرضی نہیں ٹھونس رہا، صرف یہ چاہ رہا ہوں کہ مہمانوں سے مل لو، دیکھ لو۔ اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ ہوگا۔“ احمد سیال نرم لہجے میں بول رہے تھے۔

”پاپا... آپ چاہتے ہیں کہ میری شادی ہو جائے۔ پاپا میں شادی کرلوں گی، لیکن میں آپ سے کچھ بھی نہیں لوں گی۔ یہ بات آپ ان لوگوں کو بھی بتا دیں جو ہمارے گھر آئیں گے۔ اگر وہ لوگ بغیر کسی جہیز کے مجھے قبول کرنے کے لیے تیار ہیں تو پھر ٹھیک ہے۔“ رنم کا انداز قطعی بے لچک اور ٹھوس تھا۔ وہ ایک انچ بھی اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

”رنم کیوں بچوں والی باتیں کر رہی ہو۔ سب لوگ ہنسیں گے مجھ پہ۔“ احمد سیال کی قوت برداشت آہستہ آہستہ ختم ہو رہی تھی۔

”پاپا آپ کو لوگ عزیز ہیں یا اپنی اکلوتی اولاد؟“ وہ انہیں جذباتی طور پہ بلیک میل کرنے پہ اتر آئی۔

”مجھے تم پوری دنیا سے عزیز ہو، مگر تمہاری خواہش ناقابل قبول ہے۔“ وہ بے چارگی سے بولے۔

”پاپا آپ میری شادی کسی مڈل کلاس غریب خاندان میں تو کریں گے نہیں۔ جہاں بھی کریں گے وہ لوگ ہمارے ہم پلہ ہوں گے۔ ان کے پاس وہ سب کچھ ہوگا جو ہمارے پاس ہے۔ پھر میں کیوں آپ سے کچھ لوں۔“ رنم اپنی بات پہ اڑی ہوئی تھی۔

”رنم میں پاگل ہو جاؤں گا۔ تم سمجھتی کیوں نہیں۔“

”پاپا آپ میری بات سے اتفاق کرتے ہیں تو ٹھیک، ورنہ.....“

”ورنہ کیا، بولو تم....“ احمد سیال نے غصے میں اس کی بات کاٹ دی۔

”پاپا میں کبھی بھی شادی نہیں کروں گی۔“ اس نے تیزی سے جواب دیا۔ وہ کھانا چھوڑ کر جا چکی تھی۔ احمد سیال نا سمجھی کے عالم میں ابھی تک ادھر ہی دیکھ رہے تھے جہاں سے وہ باہر گئی تھی۔ ان کے چہرے پہ بے پناہ پریشانی تھی۔

* * *

بہت تیز ہوا چل رہی تھی۔ رنم بار بار چہرے پہ آجانے والے بالوں کو سمیٹ رہی تھی۔ وہ فراز کے ساتھ پارک میں بیٹھی تھی۔ اسی نے فراز کو کال کر کے پارک میں بلوایا تھا۔ وہ سب کام چھوڑ کر چلا آیا۔ کیونکہ نہ آنے کی صورت میں رنم سے کچھ بھی بعید نہ تھا۔ وہ ہر الٹی سیدھی بات سوچ سکتی تھی۔

اب وہ اس کے سامنے بیٹھا اس کا پریشان چہرہ اور تاثرات دیکھ رہا تھا۔ ”تم میرے بیسٹ فرینڈ ہو، پر تم بھی میرے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔“ اس کا لہجہ رونے والا ہو رہا تھا۔

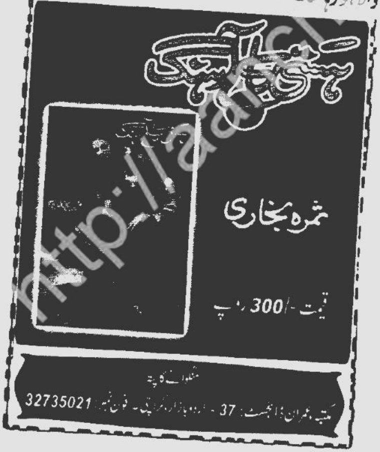
ہستی کا آہنگ
ثمرہ بخاری
قیمت -/300 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

"میں تمہارے لیے ایک ایسا نوجوان ڈھونڈ سکتا ہوں جو تم سے بغیر جہیز کے شادی کر سکے۔" اس نے قصداً "ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا۔

"میں یہاں پریشان بیٹھی ہوں اور تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔"

"مذاق کون کر رہا ہے۔"

"فراز پاپا نے مجھ پہ غصہ کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ لوگ آرہے ہیں تم ملو اور فیصلہ کرو۔"

"ہاں تو مل لینا۔" اس نے روانی میں کہا تو رنم نے اسے گھور کے دیکھا۔

"میں نے پاپا سے بول دیا ہے کہ اگر آپ نے میری بات نہ مانی تو میں ساری عمر شادی نہیں کروں گی۔"

"تم نے اپنے پاپا سے بول دیا۔" وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں بول دیا ہے۔" اس نے تصدیق کی۔

"تم پاپا کی بات مان لو۔" اس نے خلوص دل سے ایک بار پھر پرانا مشورہ دہرایا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم۔" وہ پاؤں پٹختی اٹھ کھڑی ہوئی۔

فراز سر پہ ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

* * *

وہ راکنگ چیئر پہ بیٹھی آنکھیں موندے ہلکے ہلکے جھول رہی تھی۔ اسے آج فراز پہ بے پناہ غصہ تھا۔ وہ پارک سے نکل آئی تھی، بعد میں اس نے رنم کو کتنی بار کال کی، پر اس نے غصے میں ریسیو نہیں کی۔

اچانک دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی۔ "یس کم آن۔"

اس نے آنکھیں کھولیں اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ آنے والے احمد سیال تھے۔ رنم نے انہیں بیٹھنے کے لیے نہیں کہا۔ وہ بھی اپنے انداز سے بیٹھنے والے نہیں لگ رہے تھے۔

"میں نے کبھی تم پہ اپنی مرضی نہیں ٹھونسی ہے، لیکن مجبوراً" یہ کام کرنا پڑ رہا ہے۔ میں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گا۔ ملک جہانگیر کی فیملی کو بلوا رہا ہوں میں۔ بس یہ ہی بتانے کے لیے آیا تھا۔" احمد سیال کا لہجہ بے لچک اور سخت تھا۔ اپنی بات پوری کر کے وہ جا چکے تھے۔ جھولتی راکنگ چیئر اب ساکت تھی۔

"پاپا آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ میں کبھی بھی برداشت نہیں کروں گی۔ تمام عمر آپ نے میرے منہ سے نکلی ایک ایک بات پوری کی ہے اور اب چھوٹی سی بات ماننے میں آپ کو اعتراض ہے۔ کیا شہریار بھائی جیسا ایک ہی مرد تھا دنیا میں۔ اگر ایسا ہے تو میں شادی ہی نہیں کروں گی۔" رنم غصے کی انتہائی حد پہ جا کر سوچ رہی تھی۔ احمد سیال نے اسے لاڈ پیار سے پالا تھا۔ اس لیے یہ سب اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

اس نے لمحوں میں فیصلہ کیا۔ ویسے بھی فیصلے کرنے میں وہ دیر نہیں لگاتی تھی۔ جذباتی تو شروع سے ہی تھی۔ اس وقت بھی شدید غصے اور جذبات کے زیر اثر اس نے انتہائی فیصلہ کیا تھا۔ وہ اب الماری کے سامنے کھڑی تھی۔ نچلے خانے میں کچھ کیش پڑا تھا۔ ساتھ گولڈ کی جیولری تھی۔ اس نے دونوں چیزیں اپنے ہینڈ بیگ میں ڈالیں۔ پھر کپڑوں کی باری آئی۔ تین، چار جوڑے اس نے ایک الگ چھوٹے سے بیگ میں ڈالے جسے آسانی سے اٹھایا جا سکتا تھا۔ دوسرے دراز سے اس کا اے ٹی ایم اور کریڈٹ کارڈ بھی مل گیا۔ وہ بھی اس نے ہینڈ بیگ کے چھوٹی پاکٹ میں ڈال دیے۔ اس دوران اس کی آنکھیں دھواں دھار برستی رہیں۔

غصے کے عالم میں اس نے اچانک گھر چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا اور اس پہ عمل کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھی۔ جانے سے پہلے اس نے آخری مرتبہ اپنے کمرے پہ نظر دوڑائی۔ سائیڈ ٹیبل پہ فوٹو فریم میں اس کی اور پاپا کی ایک یادگار فوٹو سجی ہوئی تھی۔ اس نے دھندلائی نگاہوں سے فوٹو کو آخری بار دیکھا۔

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

* *

سمیرا غزل

گانٹھ

Copyrighted material

”اری او مریم یہ آٹا گوندھ کے گئی ہے یا لئی بنا کر اتنا پتلا کہ، روٹی ہی بہہ جائے۔ سسرال جائے گی تب ہی عقل آئے گی تجھے اللہ حافظ ہے تیرا تو۔“

اپنے ہاتھ میں ریموٹ دبائے وہ اپنا پسندیدہ مارننگ شو دیکھنے میں مگن تھی کہ اماں کی کڑک دار آواز سے ریموٹ اس کے ہاتھ سے چھوٹا تھا۔

”اف یہ اماں بھی نا کبھی میرے کسی کام سے خوش نہیں ہوتیں ہر چیز میں کیڑے نکال ہی لیتی ہیں سسرال جا کے کیا خاک عقل آئے گی مجھے تو اپنا میکہ ہی سسرال لگتا ہے۔“

”ارے کہاں مر گئی اب آئے گی بھی یا یہ ٹی وی ہی دیکھتی رہے گی گھر کا کام سارا پڑا ہے اور اس لڑکی ٹی وی کی پڑی ہے۔“

معمول کی طرح اماں مسلسل اسے کوسنے میں مصروف تھیں اس کی تو صبح دوپہر شام اور رات سب ہی اماں کی ڈانٹ و پھٹکار سے پوری ہوتی تھیں۔

”آ رہی ہوں تھوڑا صبر بھی کر لیا کرو یہاں سے وہاں پہنچنے میں ایک دو منٹ تو لگتے ہیں نا۔“ ہمیشہ کی طرح اس نے کچن کی جانب بھاگتے ہوئے۔ آواز لگائی، ورنہ اماں سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ اپنی چپل لے کر اس کے سر پر آ پہنچتیں۔

”بس یہی کام ہے تیرا ایک تو غلطی کرتی ہے اور دوسرے مسلسل زبان چلاتی ہے، تو کبھی نہ سدھرے گی ایک ہزار دفعہ سمجھایا ہے لڑکیوں کو خاموش رہنا چاہیے آگے سے جواب نہیں دینا چاہیے۔ لڑکی میں لاکھ خامیاں ہوں لیکن اس کی زبان تیز نہیں ہونی چاہیئے مگر تیری تو زبان کو ہی لگام نہیں لگتا خدا ہی سمجھائے گا تجھے تو۔“

آٹے کو چھوڑ کے اماں اب اس کی زبان درازی کے پیچھے پڑ گئی تھیں نجانے کیوں اسے حسرت سی ہی رہی کہ اماں کبھی اس سے پیار سے بات کریں وہ اپنی طرف سے تو ہر ممکن کوشش یہ ہی کرتی تھی کہ ہر کام صحیح کرے مگر پھر بھی اس سے ہر بار کوئی نہ کوئی غلطی ہو جاتی تھی اور اماں اسے ڈانٹنے لگ جاتی تھیں۔

” آئی ایم سوری اماں اب بتاؤ یہ آٹا کیسے صحیح کروں“ اس نے ہی ہار مان کے اماں کو خاموش کرایا اور اماں کے مشورے پہ عمل کرتی ہوئی اپنے لئی نما آٹے کو صحیح کرنے لگی۔

✻ ✻ ✻

”میری بیٹی چائے بہت اچھی بناتی ہے نسرین سچ بتاؤں دن بھر کا تھکا ہارا جب لوٹتا ہوں تو مریم کے ہاتھ کی بنی چائے میری ساری تھکن اتار دیتی ہے اتنی اچھی چائے تو کبھی تم بھی نہیں بناتیں۔“ چائے کا پہلا سپ لیتے ہی انہوں نے اپنی عزیز از جان بیٹی کے سر پر نہایت شفقت سے ہاتھ پھیرا تھا مریم نے فخر سے گردن اکڑائی تھی۔ وہ اپنے ابا کی بے حد لاڈلی تھی ابا ہمیشہ اس کی تعریف کر کے اس کے ہر کام کو سراہتے تھے۔

”حد کرتے ہیں آپ بھی بیٹی ذات ہے زیادہ تعریفیں کر کے سر پہ نہ چڑھائیں کل کو پرائے گھر بھی جانا ہے اس نے، زیادہ فخر کرے گی تو زندگی میں کبھی اپنی غلطی نہیں مانے گی غرور و فخر اسے نقصان نہ پہنچا دے۔“

حمید میاں کو گھورتے ہوئے نسرین بیگم نے بڑی بے دلی سے پہلو بدلا تھا، مریم دکھ سے انہیں دیکھ کے رہ گئی تھی کیا بُرا تھا جو ابا کے ساتھ اماں بھی اس کی تعریف کر دیتیں چائے تو وہ واقعی اماں سے بھی اچھی بناتی تھی۔

”آپ تو حد کرتی ہیں نسرین بیگم اس کو سسرال جانا ہے اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ آپ اس کے پیچھے ہی پڑ جائیں۔“ انہیں ان کی بات سخت ناگوار گزری تھی، نسرین بیگم چپ ہو کر رہ گئیں جو بھی تھا شوہر نامدار سے بحث کرنا ان کا شیوہ نہ تھا۔

”خیر چھوڑیں یہ سب، وہ میرے دوست ہیں نا پرانے خالد صاحب۔۔۔ یاد ہو گا آپ کو ایک دو بار بھابھی کے ساتھ ہمارے گھر بھی آئے تھے۔ ان کا سب سے بڑا بیٹا ہے عالیان، ماشاء اللہ بہت اچھا اور سمجھ دار بچہ

ہے میری کئی بار باضابطہ ملاقات بھی ہوئی ہے اس سے، وہ لوگ اس کے رشتے کے سلسلے میں ہماری مریم کو دیکھنے آنا چاہ رہے ہیں آپ کی کیا رائے ہے۔ اس بارے میں۔"

چائے کا خالی کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے انہوں نے مریم کو جانے کا اشارہ کیا تھا پھر نسرین بیگم کو ساری تفصیلات سے آگاہ کیا۔ مریم نے جاتے جاتے ان کی گفتگو کا کچھ حصہ سن لیا تھا شادی کے نام سے ایک انجانا سا خوف اس کے چہرے پر آٹھہرا تھا۔

”ہاں یاد ہے مجھے اچھے لوگ لگتے ہیں وہ تو اور آپ کا آنا جانا بھی ہے وہاں، تو اتنا سوچنا کیسا بلالیں اس سنڈے کو ان لوگوں کو، ابھی عمیر اکیڈمی سے آجائے گا تو اسے بھی ساری بات بتادیں گے لڑکے کے بارے میں وہ ضروری چھان بین کرے گا۔“

نسرین بیگم کو یہ رشتہ کافی معقول لگ رہا تھا سو فورا" گھر بلانے کا عندیہ دیا۔ باقی انہیں عمیر پہ بھی بھروسا تھا کہ وہ ساری معلومات صحیح صحیح نکال لے گا۔

عمیر مریم کا بڑا بھائی اور ان کا بڑا بیٹا تھا۔ ان کی کل دو ہی اولادیں تھیں حمید صاحب کا اپنا جنرل اسٹور تھا، کچھ نسرین بھی قناعت پسند تھیں ساس سسر کا انتقال ہوچکا تھا حمید صاحب بھی اپنے اماں ابا کے اکلوتے لخت جگر تھے، سو ان کا گزر بسر اچھے سے ہو رہا تھا بس اب انہیں مریم کی فکر تھی جو پرائیویٹ بی اے کرکے گھر میں فارغ تھی، سو اسے رخصت کرنا ان کی اولین ذمہ داری تھی۔

* * *

آج سنڈے تھا عالیان کے گھر والوں کی آمد کے سلسلے میں نسرین بیگم صبح سے ہی گھر کی صفائی ستھرائی میں مصروف تھیں۔ مریم کی شامت آئی ہوئی تھی کچن سے لے کر باتھ روم کی صفائی تک، نسرین نے اسے اپنے ساتھ لگائے رکھا تھا کام تو وہ سارا بے چاری مریم سے ہی کروا رہی تھیں، بس کھڑے کھڑے اسے ہدایت نامہ جاری کرنے کے ساتھ ساتھ، اس کے ہر کام پہ تنقید کرکے بار بار کام صحیح کروا رہی تھیں۔ مریم حقیقتاً" تپ اٹھی تھی۔

”امی کیا ہوگیا ہے آپ کو آپ بیٹھ جائیں میں کرلوں گی ناخود سب آپ بے فکر رہیں۔“

”واہ بیٹا واہ! صحیح جا رہی ہو تم سے تو اپنی ماں برداشت نہیں ہو رہی ساس کو کیا برداشت کرو گی شادی ہونے والی ہے۔ مگر تم نہ سدھرو گی بیٹا، ساسیں اپنے گھر کا سارا کام بہوؤں سے ان کے سر پر کھڑے ہو کے ہی کرواتی ہیں اور ویسے بھی تم کون سا اتنی اچھی صفائی کرتی ہو کہ تمہارے بھروسے گھر چھوڑ کے بیٹھ جاؤں جلدی سے کام سمیٹو پھر کھانے کا انتظام کرو میرے ساتھ۔“

وہ بھی اس کی ہی اماں تھیں منٹ میں طبیعت صاف کردیتی تھیں۔ مریم منہ بسور کے رہ گئی تھی، اماں سے جیتنا اس کے بس میں نہ تھا۔ صفائی ستھرائی سے فارغ ہونے کے بعد وہ ناشتے اور کھانے وغیرہ کے انتظام میں لگ گئی تھی، اماں کو ویسے بھی باہر کی چیزیں پسند نہ تھیں کیک سے لے کر سموسے تک، وہ ہر چیز گھر میں خود بناتی تھیں۔ پورا خاندان ان کی نفاست پسندی و سگھڑپن کی تعریف کرتا تھا، اور وہ مریم کو بھی اسی روپ میں ڈھالنا چاہتی تھیں مگر مریم تھی کہ ہر بار اس سے کوئی نہ کوئی غلطی سرزد ہو ہی جاتی تھی۔

آج تو معاملہ ہی کچھ اور تھا پھر بھلا آج کیسے وہ مریم کو کوئی غلطی کرنے دیتیں، اس لیے صبح سے ہی اسے ناشتے وغیرہ کے انتظام میں لگادیا، رول کا مسالا فریج میں تیار کروا کے رکھوایا، پھر رول کی پٹیاں بنوائیں، کباب ختم ہوگئے تھے وہ بنوائے ڈی فریز کروائے، کھیر بنوا کے رات کو ہی انہوں نے فریج میں رکھوادی تھی۔ اس کے علاوہ کچھ نمکو وغیرہ انہوں نے باہر سے منگوالیے تھے، اور کھانے کے لیے تندوری چکن کا مینیو رکھا تھا۔

دوپہر میں تمام کام نمٹا کے وہ اماں کی اجازت سے کچھ دیر کو لیٹ گئی تھی تاکہ، شام میں اٹھ کے نہا کے فریش ہو جائے۔ ہلکی گندمی رنگت کی حامل اور گھنے

آبشار جیسے بالوں کی بدولت وہ اپنے آپ میں کافی کشش رکھتی تھی جو بھی دیکھتا اسے سراہتا ضرور تھا۔ بس کم عمری کے باعث اس میں کچھ لاابالی پن تھا جسے ہر وقت نسرین بیگم سنجیدگی میں ڈھالنے کی کوشش کرتی رہتی تھیں۔ شام میں نہا کے اس نے ہلکے آسمانی کلر کا کاٹن کا سوٹ زیب تن کیا تھا۔

سلیقے سے سر پہ ڈوپٹا سجائے وہ بے حد پر وقار لگ رہی تھی صاف ستھرا گھر اور کچن‘ سلیقہ مند ماں اور بیٹی‘ خالد صاحب اور ان کی شریک حیات صفیہ کو بے حد پسند آئی تھیں اتنا کہ گھر جاتے ہی انہوں نے اپنی رضامندی ظاہر کر کے ڈائریکٹ شادی کی تاریخ مانگ لی تھی۔ نسرین تو اتنی جلدی یہ شکرانے کے نفل پڑھنے لگ گئی تھیں۔

ادھر عمیر نے بھی تمام معلومات حاصل کر کے عالیان کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا۔ یوں چند دن ان کو انتظار کرانے کے بعد اور عالیان سے باضابطہ ملاقات کے بعد انہوں نے رضامندی دے دی تھی‘ اور یوں آنا فانا” شادی کی تیاریاں شروع کر دی گئی تھیں۔ تیاریوں کے ساتھ ساتھ اماں کی نصیحتوں میں بھی اضافہ ہو گیا تھا‘ مگر مریم خوش ہونے کے بجائے انجانے خوف کے زیر اثر دن بہ دن خاموش ہوتی جا رہی تھی جسے سب شرم سے تعبیر کر رہے تھے۔

* * *

”بیٹا کچھ بھی ہو جائے کبھی کسی سے بدتمیزی نہ کرنا‘ اپنے شوہر کی نافرمانی نہ کرنا‘ بڑی سے بڑی بات پہ بھی صبر کر لینا‘ مگر کوئی حرف شکایت اپنی زبان پہ نہ لانا۔ ساس کو اپنی ماں سمجھنا اور سسر کو باپ‘ تم گھر کی بڑی بن کے جا رہی ہو کبھی مجھے شرمندہ نہ کرانا‘ ہر کام نہایت سلیقہ سے کرنا‘ یوں کے میری تربیت پہ کوئی حرف نہ آئے۔“

نکاح سے پہلے اسے گلے لگا کر نسرین بیگم نے اپنے آنسو چھپاتے ہوئے نصیحت کی۔ مریم حق دق ماں کو دیکھتی رہ گئی۔ ساری زندگی انہوں نے اسے سسرال پہ ہی نصیحتیں کی تھیں کیا تھا جو وہ آج اس سے کوئی پیار بھری بات ہی کر لیتیں‘ یہ بات اس کے دل میں گانٹھ کی طرح بیٹھ گئی تھی اور یونہی روتے روتے وہ مریم حمید سے‘ مریم عالیان بن کے اس کے سنگ چلی آئی۔

کچھ ضروری رسموں کے بعد صفیہ بیگم نے اسے اس کے کمرے میں بھیج دیا۔ ہلکے آسمانی اور آف وہائٹ اسکیم سے سجا کمرہ اس کے شوہر اور ساس کی نفاست پسند طبیعت اور سلیقہ پسندی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ دھیمے سے بات کرتے‘ پرکشش شخصیت کے حامل عالیان بھی اسے کافی پسند آئے تھے۔ وہ کب سے اردگرد گردن گھماتی کمرے کا جائزہ لے رہی تھی کہ ہلکی سی دستک دے کر عالیان کمرے میں آئے‘ اسے دیکھ کے وہ مسکرائے‘ اس نے شرما کے گردن جھکالی۔

”آپ میری والدہ کا انتخاب ہیں اس لیے میں جانتا ہوں کے بلاشبہ میرے لیے ایک بہترین شریک حیات ثابت ہوں گی۔ اب یہ مت سمجھ لیجئے گا کہ آپ میری پسند نہیں بس میری آپ سے صرف اتنی ریکویسٹ ہے کہ اس گھر کو اپنا گھر سمجھئے گا۔ ہماری امی نے ساری زندگی ہمارے لیے بہت کچھ کیا ہے وہ طبیعت کی سخت ہیں‘ مگر دل کی بہت نرم اور اچھی ہیں اور بابا تو بہت ہی اچھے ہیں مجھے امید ہے آپ میری فیملی کو اپنا سمجھ کے مجھے سرخرو کر دیں گی۔“

مخملی کیس میں دو خوب صورت کنگن نکال کے انہوں نے اس کی ہتھیلی پہ سجا دیے تھے‘ پھر دھیرے دھیرے اسے اپنی محبت اور مان سونپ کر انہوں نے اس کی تمام مشکلیں آسان کر دی تھیں۔ وہ جو سسرال نامہ سن سن کے پریشان تھی عالیان کی دوستانہ باتوں سے اب خود کو قدرے ریلیکس فیل کر رہی تھی۔

* * *

دو سو بیس گز پہ مشتمل ڈبل اسٹوری پہ بنا اس کا سسرال اس کے میکے سے کافی بڑا تھا‘ جہاں کی صفائی ستھرائی سے لے کر کچن تک کا ہر کام اس کی ساس بڑی

ہی نفاست سے کرتی تھیں۔ صبح سے لے کر رات تک ان کا کام گھر سنبھالنا ہی تھا اور اب یہ ذمہ داری گھر کی بڑی بہو ہونے کی حیثیت سے مریم پہ عائد ہوتی تھی۔

اس کے چار دیور تھے البتہ نند کوئی نہ تھی۔ عالیان سے ایک سال چھوٹے ذیشان تھے' پھر ان سے تین سال چھوٹے عدنان' اور ان سے تین سال چھوٹے ایمان تھے۔ لڑکوں کا گھر تھا سو بکھیڑے ہر وقت تیار رہتے تھے سب کی الگ الگ فرمائشیں تھیں۔ گھر کے حالات بھی اچھے تھے سو کھانے کے لیے سب کی فرمائشوں کا دھیان رکھا جاتا تھا۔ ناشتے میں بھی سب کی الگ الگ پسند تھی کسی کو انڈا ہاف فرائی پسند تھا تو کسی کو آملیٹ' کسی کو پراٹھا تو کسی کو سینڈوچ گھر میں ہاتھ لگنے کے بعد سے ہی وہ گھر کے کاموں میں جت گئی تھی۔

فجر سے لے کر رات گئے تک کام کر کے وہ بری طرح ہلکان ہو جاتی۔ اوپر سے ستم یہ ہوا کہ اس کی ساس کی عادت ہو بہو اس کی اماں جیسی تھی۔ وہ جھاڑو لگاتی تو صفیہ بیگم پیچھے پیچھے رہتیں کہ بیٹا یہاں سے صحیح نکالنا وہاں سے صحیح۔ وہ بے چاری چپ چاپ ان کے حکم کی تعمیل کرتی رہتی زبان کھولنے کا سوچتی تو اماں کی نصیحت جھٹ سے یاد آجاتی۔ وہ روٹی پکاتی تو ساس باتیں کرنے کے بہانے کچن میں موجود رہتیں ساتھ ساتھ اس کے کام پہ اپنی رائے دیتی رہتیں۔

وہ ڈر کے مارے اور دل جمعی سے کام کرتی مبادا ساس بھی اماں کی طرح اس کے لتے لینے نہ لگ جائیں وہ بھی اماں کی طرح اس سے سارے کام ایڈوانس میں کرا کے فریج میں رکھوا دیتی تھیں۔ کچھ ہی عرصے میں ساس اس کی سعادت مندی اور سلیقہ مندی کی گرویدہ ہو گئی تھیں۔ عالیان بھی دیکھتا تھا کہ وہ کسی مشین کی طرح اماں کی سرپرستی میں دن رات کام میں جتی رہتی تھی' سسر اور دیور بھی اس کا دم بھرنے لگے تھے۔

ساس الگ حیران ہوتیں کہ وہ ہر وقت اس کے ساتھ رہتی ہیں' کام پہ ٹوکتی ہیں مگر وہ کبھی پلٹ کے جواب تک نہیں دیتی' کبھی چڑتی نہیں اب یہ الگ بات تھی کہ مریم دل ہی دل میں صبر کے گھونٹ بھر کے رہ جاتی تھی۔ وہ تو اماں کی صحبت میں رہ کے اتنا ٹرینڈ ہو گئی تھی ورنہ ان کی جگہ اماں ہوتیں تو اب تک اس کی زبان درازی سے محفوظ نہ رہتیں۔

ذمہ داریاں بڑی تھیں۔

اس لیے مریم نے جب ساس کو خوش خبری کی نوید دی تو' انہوں نے خوشی سے نہال ہوتے ہوتے اپنی عزیز بہو کے ساتھ گھر کی ذمہ داریاں آدھی آدھی بانٹ لیں۔ سب نے ہی اسے ہاتھ کا چھالا بنا کے رکھا اور یوں ننھا اسد ہنستا مسکراتا اس گھر کا مکین بن گیا۔ مریم کے اماں ابا اور بھائی الگ نہال تھے نواسے کی خوشی میں انہوں نے بیٹی اور نواسے کو بے حساب دیا۔ عالیان اور مریم کی تو جیسے زندگی ہی مکمل ہو گئی تھی۔

اسد کی آمد کے ساتھ ساتھ مریم کی ذمہ داریاں بھی بڑھ گئی تھیں ایسے میں صفیہ بیگم اور خالد صاحب کو ذیشان کی شادی کا خیال آیا تھا یہ ان کا ماننا تھا کہ اگر ایک بہو اور آجائے گی تو' دونوں مل بانٹ کے گھر سنبھال لیں گی۔ صفیہ بیگم میں اب اتنا دم نہ تھا کہ وہ گھر کے کام کرتیں ہاں ہر کام پہ روز اول کی طرح نظر ضرور رکھتی تھیں مریم خود اس فیصلے سے خوش تھی۔

صفیہ بیگم نے اپنی خالہ کی بھانجی کو اک تقریب میں دیکھا تھا گلابی رنگت کی حامل شانزے انہیں اپنے ذیشان کے لیے بہت پسند آئی تھی دور پرے کے رشتہ دار تھے مریم سمیت سب کی رضامندی سے وہ لوگ رشتہ لے کر گئے اور لڑکی والوں کی پسندیدگی کی سند ملتے ہی شادی کی تیاریاں شروع کر دی گئیں اور اک سہانی سی شام کو شانزے ذیشان کے سنگ رخصت ہو کر ان کے گھر چلی آئی تھی۔

* * *

وہ نہایت جلدی میں آٹا گوندھ کے ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی تھی' مبادا کہیں اس کا من پسند ڈرامہ نہ نکل جائے ابھی اس نے ڈرامہ دیکھنا شروع ہی کیا تھا کہ صفیہ بیگم کی پاٹ دار آواز نے اسے چونکا دیا تھا۔

”بیٹا یہ آٹا کیسا گوندھا ہے شانزے، پوری تو لئی بن گئی ہے اس کی روٹی کیسے بنے گی۔“

صفیہ بیگم آٹے کا تسلا اٹھائے شانزے کے سر پہ آن کھڑی ہوئی تھیں۔ آج شانزے کے کام کا پہلا دن تھا اور آج ہی اس کی شامت آن پڑی تھی بے چاری مریم بھی ننھے اسد کو اٹھائے آگئی تھی کہ آج پہلی بار ساس کو غصے میں دیکھا تھا۔

”صحیح تو گوندھا ہے امی آٹا ٹھہرنے میں بھی تو ٹائم لگتا ہے اور ابھی ــــــ فریج میں رکھ دوں گی تو رات تک خود ہی سخت ہو جائے گا۔“ اپنی غلطی ماننے کے بجائے وہ برابر سے جواب دیتی دوبارہ ریموٹ سنبھال کے صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔ صفیہ بیگم کو بہو کی ہٹ دھرمی ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔

”ایک تو غلطی کرتی ہو اوپر سے جواب بھی دیتی ہو۔ ذرا میں بھی تو دیکھوں اس لئی نما آٹے سے تم کیسے روٹی بناؤ گی چلو میں تمہیں سکھاؤں بند کرو یہ ٹی وی۔“

انہوں نے آگے بڑھ کے ٹی وی بند کیا اور کچن میں آگئیں نہ چاہتے ہوئے بھی شانزے کو اٹھنا پڑا۔ مریم نے حیرت سے سارے منظر کو دیکھا تھا کچھ سال پہلے وہ بھی تو شانزے کی جیسی تھی وہ بھی تو ایسے ہی آٹا گوندھتی تھی، ایسے ہی زبان چلاتی تھی وہ تو اس کی اماں نے اسے کوس کوس کے، ڈرا ڈرا کے اتنا عادی کر دیا تھا کہ سسرال میں اس سے خود ہی ہر کام صحیح ہونے لگا تھا اور بالفرض کوئی غلطی ہو بھی جاتی تو اماں کے بتائے ٹوٹکے اسے ازبر ہو چکے تھے وہ جھٹ اپنی غلطی سدھار لیتی تھی۔

”تمہاری امی تمہیں نہیں ڈانٹتی تھیں کیا؟ شانزے جب تم غلط کام کرتی تھیں اور کیا انہوں نے تمہیں آٹا گوندھنا روٹی بنانا نہیں بتایا تھا؟“ ساس کے جانے کے بعد اس نے بڑی ہی رازداری سے کچن میں آکر شانزے سے پوچھا تھا۔

”ارے بھابھی کیسی باتیں کر رہی ہیں میں اپنے گھر کی اکلوتی اور اپنی اماں کی سب سے لاڈلی بیٹی ہوں۔ انہوں نے تو آج تک مجھ سے کوئی کام نہیں کرایا بس شادی سے کچھ دن پہلے جو تھوڑا بہت سکھایا وہ کام آرہا ہے وہ کہتی ہیں کہ انسان کو ساری زندگی سسرال میں کام ہی کرنا پڑتا ہے پھر شادی سے پہلے وہ میرا ہنسنا کھیلنا کیوں چھین لیتی بھلا۔“ اس کے لہجے میں ماں کے لیے محبت ہی محبت تھی۔

مریم چپ ہو کے رہ گئی کچھ ہی عرصے میں صفیہ بیگم نے سب جگہ شانزے کی زبان درازی اور پھوہڑ پن کے قصے مشہور کر دیے۔ تھیں تو وہ ساس ہی نا ایک جگہ مریم کی سعادت مندی تھی، سلیقہ مندی تھی دوسری جانب شانزے کی زبان درازی اور پھوہڑ پن۔ صفائی کرتی وہ کچرا ادھر ادھر پڑا رہ جاتا، روٹی پکاتی تو کہیں سے جل جاتی تو کہیں سے کچی رہ جاتی۔ کوئی کام اس سے ڈھنگ سے نہ ہوتا، اکثر اس کی ساس تنگ آکر کہا کرتیں تھیں کہ اگر شادی سے پہلے تمہاری ماں نے کچھ سکھایا ہوتا، یا تم نے کھیل کود کے بجائے ان سی کچھ سیکھا ہوتا تو یہ طعنے نہ سننے پڑتے تمہیں۔“ اور مریم ساس کی بات سن کر بس یہ ہی سوچا کرتی کہ وہ بھی تو اپنے گھر کی اکلوتی تھی اگر اس کی اماں نے بھی اسے سر پر چڑھایا ہوتا، کام نہ کرایا ہوتا، ہر بات پہ ٹوکا نہ ہوتا، سمجھا سمجھا کے اس کی جواب دینے کی عادت نہ چھڑائی ہوتی تو آج وہ بھی شانزے کی طرح ساس کی ناپسندیدہ بہو ہوتی۔

ہمیشہ اس نے اماں کے لیے اپنے دل میں بدگمانی رکھی تھی کہ اماں اس سے محبت نہیں کرتیں جب ہی ڈانٹتی ہیں مگر وہ کیوں ڈانٹتی تھیں، یہ آج اسے سمجھ آگیا تھا۔ آج اس کے دل سے ہر کدورت مٹ گئی تھی اس کی اماں نے اسے ذرا سی ڈانٹ پھٹکار دے کے ہمیشہ کے لیے اس کے نصیب میں سسرال کا سکھ لکھ دیا تھا۔ ماں کی نصیحتیں اس کے دل میں گانٹھ کی طرح بندھ گئی تھیں ویسے ہی جیسے اس کی ساس کے دل میں شانزے کا پھوڑپن گانٹھ کی طرح بندھ گیا تھا اب شانزے جتنی بھی کوشش کر لیتی رہتی وہ بدزبان ہی، کیونکہ دل میں جو گانٹھ بندھ جائے وہ کبھی نہیں کھلتی۔

✲ ✲

قراۃ العین فیصل چنا

سحر کو

بہت گہری نیند میں تھی وہ..... رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔ جب دبی دبی سسکیوں نے اسے ہوش کی دنیا میں گھسیٹا۔ آنکھ کھلی مگر گھپ اندھیرا چہار اطراف منہ چڑا رہا تھا۔

ناولٹ

عفرا میں بھی اماں کے زخموں پہ پھایا رکھنے کی سکت نہیں تھی۔ انہیں تسلی دینے کا سوچتی تو اپنے آنسوؤں پہ ضبط رکھنا مشکل ہو جاتا۔ اماں بہت مضبوط دل کی تھیں۔ دن بھر اپنے آنسو چھپائے پھرتیں تاکہ ان پر کوئی سوال نہ اٹھ سکے۔ ایسے میں رات کے یہ چند خاموش پہر ہی تو تھے جن سے ان کا دل اپنے غم کے راز ونیاز کرتا تھا۔ پچیس سال سے ان کے دل پہ دھرا درد ہر رات قطرہ قطرہ آنکھوں سے نکل کر تکیے میں جذب ہوتا تھا۔

عفرا کو تو وہ جان بوجھ کر اپنے غم کی پرچھائیں سے بھی دور رکھتی تھیں‘ پر ایسا بھلا کب ممکن تھا۔ وہ انجان نہ تھی مگر انجان بن جاتی تھی۔ ماں کے لیے نہیں اپنے لیے۔

کہتے ہیں دکھوں کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔ کوئی چہرہ نہیں ہوتا۔ کوئی وجود نہیں ہوتا۔ اماں کا دکھ بھی ایسا ہی تھا۔ ان کہا۔ مگر ان جانا نہیں۔

* * *

صبح کا آغاز حسب معمول ایک ہنگامے کے ساتھ ہوا۔ رائنہ کے سر پر کالج پہنچنے کی جلدی سوار تھی۔ ناجیہ کو اپنا فزکس کا جنرل نہیں مل رہا تھا۔ جس کی وجہ سے اٹھا پٹخ کی آواز صحن میں صاف سنائی دے رہی تھی۔

”کہاں چلا گیا۔ یہیں تو رکھا تھا۔“ ناجیہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ پورے کمرے کو گلاس کی طرح اوندھا کر دے۔

”سلیقہ اور نفاست تو تمہیں چھو کر نہیں گزری۔ مجال ہے جو کبھی ایک بھی کام ڈھنگ سے کیا ہو۔“ کمرے کا یہ نقشہ دیکھ کر ثروت بیگم کو ابال آگیا۔

”میری سلیقہ مندی پر اظہار خیال آپ کسی اور وقت کیجئے گا۔ ابھی میں بہت پریشان ہوں اماں۔“ ایسی ہنگامی صورت حال میں ثروت بیگم کی دل جلا دینے والی تنقید ہمیشہ ہی اسے کوفت میں مبتلا کر دیتی تھی۔

”تیرا تو اللہ ہی حافظ ہے۔ میرے بس کی بات نہیں۔“ اس کی جھنجلاہٹ کے بعد یہ فتوا جاری ہونا عام تھا۔

”راج گیری اور حاکمیت کے علاوہ اور کون سی چیز ہے جو تم نے اپنے بس میں کی ہو۔ آج بچوں کی بدتمیزی پر کڑھتی ہو۔ کل جب ان کی تربیت کا دور تھا‘ تب تو آنکھیں بند کر رکھی تھیں تم نے۔“

کہیں جو بھولے بھٹکے ثروت بیگم کا کوئی جملہ اماں بی کے کانوں میں پڑ جاتا تو بھلے تسبیح پڑھ رہی ہوتیں... جواب دینے سے نہ چوکتیں۔ ایک طرف یہ ہنگامہ تو دوسری طرف دانش کی چیخ و پکار۔

”میرے موزے کہاں ہیں؟“ وہ دہائی دیتا۔

”میں نے بیچ کر سوٹ بنا لیا۔“ ان سب کے لیے

پراٹھے بیلتی انیقہ جل کر جواب دیتی۔

صبح صبح اپنی نیند کی قربانی کا قلق ایسے دل جلے جملوں کی صورت میں سامنے آتا تھا۔

"آؤ ٹھونس لو۔ میں کسی کی نوکر نہیں کہ باری باری سب کو ناشتا گرم کر کے پیش کرتی پھروں۔" چائے کا تھرماس اور چنگیر میں گرم گرم خستہ پراٹھوں کا ڈھیر وہ یوں کھانے کی میز پہ پٹختی گویا وہ کسی دشمن کا سر ہو۔

ایسے میں ایک عفرا کا وجود تھا جو سراپا سکون تھا۔

آج بھی حسب معمول وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی ہی تھی کہ تایا ابا نے اسے آواز دی۔

"عفرا بیٹی! میرے لیے ناشتا تم لاؤ۔ باقی سب کو تو اپنی ذات کے علاوہ اور کسی کی فکر نہیں۔" عفرا کو پیار سے بلانے کے ساتھ ساتھ انہوں نے دزدیدہ نگاہوں سے اپنی بیگم کی جانب بھی دیکھا۔

"جی تایا ابا! میں ابھی آپ کے لیے ناشتا لاتی ہوں۔" وہ فوراً ان کے لیے ناشتا لینے کے لیے چلی گئی۔

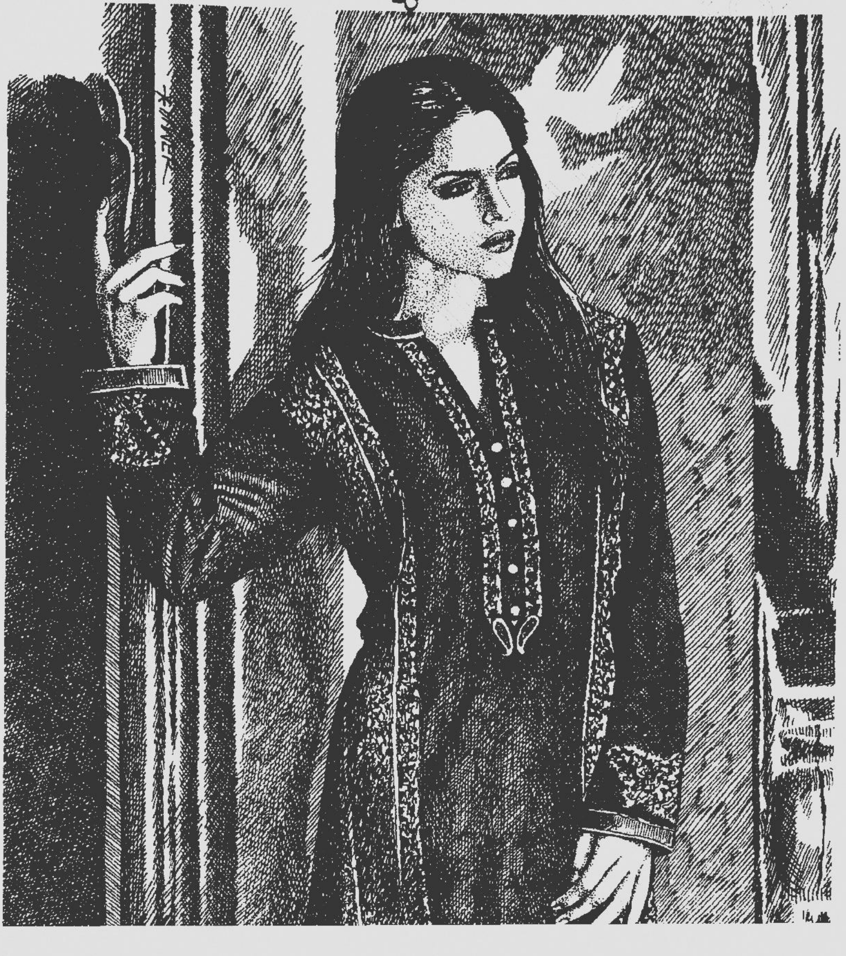

Copyrighted material

"بس دوسروں کے ہی گن گاتے رہیے گا۔ اپنی اولاد میں تو خامیوں کے علاوہ آپ کو اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔" ثروت بیگم سے عفرا کی تعریف برداشت ہو جائے، یہ بھلا کب ممکن تھا۔

"کچھ ہو گا تو ہی نظر آئے گا ناں۔ بائی داوے کچھ دیر پہلے آپ خود بھی اپنی دختر نیک اختر کی جملہ خامیاں گنوا رہی تھیں۔" انہوں نے جواب دے کر اخبار پھیلا لیا۔ جس کا مطلب تھا اب وہ مزید اس موضوع پہ بات نہیں کرنا چاہتے۔

سر پہ سلیقے سے دوپٹا لیے کچھ دیر بعد ہی عفرا ناشتے کی ٹرے لیے آ گئی۔

"جیتی رہو بیٹی سدا خوش رہو۔ تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟" اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر دعا دی تو بے اختیار عفرا کی آنکھوں میں نمکین پانی آ گیا۔

"نہیں تایا ابا! مجھے آپ کے پیار اور شفقت کے علاوہ اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔" اس کا ایک ایک لفظ احساس تشکر سے لبریز تھا۔

"سنو ادھر آؤ ذرا۔" کھڑکی سے اس کے آنچل کی جھلک دکھائی دی تو اماں بی نے فوراً" پکار لیا۔

"جی اماں بی!" وہ فوراً" ان کے کمرے میں آ گئی۔

"یہ میری چادر تہ کر دو۔ یہاں تو کسی کو میری پروا ہی نہیں ہے۔ صبح سے کسی نے کمرے میں جھانک کر یہ تک نہیں پوچھا کہ ناشتا کب کریں گی؟" عمر کے حساب سے یہ چڑچڑاپن ان کے مزاج کا حصہ بن گیا تھا۔ وہ جانتی تھی تائی اماں اور ان کی بیٹیاں کتنی ہی لاپروا اور غیر ذمہ دار سہی، پر اماں بی کی خدمت سے ہرگز کوتاہی نہ کرتیں۔ پر پھر بھی ان کے لبوں پہ سب کے لیے شکوے کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ملتی تھی۔

"ساری زندگی ان کے احکامات کو دوڑ دوڑ کر بجا لائے، پھر بھی بڑی بی کی نظر میں معتبر نہ ٹھہرے۔" پیٹھ پیچھے ثروت بیگم کے یہ تبصرے بھی اکثر سننے کو ملتے۔

عفرا کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اماں بی کی جانب سے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کا ادراک ہونے کے بعد ان کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھے۔ جب وہ اپنی ماں کی طرف نگاہ دوڑاتی تو اماں بی اسے اپنی مجرم نظر آتیں۔ اس کی ماں آسیہ بانو کو زندگی بھر کے لیے آنسوؤں کا تحفہ دینے والی ان کی ذات ہی تو تھی۔ یہ ان کا زعم تھا یا پھر خود ساختہ انتقام؟

"اماں بی! میں جاؤں؟" سلیقے سے ان کی چادر تہ کر کے اس نے جانے کی اجازت مانگی۔

"تمہیں کون سی نہر کھودنی ہے جا کر یا پہاڑ توڑنا ہے۔ حد ہو گئی کسی کو دو گھڑی میرے پاس بیٹھنا گوارا نہیں۔ جاؤ اپنی منحوس ماں کے پاس تم اسی کی خدمت میں سکون ملتا ہے ناں تمہیں۔" یکایک ان کی آنکھوں سے نفرت سی ٹپکنے لگی۔

اپنی مظلوم ماں کے لیے ان کے منہ سے منحوس کا لقب سن کر دل میں درد کی لہر اٹھی تھی۔ پر کیسے انہیں کوئی جواب دیتی کہ برداشت کی ہر حد پار کرنے پر بھی اس کی ماں کی طرف سے صبر کی ہدایت تھی، مگر نہ جانے کیوں ان کا یہ ظرف اور صبر اماں بی کو دکھائی نہ دیتا تھا۔

چپ چاپ وہ ان کے کمرے سے نکلی اور تقریباً" بھاگتے ہوئے سیڑھیاں پھلانگتی اوپر چلی گئی۔

* * *

دیواروں پہ شام کے سائے پھیلنے لگے تو حبس میں کچھ کمی واقع ہوئی۔ وہ پائپ لگا کر صحن دھونے لگی۔

"ہائے عفرا! کتنی اچھی بہن ہو تم، کہے بغیر ہی فرش دھو دیا۔" انیقہ جمائی لیتے ہوئے اپنے کمرے سے نکلی تو چمچماتے گیلے فرش کو دیکھ کر نیند سے بوجھل اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں خوشی سے پوری کھل گئیں۔

"کوئی بات نہیں۔ اتنا چھوٹا سا تو کام تھا۔" اس نے پائپ سمیٹتے ہوئے کہا۔ ایسے ہی چھوٹے موٹے کام وہ عموماً" کہے بغیر ہی کر دیتی تھی۔ ان کے احسانات کا حق وہ ان کی خدمت کر کے ادا کرنے کی کوشش کرتی۔

اوپری پورشن میں تو صرف ایک ہی کمرا تھا۔ جو کہ کسی زمانے میں کاٹھ کباڑ وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا تھا مگر جب اس کے ابا جان نے رحلت فرمائی تو اس کی ماں کا وہ

آشیانہ ٹھہرا۔ ان کے وجود سے اماں بی کو نفرت ہو گئی تھی۔ اس لیے نیچے کا پورشن ان کے لیے شجر ممنوعہ قرار پایا تھا۔ گھر کے دیگر افراد کو بھی ان سے کوئی انسیت نہیں تھی۔ ہر کوئی اپنی دنیا میں مگن تھا۔ ثروت بیگم تو روایتی جٹھانی والے حسد کی بنا پر اوپر کا رخ نہ کرتیں اور ان کے بچے سدا کے لاپروا۔

اماں بی تو پچھلے تئیس سال سے ان کا چہرہ دیکھنے کی روادار نہ تھیں۔ لے دے کے ایک تایا ابو تھے۔ جنہیں ان سے ہمدردی تھی۔ اکثر وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر بھی آجاتے اور مجروح سے احساسات میں گھرے معافی کے طلب گار ہوتے۔ مگر جواب میں وہ ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیتیں۔

”خدارا! ایسے شرمندہ مت کریں۔ جو کچھ مجھ بد نصیب کے ساتھ ہوا ہے۔ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔ میں تو خود کو آپ کے احسانات تلے دبی محسوس کرتی ہوں۔ مجھ بد نصیب کو یتیم بچی سمیت آپ نے اپنے گھر میں پناہ دے کر ہم پر جو احسان کیا ہے۔ اس کا حق میں تاحیات ادا نہ کرسکوں گی۔“

”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں بھابھی! اس آشیانے کی داغ بیل میرے خون پسینے کی مرہون نہیں۔ یہ گھر ابا میاں کا ہے۔ جس میں ہم دونوں بھائیوں کا حصہ ہے اور عفرا میرے بھائی جہانگیر احمد کی نشانی ہے۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا‘ جسے آپ احسان کا نام دیں۔ جب آپ کے ساتھ ’ناانصافی ہو رہی تھی ‘میں چپ رہا تھا۔ اس وقت کی چپ دل میں ملال بھر دیتی ہے کاش کہ میں ایک بیٹا بن کر چپ نہ سادھ لیتا۔ بلکہ ایک انسان بن کر حق کی پاس داری کرتا تو آج آپ کی آنکھوں میں یہ آنسو نہ ہوتے۔“ ان کی آواز میں پچھتاوے کے ساتھ ساتھ گہرا دکھ بھی ہوتا۔

آسیہ بانو کے گلے میں پھندے لگ جاتے۔ ماضی کا وہ درد پھر انہیں اپنے شکنجے میں جکڑ لیتا۔

”کیا تم فارغ ہو؟“ رائنہ کی آواز پر سیڑھیوں کی جانب اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔

”نماز پڑھنے جا رہی ہوں۔ تمہیں کوئی کام ہے تو بتا دو۔“ اس نے رک کر پوچھا۔

”کام تو ہے اور کرنا بھی تم نے ہی ہے۔ زولوجی کی کچھ ڈائیگرام بنا دو۔ تمہاری ڈرائنگ اچھی ہے۔“ وہ بلا تردد بولی۔

”بنا دوں گی کب تک چاہیے؟“ عفرا نے فوراً“ ہامی بھری۔

”کل تک چاہیے۔ اچھی سی بنانا۔“ وہ خوش ہوتے ہوئے فوراً“ جرنل لے آئی۔

☼ ☼ ☼

”اماں! کیا کر رہی ہو؟“ اماں کو پرانے صندوق کے پاس کھڑے دیکھ کر عفرا ان کے قریب آکر پوچھنے لگی۔

”کک...... کچھ نہیں۔“ ہمیشہ کی طرح گھبرایا ہوا انداز تھا ان کا۔ اس کے قریب آتے ہی فٹ سے صندوق بند کر ڈالا۔

عفرا بھلا اس بات سے کب انجان تھی کہ اس صندوق میں ان کے ماضی کی چند یادیں دفن تھیں۔ اپنے بیٹے کے لیے بنے ہوئے سوئیٹر اور جرابیں‘ چھوٹے چھوٹے سوٹ جو انہوں نے بڑی محبت سے گھر میں ہی بنائے تھے۔ دو چار کھلونے اور جھنجھنے جن سے ان کا بیٹا کھیل نہ سکا۔ وہ سب چیزیں انہوں نے بہت سینت کر رکھی تھیں اور جب انہیں حد سے زیادہ اپنے اس بیٹے کی یاد آتی تو حسرت سے ان تمام چیزوں کو چھو چھو کر وہ اپنی ذات کے کرب کو کم کرتیں۔

”اماں! آئیں کھانا کھالیں۔“ عفرا نے ان کی کیفیت بھانپ کر ان کا ہاتھ پکڑا۔ اماں کا نیچے جانا ممنوع تھا۔ تایا ابا انہیں ان کی ضرورت کے مطابق اوپر ہی راشن ڈال دیتے تھے۔

”تم چلو‘ میں آتی ہوں۔“ بھیگی آواز میں آنسو چھپانے کی کوشش کرتے وہ بولیں۔

”نہیں اماں! بہت بھوک لگی ہے۔ ساتھ چلیں۔“ وہ لاڈ کرنے لگی اور انہیں کھینچتے ہوئے لے گئی۔

دونوں نے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ اس دوران

دونوں کے درمیان مکمل خاموشی رہی۔ کھانے کے سارے برتن سمیٹ کر کچن میں رکھ آنے کے بعد وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔ آسیہ بانو نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

عفرا کے اندر سکون سا اترنے لگا۔ بالوں میں ان کی انگلیوں کی حرکت ایسے تھی جیسے کلیوں کا نرم و نازک لمس دھیرے دھیرے اسے چھو رہا ہو۔

یکایک اس کے چہرے پر دو بوندیں گریں تو اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

"اماں...... کیا ہوا؟" اس نے کندھوں سے پکڑ کر اماں کو جھنجوڑ ڈالا۔ انہوں نے تیزی سے آنسو پونچھے۔

"تم کیوں چھپاتی ہیں یہ درد۔ پتا ہے مجھے آپ کی یہ ساری بے تابیاں اپنے اس کھوئے ہوئے بیٹے کے لیے ہیں۔ جسے پیدا ہوتے ہی آپ کی گود سے چھین کر کسی اور کے حوالے کر دیا گیا تھا۔" آج ضبط کے سارے بندھ ٹوٹ چکے تھے۔

"چپ کرو عفرا! کیوں بلاوجہ من گھڑت کہانیاں بنا رہی ہو۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔" انہوں نے اسے جھٹلانے کی کوشش کی۔

"حقیقت پہ پردہ ڈالنے سے حقیقت چھپ نہیں جاتی۔ میں آپ کا دکھ جانتی ہوں۔ آپ دن رات اپنے اس بیٹے کے لیے روتی ہیں ناں جسے اماں بی کے سفاک فیصلے نے غیر ہاتھوں میں سونپ دیا۔" وہ اپنا چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

آسیہ بانو نے اس کے قریب جا کر اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"تم کچھ نہیں جانتی ہو عفرا!" ان کی آنکھوں میں التجا تھی۔ سب کچھ جان لینے کے باوجود انجان بن کر رہنے کی التجا...... ماں کی حمایت میں کسی کے سامنے لبوں پہ ایک بھی حرف نہ لانے کی التجا۔ اماں بی یا کسی اور کی زیادتی پر کوئی شکوہ نہ کرنے کی التجا۔

عفرا نے تڑپ کر ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگا لیے۔

"ہاں اماں ہاں! کچھ نہیں جانتی میں...... میں کچھ نہیں جانتی۔"

* * *

"توبہ ہے ایک تو لوگوں کو بیٹھے بٹھائے لاہور گھومنے کا شوق پتا نہیں کیوں چراتا ہے۔" گیسٹ روم کی صفائی کرتے ہوئے انیقہ نے انتہائی بدمزگی سے کہا۔

"وہ گھومنے کے لیے نہیں بلکہ اپنے دوست کی شادی میں شرکت کے لیے آ رہے ہیں۔ وہ تو اماں جی نے بطور خاص اصرار کر کے انہیں یہاں مزید کچھ دن ٹھہرنے اور لاہور گھومنے کی پیش کش کی۔" ناجیہ نے بیڈ کا فوم ہٹاتے ہوئے مزید اطلاعات فراہم کیں۔

"ایک تو اماں جی پتا نہیں کہاں سے ڈھونڈ ڈھانڈ کے رشتے داری نکال لاتی ہیں۔ حد ہے۔" انیقہ کام کرنے سے ہمیشہ گھبراتی تھی۔ اماں بی کا حکم تھا۔ ورنہ گیسٹ روم کی صفائی!

"کیا ہوا انیقہ! گیسٹ روم کی صفائی کر رہی ہو۔" عفرا کی مداخلت نے جلتی پہ تیل چھڑکنے کا کام کیا۔

"اماں بی کے کوئی دور پرے کے رشتے دار قدم رنجہ فرمانے والے ہیں۔ خود تو وہ بس دعوت دینا جانتی ہیں۔ مہمان نوازی اور استقبالیے کے کھاتے تو ہمارے لیے کھول رکھے ہیں۔" وہ زہر خند ہو گئی۔

"او...... بے خبر! وہ دور پرے کے نہیں بلکہ پھپھو جانی کے جیٹھ کے بیٹے ہیں۔ یعنی اماں بی کے سگے بھائی کے پوتے۔" ناجیہ نے پھر سے اطلاع دی تو انیقہ نے روئے سخن اس کی جانب موڑا۔

"تمہیں بڑی انفارمیشن ہے اماں بی کی پرسنل سیکریٹری۔"

"میں تمہاری مدد کر دوں انیقہ؟" ہمیشہ کی طرح عفرا نے خود ہی آگے بڑھ کر اپنی خدمات پیش کیں۔

"نیکی اور پوچھ پوچھ۔" وہ تو جیسے منتظر کھڑی تھی۔ فوراً جھاڑن اسے پکڑا دی۔

"نہ جانے کتنے دنوں تک موصوف ہمارا سر کھاتے

رہیں گے۔" انیقہ کو ایک نئی فکر ستانے ہی لگی تھی۔

"تمہیں اس کے یہاں رہنے سے کیا تکلیف ہے کتنے بڑے بزنس کا اکلوتا وارث ہے۔ پتا ہے کروڑوں میں کھیلتا ہے وہ۔" ثروت بیگم نے ٹوکا۔ وہ بے حد متاثر لگ رہی تھیں۔

"بڑا بد ذوق آدمی ہے۔ کھیلنے کے لیے شہر میں کھلونوں کا کال پڑ گیا ہے جو نوٹوں سے کھیلتا ہے۔ وہ بھی اس عمر میں۔ شرم تو آج کل لوگوں کو آتی نہیں۔" انیقہ نے عفرا کی مدد سے صوفہ نکالتے ہوئے ٹھٹا اڑایا تو ناجیہ اور رائنہ بھی کھی کھی کرنے لگیں۔

"تم لوگ سدھرنے والے نہیں ہو۔" حسب عادت ثروت بیگم جھنجلا کر وہاں سے ہٹ گئیں۔

"ایک بات تو طے ہے کہ وہ زیادہ دن ٹکے گا نہیں۔ اس لکھ پتی کا دل ہمارے اس گھر میں تھوڑی نا لگے گا۔ جان چھوٹی۔" انیقہ نے شکر کے سو کلمے پڑھے۔ جبکہ عفرا خاموشی سے کام نبٹاتی رہی۔ اس کا دھیان کہیں اور ہی تھا۔

* * *

"اماں! دیکھیں یہ کیسی لگ رہی ہے۔" عفرا اپنی قمیص سی کر مشین سے اٹھی تو سیدھی ماں کے پاس جا پہنچی۔ گلابی پھولوں والی پرنٹڈ لان کی قمیص خود سے لگائے وہ ان کی رائے لینے لگی تو انہوں نے مسکرا کر اسے اپنے گلے سے لگالیا۔

"تم پہ سب کچھ اچھا لگتا ہے۔" انہوں نے عفرا کو نظر بھر کے دیکھا۔ گوری رنگت والا چاند سا چہرہ یقیناً لاکھوں میں ایک تھا۔

نہا دھو کے نیا سوٹ پہن کے وہ نیچے آئی تو سب سے پہلے انیقہ نے اسے گھورا۔

"ماشاء اللہ تمہاری تیاریاں تو عروج پر ہیں۔ کہیں اس لینڈ لارڈ پہ ڈورے ڈالنے کے ارادے تو نہیں۔ ویسے اطلاعاً" عرض ہے کہ موصوف تشریف لا چکے ہیں۔"

"لاحول ولا انیقہ!" عفرا نے ناگواری سے کہا اور واپس پلٹنے لگی۔

"اب آ ہی گئی ہو تو ایک نوازش بھی کرتی جاؤ۔ میں اکیلی جان صبح سے کام کر کر کے ادھ موئی ہو گئی ہوں۔ تم چائے ہی بنا دو۔" انیقہ نے کچھ ایسی مظلومیت سے کہا کہ چاہنے کے باوجود وہ انکار نہ کر سکی۔

"پہلی بار آئے ہیں۔ خالی خولی چائے لے جا کر رکھ دینا کچھ مناسب نہیں لگتا۔" سدا کی بامروت عفرا کو مہمان نوازی کے آداب یاد آئے۔ کیبنٹ میں جھانکا وہاں بسکٹ کا ایک پیکٹ رکھا تھا۔ چائے کو دم دے کر اس نے جھٹ سوجی کا حلوہ بنالیا۔ سلیقہ سے ٹرے میں رکھ کر انیقہ کو دیکھا لیکن وہ غائب ہو چکی تھی۔

"وہاں سب خیریت سے ہیں اماں بی! آپ بالکل اطمینان رکھیں۔ چچا اسرار سے تو ہر ہفتے میری بات ہوتی ہے اور چچی جان تو آپ سے ہر مہینے باقاعدگی سے فون پر بات کرتی ہیں۔"

وہ کمرے میں داخل ہوئی لیکن ان دونوں میں سے کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس کی چچی جان اماں بی کی سگی بیٹی تھیں اور اپنی پھپھو کے ذکر پہ اس کے کان کھڑے ـــــ ہو گئے

"وہاب آج کل کیا کر رہا ہے؟ اس کے ماں باپ کو کب عقل آئے گی۔ جوان بھتیجی کو انگوٹھی پہنا کر اپنے نام تو کروا دیا۔ اب شادی کے بارے میں ان کے کچھ ارادے ہیں بھی یا نہیں؟" اپنی نواسی کے منگیتر کے لیے اماں بی کے لہجے میں ہلکا سا غصہ شامل ہو گیا تو وہ مسکرانے لگا۔

"وہاب تایا ابو کے ساتھ ان کے کاروبار میں ہاتھ بٹا رہا ہے۔ اس عید کے بعد شادی کا پروگرام پکا ہے۔ چچی جان کا بھی بہت دباؤ ہے۔ منگنی تو خیر امریکا میں ہوئی تھی مگر شادی کے بارے میں ان کا خیال ہے۔ وہ اسے آبائی گھر میں ہی کریں گے۔ کتنا اچھا لگے گا ناں اماں بی! چچا جان کی پوری فیملی آئے گی۔ وگرنہ ابھی تک تو صرف چچا اور چچی ہی چکر لگاتے رہے ہیں۔ نمرہ، سدرہ اور آذر نے تو ایک بار بھی اپنے وطن عزیز کو نہیں دیکھا۔" اس کی آنکھوں میں جھانکتی خوشی دیدنی تھی مگر

جہاں پوری فیملی اور بطور خاص آذر کے پاکستان آنے کی خبر نے اماں بی کے چہرے پہ ہوائیاں اڑائیں۔ وہیں عفرا کے ہاتھ میں ٹرے بھی لرز اٹھی تھی۔

"تم یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو؟" اس کی وہاں موجودگی اماں بی کے غصے کو ہوا دینے کے لیے کافی تھی۔

"وہ..... مم' میں چائے لے کر آئی تھی۔" اماں بی کی خونخوار نظروں سے اسے اپنے وجود کی ساری توانائیاں فنا ہوتی محسوس ہوئیں۔

"چائے لے کر آئی ہو تو رکھ کے چلی جاؤ۔ یہاں کان لگا کر ہماری باتیں کیوں سن رہی ہو۔" اماں بی کی انگارہ آنکھیں اور نفرت میں سلگتا لہجہ اجنبی کو ورطہ حیرت میں ڈالنے کے لیے کافی تھا۔

اماں بی کا ہتک آمیز لہجہ وہ بھی باہر کے آدمی کے سامنے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے وہ ضبط کرتی ٹرے رکھ کر تیزی سے باہر نکل آئی۔

* * *

آذر کے آنے کی خبر اس کے لیے ایسی ہی تھی۔ جیسے برسوں بعد تپتے صحرا میں بارش کا گمان۔ اس نے دانستہ اس خبر کو اپنی ماں سے چھپائے رکھا کہ اس بار وہ وقت کی شاطر چالوں کو ان کی ممتا کے ساتھ کوئی جوا کھیلنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

اماں بی بھی آنے والے وقت سے خوف زدہ تھیں۔ آنے والا پہلے کی طرح ایک دن کی عمر نہ رکھتا تھا جس کی قسمت پہ انہوں نے اپنے فیصلے کی مہر لگائی تھی۔ وہ اب تعلیم ادر شعور کی منزلیں طے کر چکا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ حقیقت کو اس سے آج تک چھپایا گیا تھا۔ اس حقیقت کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش نے آج تک اسے پاکستان آنے نہ دیا۔

آذر اس کی پھپھو کا بیٹا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس کی پھپھو کا لے پالک تھا۔ حقیقت میں تو وہ آسیہ بانو کا بیٹا تھا۔ جسے اماں بی نے بڑی بے دردی سے ان کی گود سے چھین کر پھپھو عشرت کے حوالے کر کے ان کی ممتا کو سسکنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

"عفرا! تم ابھی تک سوئی نہیں؟" آسیہ بانو نماز عشا اور طویل دعا کے بعد جب پلنگ کی جانب بڑھیں تو اسے آنکھیں پٹپٹاتے چھت کو گھورتے دیکھ کر حیرت سے پوچھنے لگیں۔

"ابھی آنکھ کھلی ہے اماں..... مجھے پیاس لگی تھی۔" بروقت موزوں بہانہ سوجھ گیا تھا۔ پانی پی کر وہ دوبارہ لیٹ گئی۔ ذہن کے پردے پر ماضی کی فلم چل پڑی۔

* * *

ابا میاں اور اماں بی کی تین ہی اولادیں تھیں۔ سب سے بڑے بیٹے عالمگیر تھے۔ ان کے بعد جہانگیر۔ دونوں میں ایک سال کا فرق تھا۔ ایک بیٹی کی کمی تھی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے عشرت جہاں کے روپ میں پورا کیا۔ ابا میاں سرکاری گوداموں پر ٹھیکیدار تھے۔ اس لیے پیسے کی کوئی کمی نہ تھی۔ وہ مذہب سے لگاؤ رکھنے والے اصول پسند انسان تھے اس لیے اوپر کی کمائی پر ہمیشہ لعنت بھیجتے تھے۔

ابا میاں جو کچھ کماتے اماں بی کے ہاتھ پر رکھتے۔ اپنی کمائی سے انہوں نے ایک شان دار گھر بنایا اور بچوں کی بہتر تعلیم و تربیت کی۔ ایک طرف وہ جس قدر توحید پرست تھے۔ اماں بی اتنی ہی اوہام پرست۔ انہوں نے اپنی زندگی میں بے حد غلط نظریے بنا لیے تھے۔ بلی سے تو وہ بہت چڑتی تھیں۔ اسے نحوست کی علامت سمجھتی تھیں۔ اسی طرح منڈیر پہ آئے پرندوں سے بھی خوفزدہ ہوتی تھیں کہ شاید وہ کہیں بری خبر نہ لائے ہوں۔ یہاں تک کہ انہیں رات کے وقت مرغی کے انڈا دینے سے بھی خوف آتا تھا کہ اس سے گھر میں فاقہ کی نوبت آتی ہے۔ ان کی یہ خود ساختہ منطقیں ابا میاں کی سمجھ سے باہر تھیں۔

"نیک بخت! ایک اللہ کی وحدانیت پہ کامل ایمان ہی سچے مومن کی پہچان ہوتی ہے۔ ان اوہام پر یقین کرنا بھی شرک کے زمرے میں آتا ہے۔"

ابا میاں بہت پڑھے لکھے نہیں تھے مگر پھر بھی ان کی

باتیں عالموں فاضلوں سے کم نہ ہوتی تھیں۔ مگر اماں بی کی موٹی عقل ان کے مفہوم کی روح تک نہ پہنچ پاتی اور یوں ابامیاں کی یہ باتیں ان کے اوپر سے گزر جاتیں۔

یا پھر وہ دانستہ اپنی روش کو نہ چھوڑتیں۔

وہ اکتوبر کی ایک ٹھنڈی میٹھی صبح تھی۔ جب ابامیاں حسب معمول ناشتے کے بعد گودام کی طرف روانہ ہونے لگے۔ اتفاق سے اس وقت اماں بی سامنے ہی کھڑی تھیں۔ عشرت جہاں کے بیگ میں ناشتے کا ٹفن رکھتے ہوئے انہوں نے ابامیاں کی سائیکل کے آگے سے کالی بلی کو گزرتے دیکھا۔ ان کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

"سنیے تو عالمگیر کے ابا۔" وہ ان کے پیچھے سرپٹ بھاگیں مگر وہ دروازے سے نکل کر گلی میں غائب ہو چکے تھے۔ عالمگیر اور جہانگیر اسکول کالج جا چکے تھے۔ ورنہ انہیں ہی وہ ان کے پیچھے دوڑاتیں۔

"ہائے اللہ! آج ضرور کچھ نہ کچھ ہوگا۔" سینے پہ ہاتھ رکھ کر وہ تھر تھر کانپنے لگیں۔ کسی کام میں دل نہ لگا۔ ہر چیز جوں کی توں پڑی رہی۔

دوپہر کے قریب جب چار آدمی ابامیاں کی لاش چارپائی پکے صحن میں رکھ گئے تو جیسے ان کی دنیا ہی ویران ہو گئی۔ ابامیاں جو انہیں کامل ایمان کا سبق پڑھایا کرتے تھے۔ ان کا بچھڑنا اماں بی کو اوہام پرستی پہ یقین کی سند تھما گیا۔

عالمگیر نے شعور پکڑتے ہی گھر کے دگرگوں معاشی حالات کو سدھارنے کا عزم کیا۔ ٹھیکداری میں ابا میاں کے اچھے تعلقات تھے ان ہی تعلقات کی بنیاد پر انہیں ایک چھوٹا موٹا ٹھیکہ مل گیا۔ زندگی کی گاڑی چل رہی تھی لیکن اماں بی کی شخصیت بالکل بدل چکی تھی۔ ان کی طبیعت میں سختی اور کرختی آگئی تھی۔ دونوں بہوویں خود منتخب کیں۔ دونوں بیٹوں نے خاموشی سے ان کا فیصلہ تسلیم کیا۔

ابامیاں کے بعد بچوں اور گھر کی ذمہ داریوں کو تنہا نبھاتے نبھاتے اماں بی کی طبیعت میں حاکمیت نے جگہ بنالی تھی۔

ثروت بیگم پر اگرچہ عالمگیر صاحب نے اول روز سے آشکار کر دیا تھا کہ انہیں کسی صورت اماں بی کی حکم عدولی نہیں کرنی، پھر بھی کبھی کبھار وہ پنجہ مار لیتیں۔

آسیہ بانو البتہ سیدھی سادی دبو قسم کی دیہاتی تھیں۔ اس لیے بلاچوں و چرا اماں بی کے رعب میں آگئیں۔

اپنی اکلوتی بیٹی عشرت جہاں کو، جسے بچپن سے ہی ان کے کراچی والے بھائی صاحب نے اپنے چھوٹے بیٹے اسرار احمد کے لیے مانگ رکھا تھا۔ اس لیے جہانگیر کے بعد بیاہ کر انہوں نے اس فرض سے بھی خود کو سبکدوش کر لیا۔

عالمگیر کے ہاں سب سے پہلے انیقہ کی آمد ہوئی۔ رائنہ پانچ سال بعد ہوئی تھی۔ ان پانچ سالوں میں بہت کچھ بدل چکا تھا۔ اسی بدلاؤ میں پہلی تبدیلی گھر میں ایک اور بیٹی کا اضافہ تھا۔ جو کہ عفرا تھی۔

اور دوسری تبدیلی جہانگیر کی ناگہانی موت!

سمجھو آسیہ بانو کی بدقسمتی کی ابتدا تھی۔

* * *

آسیہ فطرتاً" ایک اچھی خاتون تھیں۔ جہانگیر پڑھے لکھے تھے پھر بھی انہوں نے اپنی نیک فطرت سے ان کا دل جیت لیا تھا۔ عفرا کی آمد نے دونوں کی خوشیوں کے کارواں کو آگے بڑھایا ہی تھا کہ نئے مہمان کی خوشخبری نے ایک بار پھر دونوں کی خوشیوں میں تازگی کی روح پھونک دی۔

آسیہ سلیقہ مند تھیں۔ اماں بی کی ہر پکار پر بھاگ بھاگ کر لبیک کہتیں۔ پھر بھی نجانے ان میں ایسی کون سی کمی تھی جو اماں بی کو کھٹکتی تھی۔ ایک بار اماں بی نے انہیں بلی کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھا تو وہ واویلا مچایا کہ شیطان نے بھی ان کے غیض سے پناہ مانگی ہوگی۔

رات کو وہ چپکے چپکے آنسو بہاتی رہیں۔ جہانگیر نے انہیں تسلی دی اور دل جوئی کے لیے ابامیاں کی موت کا واقعہ سنایا۔

"تم آئندہ خیال رکھنا۔ اماں بی کا دل مت دکھانا۔ وہ جیسا کہتی ہیں تم ویسا کیا کرنا۔" آسیہ بانو نے میکانکی

انداز میں سرہلا دیا۔

لیکن اماں بی اتنی آسانی سے اس بات کو فراموش کرنے والوں میں سے نہیں تھیں۔ آسیہ بانو کی یہ چھوٹی سی خطا اماں بی کی نظر میں انہیں معتوب ٹھہرانے کے لیے کافی تھی۔ اماں بی کی کڑی نظروں کے حصار میں وہ گڑبڑا جاتیں اور ہر کام صحیح ہونے کے بجائے غلط ہو جاتا۔ ایک بار عفرا کے رونے کی آواز سن کر وہ آخری روٹی توے سے اتار کر بھاگیں تو واپس آکر توا چولہے سے اتارنا بھول گئیں۔ اماں بی نے جو شام کو یہ منظر دیکھا تو پورا گھر سر پہ اٹھا لیا۔ آسیہ اپنے آنسو پونچھتی رہیں۔ ادھر نیند سے ہڑبڑا کر اٹھنے کے باعث عفرا کا بھی رو رو کر برا حال تھا۔ اگلے دن اسے بخار ہو گیا۔

"دیکھا کر دیا ناں بچی کو بیمار — اب تو کلیجے میں ٹھنڈک پڑ گئی ناں منحوس! کتنی بار کہا ہے چولہے پر توا رکھا مت چھوڑا کرو۔ گھر میں بیماری پھیلتی ہے۔" ان کی لعن طعن شروع ہو چکی تھی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی کوئی وضاحت نہ دے سکیں۔

ثروت بیگم اور آسیہ دونوں ہی اماں بی کو خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتیں پھر بھی اماں بی کا برتاؤ اس جابر حکمران سے کم نہ ہوتا جس کے قبضے میں دو مفتوحہ علاقے آ گئے ہوں۔

"یہ دودھ لے لیجیے۔" آسیہ بانو نے جہانگیر کے ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھمایا۔ موسم گرما کے دن تھے۔ گھر کے تمام افراد صحن میں پلنگ بچھا کر سوتے تھے۔ وہ اپنے پلنگ پہ بیٹھے عالمگیر کے ساتھ کچھ کاروباری باتوں میں مصروف تھے۔ جب عفرا کو گود میں اٹھائے وہ بڑی پتیلی سے ان کے لیے دودھ نکال کر لے آئی۔ رات کو سونے سے قبل جہانگیر ایک گلاس دودھ پینے کے عادی تھے۔ اس کے بغیر انہیں نیند نہیں آتی تھی۔ مگر یہ دودھ انہیں ہمیشہ کی نیند سلانے کا سبب بن گیا۔

"کیا ہوا جہانگیر..... کیا ہوا؟" دودھ پیتے ہی وہ پیٹ پہ ہاتھ رکھ کر دوہرے ہوتے گئے۔ پاس بیٹھے عالمگیر نے بدحواس ہو کر انہیں تھامنا چاہا لیکن ان کے منہ سے جھاگ نکلنے لگے اور انہوں نے اپنے بھائی کے ہاتھوں میں دم توڑ دیا۔

اماں بی کے ہاتھوں سے تسبیح چھوٹ گئی۔

"جہانگیر....." وہ چلا کر اپنے لخت جگر کی طرف بڑھیں لیکن وہ ان کی کوئی بات سنے بغیر ہی اپنے آخری سفر کو روانہ ہو گئے۔

دودھ کی دیگچی کھلی رہ جانے کے سبب کوئی زہریلا کیڑا دودھ میں گر گیا تھا اور یہ چھوٹی سی لاپروائی ایک جیتے جاگتے انسان کو موت کی نیند سلا گئی۔

* * *

"تم ہو میرے بیٹے کی موت کے ذمہ دار! تمہاری لاپروائی کی وجہ سے میرا بیٹا اس دنیا سے چلا گیا۔" اماں بی نے سارا الزام آسیہ پر ڈال دیا۔

"تم ہی ہو منحوس! تمہاری نحوست میرے بیٹے کو نگل گئی۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہیں اماں! ہوش سے کام لیں۔" عشرت جہاں نے انہیں سنبھالنے کی کوشش کی۔

"چھوڑو مجھے۔ میں اسے بھی یہیں ختم کر دوں گی تاکہ میرے آشیانے کے باقی لوگ اس کی نحوست سے محفوظ ہو جائیں۔" وہ ہسٹریائی انداز میں اس پر جھپٹنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ثروت بیگم کے ساتھ ساتھ دیگر رشتے دار خواتین نے بھی انہیں تھام کر دور بٹھایا۔

"ہوش سے کام لو۔ تمہارے بیٹے کا آج سوئم ہے۔ گھر میں ایسے تماشے ہونے لگے تو دنیا کیا سوچے گی؟ کیوں اپنی جگ ہنسائی کروانے پہ تلی ہوئی ہو؟" ان کی سگی بھابھی انہیں دھیمے انداز میں سمجھانے لگیں۔

"دنیا کے آگے پردہ رکھنے کی ضرورت بھی نہیں مجھے۔ میں تو پوری دنیا کے سامنے اس کی اصلیت کا ڈھنڈورا پیٹوں گی۔ دفع ہو جاؤ میری نظروں سے۔ ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گی۔" اماں بی کی دھاڑ نے ان کی روح تک کو سہما دیا۔ اماں بی نے اگر بیٹا کھویا تھا تو سہاگ ان کا بھی اجڑا تھا۔

مگر اماں بی نے کہانی یوں بنائی کہ وہ اپنی جگہ چور سی بن گئی تھی۔

* * *

عدت کے دن پورے ہوتے ہی انہوں نے ایک خوب صورت گل گوتھنے بچے کو جنم دیا۔ اماں بی نے بڑی بے دردی سے ان سے وہ ننھا وجود چھین لیا۔

"یہ میری بیٹے کی آخری نشانی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے بچے پر اس منحوس کا سایہ بھی پڑے۔" ایک بار پھر وہ آپ سے باہر ہوئیں۔

اپنے نومولود بچے کی جدائی کو محسوس کر کے اس لمحے انہیں اماں بی کے درد کا ادراک ہوا کہ جنہوں نے اپنے جوان کڑیل بیٹے کو کھویا تھا۔

کہیں نہ کہیں اس سارے عمل میں ان کی غلطی بھی رہی تھی۔ اگر دودھ والے پتیلے کو انہوں نے ٹھنڈا کرنے کے لیے کھلا نہ رکھ چھوڑا ہوتا تو کوئی زہریلا کیڑا اس میں کیسے جاتا؟

آنکھیں میچ کر جیسے انہوں نے خود کو ایک درد سے گزارا تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے اماں بی؟" سدا کے نرم دل عالمگیر کے لبوں سے کمزور احتجاج ہوا۔

"مجھے اس کی صورت نہیں دیکھنی۔ اس سے کہو' ہمارے گھر سے نکل جائے۔ عفرا کو بھی ہم خود ہی سنبھال لیں گے۔" وہ خاموش گم صم کھڑی تھیں۔ ان کی زندگی کی دستاویز پر آخری مہر ثبت ہونے جا رہی تھی۔

آسیہ کو تو انہوں نے اپنی صفائی میں ایک لفظ بھی کہنے کی اجازت نہ دی تھی۔

مرنے سے پہلے تو جلاد بھی سولی پہ لٹکنے والے سے اس کی آخری خواہش پوچھتا ہے مگر ان کے سلسلے میں ایسی کوئی روایت نبھانے کی زحمت نہیں کی گئی۔ اماں بی نے اپنی مامتا کا بدلہ ان کی مامتا کا گلا گھونٹ کر لے لیا۔

اماں بی نے تو ان کے بیٹے کو اس کی نظروں سے کوسوں میل دور بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے بچہ اٹھا کر عشرت جہاں کے حوالے کر دیا۔ ان کی اپنی نمرہ ابھی ایک سال کی تھی۔

عشرت جہاں نے ماں کی حالت کو دیکھتے ہوئے کچھ نہ کہا۔

"یہ اماں بی نے ٹھیک نہیں کیا۔" غم اور ناراضی کے ملے جلے احساسات نے عالمگیر ملول کر دیا تھا۔

"یہ اس کی سزا ہے۔ اب ذرا اسے بھی تو پتا چلے کہ بیٹے کی جدائی کا زخم کیسا درد دیتا ہے۔" ثروت بیگم تنفر سے بولیں تو انہوں نے بیوی کو کڑی نظروں سے گھورا۔

"ایسی باتیں کرتے ہوئے تمہیں ذرا بھی خدا کا خوف نہیں ہو رہا۔ آخر تم بھی تو ایک ماں ہو۔"

"رہنے دیں یہ بلاوجہ کی ہمدردیاں۔ غضب خدا کا ایسی بھی کیا نادانی کہ زہر والا دودھ اٹھا کے شوہر کو پلا دیا۔ کل کو ایسی غلطی بیٹے کے ساتھ بھی کر دی تو؟" وہ اماں بی کی حمایت میں بول رہی تھیں۔

"لیکن بچے کی پرورش ہمارے اپنے گھر میں بھی تو ہو سکتی ہے۔ آخر کو وہ میرا بھتیجا ہے۔ کیسے اسے غیروں کے ہاتھ میں دے دوں۔ تم بھی تو ہو؟ کیا تم آذر کو نہیں سنبھال سکتیں۔"

"توبہ کریں۔ مجھ میں کہاں ہمت ہے دو دو بچوں کو سنبھالنے کی۔ انیقہ کو تو آپ جانتے ہی ہیں۔ کتنی شرارتی ہے۔ ویسے بھی اماں بی کا کہنا ہے وہ اپنے پوتے پر آسیہ کے وجود کا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔"

ثروت نے بات ہی ختم کر دی۔ عالمگیر کے پاس سوائے کف افسوس ملنے کے اور کچھ نہ رہا تھا۔ اماں بی کی شہنشاہیت کے آگے پہلے بھی انہوں نے کم ہی بولنے کی ہمت کی تھی۔ دوسرا جہانگیر کی ناگہانی موت کے بعد ان کی اپنی ذہنی حالت جس طرح ہو گی تھی۔ ایسے میں کچھ کہنا خطرناک ہو سکتا تھا۔

* * *

"تم نے اچھی طرح سوچ لیا ہے۔ تم کسی ناانصافی کا

حصہ نہیں بننے جا رہی ہو۔ تم ایک بھرے پرے سسرال سے تعلق رکھتی ہو۔ اگر کسی نے تم پر بے رحمی کا الزام لگایا۔ اماں بی کی ذات پر انگلی اٹھائی تو تمہارے پاس کیا جواب ہو گا۔" اسرار احمد ان کے فیصلے سے متفق نہیں تھے۔ اس لیے وہ انہیں دنیا کی اونچ نیچ سمجھا رہے تھے۔

"مجھے کسی قسم کا کوئی پچھتاوا نہیں ہو گا۔ میری ماں نے اپنا بیٹا کھویا ہے۔ میں اس فیصلے میں ان کا ساتھ دوں گی۔ جہاں تک لوگوں کا سوال ہے تو ان کے لیے میں نے سوچ لیا ہے۔ ہم اس بات کی خبر کسی کو نہیں ہونے دیں گے۔ یوں بھی آپ نے امریکا شفٹ ہونے کا پورا ارادہ کر لیا ہے۔ کچھ دنوں بعد ہم روانہ بھی ہونے والے ہیں۔ ہم یہاں سب کو یہی بتائیں گے کہ آذر ہماری اپنی اولاد ہے۔ میرے گھر والوں کے علاوہ اور کسی کو کبھی بھی یہ پتا نہیں چل پائے گا کہ آذر میرا سگا بیٹا ہے یا بھتیجا۔" وہ تو جیسے ہر معاملہ سوچ بیٹھی تھیں۔

"لیکن اتنا بڑا جھوٹ' وہ بھی اپنوں سے۔" اسرار احمد کچھ ہچکچاہٹ کا شکار تھے۔

"جھوٹ ہے تو جھوٹ سہی۔" عشرت جہاں جھٹ سے بولیں اور پھر کسی نہ کسی طرح اگلے ایک ہفتے میں انہوں نے اسرار احمد کو اپنا ہم نوا بنا ہی لیا۔ جب وہ آذر کو لے کر نیویارک کے لیے روانہ ہو رہی تھیں تو اسرار احمد کے دل میں ذرا بھی شرمندگی یا ملال نہیں تھا مگر کوئی نہ جانتا تھا وہ لمحے ایک ماں پر کتنے بھاری تھے۔

عفرا کے ننھے وجود کو بھینچ کر وہ اس قدر گھٹ گھٹ کر روئیں جیسے آج ہی سارے آنسو ختم کر دینے کی تمنا ہو۔

آذر کو چھین لینے کے بعد بھی اماں بھی کے انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی۔ وہ تو عفرا کو بھی اس کے سائے سے دور رکھنا چاہتی تھیں۔ مگر عفرا کے رونے اور ضدی پن سے بے زار ہو کر اماں بی نے جلد ہی اس پر بٹھائے سارے پہرے اٹھا دیے۔

آسیہ کے لیے عفرا کی موجودگی زندگی کی نوید سے کم نہ تھی۔ وہ اسے دیکھ دیکھ کر جیتیں۔ عالمگیر نے انہیں اوپر ہی کمرہ اور کچن سیٹ کر دیا تھا۔ نیچے ان کا آنا ممنوع تھا۔ کیونکہ اماں بی ان کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہ تھیں۔

آذر کی جدائی ایک ایسا زخم تھا۔ جس پر تئیس برس گزرنے کے باوجود بھی کھرنڈ نہ آیا تھا۔ وہ آج بھی تازہ تھا۔ لمحہ بہ لمحہ اس کی یادیں' اس کا خیال' اس کی جدائی کے غم کو بھولنے نہ دیتا تھا اور بھولتیں بھی کیونکر کہ اولاد بھلانے کی چیز نہیں ہوتی۔ آذر کو گود لینے کے بعد عشرت جہاں نے سدرہ کو جنم دیا مگر عشرت جہاں کی سسرال میں کوئی نہ جانتا تھا کہ آذر ان کی نہیں بلکہ جہانگیر کی اولاد ہے۔ ان کے اپنے بچوں کو بھی نہیں پتا تھا ان کی بڑی بیٹی نمرہ کی شادی ان کے بڑے جیٹھ کے بیٹے وہاب سے طے تھی۔ سب کی خواہش تھی کہ یہ شادی ان کے آبائی گھر میں ہو۔ اس لیے ان سب کی پاکستان آمد لازمی ہو گئی تھی۔ عفرا نے جب سے یہ خبر سنی تھی' اس سے اپنی خوشی سنبھالی نہیں جا رہی تھی۔ اسے معلوم تھا اماں بی کبھی نہیں چاہیں گی کہ آذر لاہور آئے اور آسیہ بانو اپنے بچھڑے بیٹے کی ایک جھلک دیکھ پائیں۔ اس لیے اسے کسی نہ کسی طرح اس شادی میں شرکت کے لیے کراچی جانا تھا۔ وہ ایک بار اپنے بھائی کو دیکھنا چاہتی تھی۔ اس سے ملنا چاہتی تھی۔

* * *

"کوئی مہمان آئے ہیں کیا؟" وہ نیچے آئی تو کچن میں کانچ کے اضافی برتن دیکھ کر اس نے چولہے کے پاس کھڑی انیقہ سے دریافت کیا۔ مگر وہ فروٹ چاٹ کے لیے سیب چھیلنے میں اس قدر مصروف تھی کہ اس کی بات کا جواب تک دینا ضروری نہ سمجھا۔

"امی کہہ رہی ہیں ناشتا تیار ہے تو برائے مہربانی لے کر آجائیے۔" رائنہ نے کچن میں جھانک کر ثروت بیگم کا پیغام پہنچایا تو عفرا نے روئے سخن اس کی جانب موڑا۔

"کون آیا ہے؟"

"یہ بھی بھلا پوچھنے والی بات ہے۔ انیقہ بی بی کی مستعدی اور جان توڑ محنت وہ بھی خوش گوار موڈ میں دیکھ کر ہی آپ کو سمجھ جانا چاہیے تھا کہ ان کی پیاری ساس صاحبہ اور ہماری چہیتی خالہ جان تشریف لائی ہیں۔" رائنہ اطلاع دے کر غائب ہو گئی۔ مبادا انیقہ اسے کسی کام سے ہی نہ لگا دے۔

وہ پیکٹوں سے نمکو نکال کر پلیٹوں میں رکھنے لگی۔ نمکو، کولڈ ڈرنک، فروٹ چاٹ، سموسے، کباب کتنا اہتمام تھا ان کی نزدیک سے آئی خالہ کے لیے اور کل اماں بی کے مہمان کے آگے صرف چائے جا کر رکھ دی وہ بھی اتنی گرمی میں، کسی کو ایک کولڈ ڈرنک منگوانے کا خیال تک نہیں آیا۔

تمام چیزیں ٹرے میں رکھتے ہوئے نجانے کیوں یہ سوچ خود بخود اس کے دماغ میں آگئی۔

"میں ایک ٹرے لے جا رہی ہوں۔ پلیز یہ دوسری ٹرے تم لے آؤ۔" ایک ٹرے اسے تھما کر اس کا جواب سنے بغیر ہی وہ کچن سے نکل گئی۔ عفرا نے ٹرے اٹھا کر باہر کی جانب قدم بڑھائے، تب ہی دروازے میں اچانک نمودار ہونے والے بندے سے ٹکرا گئی۔

ٹرے چھوٹتے ہی کولڈ ڈرنک کے چار گلاسوں سمیت کباب اور چپس بھی فرش پہ بکھر گئے۔ وہ ہراساں نظروں سے کانچ اور بکھرے کبابوں کو دیکھنے لگی۔

"آئم رئیلی سوری۔ وہ مجھے پیاس لگی تھی۔ میں تو کچن سے پانی لینے کے لیے آیا تھا۔" شاہ زیب کی شرمندگی سے بھرپور معذرت سن کر بھی اس کے چہرے کے تاثرات نہ بدلے۔ وہ غالباً اپنے دوست کی مہندی کے فنکشن میں جا رہا تھا۔ کولڈ ڈرنک کے چھینٹے اس کے سفید کرتے کو بھی کئی جگہوں سے داغ دار بنا گئے تھے۔

"اب کیا ہو گا۔" انیقہ کے ہاتھوں اپنی متوقع تواضع کا خیال ہی اس قدر خوف زدہ تھا کہ اس کی آنکھوں میں پانی آگیا۔

"ہائے پھوہڑ لڑکی! یہ کیا کر دیا تم نے؟" اس کی بدقسمتی کہ اسی وقت ثروت بیگم اس طرف آنکلیں اور یہ منظر دیکھ کر اس پہ ٹوٹ پڑیں۔

"کام کرنے کا ڈھنگ نہیں ہے تو کام میں ہاتھ ہی کیوں ڈالتی ہو؟ کتنی محنت سے بنایا تھا۔ ساری چیزوں کا ستیاناس کر دیا اور اب کھڑی کھڑی نظارے سے لطف اندوز بھی ہو رہی ہو۔" شاہ زیب کی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر وہ بے نقط سنائے چلی گئیں۔

"میں تو بھول ہی گئی، میری بیٹی کے سسرالیوں کو دیکھ کر اپنے حسد پہ قابو پانا مشکل ہو جاتا ہو گا نا۔ یہ گری ہوئی حرکت کر کے تم نے تو سوچ لیا ہو گا کہ مہمانوں کے آگے ہماری عزت گھٹ جائے گی۔ پر بی بی! یہاں معاملہ صرف ساس بہو کا نہیں۔ بلکہ خالہ بھانجی کا بھی ہے۔ اس لیے اپنے یہ اوچھے ہتھکنڈے بند کر دو۔"

ثروت بیگم بات کو کہاں سے کہاں لے گئیں۔ یہ دوسری بار ہوا تھا۔ اس شخص کے سامنے اس کی اچھی خاصی درگت بن گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"ایک سیکنڈ آنٹی..... ایکچوئلی قصور میرا....." شاہ زیب نے صورت حال کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے مداخلت کرنا چاہی تو ثروت بیگم کو اس کے اجلے اجلے کرتے پر کولڈ ڈرنک کے نمایاں دھبے دیکھ کر دوبارہ غصہ آگیا۔

"ہائے! تمہارے کپڑے بھی خراب کر دیے نا۔ عفرا! تمہیں کب عقل آئے گی۔ تمہیں اتنا بھی نہیں پتا کہ چلتے وقت آنکھیں کھلی رکھتے ہیں۔ چلو اب فٹافٹ یہ سارا فرش صاف کرو۔ چلو بیٹا! تم کپڑے تبدیل کر لو۔" اسے صفائی کی ہدایت دے کر وہ شاہ زیب کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے لے گئیں۔ عفرا نے تھکے تھکے انداز میں ٹرے رکھ کر جھاڑو اٹھائی۔

فرش سے ٹوٹے کانچ چنتے وقت نامعلوم سی اداسی اسے اپنے رگ و پے میں اترتی محسوس ہوئی۔

* * *

"کون ہے وہاں؟" آسیہ بانو کو سیڑھیوں کے پاس کوئی ہیولا سا نظر آیا تو کچن کی طرف جاتے جاتے رک کر پوچھا۔ آج ہی تو بلب فیوز ہو گیا تھا۔ اس لیے گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

"میں شاہ زیب۔" شاہ زیب کے انداز میں جھجک تھی۔ آج شام جو کچھ بھی ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے دل میں بے حد شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔ مہندی کے فنکشن میں تمام وقت وہ ندامت کے احساس میں گھرا رہا۔ عفرا کو پڑنے والی تمام ڈانٹ کا ذمہ دار وہ خود کو سمجھ رہا تھا۔

"شاہ زیب.... آؤ بیٹا! اندر آؤ۔ وہاں کیوں کھڑے ہو؟" عفرا سے انہیں کراچی سے آئے اس مہمان کے بارے میں پتا تو چلا تھا مگر ملی ابھی تھیں۔ وہ ان کی تقلید کرتے ہوئے وہ اندر کمرے میں آ گیا۔ اسے اچانک اپنے کمرے میں آتا دیکھ کر عفرا سیدھی ہو بیٹھی۔

"میں دراصل ان سے معافی مانگنے آیا ہوں۔ آج میری وجہ سے انہیں خوامخواہ ہی ثروت آنٹی سے ڈانٹ پڑ گئی۔ حالانکہ غلطی سراسر میری تھی۔ لیکن ثروت آنٹی نے مجھے کچھ بھی کہنے کا موقع ہی نہ دیا۔"

شرمندہ شرمندہ سا وہ اسے براہ راست مخاطب کرنے کے بجائے آسیہ بانو کو پوری کہانی سنا رہا تھا۔ عفرا نے اپنا سر پیٹ لیا۔ وہ تو ایسا کوئی ذکر کبھی بھی ماں سے نہ کرتی تھی اور وہ بڑے مزے سے پورا واقعہ سنانے میں مصروف تھا۔

"کوئی بات نہیں بیٹا! وہ عفرا کی بڑی ہیں۔ اگر بڑے ڈانٹیں گے نہیں تو بچوں کو ان کی غلطیوں کا احساس کیسے ہو گا۔" آسیہ بانو نے سہولت سے معاملے کو سنبھالا۔ شاہ زیب کو ان پہ حیرت ہوئی۔

"تم بیٹھو بیٹا! میں آتی ہوں۔" آسیہ بانو اس کے لیے بادام والا شربت بنانے چلی گئیں تو اس نے پھر سے عفرا کو مخاطب کیا۔

"آئی ایم سوری۔"

"اٹس اوکے۔" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

"مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگا۔ ثروت آنٹی کا آپ کو اس طرح ڈانٹنا۔"

وہ کچھ الجھا ہوا تھا۔ ثروت جہاں نے جس توہین آمیز انداز میں اس کے لتے لیے تھے۔ وہ اس سے ہضم نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس سے پہلے اماں بی بھی ایک بہت ہی معمولی بات پر اسے ٹھیک ٹھاک رگید چکی تھیں۔ آخر اس معصوم صورت والی لڑکی نے ان کا کیا بگاڑا تھا کہ سب یوں اس پہ بھڑک اٹھتے تھے۔

اسے پوچھنا مناسب نہیں لگا تو اٹھنے لگا۔

"ارے بیٹھو بیٹا! شربت تو پیتے جاؤ۔" اسی وقت آسیہ بانو نے آ کر شربت کا گلاس اسے پیش کیا تو وہ انکار نہ کر سکا۔

"تھینک یو۔ شربت بہت اچھا تھا۔" تعریف کے معاملے میں وہ کبھی کنجوسی نہیں کرتا تھا۔

* * *

"بی اے تو تم نے بہت اچھے نمبروں سے پاس کیا ہے بیٹی! اگر آگے پڑھنا چاہو تو پڑھ سکتی ہو۔" عفرا کا بی اے کا رزلٹ آیا تو عالمگیر نے اسے بلا کر پیار سے کہا۔

"نہیں تایا ابا! مجھے آگے پڑھنے کا کوئی شوق نہیں۔" اس نے مسکرا کر انکار کیا۔

"سچ کہہ رہی ہو۔ کہیں اس لیے تو انکار نہیں کر رہی ہو کہ تم خود کو کسی کے بوجھ تلے...." وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھنے لگے مگر عفرا نے بے چین ہو کر ان کی بات منقطع کر دی۔

"نہیں تایا ابا! ایسی کوئی بات نہیں۔" عالمگیر اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کے چلے گئے۔

"کیا ہوا اماں! آپ رو رہی تھیں؟" اس نے آسیہ کی سوجی آنکھیں دیکھ کر سوال کیا۔

"آنکھ میں تنکا چلا گیا ہے شاید۔" انہوں نے منہ دوسری جانب پھیر لیا۔

"آج آذر کی برتھ ڈے ہے نا اماں؟" ایک پھیکی سی مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کا احاطہ کیا۔

بہت سال پہلے گیارہ اگست کو اس نے انیقہ کو فون پر "ہیپی برتھ ڈے آذر" کہتے سنا تھا۔ وہ دن اسے آج

بھی یاد تھا۔

"مجھے کیا پتا تیری پھپھو کے بچوں کی سالگرائیں کب ہوتی ہیں؟" انہوں نے چڑ کر کہا۔ جہانگیر کے انتقال کے بعد اماں بی کا انہیں اپنے بیٹے کی موت کا ذمہ دار ٹھہرانا اور اس کا انتقام آذر کو ان سے چھین کر لینا ماضی کی ایک تلخ حقیقت تھی مگر یہ بھی سچ تھا کہ گزرتے ماہ و سال میں ان کے ذہن نے اس سچائی کو قبول کر لیا تھا کہ آذر اب صرف اور صرف عشرت جہاں کا بیٹا ہے۔

* * *

"آج کی شام کتنی اداس اور بے کیف سی ہے۔" عفرا نے چارپائی پہ لیٹے لیٹے آسمان کی زردیوں کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

سامنے والی دیوار پہ کوے منڈلا رہے تھے اور چڑیاں پھدک رہی تھیں۔ اس نے چارپائی سے اٹھ کر منڈیر پہ جھک کر نیچے جھانکا۔ آنگن سونا پڑا تھا۔ ثروت بیگم اپنے تمام بچوں کو لے کر میکے گئی ہوئی تھیں۔ ان کے ایک بھائی جدہ میں ہوتے تھے۔ ان کے آنے کی خوشی میں ان کی والدہ نے اپنی تمام اولادوں کو ان کے بچوں سمیت رات کے کھانے پہ مدعو کیا تھا۔ ان سب کو دیکھ کر اکثر عفرا کے دل میں بھی یہ کسک جاگتی تھی کہ کاش وہ بھی رشتوں کے ایسے محبت بھرے بندھن سے بندھی ہوتی۔

"اماں! کیا میرے ننھیال میں کوئی نہیں۔ نانا' نانی' ماموں یا خالہ؟" ایک بار بچپن میں اس نے سوال کیا تھا۔

"ان سب رشتوں کی کمی تمہیں ہی نہیں مجھے بھی محسوس ہوتی ہے۔ میں اکلوتی تھی۔ چھوٹی تھی جب ابا کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ میری شادی کے بعد امی صرف دو سال ہی جی سکیں۔ جب تمہارے ابا کا ساتھ چھوٹا تو ایسا کوئی بھی مخلص نہیں تھا جس کے کندھے پہ سر رکھ کے میں رہ سکتی تھی۔" انہوں نے بے حد الجھے ہوئے انداز میں نجانے یہ وضاحت اسے دی تھی یا خود کو۔

مغرب کی اذان کے بعد اماں بی نے اسے پکار لیا۔

"اس کمبخت بلی کو یہاں سے بھگاؤ۔ کتنی دیر سے اپنی منحوس آواز میں روئے جا رہی ہے۔" اماں بی کی پکار پہ عفرا نیچے چلی آئی۔

ملگجے اندھیرے میں وہ جامن کے درخت کے نیچے ڈنڈا پکڑے، بچوں کی کہانیوں کی بوڑھی چڑیل کی طرح لگ رہی تھیں۔

"وہ اوپر والی ٹہنی پہ بیٹھی ہے منحوس۔ جلدی بھگا اسے۔" ڈنڈا اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے انہوں نے ایک ٹہنی کی طرف اشارہ کیا۔

عفرا کا دردمند دل اس کے لیے راضی نہیں تھا مگر اماں بی سے اختلاف کی گنجائش ماضی کے تلخ واقعات نے چھوڑی ہی کہاں تھی۔ ٹہنی پہ اندھا دھند ڈنڈا برساتے ہوئے اس نے جہاں بلی کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

اماں بی مطمئن ہو کر نماز کے لیے نیت باندھنے لگیں۔

"کیا مخلوق خدا سے نفرت کرنے والوں' ان پر ظلم ڈھانے والوں کی نمازیں قبولیت کا شرف حاصل کرتی ہوں گی؟"

اماں بی پر ایک نظر ڈالنے کے بعد اسے افسوس ہونے لگا۔

شاہ زیب کی واپسی ہو چکی تھی۔ اس کی روانگی ثروت بیگم کے لیے کسی صدمے سے کم نہ تھی کہ رائنہ اپنے بودے پن میں اسے اپنی کسی ایک بات سے بھی متاثر نہ کر سکی تھی۔

"کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہیں اماں! ایسے بڑے میاں بنے پھرتے لوگ مجھے قطعی پسند نہیں ہیں۔ کل میں نے ایک بار مسکرا کے ان کی طرف دیکھا تو جواباً ایسی نرمی و شفقت سے مسکرائے جیسے میں چار سال کی بچی ہوں۔ برائے مہربانی ایسے ابا ٹائپ لوگوں سے آپ مجھے دور ہی رکھا کریں۔" اس نے کھٹاک سے کتاب بند کر کے جواب دیا تو ناجیہ اور رانیقہ کی کھی کھی دیر تک سنائی دیتی رہی۔

"کم عقل پھوہڑ لڑکی۔" ثروت جہاں نے اسے ان

القابات سے نوازا تھا۔

* * *

تین ماہ کیسے گزر گئے اسے کچھ پتا ہی نہ چلا۔ اچانک اسے اڑتی اڑتی خبر ملی کہ پھپھو اپنی فیملی سمیت ایک ہفتے کے بعد کراچی آنے والی ہیں۔ نمرہ کی شادی کی تاریخ انہوں نے فون پر ہی طے کرلی تھی۔ ان کے آنے کے ایک ہفتے بعد شادی کے فنکشن شروع ہوجائیں گے۔ سب نے کراچی جانے کی تیاریاں پکڑیں تو عفرا کے اندر بے چینیاں بھر گئیں۔ وہ بھی کراچی جانا چاہتی تھی مگر کسی نے اسے جھوٹے منہ بھی چلنے کو نہیں کہا تھا۔

آذر سے ملنے کا یہ موقع وہ ہرگز گنوانا نہیں چاہتی تھی۔ اسے لگ رہا تھا اگر اس بار وہ کراچی نہیں گئی تو شاید زندگی میں پھر کبھی وہ اپنے بھائی سے نہ مل سکے گی۔

"تایا ابا! میں بھی کراچی جانا چاہتی ہوں۔ مجھے پھپھو سے ملنے کا بہت شوق ہے۔" مایوسی کے اس گھپ اندھیرے میں تایا ابا کا وجود اس کے لیے امید کا چراغ بن کے سامنے آیا تھا۔ وہ جانتی تھی۔ اس کے تایا ابا کبھی بھی اس کی بات نہ ٹالیں گے۔

دوسرے دن تایا ابا نے اسے اپنا سامان پیک کرنے کے لیے کہا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اماں بی کو انہوں نے کیسے منایا ہوگا۔ اسے بس اتنی خبر تھی کہ وہ اس کے جانے سے خوش نہیں تھیں۔

"تم وہاں جاکر کیا کروگی؟" آسیہ بانو اسے کراچی بھیجنے کے حق میں نہ تھیں۔

"مجھے پھپھو سے ملنے اور کراچی دیکھنے کا بہت شوق ہے۔" اس نے بیگ میں اپنے سوٹ رکھتے ہوئے مطمئن انداز میں جواب دیا۔

"تم سچ کہہ رہی ہو۔" انہوں نے عفرا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جانب موڑا۔

"ہاں اماں! کیا آپ کو مجھ پہ یقین نہیں ہے؟" ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس نے حددرجہ اعتماد کے ساتھ کہا تو انہوں نے اس کی جانب سے رخ پھیر لیا۔ انہیں جو خدشات لاحق تھے ان سے وہ اچھی طرح آشنا تھی۔ انہیں خوف تھا کہ وہ آذر کو حقیقت حال بتا کر اس کی اچھی خاصی زندگی میں طوفان کھڑا کر دے گی۔ جس کے بعد قیامت ایک بار پھر ان کے گھر کا رستہ دیکھ لے گی۔ عفرا نے انہیں اس موضوع پہ کسی قسم کی کوئی صفائی دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

کراچی اماں بی، عالمگیر، ثروت اور رائنہ ہی جارہے تھے۔ ناجیہ اور دانش سالانہ پیپرز کی وجہ سے گھر میں ہی تھے۔ ان کی سہولت کے لیے انیقہ بخوشی ان کے ساتھ ٹھہرنے کے لیے راضی ہوگئی تھی۔ آسیہ بانو تو یوں بھی ان کے ساتھ ہی تھیں۔ رات کے لیے البتہ عالمگیر صاحب نے بطور خاص ان کے ماموں کو گھر پہ بچوں کے ساتھ آکر ٹھہرنے کی درخواست کی تھی۔

* * *

کراچی پہنچ کر عفرا کی تمام تر امیدوں پر پانی پھر گیا۔ کیونکہ آذر پاکستان نہیں آسکا تھا۔ اس کے ایم بی اے کے پیپرز ہورہے تھے۔

اب اس کی سمجھ میں آرہا تھا کہ اماں بی نے اس کے جانے پر شدید مخالفت کے بجائے ہلکا سا احتجاج کیوں کیا تھا۔ پھپھو نے اسے پیار سے گلے لگایا۔ ان کی بیٹیاں بھی خوش دلی سے ملیں۔

نمرہ نے تو کسی حد تک پھپھو کے ہی نقش چرائے تھے۔ سدرہ اس سے مختلف تھی۔ بھورے بھورے لمبے لمبے بال گوری رنگت اور نیلی آنکھوں کے ساتھ جینز اور ٹی شرٹ اسے مکمل طور پر مغربی بنا رہا تھا۔

وائٹ پیلس کے تین پورشن تھے۔ ایک پورشن میں پھپھو کے بڑے جیٹھ وجاہت احمد اپنی فیملی سمیت رہتے تھے۔ دوسرا پورشن چھوٹے جیٹھ رضا احمد کا تھا۔ رضا احمد کی بیٹیوں کی شادیاں ہوچکی تھیں۔ بیٹے شاہ زیب نے سول انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی تھی۔ وہ اپنے دادا کی کنسٹرکشن کمپنی سنبھالتا تھا۔

تیسرا پورشن عشرت جہاں کا تھا۔ وہ چونکہ مستقل طور پر امریکا میں سیٹل تھے۔ سو ان کا پورشن زیادہ تر بند ہی رہتا تھا اور صرف اسی وقت کھلتا جب وہ کچھ دنوں کے لیے پاکستان آتے۔ ان کی دونوں بڑی جٹھانیاں اچھی اور ملنسار تھیں۔

ہونٹوں پہ زبردستی مسکراہٹ سجائے عفرا بادل ناخواستہ سب سے ملتی رہی۔ جب سب ادھر ادھر ہوئے تو وہ چپکے سے لان میں آگئی۔ گیندے کے پھولوں کی کیاری کے پاس باؤنڈری وال کی طرف منہ کیے وہ کتنی دیر تک آنسو چھپانے کی لاحاصل سعی کرتی رہی۔ اسے لگ رہا تھا کہ نمرہ کی شادی کی تاریخ بھی انہوں نے جان بوجھ کر ایسی رکھی تھی کہ آذر اپنے ایگزامز کی وجہ سے پاکستان نہ جا سکے۔ کیونکہ اماں بی سمیت پھپھو اور پھوپھا میں سے کوئی بھی نہیں چاہتا تھا کہ اسے حقیقت کا علم ہو۔ اماں بی تو ابھی تک حسد اور انتقام کی آگ میں جل رہی تھیں۔ عشرت جہاں اور اسرار احمد البتہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا ہنستا بستا گھر آگہی کے عذاب سے زہر آلود ہو جائے۔

”ایکسکیوز می“ اس کے پیچھے ایک بے حد جانی پہچانی آواز گونجی۔ انگلی کی پور سے آنسو صاف کر کے وہ فوراً سیدھی ہوئی تو سامنے شاہ زیب کو کھڑا پایا۔

”السلام علیکم۔“ شناسائی کا لحاظ کرتے ہوئے عفرا نے سلام کیا۔ تین مہینے پہلے ہی تو وہ ان کے یہاں سے ہو کر گئے تھے۔

”وعلیکم السلام۔“ سلام کا جواب دے کر وہ اسے غور سے دیکھنے لگا۔

”آپ رو رہی ہیں؟“ اس کی نم آنکھیں دیکھ کر شاہ زیب نے کہا۔

”نہیں تو۔“ اس کی پلکیں پھڑپھڑا اٹھیں۔ ادھر ادھر دیکھ کر اس نے اپنی آنکھوں کے تاثر کو زائل کرنے کی کوشش کی تھی۔

”میں چلتی ہوں۔ اماں بی مجھے ڈھونڈ رہی ہوں گی۔“ اس کی کھوجتی آنکھوں کی تاب نہ لاتے ہوئے اس نے پھپھو کے پورشن کی طرف قدم موڑ دیے۔ شاہ زیب نے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ عفرا کی مضطرب آنکھیں اور پیشانی پر تفکر کی لکیر دیکھ کر وہ یہ سوچنے پر مجبور ضرور ہو گیا تھا کہ اس لڑکی کے ساتھ کوئی مسئلہ ضرور ہے۔

* * *

اس بار عشرت بڑے عرصے بعد پاکستان آئی تھیں۔ تمام افراد کے لیے انہوں نے بطور خاص بہت قیمتی گفٹس لیے تھے۔ عفرا کو بھی انہوں نے ایک بے حد نفیس گھڑی دی۔ اس کی پھپھو اماں بی کی نسبت کافی نرم دل تھیں۔ وہ ان سے پہلی بار مل رہی تھیں۔ لیکن انہوں نے ذرا احساس نہ ہونے دیا تھا۔

”چل لڑکی! یوں بت بنی کاہے کو بیٹھی ہے۔ تیری پھپھو نے دوبار کھانے کے لیے کہلا بھیجا ہے۔“ سنگل بیڈ کی پٹی سے ٹیک لگائے وہ بہت دیر سے بظاہر سامنے والی دیوار پہ لگی پینٹنگ کو دیکھ رہی تھی۔ مگر حقیقتاً اس کی سوچ کہیں اور ہی تھی۔

”جی اماں بی!“ اس نے آہستگی سے اٹھ کر اماں بی کا ہاتھ تھاما اور انہیں ڈائننگ ہال کی طرف لے جانے لگی۔ یکایک اماں بی کی چیخ نکل گئی۔

سدرہ اپنی گود میں ایک بھوری بلی کو بٹھا کر دودھ پلا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ خوب پیار بھی کر رہی تھی۔ یہ دیکھ کر تو عفرا بھی سکتے کی سی کیفیت میں آگئی تھی۔

”کیا ہوا اماں بی!“ وہ اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے سخت نظروں سے عشرت جہاں کو دیکھ رہی تھیں۔ جیسے کہہ رہی ہوں یہ تربیت دی ہے اپنی بچیوں کو۔

اماں بی کی آنکھوں میں دکھتی واضح نفرت اور ناپسندیدگی عشرت کو سب کچھ سمجھا گئی۔

”سدرہ! اماں بی بلیوں سے الرجک ہیں۔ تم اپنی پلیٹ اور مانو کو لے کر اپنے روم میں چلی جاؤ۔“

”اوہ اچھا۔“ وہ فوراً اپنی پلیٹ اٹھائے بغل میں بلی کو دبائے اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ عشرت نے اٹھ کر فوراً ہی وہ جگہ جہاں بلی بیٹھی تھی، صافی سے

صاف کر کے ایک دوسری کرسی کے آگے اماں بی کے لیے پلیٹ رکھی۔

"آئیں اماں بی۔ دیکھیں آپ کی پسند کے **نرگسی** کوفتے بنائے ہیں۔" عشرت اپنی آواز کو خوش گوار بناتے ہوئے بولیں۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔ عفرا! مجھے میرے کمرے تک چھوڑ آؤ۔" اماں بی کورا جواب دے کر اپنے کمرے کی طرف روانہ ہوئیں۔ عشرت سمجھ سکتی تھیں' یہ ان کی ناراضی کا اظہار ہے۔ وگرنہ رات کا کھانا تو وہ دوائیں لینے کی وجہ سے ضرور کھاتی تھیں اور آج تو انہوں نے خود کہہ کر **نرگسی** کوفتے بھی بنوائے تھے وہ شرمندہ ہو رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد وہ ہمت کر کے ان کے پاس پہنچیں۔ انہیں منانے کی کوشش کی مگر اماں بی ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ بالاخر کافی منانے کے بعد وہ عفرا کے ہاتھ سے بنی کھچڑی کھانے پر شکل رضامند ہوئیں۔

* * *

خوب صورت شام میں لان کا کونا کونا رنگ برنگے **قمقموں** سے جگمگا رہا تھا۔ سجے سجائے اسٹیج پر پھولوں سے لدی کرسی پہ بیٹھی نمرہ ابٹن کی رسم کرواتے ہوئے شرم وحیا کے تمام رنگ چہرے پہ سموئے بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اس کے پہلو میں بیٹھا وہاب چپکے چپکے نظر ڈال کے اس کے خیرہ کن حسن سے محظوظ ہو رہا تھا۔ عفرا ایک کرسی پہ بیٹھی اس منظر کو بہت پیار سے دیکھ رہی تھی۔

"اسے پکڑنا ذرا میرا فون آرہا ہے۔" دائیں کان سے سیل فون لگائے سدرہ نے مٹھائی کا بڑا سا ٹوکرا اسے تھامنے کو دیا تو اس نے فوراً" وہ ٹوکرا اس سے لے کر دوسری خالی کرسی پہ منتقل کیا۔

"آج نمرہ کی مایوں ہے بھائی! وہ بہت خوب صورت لگ رہی ہے۔" اسٹیج سے آنے والے شور سے بچنے کے لیے اس نے ذرا اونچی آواز میں کہا تھا۔ لفظ بھائی پہ عفرا کے کان کھڑے ہو گئے۔

"وہاب بھائی بھی بہت خوش ہیں۔ انہیں اتنا تنگ کیا مت پوچھیں کتنا مزا آرہا تھا' وہ بھی خوب چڑ رہے تھے۔"

وہ مزے لے لے کر اسے آج کی روداد سنا رہی تھی ۔

"یہاں بھی سب لوگ بہت اچھے ہیں۔ لاہور سے اماں بی اور ماموں بھی آئے ہیں۔ فرسٹ ٹائم اپنی فیملی کے تمام افراد کے ساتھ کچھ دن گزارنے کا موقع ملا ہے۔ میں تو ہر چیز انجوائے کر رہی ہوں۔ کیا؟ نہیں لاہور جانے کا کوئی پروگرام نہیں۔ سب سے یہیں مل لیے ہیں۔ پھپھو بھی آج آگئی ہیں۔ پھر وہاں جانے کی کیا ضرورت؟ اچھا بھائی! بعد میں فون کرنا۔ بہت شور ہو رہا ہے۔ ہاں نمرہ بارہ تک فارغ ہو جائے گی۔ پھر اس سے بات کر لیجیے گا۔ او کے میں بند کر رہی ہوں۔ اللہ حافظ ہاں ہاں بھئی میں ننھی بچی نہیں ہوں۔ اپنا خیال رکھوں گی۔" ان کا رابطہ منقطع ہو گیا۔

عفرا کو یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ اس کا بھائی کتنا کیئرنگ ہے۔ مغربی ماحول میں پرورش پانے کے باوجود بھی وہ مکمل طور سے ایک مشرقی بھائی تھا۔ بہنوں سے پیار کرنے والا ان کے متعلق فکر مند رہنے والا۔

اسے پیاری سی سدرہ پر بھی بے تحاشہ پیار آیا کہ جس کے ہر ہر انداز سے اسے آذر کے لیے پیار جھلکتا محسوس ہوا۔

"میرے بھائی کا اتنا خیال رکھنے کے لیے میں تہ دل سے تمہاری مشکور ہوں۔" مٹھائی کے ٹوکرے کو سنبھال کے اٹھاتی سدرہ کو دیکھتے ہوئے اس نے دل میں سوچا اور پھر اپنی بات پہ اسے خود ہی ہنسی آگئی۔

"عفرا پلیز یہ میرا دوپٹا ٹھیک کرنا ذرا۔" دونوں ہاتھوں میں مٹھائی کا ٹوکرا تھامے اس نے ہلکی سی بے بسی کے ساتھ اپنے ڈھلکتے آنچل کو دیکھا۔

"کیوں نہیں۔" عفرا نے کھڑے ہو کر اس کا دوپٹا شانوں پہ ٹھیک کیا۔

"ایکچوئلی مجھے دوپٹا لینے کی عادت نہیں نا۔" وہ تو نمرہ کا ابٹن ہے اس لیے سب کی دیکھا دیکھی میں نے

بھی یہ کلچرل سوٹ پہن لیا۔" عفرا ہنس پڑی۔

"اس لیے مشکل ہے۔ اگر لیتی رہو گی تو عادت ہو جائے گی۔ ویسے اس سوٹ میں تم بہت پیاری لگ رہی ہو۔" اس نے کوئی مبالغہ آرائی نہیں کی تھی۔ وہ واقعی بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"تھینک یو سو مچ۔" "کم تو تم بھی نہیں لگ رہی ہیں۔ مگر ایک بات ہے جو میں نوٹ کر رہی ہوں۔ تم تھوڑا الگ تھلگ رہنا پسند کرتی ہو۔" عفرا نے اسے چونک کر دیکھا۔ اور دھیمے سے مسکرا دی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ دراصل میرے لیے ماحول نیا ہے نا اور لوگ بھی انجان۔ اس لیے میں کسی سے ابھی تک فری نہیں ہو پائی۔" اس نے سہولت سے بات بنائی۔

"یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ مجھے دیکھو میرے لیے تو سرے سے یہ ماحول نیا ہے۔ پھر بھی میں کتنا گھل مل گئی ہوں۔ گھلنے ملنے کی آسانی ماحول فراہم نہیں کرتا بلکہ مزاج پیدا کر لیتا ہے۔" وہ باتونی تھی شاید مگر عفرا کو اس کا بولنا اچھا لگ رہا تھا۔

"ایسا ہی ہو گا۔" اس نے فوراً اس کے فلسفے سے اتفاق کیا۔ بحث کی عادت تو یوں بھی اس میں تھی نہیں۔

کچھ دیر کے بعد مٹھائی کا ٹوکرا مطلوبہ جگہ پر پہنچا کر وہ دوبارہ اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ عفرا کو اس سے بات کر کے اچھا لگ رہا تھا۔ اس لیے کراچی آنے کے بعد وہ پہلی بار کھل کر مسکرا رہی تھی۔ بلکہ کتنی بار اس کی کسی بات پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔ اسے پتا ہی نہیں تھا کہ اس کی بے ساختہ ہنسی کو دو آنکھیں کتنی دیر سے تک رہی تھیں۔

"کیا اس لڑکی کو ہنسنا بھی آتا ہے؟"
شاہ زیب حیرت سے سوچ رہا تھا۔

* * *

آج صبح سے ہی چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ کیونکہ اگلے دن مہندی کا فنکشن تھا۔ سدرہ اور اس کی بڑی تائی (وہاب کی والدہ) راحیل کے ساتھ شاپنگ کے لیے نکلنے لگیں تو اچانک رائنہ کو بھی خیال آیا کہ اس کی کچھ جیولری ابھی رہتی ہے۔ ثروت بیگم نے جھٹ سے ہزار کے چند نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں دبا دیے۔ عفرا دیکھ رہی تھی۔ رائنہ کچھ زیادہ ہی راحیل میں دلچسپی لے رہی تھی۔ ان کے جانے کے بعد اسما باجی، منزہ باجی اور ناہید بھابھی نے ڈھولکی سنبھالی۔ مایوں بیٹھی نمرہ کو بھی وہ کھینچ کر اپنے پاس لے آئیں۔ اوپر سے جہاں زیب بھائی کے بیٹے زوہیب نے جو ڈھولک کی تھاپ پر ڈانس کرنا شروع کیا تو سب کے منہ سے ہنسی کے فوارے پھوٹ پڑے۔

"بیٹا! تم اکیلی کیوں بیٹھی ہو؟" چھوٹی تائی (شاہ زیب کی والدہ) کسی کام سے ادھر آئیں تو کمرے میں عفرا کو اکیلے بیٹھے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"بس ایسے ہی چھوٹی تائی۔" وہ گڑبڑا کر سیدھی ہو بیٹھی۔ نمرہ اور سدرہ کی دیکھا دیکھی وہ اور رائنہ بھی انہیں چھوٹی تائی بڑی تائی کہنے لگی تھیں۔

"بیٹا! خوشی کا موقع ہے سب کے ساتھ اٹھو بیٹھو، ہنسو کھیلو۔"

اس نے جواب دینے کو منہ کھولا ہی تھا کہ شاہ زیب ان کے مقابل آن کھڑا ہوا۔

"مما! کہاں نہیں ڈھونڈا میں نے آپ کو۔ بھابھی بتا رہی ہیں آپ نے مجھے بلایا ہے۔"

"ہاں وہ مجھے بازار سے کچھ چیزیں منگوانی تھیں۔ پھر پتا چلا کہ سدرہ جا رہی ہے تو میں یہاں آ گئی۔ لیکن وہ تو میرے پہنچنے سے پہلے ہی نکل چکی تھی۔ تم یہ لو۔" انہوں نے لسٹ اس کی طرف بڑھائی۔

"اب میں بازار جا کے یہ سامان کہاں سے ڈھونڈتا پھروں گا۔" لسٹ دیکھ کر اس کی شکل پہ بارہ بجنے لگے۔

"کراچی کے ٹریفک اور دھوئیں سے میرا دل بہت گھبراتا ہے۔ دیکھتی ہوں منزہ کو۔" وہ جانے کے لیے مڑیں پھر دو قدم آگے بڑھ کر رک سی گئیں۔

"بیٹا! تم بھی تو فارغ بیٹھی ہو۔ تم چلی جاؤ اس کے ساتھ۔ اسے تو واقعی اپنی شاپنگ کے لیے علاوہ الف

بے کا علم نہیں۔ اکیلا چلا گیا تو پتا نہیں کیا الم غلا اٹھا لائے گا۔" چھوٹی تائی عفرا سے مخاطب ہوئیں تو وہ گھبرا کر دائیں بائیں دیکھنے لگی۔

"وہ..... وہ..... اماں بی۔" جانا تو وہ خود بھی نہیں چاہتی تھی۔ پر اماں بی کو ڈھال بنانا ضروری تھا۔

"ان سے میں بات کر لیتی ہوں۔ تم دونوں بس ابھی نکلو۔ ٹائم ضائع مت کرو۔" اس کے ہاتھ میں فہرست تھما کے وہ اماں بی کی تلاش میں آگے بڑھ گئیں۔ یہ دیکھے بغیر کہ اس کے چہرے پہ کیسی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"میرے ساتھ جانے سے ڈرتی ہیں یا واقعی اماں بی کا خوف ہے۔" اس کا سوال عفرا کو سر اٹھا کر دیکھنے پہ مجبور کر گیا۔

"کیا مطلب؟" آنکھوں میں الجھن لیے وہ اتنی معصومیت سے بولی کہ شاہ زیب اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

"کچھ نہیں۔" مسکراتے ہوئے اس نے سر نفی میں ہلایا۔

پھر جب وہ جانے لگا تو عفرا کو چھوٹی تائی کی لجاجت بھری درخواست یاد آگئی۔

"سنیئے۔" پیچھے سے آواز آئی۔

"جی کہیئے۔" وہ جھٹ پلٹ آیا۔

"میں چلتی ہوں آپ کے ساتھ۔" وہ کچھ سوچ کر اس کے ساتھ ہولی۔ مگر مارکیٹ پہنچنے پر عقدہ کھلا کہ شاپنگ کرنے کے سلسلے میں محترمہ اس سے بھی زیادہ کوری ہیں۔

"یہ سارا سامان مہندی کے فنکشن کا ہے۔ یہ موم بتیاں' یہ مہندی کی پلیٹیں' گجرے' مصنوعی پھول اور اسٹیج کی سجاوٹ کے لیے یہ سب..... کیا فضولیات ہیں یہ۔ بلاوجہ کے خرچے اور نمائش۔" فہرست پہ نظر ڈالتے ہی وہ سنجیدہ ہو گیا۔ عفرا کو اس کی سوچ اچھی لگی۔ وہ افسوس سے سر ہلاتا ہوا مطلوبہ چیزیں لینے لگا۔

عفرا تو بس نام کو اس کے ساتھ تھی۔ حقیقتاً" ہر ایک چیز تو وہ خود پسند کر رہا تھا۔ عفرا سے اس نے ایک دو بار ہی پوچھا جس پر اس نے جیسا آپ کی مرضی کہہ کر جان چھڑالی۔ ایک گھنٹے کے اندر ہی وہ تمام چیزیں پیک کروا کے گاڑی میں رکھ چکا تھا۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو یہاں سے مجھے ایک دو چیزیں لینی ہیں۔" شاہ زیب نے گاڑی ایک شاپنگ مال کے سامنے روکتے ہوئے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آپ بھی آئیں ناں۔" اسے گاڑی میں ہی جمے دیکھ کر وہ اس کی طرف کی کھڑکی پہ جھک گیا۔

"نہیں میں گاڑی میں ہی ٹھیک ہوں۔" وہ جھجکتے ہوئے بولی۔

"اس طرح مجھے اچھا نہیں لگے گا۔ چلیں چھوڑیں۔ میں آپ کو گھر چھوڑ آتا ہوں۔ اپنی چیزیں بعد میں لینے آجاؤں گا۔" وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے دوبارہ گاڑی میں بیٹھنے لگا۔ تو عفرا اپنی جانب کا دروازہ کھول کر باہر آگئی۔

"میں چلتی ہوں۔"

دس منٹ میں وہ اپنا کرتا لے چکا تھا میچنگ کا کھسہ بھی لیتا تھا۔ مگر عفرا کے خیال سے اس نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔

* * *

"توبہ ہے' اللہ نے اچھی شکل کیا دے دی۔ لوگ تو آسمان پہ ہی اڑنے لگتے ہیں۔ پارک ٹاور کے ہر فلور کی ہر شاپ پر راحیل صاحب کی قدردان مل جاتی تھی اور یہ بھی لہک لہک کر علیک سلیک میں مصروف ہو جاتے۔ مجھے تو بہت ہی افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے کبھی ایسے شخص کے بارے میں کچھ اچھا بھی سوچا تھا۔"

رائنہ سخت تاؤ کھائے بیٹھی تھی۔ اماں بی پھپھو کے ساتھ ڈرائنگ روم میں تھیں۔ ایسے میں اسے کھل کر بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔ ثروت بیگم کو بھی یہ جان کر بڑا افسوس ہوا تھا۔

"اور ان محترمہ کو دیکھو' آج اکیلے شاہ زیب کے ساتھ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ کے سیر سپاٹے کو نکل

پڑیں۔" ثروت بیگم اپنا غصہ اس پہ انڈیلنے کے لیے تیار ہوگئیں۔

"میں اپنی مرضی سے تو نہیں گئی تھی۔ وہ تو چھوٹی تائی نے اصرار کیا تو مجھے مجبوراً"..... "حیرت سے آنکھیں پھیلا کر وہ وضاحت دینے لگی تھی کہ انہوں نے درمیان سے ہی اس کی بات اچک لی۔

"بس بس بڑی چہیتی بنی پھرتی ہو چھوٹی تائی کی۔ کان کھول کر سن لو۔ مجھے دوبارہ تم شاہ زیب کے قریب نظر نہ آؤ۔ شاہ زیب کے لیے میں نے رائنہ کا سوچ رکھا ہے۔" وہ کسی ناگن کی طرح پھنکار رہی تھیں۔ عفرا کو ان کی سوچ پہ افسوس ہوا۔

"اسے کیوں ڈانٹ رہی ہیں امی! میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ میرے اور اس کے بارے میں سوچنا بند کریں۔" رائنہ سخت جھنجلا گئی۔

"چپ کرو تم۔ بہتر کیا ہے۔ یہ میں جانتی ہوں۔" وہ اسے ڈانٹ پلا کے باہر نکل گئیں۔ تو رائنہ نے چڑ کر باتھ روم کا رخ کیا۔

"یہ تائی اماں بھی ناں عجیب ہیں۔ پتا نہیں کون سی کھچڑی ان کے دماغ میں پکتی رہتی ہے۔ بھلا شاہ زیب اور میں کیسے؟" ایک لمحے کو اس کی سوچ جیسے تھم سی گئی۔ اس کی آنکھوں میں شاہ زیب کا وجیہہ سراپا نمودار ہوا۔ اس کے لہجوں کی نرمی اور انداز کا اپنا پن بلا شبہ اس کی شخصیت کے دو اہم پہلو تھے۔

عفرا نے فوراً ہی سر جھٹکا۔ وہ اس کے بارے میں زیادہ نہیں سوچنا چاہتی تھی۔

"آپ یہاں بیٹھی ہیں اور میں پتا نہیں کہاں کہاں آپ کو ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔" نٹ کھٹ سی سدرہ کو اس کی ذات سے ایک خاص لگاؤ ہو چکا تھا۔ وہ بھی اسے مایوس نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ پوچھنے لگی۔

"خیریت۔ مجھے کیوں ڈھونڈا جا رہا تھا؟" لیکن اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ٹی وی لاؤنج میں لے آئی۔ جہاں ساری خواتین بمع دلہن کے موجود تھیں۔

"کتنے خوش لگ رہے ہیں سب اور نمرہ..... اس کی آنکھوں میں کتنے جگنو چمک رہے ہیں۔ سب کے چہروں پہ آسودگی بکھر بکھر کے خوشیوں کی برسات کا اعلان کر رہی ہے۔ اور میری ماں....."

سب کے چہروں کو تکتی عفرا کی آنکھوں میں ماں کا سراپا اتر آیا۔ زرد رنگت اور یاسیت بھری آنکھیں' بکھرا حلیہ اور ٹوٹا دل جس کی کرچیاں نجانے کتنے سالوں سے ان کی روح کو لہولہان کر رہی تھیں۔

بعض اوقات انسان کو اذیت اٹھا کر اپنی غلطیوں کا ہرجانہ بھرنا پڑتا ہے۔ آذر سے ایک دن کی علیحدگی نے انہیں کانٹوں پہ گھسیٹا تو ان پر اماں بی کا درد آشکار ہوا۔ انہوں نے یہ سوچ کر چپ سادھ لی کہ شاید یہی ان کی غلطی کی سزا ہے۔ مگر اپنی ممتا کو کیسے سمجھاتیں۔ ان کی آنکھوں کا کرب چیخ چیخ کر ان کے دل پہ پڑے ہر زخم کا اعلان کرتا تھا۔

"آذر بھائی.....!" اس کے خیالات کا تسلسل سدرہ کی چیخ سے ٹوٹا۔ سب کی نگاہیں دروازے پہ جم گئیں' جہاں آذر ایک ہاتھ میں بیگ تھامے سب کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"آذر!" نمرہ دوڑ کے اس کے سینے سے جا لگی۔ اس کے آنسو آذر کی شرٹ بھگو رہے تھے۔

"پاگل! اب تو میں آگیا۔ اب کیوں رو رہی ہو؟" وہ اس کی ٹھوڑی اٹھا کر بولا۔ عفرا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی جو اس کا ماں جایا تھا۔ لیکن وہ اسے دیکھ پہلی بار رہی تھی۔

اسے لگا وقت ٹھہر گیا ہے۔ دنیا کی ہر چیز ٹھہر گئی ہے۔ بس اس کی آنکھوں کی توانائیاں باقی ہیں' جو اس وقت اس کے بھائی کو دیکھ رہی ہیں۔

عفرا نے دیکھا اماں بی کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ہونٹ بھنچ گئے تھے۔

"تم اپنے اہم ایگزامز چھوڑ کے یہاں آگئے بیٹا! تمہارے کیریر کا سوال ہے اتنی محنت کی ہے تم نے۔"

عشرت ابھی تک اسی جھٹکے کی کیفیت سے نکل نہ پائی تھیں۔

”مما! ایگزامز تو ہوتے رہتے ہیں۔ مگر بہن کی شادی صرف ایک بار ہوتی ہے میرا کیریر میری بہن سے زیادہ اہم نہیں ہے۔“

”کمال کرتی ہو عشرت! بیٹا بہن کو رخصت کرنے آیا ہے۔ تم الٹا اس پہ بگڑ رہی ہو۔“ بڑی تائی عشرت جہاں کو ٹوکتے ہوئے آذر کی طرف بڑھیں۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا بھابھی! میں تو اسی کی بھلائی کے لیے کہہ رہی تھی۔ میرے لیے اس سے بڑھ کر خوشی اور کیا ہوگی۔“ پھر عشرت جہاں نے اسے اماں بی کے سامنے کھڑا کیا۔

ساکت کھڑی اماں بی اپنے سامنے اپنے جوان پوتے کو دیکھ رہی تھیں۔ جو دنیا کی نظروں میں ان کا نواسا تھا۔ اس نے ہر ہر نقش اپنے والد جہانگیر کا چرایا تھا۔ قد کاٹھ، گندمی رنگت، سیاہ آنکھیں، انہیں لگا جہانگیر زندہ ہو کر ان کے سامنے آن کھڑا ہو۔ وہ بالکل اپنے باپ کا پرتو تھا۔

”جہانگیر!“ اماں بی نے زیر لب کہا اور لرزتے ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھاما۔

”اماں بی! پاپا مجھے اکثر بتاتے ہیں کہ میری شکل میرے مرحوم ماموں سے ملتی ہے۔ کیا واقعی میں ان جیسا دکھتا ہوں۔“ وہ شکل سے ہی نہیں آواز سے بھی جہانگیر تھا۔ اماں بی کا دل ڈولنے لگا۔ دل کہہ رہا تھا وہ اپنا پوتا واپس لے لیں۔ لیکن یہ اتنا آسان کب تھا۔

عفرا دم سادھے اسے دیکھتی رہی۔ وہ سب سے مل رہا تھا۔ کتنا خوش تھا۔ کتنا مسرور دکھائی دے رہا تھا۔ نمرہ اور سدرہ اس کے دائیں بائیں بیٹھی پتا نہیں کون کون سی باتیں کر رہی تھیں اور وہ ان کی ساری باتیں دلچسپی سے سن رہا تھا۔

”کتنا زندہ دل ہے آذر۔ کیا میں اسے اس کی زندگی کی تلخ سچائی بتا کر اس کی یہ زندہ دلی اور شوخی کا خون کرنے کی ہمت کر سکوں گی۔“ عفرا کی آنکھوں کے سامنے کئی سوالیہ نشان ناچنے لگے۔

آذر کو ان کے درمیان بیٹھے آدھا گھنٹہ بھی مشکل سے ہوا تھا، جب اماں بی نے عفرا کو اپنے کمرے میں بلوایا۔

”کچھ پتا ہے تمہیں وقت کیا ہو رہا ہے؟ بس جہاں دھما چوکڑی دیکھی، منہ اٹھا کے وہیں ہو لیں۔ اتنا جم کر نہ بیٹھ جایا کرو ہر جگہ۔“

اماں بی کا یوں غصہ کرنا اسے بہت کچھ جتا گیا تھا۔

”کس قدر کٹھور ہیں آپ اماں بی! مجھ سے میرے بھائی کو چھین لیا آپ نے اور اسے دو گھڑی دیکھنے کے حق سے بھی محروم کر دینا چاہتی ہیں۔“ وہ تاسف سے سوچنے لگی۔ اگلے دن بھی آذر سے اسے دور رکھنے کے لیے انہوں نے ایک نیا بہانہ گھڑ لیا۔

”اکیلے میں میرا جی گھبرا رہا ہے۔ تو بس بیٹھی رہ میرے پاس۔“ لوگ اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے کیسی کیسی تاویلیں گھڑ لیتے ہیں۔ عفرا دل مسوس کر رہ گئی۔

وہ اپنے بھائی کو دیکھنا چاہتی تھی۔ اس سے بات کرنا چاہتی تھی۔ مگر اماں بی کو یہ بھی گوارا نہیں ہو رہا تھا۔

”اماں بی! مجھے پتا چلا آپ کے سر میں درد ہے۔“ دوپہر کے قریب وہ ان کے کمرے میں چلا آیا تو اماں بی ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھیں۔

سرمئی ٹراؤزر اور سفید شرٹ میں ہونٹوں پہ ایک دلکش مسکراہٹ سجائے آذر اس لمحے اسے دنیا کے سب مردوں سے زیادہ حسین لگا۔ ایک لمحے کے لیے اسے اماں بی کی آنکھوں میں پچھتاوا نظر آیا کہ بہرحال وہ ان کا پوتا تھا۔ اس میں ان کے بیٹے جہانگیر کا عکس تھا۔

”ہاں بیٹا! ہلکا سا سر میں درد تھا۔ لیکن تم یہاں کیوں چلے آئے مجھے بلا لیتے۔ میں آجاتی باہر۔“ اماں بی نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے عفرا پہ نظر ڈالی تو وہ مسکرا اٹھا۔

”آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں اماں بی! میں آپ کو تکلیف کیسے دے سکتا ہوں۔“ وہ ان کے ہاتھ تھام کر محبت سے کہنے لگا تو اماں بی سب کچھ بھول کر بس اسے دیکھے گئیں۔

”آپ ایک گلاس پانی لے آئیں گی؟“ پہلی بار وہ

عفرا سے مخاطب ہوا تھا۔ عفرا پہ شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ بھاگ کر وہ ایک گلاس پانی لے آئی۔

”شکریہ۔“ پانی سے بھرا گلاس لے کر آذر نے خود اپنے ہاتھوں سے اماں بی کو درد کی گولی کھلائی۔ پھر اماں بی لیٹیں تو وہ ان کا سر دباتے ہوئے عفرا سے مخاطب ہوا۔

”لگتا ہے آپ کو اماں بی سے بہت پیار ہے۔ تب ہی تو صبح سے آپ ان کے ساتھ ہی ہیں۔“ وہ جب بھی کسی سے بات کرتا مسکراہٹ اس کے ہونٹوں سے الگ نہ ہوتی۔

”جی ہاں۔ میں اماں بی کا خیال رکھ رہی ہوں۔“ وہ جھٹ سے بولی۔

”آپ چھوٹے ماموں کی بیٹی ہیں ناں۔ جن سے میری شکل بہت ملتی ہے۔“ کتنی اپنائیت تھی اس کے لب و لہجے میں۔ کتنے پیار سے بات کرتا تھا وہ۔ عفرا کے لیے تو اتنا ہی کافی تھا کہ وہ اس سے بات کر رہا ہے۔

”جی ہاں میں عفرا جہانگیر ہوں۔ خوش قسمتی سے آپ کی شکل میرے بابا سے بہت ملتی ہے۔ اگر میرا کوئی بھائی ہوتا تو وہ بالکل آپ ہی کی طرح ہوتا۔ کیا میں آپ کو آذر بھائی کہہ سکتی ہوں؟“ نجانے عفرا کو اس لمحے کیا ہو گیا۔ آنکھوں کے کناروں میں مچلتے آنسوؤں کی تڑپ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی سب کچھ اگل دے پر ـــــ

آذر ہولے سے ہنس دیا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

”میں آپ کا بھائی ضرور بن سکتا ہوں مگر آپ مجھے ”آذر بھائی“ نہیں کہہ سکتیں کیونکہ سدرہ کے ذریعے مجھے پتا چلا ہے کہ آپ مجھ سے بڑی ہیں۔“ جس انداز سے اس نے کہا۔ عفرا کی بے اختیار ہنسی چھوٹ گئی۔

اماں بی البتہ اس کی جرات پہ خوب پیچ و تاب کھا رہی تھیں۔ اس لیے اس کے جانے کے بعد فوراً“ اس پہ برس پڑیں۔

”بہت پر پرزے نکل آئے ہیں تیرے۔ زبان کھینچ کر گردن سے لپیٹ دوں گی جو آئندہ آذر کے سامنے پھیلنے کی کوشش کی تو۔۔۔ تیرا کوئی بھائی نہیں ہے۔ سمجھی!“ وہ نفرت سے بولیں۔

پتا نہیں کیوں وہ کھل کر بات نہیں کر رہی تھیں۔ گو کہ انہیں اچھی طرح علم تھا کہ عفرا سب کچھ جانتی ہے۔ پھر بھی اپنی طرف سے وہ آج بھی اس راز پہ پردہ ڈالے ہوئی تھیں۔ یا شاید انہیں یہ خوف لاحق تھا کہ اگر انہوں نے صاف لفظوں میں عفرا سے سرزنش کی تو جواباً“ وہ بھی بغاوت پر اتر آئے گی۔

* * *

آذر کے آنے سے لے کر شادی کے دن تک اماں بی کا یہی معمول رہا۔ وہ کسی نہ کسی بہانے اسے آذر کے پاس جانے سے روک دیتیں۔ برات والے دن اماں بی صرف اتنی سی بات پہ طیش میں آگئیں کہ رخصتی کے بعد آذر کو بے حد تھکا ہوا دیکھ کر اس نے کافی بنا کے دی تھی۔

اماں بی نے وہ لتے لیے کہ اس کی روح چھلنی ہو گئی۔ اس رات وہ سو نہ سکی۔ اشک ایک روانی سے اس کی آنکھوں سے نکل کر تکیے میں جذب ہو رہے تھے۔ کم مائیگی‘ بے چارگی کا احساس اس کے دل پہ پتھر برسا رہا تھا۔

اگلے دن ولیمہ کی تقریب تھی۔

وہ تمام وقت میرج ہال کے ایک کونے میں بیٹھی رہی۔ آج اس کا آذر کو بھی دیکھنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ سرخ آنکھیں‘ متورم پپوٹے اور مسکراہٹ سے عاری ستا ہوا چہرہ اس کی اندرونی سوگواری کا آئینہ بن گیا تھا۔ کسی نے اس کے اس اجڑے روپ پہ توجہ دی ہو یا نہیں لیکن دو آنکھیں جو ہمہ وقت اس سے چھپ کر اس کی ذات میں اندر تک اتر جاتی تھیں عفرا کو دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

مسکراتی تو وہ پہلے بھی زیادہ نہ تھی۔ مگر اب تو لگ رہا تھا۔ کسی نے کبھی کبھی کی مسکراہٹ بھی اس کے ہونٹوں سے چھین لی ہو۔ اپنے ہی کسی خیال میں ڈوبی ہوئی وہ اپنے اردگرد سے یکسر بے گانہ تھی۔ جب اس نے کھانا بھی نہ کھایا تو شاہ زیب کی فکرمندی تشویش

میں بدل گئی۔

”عفرا! سب ٹھیک تو ہے۔“ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ اس کے پاس جا کر پوچھنے لگا۔

”جی۔“ مختصر سا جواب دے کر عفرا نے منہ دوسری جانب موڑ لیا۔

”کچھ تو ہے جسے میرا دل محسوس کر رہا ہے۔ تم اتنی اداس کیوں ہو۔“ وہ ایک دم بے قرار ہو کر آپ سے تم پر اتر آیا۔ وہ گھبرا کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”پلیز عفرا مجھے بتاؤ۔ تمہیں نہیں پتا تمہارے آنسو صرف تمہیں ہی نہیں کسی اور کو بھی تکلیف دے رہے ہیں۔ مجھ پہ اعتماد کرو۔“ شاہ زیب کے لفظوں کی گہرائی کو سمجھنا اس کے لیے مشکل نہیں تھا۔ محبت کا اظہار ”میں تم سے پیار کرتا ہوں“ کا محتاج نہیں۔ بعض اوقات بہت ہی سادہ عبارت بھی اس کو سمجھانے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ پھر یہاں تو دل کو چھو لینے والی وارفتگی تھی۔ عفرا نے سہم کے اسے دیکھا۔ جو آنکھوں میں بے پناہ التفات سموئے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مارے گھبراہٹ کے اس کا وہاں ٹھہرنا مشکل ہو گیا۔ اسے کوئی جواب دیے بغیر وہ وہاں سے ہٹ گئی۔

گھر آ کے وہ بستر میں گھس کر اپنی بے بسی پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

”بس بیٹا! دو دنوں کی بات ہے۔ اس کے بعد ہم اپنے گھر واپس چلے جائیں گے۔“ انہوں نے محبت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ آذر کو دیکھ دیکھ کر جو اس کی آنکھوں میں یاسیت ابھرتی تھی وہ ان سے پوشیدہ نہیں تھی۔ وہ جانتے تھا کہ آج کل اس کا دل کس تکلیف سے گزر رہا ہے۔

”لیکن مجھے ابھی جانا ہے تایا ابا! مجھے یہاں وحشت ہوتی ہے۔ مجھے یہاں سے لے چلیے تایا ابا! ورنہ میرا دم گھٹ جائے گا۔ مجھے اماں کے پاس لے چلیے۔“ تایا ابا کے کندھے پہ سر رکھ کے وہ سسک پڑی۔

”نہ بیٹا ایسی باتیں نہیں کرتے۔“ تایا ابا کو وہ واقعی بہت پیاری تھی۔ اس لیے اس کا رونا انہیں تکلیف پہنچا رہا تھا۔

”مجھے پتا ہے تایا ابا! کہ آذر میرا بھائی ہے۔ لیکن اماں بی نے اسے ہم سے چھین کر پھپھو کی گود میں دے دیا۔ موت کا وقت تو طے ہوتا ہے۔ مگر اماں بی نے تو اس موت کا ذمہ دار بھی میری امی کو ٹھہرا دیا۔ آذر کے لیے اماں کی ممتا کتنا تڑپتی ہے صرف میں جانتی ہوں۔ آنسو ان کے نکلتے ہیں مگر خنجر میرے سینے میں اترتے ہیں۔ کیا ان کا اتنا بھی حق نہیں کہ اسے ایک بار اپنے گلے سے لگا کر بیٹا کہہ سکیں۔“ اس کی آواز پھٹ پڑی۔ آج پہلی بار وہ اپنے تایا ابا کے سامنے کھلی تھی۔ ان کی آنکھوں میں تحیر ٹھہر گیا۔

”میں تمہارے اور بھابھی کے درد سے انجان نہیں مگر جو تم سوچ رہی ہو، وہ ممکن نہیں۔ پھر تم نے غور کیا ہے، آذر کتنا خوش ہے عشرت اور اسرار کے ساتھ۔ وہ انہیں اپنا ماں باپ سمجھتا ہے۔ ان کے لیے بے حد محبت رکھتا ہے۔ اگر اسے آج اپنی حقیقت کے بارے میں علم ہوا تو کیسی وحشت اترے گی اس کی ذات میں یہ سوچا ہے تم نے آگہی کا تیز و تند طوفان اس کا تمام تر اعتماد چھین کر اس کی شخصیت کو توڑ پھوڑ کے رکھ دے گا۔ اس کی زندگی خراب ہو جائے گی۔ پھر نہ وہ یہاں کا رہے گا نہ وہاں کا۔ کیا تم چاہتی ہو کہ تمہارا بھائی زندگی بھر کے لیے زندہ در گور ہو جائے۔“

”پھر میں کیا کروں تایا ابا! میں کیا کروں؟ میرا دل چاہتا ہے ابھی اسے سب کچھ بتا کر اماں کے پاس لے جاؤں۔ وہ تو ان زخموں کو شمار ہی نہیں کر سکتا۔ جو اس کے نہ ہونے سے اماں کے وجود میں لگے ہیں۔ میں اس بتانا چاہتی ہوں کہ وہ میرا بھائی ہے۔ مجھے اور اماں کو اس کی مضبوط بانہوں کے سہارے کی ضرورت ہے۔ لیکن...... اسی لیے تو میں کہہ رہی ہوں مجھے یہاں سے دور لے چلیں تایا ابا! میں اب ایک دن بھی یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتی۔“ وہ ہچکیوں سے روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ عالمگیر کے دل میں انی سی کھب گئی تھی۔

”اچھا تم فکر مت کرو۔ ہم آج رات ہی چلے جائیں گے۔ تم اب یہ آنسو پونچھ لو۔ تمہارا تایا ابا ابھی

زندہ ہے۔ تم بے سہارا نہیں ہو۔ آئندہ غلطی سے بھی تم خود کو اکیلا مت سمجھنا۔" تایا ابا اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کے گلوگیر آواز میں بولے اور کمرے سے نکل گئے۔ جانے کی جلدی تو اماں بی کو بھی تھی۔ نمرہ کی رخصتی ہو گئی۔ دوسرا عفرا کو آذر سے دور رکھنے کے لیے بھی یہ ضروری تھا۔ تایا ابا ٹکٹ لے آئے۔ اسٹیشن پہ انہیں شاہ زیب چھوڑنے آیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اپنی محبت کی قبولیت کے لیے التجائیں رقم تھیں مگر عفرا نظرانداز کرتی رہی۔ وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

اگلی شام گھر پہنچ کر وہ سب سے پہلے آسیہ بانو کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔ اس کے یہ آنسو اور تڑپ کا سبب ان کی سمجھ میں آرہا تھا‘ مگر انہوں نے کچھ پوچھنے کے بجائے اسے تھپکیاں دے کر چپ کروایا کہ بعض باتیں ان کہی ہی اچھی ہوتی ہیں۔ اگر انہیں اظہار کی روشنی سے گزارا جائے تو احساسات کی کئی تلخ سچائیاں برہنہ ہو کر ایک دوسرے سے نظر ملانے کے قابل نہیں چھوڑتیں۔

* * *

کراچی سے واپس آنے کے بعد عفرا گم صم رہنے لگی۔ وہاں گزرے ہوئے پل یاد آتے تو بے اختیار دل میں درد کی لہریں دوڑ جاتیں۔ رہ رہ کر اسے آذر یاد آنے لگتا لیکن وہ دانستہ طور پر اسے بھولنے کی کوشش کرتی۔ گھر کا ماحول وہی تھا۔

وہی چڑچڑی انیقہ‘ وہی من موجی رائنہ‘ وہی کاشف اور ناجیہ کی نوک جھونک اور تائی اماں کا جھنجلانا۔ البتہ اماں بی کے لیے اس کے احساسات پہلے جیسے نرم نہ رہے تھے۔ وہ ان کے پاس جانے سے احتراز برتتی۔ ان کی پھٹکار اور بلاوجہ کی دھونس پہ اس کے ماتھے کے بل گہرے ہو جاتے۔

اب پہلے کی طرح وہ ان کے کام بھی نہ کر کے دیتی۔ اگر وہ آواز بھی دیتیں تو وہ ان سنی کر دیتی۔

"اماں بی کے ساتھ تمہارا رویہ خراب ہوتا جا رہا ہے۔" اس دن جب گھر میں کوئی نہیں تھا۔ اماں بی نے اپنے کسی کام سے صحن میں کھڑے ہو کر اسے آواز دی تو وہ ان سنی کر کے دانہ چگتی چڑیوں کو دیکھتی رہی۔

"اماں بی تمہیں بلا رہی ہیں عفرا! جاؤ‘ ان سے پوچھو کہ کیا کام ہے۔" ایک بار پھر آسیہ بانو نے اس کی توجہ اماں بی کی اور مبذول کروانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"تم ایسی بے حس کیوں ہو گئی ہو؟" اس بار آسیہ بانو نے سخت آواز میں اس سے استفسار کیا۔

"وہ ہم سے نفرت کرتی ہیں اور نفرت کا جواب نفرت سے ہی دینا چاہیے۔" وہ تلخی سے کہہ کر کمرے میں چلی گئی۔

عفرا اب نیچے کا چکر بھی کم ہی لگایا کرتی۔

"زہے نصیب! آج تو بڑے دنوں بعد چاند دکھائی دے رہا ہے۔" دو تین دن بعد جب وہ نیچے جاتی تو انیقہ ایسے ہی جملوں سے طنز کرتی۔

"کراچی سے آنے کے بعد آپ کا رتبہ بھی کئی درجے بلند ہو گیا ہے۔" اس کا واضح اشارہ شاہ زیب کی طرف ہوتا تھا۔

ثروت بیگم نے واپس آنے کے بعد شاہ زیب کا اس پہ فریفتہ ہونے کا ذکر کچھ اس طرح بڑھا چڑھا کر کیا تھا کہ انیقہ بات بے بات چوٹ کرتے نہ تھکتی۔

وہ ایک حاسد لڑکی تھی۔ معاذ سے اسے محبت نہ تھی۔ بلکہ اس کی ذات میں دلچسپی کی واحد وجہ اس کا مال دار ہونا تھا۔ اب شاہ زیب جیسے ڈیشنگ پرسنالٹی اور روشن مستقبل رکھنے والے بندے کا اس کی محبت کا دم بھرنا‘ اسے کلسانے لگا تھا۔

ثروت بیگم تو اپنا غم غلط کرنے کی کوشش میں شاہ زیب نامے کو اپنی ہی ایک خاص عادت سے عام کر چکی تھیں لیکن عالمگیر صاحب چونک گئے۔ عفرا کے لیے شاہ زیب سے بہتر لڑکا اور کہاں مل سکتا تھا۔ ابھی وہ اس بارے میں سوچ بچار ہی کر رہے تھے کہ شاہ زیب کی امی کا فون بھی آگیا۔

"میں عفرا کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں۔ یہ صرف شاہ

زیب کی ہی خواہش نہیں بلکہ مجھے بھی آپ کی بچی دل سے پسند ہے۔" انہوں نے اتنے پیار اور خلوص کے ساتھ عفرا کو مانگا کہ خوشی سے ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ جانتے تھے عفرا نے زندگی میں بہت دکھ سہے ہیں۔ اس سادہ فطرت لڑکی کے لیے وہ ایسی ہی پر خلوص سسرال کی خواہش رکھتے تھے۔ تاکہ آنے والی زندگی وہ سکون سے گزار سکے۔

"مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آپ کو ہماری بیٹی اتنی پسند آئی۔ شاہ زیب بہت اچھا لڑکا ہے اور میں دل سے چاہتا ہوں کہ یہ رشتہ ہو جائے۔ مزید میں اماں بی سے بات کر کے آپ کو ان شاءاللہ مثبت جواب دوں گا۔" عالمگیر نے سبھاؤ سے جواب دیا۔

"بس آپ کی طرف سے ایک ہاں کی ضرورت ہے۔ ہم تو شگن لے کر لاہور آنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔" وہ خوشی سے بولیں تو عالمگیر کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی۔

* * *

اماں بی جب سے کراچی سے آئی تھیں۔ ان کے اندر ایک جنگ سی چل رہی تھی۔ جوان پوتے کو دیکھ کر ان کا دل جیسے بغاوت پہ اتر آیا تھا۔ آذر کی صورت میں جہانگیر کا عکس دیکھ کر ان کا دل پل پل تڑپ رہا تھا۔ لیکن اب یہ ممکن نہ تھا کہ آذر انہیں واپس مل جائے۔ اسے پال پوس کر عشرت نے بڑا کیا تھا۔ وہ ان کی بیٹیوں کا لاڈلا بھائی تھا۔ انہیں یہ بھی ڈر لاحق تھا کہ حقیقت کا ادراک ہونے کے بعد آذر ان سے نفرت نہ کرنے لگے۔

"نہیں نہیں آذر مجھ سے نفرت نہیں کر سکتا۔ میں نے جو بھی کیا اس کے بھلے کے لیے کیا۔ یہاں ہوتا تو آسیہ کی نحوست اسے بھی نگل جاتی اور نفرت تو وہ آسیہ سے کرے گا۔ جو اس کے باپ کی قاتلہ ہے۔ میں اسے بتاؤں گی کہ یہی وہ عورت ہے۔ جس نے اس کے باپ کو قتل کیا۔"

وہ دل ہی دل میں خود کو تسلی دینے لگیں۔

"اماں بی! مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" اس رات جب اماں بی عشا کی نماز سے فارغ ہو کر بستر پہ آئیں تو عالمگیر صاحب دستک دے کر ان کے کمرے میں چلے آئے۔

"ہاں کہو۔" انہوں نے عالمگیر کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تو انہوں نے عفرا کے رشتے کی بات ان کے گوش گزار کر دی۔ وہ ان سے رائے لینے آئے تھے۔ کیونکہ ان کی منظوری کے بغیر وہ اتنا بڑا فیصلہ نہیں لے سکتے تھے۔ اماں بی نے لحظہ بھر کو سوچا۔ ان کا شاطر ذہن ایک بار پھر نئی سازشوں کے تانے بانے بننے لگا۔

"شاہ زیب بہت اچھا لڑکا ہے۔ تم جلد سے جلد عفرا کو اس کے ساتھ وداع کر دو۔" انہوں نے فوراً" فیصلہ سنایا تو عالمگیر صاحب کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

ایک عفرا ہی تو تھی۔ جس کی وجہ سے اماں بی نے اتنے سال آسیہ بانو کو اس گھر میں برداشت کیا تھا۔ اب جبکہ وہ آذر کو واپس اس گھر میں لے آنا چاہتی تھیں تو عفرا کی رخصتی سے بہتر اور کوئی راستہ نہیں تھا۔

"عفرا کو رخصت کر کے اس منحوس کو دھکے مار مار کے گھر سے نکال دوں گی۔" انتقام کی آگ انہیں کچھ بھی سوچنے کا موقع نہیں دے رہی تھی۔

* * *

عفرا کے لیے شاہ زیب کے پروپوزل کی بات سب گھر والوں پہ مختلف انداز میں اثر انداز ہوئی تھی۔ جہاں عالمگیر اور آسیہ بانو کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا وہیں ثروت بیگم کی ناراضی کی کوئی حد نہیں۔

"آپ نے اوپر ہی اوپر تمام معاملات سیٹ کر دیے اور مجھ سے ایک بار بھی نہیں پوچھا۔ شاہ زیب کے لیے تو میں رائنہ کا سوچ بیٹھی تھی۔ مگر آپ کو تو اولاد سے زیادہ ایروں غیروں کی فکر رہتی ہے۔" ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اپنا غصہ کیسے نکالیں۔

"تمہارے سوچنے سے کیا ہوتا ہے۔ ان کی طرف سے عفرا کا نام ہی لیا گیا تھا۔" وہ اب ثروت بیگم کی ضدوں اور بے وقوفیوں سے عاجز آگئے تھے۔ وہ منہ

پھلا کر اندر چلی گئیں اور دیر تک بڑبڑاتی رہیں۔ عالمگیر نے بھی منانے کی کوشش نہیں کی۔

شاہ زیب کی والدہ کو فون کرنے سے قبل عالمگیر صاحب نے عفرا سے خود جا کر اس کی رضامندی جاننا چاہی۔

”مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے تایا ابا! آپ نے میرے لیے بہتر ہی سوچا ہو گا۔“ اس کے لیے تو اتنا ہی کافی تھا کہ وہ اماں بی کے گھر سے اس ماحول سے دور چلی جائے گی۔

کچھ دن بعد ہی اس کا رشتہ پکا ہو گیا اور شادی کی تاریخ بھی طے پا گئی۔

”اس کے تو عیش ہو گئے۔ ملکوں ملکوں گھومے گی اس شاہ زیب کے ساتھ۔“ انیقہ جل کر ثروت بیگم سے بولی۔

”اس منحوس کا میرے سامنے نام مت لے۔“ ثروت نے انتہائی حقارت سے کہا۔ ان سے عفرا کی خوشی برداشت نہ ہوئی تھی۔ خصوصاً“ اس صورت میں کہ اس کی شادی بھی جلدی ہو رہی تھی۔ جبکہ انیقہ کے رشتے کو تین سال ہو گئے تھے۔ پھر بھی شادی کی ابھی تک بات نہ چلی تھی۔ جبکہ رائنہ کے لیے بھی وہ پریشان تھیں۔

ایک طرف ان کی یہ پریشانی تو دوسری طرف اماں بی کی دل ہی دل میں آذر کو واپس بلانے کی تدبیریں..... وہ دل ہی دل میں تہیہ کر چکی تھیں کہ اس بار جب عشرت کا فون آیا تو وہ اس کے سامنے اپنا مدعا رکھیں گی۔

”عفرا تم خوش تو ہو ناں بیٹا۔“ چارپائی پہ اوندھے منہ لیٹی عفرا کے پاس آ کر آسیہ بانو نے پیار سے اس کی پیشانی کو چھوا۔ وہ دیکھ رہی تھیں وہ بجھی بجھی سی رہتی ہے۔ اپنی شادی کی خبر سن کر بھی اس کے چہرے پر رونق نہ آئی تھی۔

”کیوں امی؟“ وہ سیدھی ہو کر ان کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

”میں دیکھ رہی ہوں تم کچھ دنوں سے ست ست سی دکھائی دے رہی ہو۔ اس رشتے پر اگر تمہیں کوئی اعتراض ہے تو بتاؤ۔“

”ایسی کوئی بات نہیں جیسا آپ سوچ رہی ہیں۔“ وہ پر سکون آواز میں بولی۔

”پھر کیا بات ہے؟ کیوں اتنی خاموش اور بجھی بجھی رہتی ہو۔“

”آپ کو یہاں اکیلا چھوڑ کر جانے کے لیے میرا دل آمادہ نہیں ہے۔ پتا نہیں کیوں مجھے لگتا ہے اماں بی آپ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کریں گی۔“

”پاگل ہو گئی ہو؟ کیسی باتیں کر رہی ہو۔ چلو اماں بی پر تمہیں اعتبار نہیں۔ لیکن اپنے تایا ابا پر تو ہے ناں۔ تمہیں لگتا ہے کہ وہ میرے ساتھ کوئی ناانصافی ہونے دیں گے؟“ وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگیں۔

”لیکن پھر بھی اماں.....“ اس نے کہنا چاہا۔ لیکن آسیہ بانو نے ٹوک دیا۔

”بس اب فالتو باتیں سوچ سوچ کر اپنا دماغ خراب کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ سے بہتری کی دعا مانگو۔“

آسیہ بانو نے شفقت سے اسے سمجھایا تو وہ بولنے کے تمام راستے مسدود پا کر چپ ہو گئی۔

* * *

”یہ کیا کہہ رہی ہیں اماں بی؟“ اماں بی کی فرمائش سن کر عشرت جہاں کے تو پیروں تلے زمین کھسک گئی۔

”مجھے میرا پوتا لوٹا دے عشرت! وہ میرے جہانگیر کا بیٹا ہے۔“ اماں بی دھیمی آواز میں رعب کے ساتھ بولیں تو عشرت جہاں کو حقیقتاً“ بہت غصہ آگیا۔

”آذر آپ کے جہانگیر کا بیٹا اور آپ کا پوتا ضرور ہے اماں بی! پر اسے ماں بن کر میں نے پالا ہے۔ اس کی ضرورتوں کا خیال اسرار احمد نے رکھا ہے۔ وہ میرا اور اسرار احمد کا بیٹا بن کر بڑا ہوا ہے۔ میرے کلیجے کا ٹکڑا ہے وہ۔ ان تیس سالوں میں تو میں بھول ہی چکی ہوں کہ میں نے اسے آپ سے گود لیا تھا۔ نمرہ اور سدرہ سے بھی زیادہ پیارا ہے ہمیں اور آپ کہہ رہی ہیں میں آپ کو لوٹا دوں۔“ عشرت روہانسی ہو گئیں۔ انہیں

اماں بی کی خود غرضی پہ تاسف ہونے لگا۔

”وہ میری نسل کا وارث ہے۔ میں نے بھی تو دل پہ پتھر رکھ کے آذر کو تمہارے حوالے کیا تھا۔ میں نے بھی تو برداشت کیا تھا۔ تم بھی کرو۔“ اماں بی کی بودی دلیل پہ عشرت کے ہونٹوں پہ طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

”دل پہ پتھر آپ نے نہیں آسیہ نے رکھا تھا اماں بی! آذر اس کی اولاد ہے مگر سلام ہے اس عورت کے صبر کو جس نے آج تک اف نہیں کیا۔ تکلیف آپ کو نہیں آسیہ کو ہوئی ہوگی۔ جب آپ نے اس کا بیٹا چھین کر میرے ساتھ سات سمندر پار بھیجا تھا۔ آپ نے تیس سال پہلے بھی ایک ماں سے اس کا بیٹا چھینا تھا اور آج پھر ایک ماں سے اس کے بیٹے کو جدا کرنے کی بات کر رہی ہیں۔ بہت افسوس ہو رہا ہے مجھے اماں بی! اتنی کٹھور مت بنیں۔“

شدت جذبات میں ان کی آواز پھٹ پڑی اور وہ یہ بھی بھول گئیں کہ وہ اپنی ماں سے بات کر رہی ہیں۔

”بڑا اچھا صلہ دے رہی ہو ماں کی محبتوں کا۔ آج تمہیں ماں سے زیادہ اپنا اور اس منحوس کا درد یاد آ رہا ہے۔ میرا درد، میری تڑپ تمہیں نظر نہیں آ رہی؟“ وہ جارحانہ انداز میں گویا ہوئیں۔

”اماں بی! سمجھنے کی کوشش کریں۔ آذر کوئی دو سال کا بچہ نہیں کہ میں اٹھا کے واپس آپ کی گود میں ڈال دوں۔ ذرا سوچیں اگر میں اسے بتاؤں گی کہ ہم اس کے ماں باپ نہیں تو وہ کتنا ٹوٹ جائے گا۔ اس کی زندگی اس کی شخصیت اور خود اعتمادی سب مٹی میں مل جائے گی۔“

وہ اب کی بار تحمل سے سمجھانے لگیں۔ لیکن اماں بی ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ وہ کسی بھی قیمت پہ اپنی بات سے دستبردار نہیں ہونا چاہتی تھیں۔ عشرت جہاں نے عاجز ہو کر یہ کہہ کر فون بند کر دیا کہ انہیں سوچنے کے لیے وقت چاہیے۔

✡ ✡ ✡

”اب آپ ہی سمجھائیے اماں بی کو بھائی جان! وہ تو کچھ سننے کو تیار ہی نہیں۔“ جب اماں بی کو منانے کے تمام راستے بند ہو گئے تو عشرت جہاں کو اس اندھیرے میں عالمگیر کا خیال آیا۔

وہ بھی یہ سن کر خائف ہو گئے۔

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا، اماں بی کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہیں۔ پہلے انہوں نے آسیہ بانو کی گود اجاڑ کر ان کی زندگی ویران کر دی اور اب تمہاری..... نہیں میں انہیں یوں آذر کی زندگی کے ساتھ کھیلنے نہیں دوں گا۔“

”خود آپ سوچیے بھائی جان! اس سے نہ صرف آذر کی بلکہ ہم سب کی زندگیوں پر اثر پڑے گا۔ اماں بی کا ساتھ دیتے ہوئے میں نے ہی نہیں اسرار نے بھی اپنے خاندان والوں سے جھوٹ بولا تھا کہ آذر ہماری اولاد ہے۔ اب جب اس حقیقت کا پردہ چاک ہو گا تو خاندان بھر میں ہماری عزت تو مٹی میں ملے گی ہی۔ ساتھ میں میری بیٹیاں بھی ہم سے متنفر ہو جائیں گی۔ وہ یہ صدمہ برداشت نہیں کر پائیں گی کہ آذر ان کا سگا بھائی نہیں ہے۔ کچھ سمجھائیں۔ اماں بی کو میں تو اس دن کو پچھتا رہی ہوں۔ جب نمرہ کی شادی یہاں آ کر کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔“

وہ بہت ہی الجھی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ تاہم عالمگیر صاحب نے انہیں دلاسا دیا کہ وہ کچھ سوچتے ہیں۔ لیکن ہر بار کی طرح اس بار بھی اماں بی کے آگے ان کی ایک نہ چلی۔

وہ اپنی بات پہ ایسی مصر رہیں کہ وہ کچھ بول ہی نہ پا رہے تھے اور پھر اماں بی کے آنسو..... جو ہمیشہ سے ہی انہیں کمزور بنا دیتے تھے۔

”تم بھی عشرت کی ہی زبان بول رہے ہو۔ آذر میرے جہانگیر کا خون ہے۔ اس پہ میرا حق زیادہ ہے اور مجھ سے میرا حق کوئی نہیں چھین سکتا۔“ عالمگیر صاحب نے اماں بی کو تاسف سے دیکھا۔ انہیں اپنے حق تو یاد تھے۔ پر اس بدنصیب ماں کے نہیں جس نے آذر کو پیدا کیا تھا۔

اس وقت اماں بی، کچھ بھی سمجھنے کے قابل نہیں

تھیں اس لیے انہوں نے یہی سوچا کہ عفرا کی شادی کے بعد وہ ان سے تفصیل سے بات کریں گے۔

* * *

میرا نام آذر اسرار احمد ہے۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ میں آذر جہانگیر ہوں۔ لیکن میری نانی یعنی اماں بی نے مجھے اپنی بیٹی عشرت جہاں کے ہاتھوں میں سونپ کر آذر جہانگیر سے آذر اسرار احمد بنا دیا۔ ستم ظریفی تو یہ تھی کہ مجھے اس حقیقت سے مطلق انجان رکھا گیا اور میں ایک طویل عرصے تک اپنی پھپھو کو اپنی ماں سمجھتا رہا۔ اسرار احمد جو کہ میرے پھوپھا لگتے تھے۔ انہیں باپ کا درجہ دیا اور اپنی کزنز نمرہ اور سدرہ کو سگے بھائیوں کی طرح چاہتا رہا۔

میری پرورش امریکا کے خوب صورت شہر نیویارک میں ہوئی۔ مجھے ایسا لگتا تھا میں یعنی آذر اسرار احمد سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوا ہوں۔ اچھا گھر، اچھی تعلیم، والدین کا لاڈ، بہنوں کا پیار نیز ہر وہ آسائش جس کی خواہش دنیا میں آنے والے ہر انسان کو ہو سکتی ہے۔ قدرت نے مانگنے سے پہلے ہی میرے آگے ڈھیر کر دی تھیں۔ بابا مجھے بزنس لائن میں لانا چاہتے تھے اور خود میرا بھی یہی شوق تھا۔ اس لیے میں اس طرف چلا گیا۔

میں بچپن سے ہی ایک بات نوٹ کرتا تھا کہ بابا اور مما ہم تینوں کو ہی دانستہ پاکستان سے دور رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ کبھی بھی ہمیں پاکستان لے کر نہیں آئے۔ ہم تینوں بھی ایک دوسرے کی کمپنی میں بہت خوش اور زندگیوں میں اتنے مگن تھے کہ کسی نے بھی جانے کی ضد نہ پکڑی۔ دوسرا یہ کہ ددھیال سے اکثر کسی نہ کسی کا امریکا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ چھوٹے تایا، وہاب بھائی، جہاں زیب بھائی اور شاہ زیب وہ لوگ تھے جو میرے لیے بالکل بھی اجنبی نہیں تھے۔

ان ہی دنوں وہاب بھائی کو میری پیاری بہن نمرہ پسند آ گئی تو بڑوں کی مرضی سے انہوں نے کسی بڑی تقریب کے اہتمام کا تکلف کیے بغیر ہیروں سے جگمگاتی رنگ

Art With You
Paint with Water Color & Oil Colour
First Time in Pakistan
a Complete Set of 5 Painting
Books in English

Art With You
Paint with Water Colour
Art With You

Art With You
کی پانچوں کتابوں پر حیرت انگیز رعایت

Water Colour I & II
Oil Colour
Pastel Colour
Pencil Colour

فی کتاب -/150 روپے
نیا ایڈیشن بذریعہ ڈاک منگوانے پر ڈاک خرچ
-/200 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

اس کی انگلی میں پہنا دی۔ ہم سب بہت خوش تھے کیونکہ نمرہ خوش تھی۔

ہم تینوں کی تربیت جس انداز میں مماپاپا نے کی تھی۔ اس کے بعد ہم مغرب میں رہنے کے باوجود بھی پوری طرح مشرقیت میں رنگے ہوئے تھے۔ ہمارے پہناوے 'بول چال' بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ اخلاقی رویہ نیز ہر چیز میں ہمارے پاکستان اور پاکستانیت زندہ و جاوید تھی۔ باقی کی کمی اسلامک سینٹر نے پوری کردی تھی۔ جہاں ہم تینوں باقاعدگی سے جاتے اور اپنے مذہب سے متعلق تعلیم حاصل کرتے۔

ان دنوں میرے ایم بی اے کے لاسٹ سمسٹر کے پیپر ہونے والے تھے جب مجھے نمرہ کی شادی کی خبر ملی۔

میں بہت خوش تھا اور دکھی بھی۔ خوش اس لیے کہ ایک طویل تاخیر کے بعد بالاخر بڑے تایا نے شادی کا فیصلہ لیا تھا اور دکھی اس لیے کہ اپنے ایگزامز کی وجہ سے میں وطن عزیز جا کر اپنی بہن کی شادی میں شرکت نہ کرسکتا تھا۔

میرے نہ جانے کا کوئی افسوس ان کے چہرے پہ نہ دیکھ کر میرا سینہ فخر سے چوڑا ہوگیا کہ میری مما آج بھی میرے کیریر کے ساتھ پر خلوص ہیں۔ مگر آج ادراک ہو رہا ہے کہ انہیں کوئی افسوس نہ تھا۔ بلکہ وہ خوش تھیں۔

ان سب کو ایرپورٹ پر سی آف کرکے میں گھر واپس آگیا۔

لیکن میں اس دن جب نمرہ کی مایوں کی رسم تھی۔ میں نے اس سے رات کے بارہ بجے بات کی تو اس نے رو رو کر جس انداز میں مجھ سے وہاں آنے کی التجا کی اس نے میرا سکون و اطمینان مجھ سے چھین لیا۔

نمرہ اور سدرہ میرے لیے کیا تھیں' یہ کوئی مجھ سے پوچھتا۔ ان کے ایک اشارے پر اگر مجھے اپنی جان بھی دینی پڑ جاتی تو میں خوشی خوشی اس عمل سے بھی گزر جاتا۔

میں نے نمرہ اور سدرہ کے علاوہ اور کسی کو نہیں بتایا کہ میں پاکستان آرہا ہوں۔ شاید اسی لیے میرے وہاں پہنچنے پر سب سے زیادہ دھچکا مما کو لگا۔ وہ مجھے اپنے سامنے پا کر خوشی کا اظہار کرنے کے بجائے بے ربط سے اعتراض کرنے لگیں۔ وہ سخت گھبرائی ہوئی تھیں۔

لیکن میں انہیں مطمئن کرنے سے پہلے نمرہ کی آنکھوں میں خوشیوں کے رنگ بکھرتے دیکھ رہا تھا۔

میں جب وہاں کھڑا تھا تو میرے سامنے بہت سے چہرے تھے۔ ان میں سے کچھ شناسا تھے اور کچھ بالکل اجنبی۔ ان ہی چہروں کے بیچ ایک چہرہ میری بہن عفرا کا بھی تھا۔ میری اصل بہن.... میری سگی بہن.... لیکن آہ! میری نظریں اسے پہچان ہی نہ سکیں۔ میں بذات خود اپنی ذات کی حقیقت سے انجان تھا۔

وہ تو مجھے کبھی پتا نہ چلتا کہ میں کون ہوں؟ اگر اس دن میں نے مما کو عالمگیر ماموں کے ساتھ فون پر بات کرتے نہ سنا ہوتا۔

آہ! کیسی آگہی تھی جس میں میں جل کر خاک ہو گیا۔

کاش کہ وہ لمحہ میری زندگی میں نہ آتا۔ میں اس پل وہاں موجود نہ ہوتا تو آج میرے اندر آگہی کے یہ طوفان نہ چل رہے ہوتے۔

میری زندگی تلپٹ ہو کر رہ گئی۔ ماما نے مجھ سے معافی مانگی کہ انہوں نے اپنی ماں کا ساتھ دے کر میرے اور میری ماں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ مجھے بے حد شرمندگی ہوئی تھی۔ انہوں نے مجھے بہت پیار دیا تھا مگر میں اپنے اندر ایک تشنگی سی محسوس کر رہا تھا۔ میں نے ان سے اجازت مانگی کہ میں اپنی اصل ماں سے مل لوں اور انہوں نے ہمیشہ کی طرح فراخی کا ثبوت دیا تھا۔

* * *

"تم خوش ہو ناں عفرا!" حجلہ عروسی میں داخل ہو کر شاہ زیب نے اپنی نئی نویلی دلہن کی ٹھوڑی پکڑ کر پوچھا۔ اس نے صرف گردن ہلانے پہ اکتفا کیا۔

"زندگی کا سب سے بڑا دن' شادی کی پہلی رات اور دلہن کے چہرے پہ اتنی اداسی.... پوچھ سکتا ہوں کیا وجہ

ہے اس کی؟" وہ اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"کچھ نہیں بس اماں کی وجہ سے پریشان ہوں۔" ٹپ ٹپ۔۔۔ نہ چاہتے ہوئے بھی دو آنسو شاہ زیب کے ہاتھوں کی پشت پر گر پڑے۔ شاہ زیب نے ان نمکین دو بوندوں کو بڑے غور سے دیکھا۔

"تم بے شک مجھے کچھ نہ بتاؤ۔ لیکن میں جان گیا ہوں کہ تمہاری سنجیدگی اور آنسوؤں کی وجہ کیا ہے۔ آج آذر کا فون آیا تھا۔ اس نے تمہیں ڈھیروں دعائیں دی ہیں۔ اسے سب پتا چل گیا ہے۔ ہم اگلے ہفتے سعودی عرب جائیں گے عمرہ کرنے۔ آذر اپنی بہن اور ماں سے خانہ کعبہ کے سائے میں ملنا چاہتا ہے۔"

شاہ زیب کے الفاظ تھے یا خوشیوں کا سندیس۔ وہ تو سن کر ہی جیسے سکتے میں آ گئی۔ شاہ زیب نے اسے قریب کر کے سینے سے لگا لیا۔ اسے لگا جیسے اس نے اپنی دنیا پا لی ہو۔

آسیہ بانو کو پتا چلا تو وہ دم بخود رہ گئیں۔

وہ لمحے بھی بڑے عجیب تھے۔ جب ایک ماں کا اپنے بیٹے سے ملن ہوا۔ خانہ کعبہ کے احاطے میں وہ کتنی ہی دیر ماں کو سینے سے لگائے کھڑا رہا۔ آسیہ کو لگا ان کی دھڑکنیں رک گئی ہیں۔ وہ بس اپنے بیٹے کی تیز دھڑکنوں کو سن رہی تھیں۔

"اماں! میں آپ کا بیٹا ہوں؟" ان کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لیے وہ بے تابانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ آسیہ بانو سے کچھ بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔

ماں اور بیٹے کے اس ملن پر عفرا اور شاہ زیب کی آنکھیں بھی چھلک پڑیں۔

آذر کے چہرے میں جہانگیر کا عکس دیکھ کر آسیہ کا دل عجیب انداز میں ڈولا تھا۔

اولاد اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ جوان بیٹے کو بانہوں میں سمیٹے جیسے وہ خود کو دنیا کی امیر ترین عورت تصور کر رہی تھیں۔

"میری بہن کیسی ہے؟" وہ عفرا کی طرف مڑا۔ اسے بانہوں کے حلقے میں لے کر اتنے پیار سے پوچھا کہ عفرا کا دل بھر آیا۔

"تمہیں دیکھ کر لگتا ہے سب کچھ پا لیا۔" وہ بڑی محبت سے کہہ رہی تھی۔

اسے وہ دن یاد آ گیا۔ جب وہ نمرہ کی شادی میں شرکت کے لیے گئی تھی اور وہاں آذر کو نمرہ اور سدرہ سے پیار کرتا دیکھ کر اس کے دل نے کہا تھا کہ آذر کی بہن ہونے کے ناتے اس کی محبتوں پر صرف اس کا حق ہے۔ آج وہ حق پا کر اس کا دل بہار بہار ہو گیا تھا۔

"بھئی ہم بھی موجود ہیں یہاں۔" شاہ زیب نے ہنکارا بھر کے کہا تو سب مسکرا دیے۔

"میری بہن کا ہمیشہ خیال رکھنا شاہ زیب!" وہ اس کے گلے لگتے ہوئے بولا۔

"تم فکر مت کرو۔ جو ہماری ڈیوٹی ہے وہ ہم خوبی نبھائیں گے۔" شاہ زیب نے اس شرارتی انداز میں کہا کہ عفرا کے عارضوں پہ لالی اٹد آئی۔

"اماں! مجھے پتا ہے ابا کی موت صرف ایک حادثہ تھی لیکن اماں بی کی توہم پرستی نے اسے آپ کے لیے سزا بنا دیا۔ آئیں اللہ سے اماں بی کے لیے ہدایت مانگیں۔ وہ اپنے در سے کسی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔" خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے سب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو سب کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

* * *

"اماں! آپ سے ایک بات کہوں۔" اس رات جب عفرا اور شاہ زیب اپنے کمرے میں چلے گئے تو آسیہ بانو کی گود میں سر رکھے آذر نے بڑے پیار سے اجازت طلب انداز میں پوچھا۔

"ہاں بیٹا ضرور کہو۔" آسیہ بانو نے فوراً" اجازت دی۔

"اماں! میں مما پاپا کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میں ان سے بہت پیار کرتا ہوں۔ وہ بھی میرے بغیر نہیں رہ سکتے۔ میں واپس نیویارک چلا جاؤں گا۔ لیکن میں بہت جلد

آپ کو اپنے پاس بلالوں گا۔ جب میں سیٹل ہو جاؤں گا تو آپ خود اپنے ہاتھوں سے میری شادی کروائیے گا میرے بچوں کو پالیے گا۔ آپ نے میرا بچپن نہیں دیکھا ناں تو جو بھی آپ کے ارمان ہیں وہ میرے بچوں کے ساتھ پورے کیجئے گا۔ اماں آپ کو اعتراض تو نہیں ہے ناں۔" وہ اتنے پیار اور خلوص سے کہہ رہا تھا کہ آسیہ کو اس پر فخر محسوس ہونے لگا۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی آذر! عشرت نے تمہیں اتنی اچھی تربیت دی ہے۔ اس کا تم پر مجھ سے زیادہ حق ہے۔" آسیہ بانو نے اس کی پیشانی چوم کر گلے سے لگا لیا۔

✲ ✲ ✲

اماں بی کو جب یہ خبر ہوئی کہ آسیہ بانو اپنے بیٹے آذر سے ملنے گئی ہیں تو ان کو جیسے چپ سی لگ گئی۔ ان کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ کبھی آذر ان سے ملنے کی خواہش کرے گا۔

عشرت نے فون کر کے ان سے کہا۔

"اماں! ہمارے بچوں کی خوشی میں ہی ہماری خوشیاں پوشیدہ ہیں۔ آذر اگر اپنی ماں سے مل کر خوش ہوتا ہے تو اس کی خوشی میں ہی ہماری خوشی ہے۔ آسیہ نے بہت دکھ سہے ہیں اماں بی! ہمیں مزید کسی کی آہ نہیں لینی چاہیے۔ آپ بھی سب بھول جائیں۔ معاف کردیں آسیہ کو۔

آج آذر نے مجھ سے بات کی۔ اس نے بتایا کہ آسیہ کو اس پر فخر ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی اتنی عزت کرتا ہے۔ وہ چاہتی تو آذر کو ورغلا بھی سکتی تھی۔ ہم سے بدلہ لینے کے لیے ہمارے خلاف بھی کر سکتی تھی۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ بہت اچھے دل کی ہے۔ سوچیں اماں بی! وہ آج بھی اتنی عزت کرتی ہے ورنہ ثروت بھابھی بھی تو ہیں۔ ان کے دل میں کیا ہے۔ یہ آپ بھی جانتی ہیں اور میں بھی۔ آسیہ تو پھر بھی نیک ہے۔ بس اب اس کی سزا ختم کر دیں۔ اور اسے گلے سے لگالیں۔"

عشرت نے بڑے تحمل سے اماں بی کو سمجھایا۔ وہ چپ تھیں۔ کوئی جواب نہ دیا۔ نہ ہی کسی ردعمل کا مظاہرہ کیا۔ ان کی چپ اس بات کا واضح اشارہ تھی کہ عشرت کی باتیں ان کے دل کو لگی ہیں۔

اس صبح جب آسیہ بانو آذر کے ساتھ واپس آنے والی تھیں تو فجر کی نماز کے وقت اماں بی کا سجدہ طویل ہو گیا تھا۔

خانہ کعبہ میں اماں بی کے لیے مانگی گئی ہدایت قبول ہو گئی تھی۔ وہ رو رو کر اللہ سے معافی مانگ رہی تھیں۔ مگر معاف تو اللہ بھی اس وقت تک نہیں کرتا جب تک بندہ خود اس انسان سے معافی نہ مانگے جس کا دل وہ دکھاتا ہے۔

"مجھے معاف کردو آسیہ! میں نے تمہار ساتھ بہت برا کیا۔"

آسیہ کو گلے سے لگا کر انہوں نے واقعی صدق دل سے اپنے گناہ کا اعتراف کیا تھا۔

عالمگیر صاحب کے دل میں سکون سا اتر آیا۔ جبکہ آسیہ شرمندہ سی ہو رہی تھیں۔

"ایسا کہہ کر مجھے گناہ گار مت کریں اماں بی! آپ ہماری بڑی ہیں۔ میں کل بھی آپ کی بہت عزت کرتی تھی اور آج بھی میرے دل میں آپ کی عزت کم نہیں ہوئی۔"

وہ ان کے گلے لگ کر زار و قطار رونے لگیں۔ آذر ان دونوں کو چپ کروا رہا تھا۔ جبکہ اپنی ماں کی یہ سرخروئی دیکھ کر عفرا کا دل اپنے رب کے سچے انصاف پر دل کی گہرائیوں سے شکر ادا کر رہا تھا۔

✲ ✲

آسناتھ کنول

مسافت وقت

Copyrighted material

کبھی کبھی ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو بڑے دوست لگتے ہیں دل چاہتا ہے کہ وہ ساری زندگی کے لیے دوست ہوں یہ خواب بھی روز میرا پیچھا کرتا ہے۔ آج بھی یہ خواب میری آنکھوں میں بسا ہے۔

میں جلدی سے کالم لکھ کر فارغ ہوئی کالم اخبار کے آفس بھیج کر کچھ ہی دیر میں سب کچھ بھول کر گھر کے کام کاج میں مصروف ہو گئی۔

ٹی وی دیکھنے کا موقع ملا تو ایک پروگرام میں ایک صاحب بڑے ہی اسمارٹ اور باوقار لگے نہایت مہذب اور شاندار ہمیں انہیں دیکھتی ہی رہ گئی ایسے خوب صورت لوگ بھی دنیا میں ہیں جو پہلی ہی نظر میں بھا جاتے ہیں کوئی دوست ہو تو ایسا ہو جس کی دوستی پہ فخر محسوس ہونے لگے یوں خواب ایک کہانی کی صورت اختیار کر گئے۔

"لائیے یہ کوٹ مجھے دیجیے۔"

"ہاں یہ لو آج تو بہت تھک گیا ہوں۔ آج کام بھی بہت تھا۔ میں ایک دو گھنٹے کے لیے سونا چاہتا ہوں مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے کیوں کہ رات کو میں نے کل صبح کے لیے مقدمے کی تیاری کرنی ہے۔ ٹھیک ہے۔"

"آپ کافی پی لیں اور پھر سو جائیں میں فون آف کر دوں گی۔"

"اف کس قدر تھکا دینے والا کام ہے مقدمہ لڑنا کتنی مغزماری اور کتنی تیاری کرنی پڑتی ہے' خیر میں یہ مقدمہ جیت کر رہوں گی۔"

کافی آگئی تھی کافی پی کر وہ پرسکون ہو گئے۔

"آپ آرام کیجیے میں کچن میں جا رہی ہوں۔" کہتی ہوئی وہ کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

جمیل خان آج سارا دن کی عدالتی تھکن اتارنا چاہتے تھے دو گھنٹے کا الارم لگایا اور سو گئے بیگم گھریلو کام کاج میں مصروف تھیں انہوں نے شوہر کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ ٹھیک دو گھنٹے بعد جمیل خان اٹھ بیٹھے فریش ہوئے فائلیں سنبھالیں اور گھر ہی میں بنائے ہوئے اپنے آفس کی طرف چل دیے۔

"ذرا بیگم کافی کا ایک کپ بھجوا دیں پلیز۔" انہوں نے نرمی سے کہا۔

"جی اچھا اور ہاں سنیے وہ نعمت اللہ خان کا فون آرہا ہے مسلسل ہمیں نے نمبر لے لیا ہے مناسب سمجھیں تو فون کر لیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" وہ کہہ کر بیٹھے ہی تھے کہ فون پھر آگیا۔

"ہاں نعمت اللہ یار کیا بات ہے خیریت تو ہے۔"

"ایک خاص بات کرنی تھی۔"

"ایسی بھی کیا بات تھی کہ تم نے کافی دفعہ فون کیا۔"

"یار بس تم مصروف اتنے زیادہ ہو کہ بار بار کال کرنی پڑتی ہے۔"

"اچھا بتاؤ۔ کیا خاص بات تھی۔"

"تمہاری خیریت دریافت کرنا تھی اور ایک خاص بات تھی۔

آج ایک مضمون اخبار میں چھپا ہے تمہاری بڑی تعریفیں ہیں اس میں کسی لڑکی نے لکھا ہے میں نے پڑھا تو مجھے یوں لگا جیسے وہ تمہیں پسند کرتی ہے۔" نعمت کا انداز معنی خیز تھا۔

"یار نعمت پسند کی بات کیا کرتے ہو بندے کی اہمیت کام سے ہے میرا کام ہی میری اہمیت کا باعث ہے۔ لوگ بہت محبت کرنے لگے ہیں بہت سے فون کال' ای میل لیٹرز ملتے ہیں کہیں چلا بھی جاؤں تو لوگ ایسے جمع ہو کر تعریفیں کرتے ہیں جیسے میں کوئی اداکار ہوں۔ حالانکہ ہوں تو ایک وکیل بس کوئی اہم مقدمہ آجائے تو لوگ پرجوش ہو جاتے ہیں۔"

"یار یہ ساری باتیں ٹھیک ہیں میں جانتا ہوں مگر یہ ذرا نئی طرز کی تعریف ہے تمہارے کام کو سراہنے والی بھی سراہے جانے کے قابل ہے۔"

"اچھا تو میری طرف سے اس کا شکریہ ادا کر دو۔"

"بالکل بھی نہیں۔" نعمت اللہ مکر گیا۔

"تم خود بات کرو گے۔ نمبر تمہیں میں دے دوں گا۔"

"اچھا یار ٹھیک ہے میں خود شکریہ ادا کر دوں گا اب

خوش۔"

"ٹھیک ہے مضمون تمہیں بھجوا رہا ہوں پڑھ لینا ٹھیک ہے۔"

فون رکھ کر جمیل خان اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ اس بات کو تقریباً" وہ بھول چکے تھے جب ٹی سی ایس کے ذریعے ایک لفافہ انہیں موصول ہوا۔ انہوں نے لفافہ کھولا تو اس میں اخبار کی کٹنگ تھی وہی مضمون جس کا تذکرہ نعمت اللہ نے کیا تھا وہ اپنے کمرے میں اطمینان سے بیٹھ کر مضمون پڑھنے لگے۔ مضمون پڑھتے گئے اور تحریر کے سحر میں ڈوبتے گئے عجیب تحریر تھی بہا کر لے گئی۔

"آج تک کسی نے اس پہلو سے مجھے دیکھا ہی نہیں لوگ کتنی گہری نگاہ رکھتے ہیں۔" وہ کتنی ہی دیر اس تحریر میں کھوئے رہے۔

"واقعی شکریہ ادا کرنا پڑے گا۔" انہوں نے سوچا اور اسی وقت پھر اسی نعمت اللہ کا فون آ گیا۔

"جی حضور مضمون یقیناً" پڑھ لیا ہو گا اور متاثر بھی ہوئے ہوں گے۔"

"مضمون تو واقعی بہت اچھا ہے۔ لکھنے والی نے دل کھول کر رکھ دیا ہے۔ تم اس طرح کرو مجھے اس کا فون نمبر دے دو میں اس کا شکریہ ادا کروں گا۔"

"جمیل خان صاحب میں نے تو پہلے ہی کہا تھا اور نمبر دینے کے لیے ہی فون کیا ہے یہ لیں لکھ لیں۔"

"بہت تیز جا رہے ہو نعمت اللہ۔"

"بس یار تمہاری صحبت کا اثر ہے۔"

"اچھا... اچھا زیادہ اسمارٹ بننے کی ضرورت نہیں 'اوکے تم اس نامعلوم حسینہ سے گپ شپ کرو میں بعد میں معلومات کر لوں گا اوکے اللہ حافظ۔"

جمیل خان نے نمبر دیکھا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے اسٹڈی میں چلے آئے۔

"بیگم ایک کپ چائے بھجوا دیں میں ذرا مصروف ہوں۔"

"جی بہتر۔" انہوں نے وہیں سے جواب دیا فون کی بیل مسلسل جا رہی تھی مگر کوئی اٹھا نہیں رہا تھا دوبارہ کوشش کرنے پر نمبر مل گیا۔

"ہیلو۔" مودبانہ اور شیریں سی آواز سنائی دی۔

"آداب!"

"تسلیم۔" دوسری طرف سے آواز آئی انداز نہایت باادب اور مودبانہ تھا۔

"میں مس مہو سے بات کر سکتا ہوں جو اخبار میں مضامین لکھتی ہیں۔"

"جی میں مہرالنساء ہی بات کر رہی ہوں آپ کون بات کر رہے ہیں۔"

"میں جمیل خان بات کر رہا ہوں۔ بیرسٹر جمیل خان۔"

"کیا...؟ فون اس کے ہاتھ سے چھوٹتے ہوئے بچا تھا۔

"آپ نے میرے متعلق مضمون لکھا میں اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا آپ نے بہت اچھا لکھا ہے آپ کی تحریر بڑی مضبوط ہے اثر رکھتی ہے۔"

"جی بہت شکریہ میں تو بس یونہی صفحوں پر قلم گھسیٹتی رہتی ہوں۔"

"اچھے اور برے کا فیصلہ ہم تو نہیں کر سکتے مگر کچھ اچھا کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا ہمارا حق بنتا ہے۔"

"میں نے کوشش کی اور میری کوشش میں ففٹی پرسنٹ ہاتھ آپ کی خوب صورت شخصیت کا ہے۔ باقی ففٹی پرسنٹ آپ کا کام ہے میں نے ایسی کوئی خاص محنت نہیں کی۔" وہ بولتی چلی گئی۔

"بہرحال آپ نے فون کیا۔ میں حیران بھی ہوں اور خوش بھی۔"

"حیران کیوں ہیں۔" جمیل خان نے پوچھا۔

"مجھے توقع نہیں تھی کہ آپ فون کر سکتے ہیں آپ جیسے مصروف لوگ صرف اپنے کام سے محبت رکھتے ہیں۔"

"بات تو آپ کی درست ہے مس مہو۔ مگر ہم ایسے خشک لوگ بھی نہیں زندگی میں کوئی متاثر کرنے والا مل جائے تو اس کی تعریف بھی کرتے ہیں اس شرط پر کہ

وہ برا نہ منا جائے۔" مہو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہم تو ابھی اس کیٹیگری میں نہیں آئے کہ متاثر کر سکیں پھر بھی آپ کی تعریف کا شکریہ۔ او کے' پھر کبھی بات ہو گی اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" مہو ریسیور تھامے کتنی ہی دیر فون کے پاس کھڑی رہی۔

"پتا نہیں میں اس جذبے کو کیا نام دوں یہ محبت ہے یا پسندیدگی یا ویسے ہی اس سے متاثر ہوں' مگر کیا کروں اس کا باوقار چہرہ ذہن کی تختی پر نقش ہو گیا ہے۔ بھلائے نہیں بھولتا میں ان حالات کو کیسے قابو کروں میں اس کے لیے جذباتی تحریریں لکھنے لگی ہوں۔ جس سے میرا کبھی کوئی واسطہ نہیں اور واسطہ ہو بھی تو کیا میں اسے حاصل ہی نہیں کر سکتی۔ وہ ایک شادی شدہ اور بچوں کا باپ ہے۔ نہایت وفادار اور حسین بیوی کا شوہر ہے اور کہاں میں سانولی شام جس کا مقدر بھی اندھیروں میں ڈوبا رہتا ہے مقدر بنانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتی ہوں تگ و دو کرتی ہوں۔ شاید کبھی میرے راستے بھی چمک اٹھیں میں بھی خوشبو بھری آزاد ہواؤں میں سانس لے سکوں۔" کتنی ہی دیر بے دھیانی سے وہ سوچتی رہی۔

"مجھے کیا چاہیے میری خواہش کیا ہے جذبہ کیا ہے' طلب کیا ہے ایک شخص جو ساری زندگی قریب رہے' وجود کا حصہ رہے یا وہ جو سانس میں خوشبو بن کر مہکتا رہے۔ پر دور کہیں اپنی دنیا میں مگن اور مست ہو جس کے لیے کوئی طلب اور خواہش نہ ہو اسے حاصل کر لینے کا جنون ہو نہ اس کی طلب ستائے۔ نہ اس کی یاد رلائے لیکن وہ سراسر اپنا ہو مگر کیسے یہ تو عجیب فلسفہ ہے۔

"میں مہرالنسا عرف مہو جو کسی کی ادائے دلبری پر مر مٹی ہوں۔ صرف اتنی سی خواہش رکھتی ہوں کہ کسی کے اپنا ہونے کا یقین باقی زندگی کے لیے کافی ہے۔"

مہرالنساء اپنے روم میں آگئی آج وہ بہت تھک گئی تھی۔ دفتر میں کام ہی بہت تھا اخبار کے دفتر میں ویسے بھی بڑا کام ہوتا ہے اور لکھنے پڑھنے کا کام تو ویسے بھی نری سر کھپائی ہے۔ وہ بستر پر لیٹ گئی۔

"اماں چائے کا ایک کپ ملے گا آج تو کام بہت تھا تھک گئی ہوں۔" وہ لیٹے لیٹے بولی۔

"اچھا بیٹا لاتی ہوں چائے۔ کام بھی تو بہت کرتی ہو نا۔"

"اماں کام نہ کروں تو ہم دونوں کھائیں کہاں سے' اب اس بزرگی میں آپ کچھ کرنے سے رہیں اب مجھے ہی تو کچھ کرنا ہے نا۔"

"اچھا بیٹا مگر اب جلدی سو جانا کتابیں پڑھنے میں نہ لگی رہنا۔"

"جی اماں بے فکر ہو کے سوئیں میں بھی اب آرام کروں گی۔"

کلیات فیض کو ہاتھ میں پکڑے وہ چائے کی چسکیاں لینے لگی۔ اچانک اسے بیرسٹر جمیل کا فون یاد آیا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"کاش یہ شخص مجھے مل جاتا تو زندگی کے رنگ ڈھنگ اور سارے اطوار بدل جاتے' پر اس کے لیے مجھے کسی بڑے گھر میں پیدا ہونا پڑتا یہاں اندرون لاہور کے محلوں میں کون آ کے پوچھتا ہے کہ تم کون ہو۔

ان تنگ تاریک افسردہ اور سال خوردہ گلیوں اور عمارتوں سے بھاگ جانے کو دل کرتا ہے کیسی وحشت ہے یہاں سب کچھ آسیب زدہ سا لگتا ہے۔" اس نے اپنا سو سال پرانا کمرہ دیکھا تو لرز کر رہ گئی حالانکہ اس نے اسے ہر ممکن جدید بنانے کی کوشش کی تھی۔ پردے' فرنیچر' کارپٹ' ڈیکوریشن کی چیزیں' مگر پھر بھی بوسیدگی ہر ایک اینٹ سے جھانکتی تھی۔

اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"ساڑھے دس بجے کس کا فون آگیا۔" اس نے سوچتے ہوئے فون اٹھایا۔

"ہیلو میں بات کر رہا ہوں۔"

"میں کون۔" مہو نے حیرت سے پوچھا حالانکہ آواز سنی سنی سی لگ رہی تھی۔

”بیرسٹر جمیل خان۔ میں نے دوپہر کو بھی فون کیا تھا۔“

”آپ۔“ وہ پھر حیرت زدہ رہ گئی۔

”آپ اس وقت۔“

”ہاں اس وقت میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا۔“

”نہیں۔۔۔۔ نہیں۔“ اس نے جلدی سے کہا۔

”ابھی میں کچھ اہم دستاویزات دیکھ رہا تھا کہ آپ کا مضمون سامنے آگیا دوبارہ پڑھا۔ دل چاہا کہ دوبارہ بات کروں۔“

”بہت شکریہ۔“

”کیا کر رہی تھیں۔“

”میں سارا دن کی تھکن اتار رہی تھی اور کلیات فیض کا مطالعہ کر رہی تھی۔“

”ہوں شاعری سے بھی دلچسپی ہے۔“

”جی پڑھنے کی حد تک۔“ مہو نے جواب دیا۔

”اور کیا کیا مشاغل ہیں۔“

”اخبار کی نوکری، لکھنا، پڑھنا، گھرداری اور بس۔۔۔“

”گھرداری سے مراد شادی شدہ ہیں۔“

”جی نہیں ابھی تک تو یہ خوشگوار حادثہ نہیں ہوا، میرے ساتھ اماں ہیں بابا وفات پا چکے ہیں بس ہم ماں بیٹی ایک دوسرے کے ساتھ خوش ہیں۔“

”کیا مطلب اتنی خوب صورت زندگی ایسے ہی ضائع کیے چلی جا رہی ہیں۔“

”تنگ و تاریک گلیوں میں رہنے والوں کے مقدر بھی ان گلیوں کی مانند ہوتے ہیں جہاں صرف زندگی گزرتی ہے اور کچھ نہیں زندگی سے رنگ اور خوشبو کشید کرنے والے محلوں اور باغات میں رہتے ہیں جہاں چاروں طرف درختوں کی قطاریں اور پھلواریاں ہوتی ہیں گندی نالیاں نہیں۔“ اس نے تلخی سے کہا۔

”لگتا ہے آپ صرف زندگی کا تاریک پہلو دیکھتی ہیں“ جمیل گویا ہوئے۔

”نہیں تاریک پہلو نہیں اپنے اردگرد بکھری کڑوی حقیقت ہم صرف خواب دیکھتے ہیں اس کی تعبیر تک کبھی نہیں پہنچتے۔“ لہجے میں جیسے کڑواہٹ گھل گئی تھی۔ آنکھوں میں نمی سی اترنے لگی بھیگے ہوئے لہجے کو جمیل خان نے بھی محسوس کیا۔

”آپ اتنا خوب صورت لکھتی ہیں کماتی ہیں تو اب کسی اچھے علاقے میں گھر کیوں نہیں لے لیتیں۔“

”اپنی حفاظت بھی تو کرنی ہے یہاں تو چاروں طرف محافظ نگاہیں بس ذرا سی تکلیف پر ہزاروں ہاتھ آگے بڑھتے ہیں کھلے علاقے میں تو دن دیہاڑے کسی کی عزت اغوا ہو جاتی ہے کوئی پوچھتا نہیں۔“ وہ تلخی سے بولی۔

”میرا کہنے کا مطلب ہے ہمارے ساتھ کوئی مرد نہیں ہے اس لیے کسی اور جگہ جانے کا رسک نہیں لیتے۔“ اس نے لہجے کو بدلنے کی کوشش کی۔

”ہوں۔“ جمیل خان نے لمبا سانس لیا۔

”آپ شادی کیوں نہیں کر لیتیں۔“

”شادی کر لوں تو اماں کو کون سنبھالے۔ اماں نے تو بہت دفعہ کہا مگر۔۔۔ اس عمر میں میں انہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتی مجھ سے یہ نہیں ہوتا اور پھر کسی ایسے ویسے بندے کے پلے پڑ جانے سے بہتر ہے کہ اکیلے جی لیا جائے۔“

”اف بھئی آپ بہت تلخ باتیں کرتی ہیں۔“

”حقیقت پسند ہوں اور حقیقت نگار ہوں۔“

”جی واقعی میرے بارے میں تو پوری حقیقت بیان کر دی، آپ نے مجھے کہاں آبزرو کیا ہو سکتا ہے میں ویسا نہ ہوں جیسا آپ نے لکھا میں اس سے مختلف بھی تو ہو سکتا ہوں۔“

”ہر ایک کا اپنا نقطہ نظر ہوتا ہے۔“ وہ گویا ہوئی۔

”میں نے جس پہلو سے آپ کی شخصیت کو دیکھا مجھے وہ اچھی لگی تو میں نے لکھ دیا اس کے علاوہ آپ کیسے ہیں اس سے مجھے کوئی مطلب نہیں آپ کی اپنی شخصیت ہے اپنی زندگی ہے اپنی مصروفیات ہیں فیملی ہے۔“

”مہو میرا فون کرنا آپ کو کیسا لگا۔“ وہ ہنس پڑی۔

”ظاہر ہے اچھا لگا اسی لیے تو اتنی دیر سے باتیں کر رہی ہوں برا لگتا تو اب تک فون بند کر چکی ہوتی۔“

”ویل میں پھر بھی کبھی بات کرنا چاہوں تو آپ برا تو نہیں منائیں گی۔“

”یہ اس بات پہ منحصر ہے کہ میری زندگی ڈسٹرب نہ ہو۔“

”کیوں کیا زندگی ڈسٹرب ہونے کا اندیشہ ہے۔“ جمیل خان نے پوچھا۔

”ہونے کو کیا نہیں ہو سکتا میں بہت حقیقت پسند لڑکی ہوں، اپنے انجام سے باخبر رہنا چاہتی ہوں۔“

”ایک بات کہوں مس مہو۔“

”جی فرمائیے۔“

”اب اپنی تمام تر تلخیوں اور حقیقتوں کے ساتھ مجھے اچھی لگی ہیں، پھر بات ہو گی اللہ حافظ۔“ انہوں نے فون بند کر دیا۔

”یہ کیا کہہ دیا جمیل خان میں یہی تو سننا چاہتی تھی مدتوں سے کوئی تو مجھے میری تاریکیوں سمیت پسند کرے، لیکن میں کبھی بھی کسی کو دکھ نہیں دینا چاہتی اور جمیل خان تمہیں تو بالکل بھی نہیں، تمہیں شدت سے پسند کرنے کے باوجود میں تمہیں کبھی آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دوں گی۔“

نیند بھاگ چکی تھی کلیات فیض ایک طرف رکھ کر وہ سوچنے لگی ایک ہی شبیہ آنکھ کے پردوں پر رقصاں تھی۔ کیا میری دعائیں قبول ہو گئی ہیں۔

وہ جمیل خان کے خیال کو جھٹکتی رہی نجانے کب اسے نیند آ گئی۔

☼ ☼ ☼

”کیا بات ہے تم آج دیر سے اٹھیں۔“

”بس اماں نیند ذرا دیر سے آئی۔“ وہ جلدی جلدی تیار ہوتے ہوئے بولی۔

جمیل خان کی آواز ان کے سوال سارا دن اس کا پیچھا کرتے رہے دفتر میں بھی کھوئی کھوئی رہی۔

”میں کیوں یہ سوچ رہی ہوں۔ اپنی محرومیوں کا ازالہ میں اس سے کیوں کرنا چاہتی ہوں۔ وہی کیوں کوئی اور کیوں نہیں، مگر دل ہے کہ مانتا نہیں اسے کھیلنے کو چاند چاہیے جو دسترس سے کوسوں دور ہے۔ یہ میں کن راہوں پر سرپٹ دوڑ رہی ہوں ان میں سے کوئی راستہ بھی میرے گھر کی طرف نہیں جاتا۔“

دل کو دماغ نے دلیلوں سے قائل کرنا چاہا۔ عقل کو مشورے دیے آنکھوں کا دھیان بٹایا پر بات نہیں بنی چاروں طرف جمیل خان روشنی بن کر پھیلے ہوئے تھے۔ ہر دیوار پر ان کی شبیہ تھی ہر چہرے پر ان کا گمان گزرتا۔ وہ لاچار ہو گئی۔ خود کو سنبھالتے سنبھالتے وہ نڈھال ہو گئی۔ یوں لگا جیسے ساری زندگی گزر گئی ہو۔ وہ تو صدیوں سے اس صحرا میں پیدل چل رہی تھی آبلہ پا‘ یہ تصویریں تو ازل سے اس کے ساتھ متحرک تھیں۔

کیا کروں میں ان کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی۔ میں ایک مضبوط لڑکی ہوں یہ سوچ کر وہ ریت کی طرح ڈھے جاتی۔ اپنی ہی مٹھی سے وہ ریزہ ریزہ پھسلنے لگتی۔

پھر ان کا فون آیا تو کیا کروں گی کیا کہوں گی۔ سارے بھرم کھل جائیں گے ٹوٹ جاؤں گی۔

”مہو تم خود کو کیوں برباد کر رہی ہو تمام کوششوں کے باوجود تم انہیں بھول نہیں پائیں۔ ان کی تصویر ذہن کے پردے سے جھٹک نہیں سکیں تسلیم کر لو کہ تم ان سے محبت کرتی ہو۔“

”نہیں ایسا نہیں ہو سکتا میں اس بات کو نہیں مانتی۔“ وہ خود سے لڑتے لڑتے ہار گئی تھی مگر یہ جنگ ختم ہی نہیں ہوتی تھی۔

وہ پوری توجہ سے اپنا کام کرتی۔ ماں کی خدمت گھر کے کام کاج وہ کسی کام میں فرق نہیں آنے دینا چاہتی تھی مگر دل کی اتھل پتھل اپنی جگہ قائم تھی۔

”میں انہیں اچھی لگی ہوں۔“ اس ایک جملے نے اس کی ساری زندگی کی ریاضت تہ و بالا کر دی تھی۔ خود تو وہ غالباً ”بھول بھی چکے تھے کہ بڑے لوگوں کا یہی شیوہ ہوتا ہے۔ اک شکوہ بھی تھا کہ ایک ہفتہ ہو گیا انہوں نے پوچھا تک نہیں ایک جملہ بول کر بھول گئے۔ تمام تر انکار کے باوجود وہ ان کے فون کا انتظار کرتی رہتی

تھی۔ سارا دن خیالوں میں جمیل خان سے نجانے وہ کتنی باتیں کرتی ہر وہ بات جو وہ کرنا چاہتی تھی۔ جو اس کا دل چاہتا تھا۔

بالآخر ان کا فون آ ہی گیا اور وہ گنگ سی ان کی آواز کے زیر و بم میں کھو گئی۔

"ہیلو مس مہو کیا حال ہے۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

"ساری زندگی میں آگ لگا کر پوچھتے ہو کہ کیا حال ہے۔"

"جی ٹھیک ہوں آپ کہئے کیسے ہیں۔ کام کیسا چل رہا ہے فیملی کیسی ہے۔"

"سب اللہ کا شکر میں دراصل ایک ہفتے کے لیے انگلینڈ چلا گیا تھا۔ کل رات واپس آیا ہوں۔"

"اچھا کیسا ٹور رہا آپ کا۔"

"بہت اچھا مگر اس دفعہ ایک تبدیلی بھی میرے ساتھ تھی۔"

"وہ کیا۔" مہو کا دل دھڑکا۔

"آپ کی آواز میرے ساتھ رہی۔" مہو کانپ کر رہ گئی۔

"یہ تو بہت برا ہوا؟" وہ چپ سی ہو گئی۔

"کہاں کھو گئیں۔"

"نہیں کچھ نہیں۔" مہو نے خود کو سنبھالا۔

"بھئی اس دن تو آپ بہت بول رہی تھیں مجھے آپ کا بولنا اچھا لگا تھا اور آج آپ نے غالباً "نہ بولنے کی قسم کھا رکھی ہے۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ بمشکل مسکرائی۔

"کوئی خاص بات ہوئی ہے کیا؟" وہ کرید رہے تھے۔

"میرا فون کرنا برا لگا۔ معذرت چاہتا ہوں میں تو سوچ رہا تھا کہ آپ نے یقیناً "مجھ ناچیز کو یاد کیا ہو گا۔ میں اپنے ہی طور پر خوش فہمی میں مبتلا ہوتا رہا۔"

"دیکھیے جمیل صاحب اب بات نہ بڑھائیں تو اچھا ہے۔ میں شاید آپ کی توجہ افورڈ نہ کر سکوں۔" وہ تلخی سے بولی۔

"کیوں آخر کیوں۔" وہ لڑنے پر اتر آئے۔

"آپ کا کیا خیال ہے کہ میں اتنا فارغ بیٹھا ہوں کہ سب پر اپنی توجہ نچھاور کرتا پھروں۔ میں بہت ریزرو قسم کا آدمی ہوں آپ کی گفتگو نے میری سوچ کو نیا رخ دیا اور پھر میں نے تو کچھ طلب بھی نہیں کیا آپ نہایت خود غرض خاتون ہیں مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو سمجھ نہیں پایا' فون کرنے کی معذرت اللہ حافظ۔" انہوں نے فون رکھ دیا۔ آنسو اس کے اندر باہر کو بھگو رہے تھے۔

"میں اپنی ذات کی تلخیوں میں آپ کو شامل نہیں کر سکتی جمیل آپ کو اپنے ساتھ کانٹوں میں نہیں گھسیٹ سکتی۔ ایک ہنستی بستی فیملی کو ڈسٹرب کرنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔" کتنی ہی دیر وہ محبت کی مرگ پر آنسو بہاتی رہی۔

اک کسک سی دل کو کاٹتی رہی لیکن وہ مطمئن تھی' اسے ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔ اس نے نئے سرے سے خود کو سنبھالا وہ ان حالات کو ڈھیل دیتی تو بات بڑھ جاتی اور پھر حالات بگڑ جاتے۔ اس نے خود کو مطمئن کیا اور نئے سرے سے اپنے کام میں جت گئی۔

مگر جمیل خان اس تلخ سی لڑکی کی کڑوی باتیں بھلا نہیں سکے۔ آفس میں کتنی ہی دیر وہ خالی الذہن بیٹھے رہے۔

"مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں بیٹھے بٹھائے کدھر کو چل نکلا ہوں کسی تاریک محلے میں رہنے والی مڈل کلاس لڑکی میرے حواسوں پر قابض ہونے لگی ہے اور کیسے اس نے مجھے ٹھکرا دیا ہے اور میں ہوں کہ اسے بھول ہی نہیں پا رہا نہ کبھی اسے ملا نہ اسے جانتا ہوں نعمت اللہ نے مجھے کس طرف لگا دیا ہے۔

مہرالنساء میں جانتا ہوں تم مجھ سے بچنا چاہتی ہو اور مجھے بھی بچانا چاہتی ہو۔ مگر تمہیں کیا معلوم کہ بات میرے بس سے باہر ہو گئی زندگی میں پہلی دفعہ تو ان جذبوں سے روشناس ہوا ہوں۔ ساری زندگی تو کام کرتے گزر گئی روٹین لائف جذبوں سے عاری لفظوں سے کھیلتے حرفوں کا ہنر دکھاتے آواز اور علمیت کا جادو جگاتے زندگی گزر گئی کہاں گئی پتا ہی نہیں چلا کوئی

جذبہ نہ خواہش نہ تڑپ نہ کسک جیسی زندگی ہونی چاہیے ایک ہی ڈگر پہ چلتی زندگی‘ شادی‘ بیوی‘ بچے‘ گھر نوکری۔

پر میں کہاں ہوں میرا اپنا آپ کہاں ہے میری ذات کہاں رہی میں تو سب کا ہوں مگر میرا کیا ہے کبھی کسی کو پسند نہیں کیا کبھی کسی سے محبت نہیں کی خود سے الگ ہو کے کبھی سوچا ہی نہیں تو پھر یہ تبدیلی کیوں۔ مہو کی آواز امرت بن کر کیوں میرے وجود میں اتر گئی۔ میرے پاس اتنا کچھ ہے۔ کیا ہے اگر میں مہو کی زندگی کی تاریکیاں دور کر سکتا‘ مگر اس نے تمام امکانات اور ممکنات کو رد کر دیا ہے۔ کیا کروں اس تھوڑے سے عرصے میں ہی اس سے بات کرنا اچھا لگنے لگا تھا۔

مہو کاش تم سمجھ سکتیں میں تمہیں کبھی پریشان نہ کرتا۔ میں تو تمہاری مدد کرنا چاہتا تھا۔ مگر تم نے پہلے ہی قدم پر روک دیا کاش تم مجھے سمجھ سکتیں۔" جمیل خان کتنی ہی دیر تصور میں اس کی تصویر بناتے رہے۔

وقت کو گزرنا ہے۔ گزر جاتا ہے۔ مہو کی زندگی میں اس تبدیلی کو آئے چار ماہ ہو گئے تھے اب وہ کافی حد تک سنبھل گئی تھی۔

کل ہی اسے اسلام آباد میں ایک سیمینار کا لیٹر ملا تھا۔ عورتوں کے مسائل پر ایک بین الاقوامی مذاکرہ تھا اسے بھی پروگرام کی کوریج کرنے کی دعوت دی گئی تھی اپنے اخبار کی طرف سے اسے وہاں جانا تھا۔ وہ جانا تو نہیں چاہتی تھی مگر جانا ضروری تھا اماں کے لیے کھانا بنا کر فریج میں رکھا اور ماں کی فکر اور دعا کے سائے میں وہ سفر پر چل پڑی۔

سیمینار میں پورے پاکستان سے سرکردہ خواتین آئی تھیں کئی واقف کار خواتین اور صحافی وہاں موجود تھیں اسٹیج سیکرٹری کی جانب سے بہبود خواتین کی وزیر صاحبہ کو صدارت کے لیے بلایا گیا۔ مہمان خصوصی کے لیے جس کا نام پکارا گیا وہ نام سن کر وہ ساکت ہو گئی۔ ہیومن رائیٹس کے حوالے سے بیرسٹر جمیل خان کو دعوت دی گئی تھی وہ مہمان خصوصی تھے۔ وہ ہاتھ میں کاپی پنسل اور کیمرہ پکڑے ساکت و جامد بیٹھی تھی۔

"کہیں انہیں پتا نہ چل جائے۔"

"مگر میں ڈرتی کیوں ہوں۔" اس نے خود کو حوصلہ دیا۔

"ہمارے درمیان کون سے عہد و پیمان ہوئے تھے جو ٹوٹ گئے وہ ایک شاندار اور باوقار شخص میں تو ان کی دوستی کے لائق بھی نہیں ایسے خواب سجانے کا فائدہ کیا جن کی کوئی تعبیر ہی نہ ہو۔" اس نے سر کو جھٹکا اور کام میں مصروف ہو گئی۔ ہلکے سے گلابی رنگ کے کاٹن کے سوٹ میں عینک لگائے وہ اپنے لمبے سیاہ بالوں کو کلپ کیے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

"میں ان کے سامنے بھی رہوں تو وہ مجھے پہچان نہیں سکتے۔" وہ دل کڑا کر کے تصاویر بنانے لگی کیمرے کی کلک کے ساتھ ہی اس نے سامنے دیکھا جمیل خان کی نگاہیں اس پر جمی تھیں اس کے اخبار کے نام کا ٹیگ گلے میں لٹک رہا تھا وہ تھوڑا سا گھبرائی مگر ہمت کر کے مختلف پوز سے مطلوبہ تصاویر بنانے کے بعد وہ سامنے ہی ایک خالی کرسی پر بیٹھ کر کارروائی نوٹ کرنے لگی تقاریر ہوتی رہیں وہ اپنے چھوٹے سے ٹیپ ریکارڈ میں ریکارڈ بھی کرتی رہی نوٹس بھی لیتی رہی۔

اس کے لمبے بال سب کی توجہ کا مرکز بنے رہے سیمینار کے اختتام پر شاندار ڈنر تھا۔ وہ بیگ سنبھالتی دوسرے لوگوں کے ساتھ ڈائننگ ہال کی طرف چل دی۔

پلیٹ میں تھوڑا سا کھانا اور سلاد ڈال کر وہ ہال کے ایک کونے میں چلی گئی سب سے الگ تھلگ اچانک کسی نے پیچھے سے پکارا۔

"آداب۔" اس نے گھبرا کر پیچھے دیکھا جمیل خان اپنی تمام تر وجاہت سمیت کھڑے تھے۔ وہ چپ سی رہ گئی نگاہیں ان کے چہرے پر ٹک ہی نہیں رہی تھیں وہ چہرہ جسے اس نے پوجنے کی حد تک چاہا تھا اسے قریب سے دیکھنے کی تمنائی تھی اور اب وہ اس قدر قریب تھا کہ اس کی سانسیں رکنے لگیں۔

"پانی‘ ویٹر مجھے پانی چاہیے۔"

"یس مس۔" ویٹر نے کہا۔

"ہم کہیں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔"

"آپ کیا بات کرنا چاہتے ہیں؟"

"یہاں کھڑے کھڑے تو نہیں بتا سکتا۔"

"ابھی کیا مصروفیات ہیں۔"

"ہوٹل جاؤں گی جہاں میرا کمرہ بک ہے اور کل واپس لاہور۔"

"چلیں کمرے میں جانے سے پہلے میری طرف سے آپ کے اعزاز میں چائے کا ایک کپ اور کچھ نہیں سنوں گا دس منٹ بعد باہر کے گیٹ پہ آجائیے گا۔" وہ اسے ہدایت دے کر چلے گئے۔

"کیا کروں نہ جاؤں تو نہایت بد اخلاق کہلاؤں گی پہلے ہی وہ مجھے خود غرض کہہ چکے ہیں۔ اچھا چلو دیکھا جائے گا۔ آج سن ہی لوں۔"

وہ ٹھیک دس منٹ بعد باہر گیٹ پر پہنچی تو سیاہ لینڈ کروزر کھڑی تھی دروازہ کھلا اور وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔ ایک دوسرے ہوٹل میں ایک کونے کی ٹیبل پر دونوں بیٹھ گئے چائے آگئی تھی۔

"تم مجھ سے اتنا ڈرتی کیوں ہو مجھ سے ڈر کے بھاگتی پھرتی ہو۔ بولو کیوں ڈرتی ہو۔"

"میں آپ سے نہیں اپنے آپ سے ڈرتی ہوں۔ اپنے آپ کو بچانا چاہتی ہوں؟"

"تم نے مجھے بہت غلط سمجھا ہے۔ میں عورتوں کو ایکسپلائٹ کرنے والا مرد نہیں ہوں کیونکہ تم سے پہلے میں نے کبھی کسی عورت کے لیے مختلف احساسات محسوس نہیں کیے۔"

"دیکھیے میں ایک مڈل کلاس لڑکی آپ کی نظر عنایت کے لائق بھی نہیں میں آپ کی شاندار اور چمکیلی زندگی پر ایک دھبا نہیں بننا چاہتی۔"

"تم ایک بے وقوف لڑکی ہو۔" وہ آپ سے تم پر اتر آئے۔ وہ سر جھکائے چائے کے کپ سے کھیلتی رہی۔

"کیا تم مجھے ایک بے وقوف یا ایک چغد سمجھتی ہو۔"

"ہرگز نہیں۔" وہ جلدی سے بولی۔

"یا تم خود کو انسان نہیں سمجھتی ہو مڈل کلاس ہونا تمہارا جرم تو نہیں اور تمہارا اکیلا ہونا بھی گناہ نہیں تمہارا ایک پرانے اور چھوٹے گھر میں رہنا بھی خرابی کی بات نہیں کیا تم کسی احساس کمتری میں مبتلا ہو۔"

"ہرگز نہیں میں اپنے حالات میں خوش ہوں۔" وہ بولی۔

"تو پھر میری پہلی فون کال پر تم نے اتنے کڑوے جواب کیوں دیے تھے اب تم خوش ہو بولو تمہارے کس جواب کو صحیح سمجھوں۔"

"کسی کو بھی نہیں۔" وہ بے رخی سے بولی مہو اس سارے معاملے کو یہیں ختم کر دینا چاہتی تھی۔ اچانک ہی بالکل غیر متوقع طور پر جمیل خان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا وہ سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔ کسی مرد کا لمس۔ عجیب احساس اس کے سارے مساموں سے پسینہ پھوٹ نکلا پیشانی عرق آلود ہو گئی۔

"تم تو کانپ رہی ہو۔" جمیل نے ہاتھ چھوڑ دیا یہ غیر ارادی طور پر انہوں نے کیا کیا تھا وہ خود بھی نہ سمجھے کہ یہ ان سے کیا ہوا لیکن کچھ ہوا ضرور تھا۔ وہ چپ سے ہو گئے کتنے ہی لمحے غیر محسوس طور پر ان کے درمیان سے سرک گئے۔

"میں جانا چاہتی ہوں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"او کے' آؤ میں تمہیں ڈراپ کر دوں۔" وہ کسی نا معلوم احساس کے سائے تلے بوجھل قدم اٹھاتے چل پڑے۔

اسے سمجھاتے بہلاتے میں خود بہک رہا ہوں۔ مہو تو لمس بن کر پور پور میں اتر گئی تھی۔

ہوٹل آگیا تھا وہ اتری۔

"معافی چاہتا ہوں' مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا میں نہیں جانتا یہ کیسے ہوا بس غیر ارادی طور پر آپ کا ہاتھ تھام لیا۔" مہو نے سر اٹھایا آنسوؤں سے بھری آنکھیں موتی جو پلکوں پر چمک رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ سندوری گالوں پر پھسلتے جمیل کے رومال میں منتقل ہو گئے۔

"ریلیکس بے بی آئی لائیک یو بٹ آئی ڈونٹ ڈسٹرب' او کے صبح بات ہو گی گڈ نائٹ۔" وہ چلے گئے

اس نے مڑ کر دیکھا جمیل خان جا چکے تھے وہ خود کو سنبھالتی ہوئی، ہوٹل کے کمرے میں آگئی۔

"یا خدا! کیا کروں یہ تو نے مجھے کس امتحان میں ڈال دیا ہے۔"

وہ اسی ادھیڑبن میں کتنی ہی دیر خود کو کوستی رہی مجھے کیا حق ہے محبت کا وہ بھی ایک ایسے شخص سے۔ جس کا اپنا ایک اسٹیٹس ہے نام اور عزت ہے میں جان بوجھ کر اپنی زندگی برباد کر رہی ہوں۔ مگر میں کیا کروں۔ جس سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہوں اس کا ساتھ بھی چاہتی ہوں کہاں جاؤں کیا کروں، نہیں مجھے انہیں سختی سے منع کرنا پڑے گا۔" وہ ابھی تک اپنے نازک سے ہاتھ پر اک مردانہ مضبوط ہاتھ کا لمس محسوس کر رہی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر آنسوؤں کو روکتی رہی۔

"میں انہیں کیسے رد کروں۔" وہ سوچتی رہی کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی لائن پر جمیل خان تھے۔

"سو تو نہیں رہی تھیں۔"

"نہیں نیند نہیں آئی۔"

"میں بھی نہیں سو پایا۔ زندگی میں پہلی دفعہ ان تبدیلیوں نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ نجانے میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے دوسری طرف آپ میری وجہ سے پریشان ہیں، صرف ایک بات بتانا چاہتا ہوں کہ میں آپ کو پوری شدتوں سے چاہنے لگا ہوں۔ آئی لو یو اور یہ مقدر میں ہونا لکھا تھا، نہ میں قصوروار ہوں نہ آپ ہیں آپ خود کو الزام مت دیجیے، میں سچ میں آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا۔ ویسا ہی ہو گا جیسا آپ چاہیں گی۔ یہ بات ضرور ہے کہ میں آپ کو چاہتا رہوں گا ہو سکتا ہے یہ میرا وقتی جنون ہو خیر ان باتوں کو ثابت کرنے کے لیے تو لمحہ ہی کافی ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی دلوں کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے وقت کی ضرورت ہوتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ مجھے وقت کی ضرورت ہے تاکہ میں خود کو محبت کی اس کسوٹی پر پرکھ سکوں میں نے بات کو دلیل سے ثابت کرنا سیکھا ہے اور اس بات کو پہلے اپنے اندر ثابت کرنا چاہتا ہوں تاکہ میرا کہا ہوا ناقابل تردید ہو سکے۔ آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔" جمیل خان ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گئے۔ دوسری طرف مکمل خاموشی تھی۔

"مہو آپ کچھ نہیں کہیں گی۔"

"میں کیا کہوں سارے فیصلے تو آپ نے خود کر لیے ہیں۔ میرے لیے تو کچھ بچا ہی نہیں۔" اس کی آواز میں یاسیت تھی۔

"دیکھو مہو میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی کا فیصلہ تم بہت سوچ سمجھ کر کرو تاکہ کل کو پچھتانا نہ پڑے میں خود کو بھی آزماؤں گا کہ کس حد تک مخلص ہوں۔ میں تم جیسی اچھی لڑکی کو دکھ نہیں دینا چاہتا۔ تم اپنے فیصلوں میں آزاد ہو۔ اللہ حافظ۔"

وہ کتنی ہی دیر فون پکڑ کر بیٹھی رہی اک تلخ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔

"واہ بیرسٹر صاحب، محبت کا دعوا بھی کیا اور ہاتھ بھی چھڑا لیا۔ چلیے کوئی بات نہیں آپ کی بھی کوئی مجبوری ہو گی اور میں تو یہی چاہتی تھی کسی کا گھر اجاڑ کر اپنی خوشیوں کا محل میں خود نہیں بنا سکتی۔"

وہ سوچتے سوچتے سو گئی مگر یوں جیسے کچھ کھو گیا تھا اپنا آپ گویا کسی کا ہو گیا تھا خالی خالی سی وہ اٹھی تیار ہوئی۔ ٹیکسی لے کر بس اسٹینڈ پر آگئی۔

وہ گھر آگئی تھی کچھ نہ کچھ ہوا ضرور تھا مہو کی آنکھوں میں اک سنجیدگی اتر آئی تھی چہرے پہ متانت ٹھہر گئی۔ قہقہوں کی جگہ اک نامعلوم سی مسکان تھی جو بصد کوشش بکھرتی تھی۔ سب نے اس تبدیلی کو محسوس کیا سارے آفس میں اس کے متعلق چہ میگوئیاں ہوتیں ضرور مگر سب اس کی عزت کرتے تھے یوں کوئی کھل کر پوچھتا بھی نہیں تھا۔ مہو نے اور لگن سے کام پر توجہ دینی شروع کر دی، افسران خوش تھے مگر مہو خوشی کو کہیں رکھ کر بھول گئی تھی جمیل خان کا چہرہ اکثر اسے پریشان کرتا تو وہ اور کام میں مگن ہو جاتی اور تندہی سے اپنے فرائض سرانجام دیتی۔

بوڑھی ماں سارا دن بیٹی کی فکر میں گھلتی رہتی میرے بعد اس کا کیا بنے گا۔ یہی بات دل کا روگ بن گئی تھی۔ بیٹی ماں کی خاطر شادی نہ کرتی تھی اور ماں

بیٹی کی گھلتی جوانی دیکھ دیکھ کر گھلتی جا رہی تھی اپنی جگہ دونوں ہی سکھی نہ تھیں۔

اسلام آباد سے واپسی کو دو ماہ گزر گئے تھے اماں نے ایک دن بات چھیڑ دی۔

"بیٹا تو شادی کر لے تاکہ میں سکون سے ابدی نیند سو سکوں۔"

"ماں میں تمہیں کس کے سہارے چھوڑ دوں شادی کر لی تو تم اکیلی رہ جاؤ گی۔"

"تو میری فکر نہ کر۔" اماں جلدی سے بولیں۔

"اماں تم میری فکر نہ کرو قسمت میں ہو گی تو ہو جائے گی شادی کی مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔" اور اماں چپ ہو گئیں۔ اس سے بحث کرنا فضول تھا۔

"خدا کرے اسے کوئی ایسا شخص مل جائے جو ساری زندگی اس کی قدر کرے، محبت کرے۔" وہ اسے دعائیں دیتیں۔

وہ اچانک شدید بیمار ہو گئیں مہو نے چھٹی لے لی تھی ہسپتال میں وہ ماں کے ساتھ تھی دو دن بھی نہ گزرے کہ ماں اکیلا چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے چلی گئیں، مہو بے شک بہت بہادر لڑکی تھی پر یکدم اس حادثے نے اسے توڑ پھوڑ دیا۔ ماں کا بوڑھا وجود کتنا بڑا سہارا تھا۔ اب یکدم وہ خالی گھر کاٹنے کو دوڑتا۔ سارا محلہ تسلی دینے آیا آس پڑوس کی عورتیں سارا دن پاس رہتیں پر ماں تو ماں تھی اس کے دکھ سکھ کی ساتھی، آنکھوں سے آنسو خشک ہو گئے تھے۔ زندگی کتنی بے وفا ہے۔ اسے جمیل خان، بہت یاد آئے دو حرف تسلی کے کہہ دیتے شاید میری تنہائی کی اذیت کچھ کم ہو جاتی۔ رات کاٹنے کو دوڑتی۔ دن کا چین رخصت ہو گیا تھا کچھ ہی دنوں میں وہ آفس جانے لگی۔ سب لوگ اسے تسلی دیتے مدد کا یقین دلاتے پر وہ ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر گئی تھی۔

ایک دن باس نے مہو کو اپنے آفس بلا لیا۔

"جی سر۔" وہ اندر آئی۔

"بیٹھیے مس مہرالنساء میں آج آپ سے کچھ خاص بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی سر۔"

"دیکھیے آپ کی والدہ کا سہارا تو اٹھ گیا اب آپ بالکل اکیلی ہیں اور آپ جانتی ہیں کہ ہمارے معاشرے میں اکیلی جوان عورت کا زندگی گزارنا کتنا مشکل ہے۔"

"جی سر۔" وہ سر جھکائے ناخن سے میز کریدتی رہی۔ آنسو پلکوں پر جھلملا رہے تھے۔

"میں دراصل آپ کی اس مشکل کو حل کرنا چاہتا تھا آپ مجھے اپنا بزرگ ہی سمجھ لیجیے۔"

"جی سر۔" آنسو پلکوں کا بند توڑ کر بہہ نکلے۔

"میں ایک رشتے سے متعلق بات کرنا چاہتا تھا بے شک آپ کی والدہ کی وفات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا مگر آپ کا اکیلا پن بھی مناسب نہیں۔"

"جی سر آپ کہیے۔"

"میرے جاننے والے ہیں غوری صاحب ان کا بھانجا ہے، بہت پڑھا لکھا اور قابل انسان ہے۔ میں اسی اخبار میں اسے جاب دے رہا ہوں آپ اس سے مل لیں بات کر لیں پسند آئے تو مجھے بتا دیں باقی میرا کام ہے۔"

"جی بہتر۔" وہ فرماں برداری سے جی کہہ کر اٹھ گئی۔

"پریشان نہیں ہونا میں ہوں نا۔"

"لیس سر۔" وہ آنسو صاف کرتی اپنے آفس میں آ گئی۔

"جمیل خان کاش تم میرا سہارا بن کر آ جاتے مگر تم نے محبت کے دعوے کے باوجود پلٹ کر خبر بھی نہیں لی اور پھر تم اپنی دنیا میں مست ہو تم میرے لیے کر بھی کیا سکتے تھے۔ میں تو ہمیشہ سے بدنصیب ہوں۔"

اگلے ہی دن، وہ نعمان ظفر سے ملی تھی لمبا چوڑا خوب صورت وجیہہ آدمی، بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں تھی باس کو اس نے اثبات میں جواب دے دیا۔ ایک ہی ہفتے میں وہ سادگی سے مسز نعمان ظفر بن گئی۔ نعمان کو کراچی برانچ میں ایڈیٹر انچارج بنا کر بھیج دیا گیا۔ یوں مہرالنساء نئی دنیا آباد کرنے کراچی چلی آئی لاہور کی

ساری یادیں وہ لاہور میں ہی دفن کر آئی تھی۔ اب وہاں رکھا ہی کیا تھا۔

چودھری حمید اللہ صاحب کا یہ احسان کیا کم تھا کہ انہوں نے ایک اکیلی بے سہارا لڑکی کو اپنی عافیت میں لے کر اس کا گھر بسا دیا تھا اور نعمان بے حد اچھا شوہر ثابت ہو رہا تھا وہ مہرالنساء کے سارے جذبات و احساسات کا خیال رکھتا تھا مہو نعمان کی خوب صورت رفاقت میں جمیل خان کو بھولنے لگی جمیل خان جو اس کی پہلی محبت تھے اور جنہیں بھلانا اتنا آسان نہ تھا وہ گھر بنا کے انہیں بھولنے لگی تھی ماں کی جدائی کا زخم بھی بھرنے لگا۔

چھ مہینے یوں گزرے جیسے وہ ہوا پہ پاؤں رکھ کر گزرتی رہی تھی نعمان کی قربت اسے بے حد راس آئی صحت بھی پہلے سے اچھی ہو گئی تھی وہ نعمان کا بے حد خیال رکھتی لیکن اچانک بدقسمتی کہیں سے نکل کر اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔ نعمان کو اچانک اخباری کام کے سلسلے میں شہر سے دور جانا پڑا۔ واپسی پر شدید قسم کے حادثے نے نعمان کے ساتھ پانچ اور لوگوں کی جان بھی لے لی۔

اتنی بھیانک خبر اس نے کیسے سنی کتنے ہی دن وہ ہسپتال میں داخل رہی۔ اس حادثے نے اس کا بچہ دنیا میں آنے سے پہلے ہی اس سے چھین لیا۔ حادثوں نے اسے پاگل کر کے رکھ دیا۔ ساری دنیا تاریک ہو گئی تھی کہیں روشنی نظر نہیں آتی تھی۔

میں کس لیے زندہ ہوں۔ مر کیوں نہیں گئی۔ جدائیاں اور صدمے حادثے میری ہی زندگی میں آنے تھے۔ ہسپتال کے کمرے میں لیٹی وہ چھت کو گھورتی رہتی۔ چودھری حمید اللہ اور غوری صاحب نے اس کو ہر ممکن تسلی دی مگر وقتی تسلیاں اس کے اتنے گہرے زخم کیسے بھرتیں۔

ڈاکٹرز اور نرسوں نے بڑی کوشش سے اسے زندگی گزارنے کے قابل کیا' خالی گھر خالی دیواریں اسے کاٹنے کو دوڑتیں۔ نعمان کی رفاقتیں اسے رہ رہ کر یاد آتیں اپنی خالی کوکھ کو دیکھ کر وہ دکھی ہوتی نعمان کی نشانی بھی زندہ نہ رہی میری بدقسمتی نعمان کو کھا گئی۔ سوچوں کے بھیانک چہرے اسے ڈراتے رہتے۔

ایک دن حمید اللہ صاحب کا فون آیا انہوں نے عورتوں کی ایک این جی او میں اسے کام پر لگا دیا تھا عورتوں کے لیے کام کرنے والی اس تنظیم میں عورتوں کو مختلف کام کرتے دیکھ کر وہ ذہنی طور پر مصروف ہونے لگی این جی او کے آفس میں ہی اسے ایک کمرہ رہائش کے لیے دے دیا گیا۔ کام بھی مہرانساء کی پسند کا تھا اسے عورتوں کے لیے ایک ماہنامہ "بے داری" کے نام سے نکالنے کی ذمہ داری دی گئی۔ وہ سارا وقت مصروف رہتی۔ یوں وقت کا پہیہ ایک دفعہ پھر چل پڑا۔

وہ اپنا کام بڑی دلجمعی سے کرتی سب لوگ اس سے خوش تھے چودھری حمید اللہ صاحب نے اس کا بڑا ساتھ دیا اسے دوبارہ زندگی میں داخل کرنے میں ان ہی کا ہاتھ تھا وہ اسے زمانے کی اونچ نیچ سمجھاتے رہتے تھے۔

وہ ان کی بڑی قابل ور کر رہی تھی جسے وہ بیٹیوں کی طرح چاہتے تھے اس اثناء میں وہ جمیل خان کو بالکل بھول چکی تھی اب یاد کرنے کے لیے اس کے پاس بہت کچھ تھا' ایسے میں کبھی کبھار اک شناسا چہرہ اپنی جھلک دکھلا کر غائب ہو جاتا اک کسک سی دل میں اٹھتی مگر وہ یہ سوچ کر چپ ہو جاتی اچھا ہے میری بدقسمتی ان کے راستے میں نہیں آئی۔ اپنے ہی اندر باہر یادوں کے سمندر میں ڈوبتی ابھرتی وہ زندگی کے دن پورے کرنے لگی اب زندگی میں رکھا ہی کیا تھا۔

اس این جی او میں آئے اسے ایک سال ہو گیا تھا عورتوں کے رسالے بے داری کی سالگرہ کی تقریب تھی اور یہ تقریب ادارے کے ہیڈ آفس اسلام آباد میں ہونی تھی۔ اسلام آباد سے کتنی یادیں وابستہ تھیں ایک چہرہ جو کبھی نہ کبھی سامنے آجاتا اور وہ بے دردی سے اسے بھولنے لگتی۔

این جی او کے تمام ممبرز کے ساتھ وہ اسلام آباد آ گئی۔ اگلے دن شام کو چار بجے ایک بڑے ہوٹل میں تقریب تھی۔ اسے بھی اسٹیج پر آکر گفتگو کرنا تھی۔ گلابی بارڈر والی سیاہ ساڑھی پہنے میک اپ سے بے نیاز

چہرہ نہایت لمبے بالوں کی اس نے چوٹی بنا رکھی تھی۔ سیاہ آنکھوں میں سوگواری اور سنجیدگی رچی بسی تھی چہرے پر بے حد متانت انداز میں ٹھہراؤ کم گوئی اور کچھ سوچتے رہنا اس کی زندگی کا خاصہ بن گیا تھا اس کا نام پکارا گیا تھا وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اسٹیج کی طرف آ رہی تھی اسٹیج سیکرٹری اس کے بارے میں تعریفی ● کلمات کہہ رہی تھی اچانک ہی وہ رک گئی بالکل سامنے جمیل خان کھڑے تھے بالکل غیر یقینی صورت حال تھی جمیل خان کے ساتھ ان کی بیگم بھی تھیں جو غالباً" نشست سنبھال چکی تھیں چند ثانیے اسی طرح گزر گئے۔ وہ بغیر کچھ کہے اسٹیج کی طرف چل پڑی۔

مائیک کے سامنے کھڑی ہوئی تو غیر ارادی طور پر اس کی نظریں جمیل خان کو ڈھونڈنے لگیں وہ وہیں کھڑے تھے حیران گم گنگ، مائیک پر اس کی آواز ابھرنے لگی۔ جس میں واضح ارتعاش تھا وہ کچھ زیادہ نہ کہہ سکی۔ اس کا اعتماد بکھر رہا تھا، زخم ہرے ہو رہے تھے اس سے پہلے کہ خود اعتمادی کا بھرم کھلتا وہ جلدی سے اسٹیج سے نیچے چلی گئی۔ این جی او کی ڈائریکٹر بیگم فرحت نواز آگے بڑھیں۔

"مہو تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگتی۔ تم روم میں چلی جاؤ میں سنبھال لوں گی۔" انہوں نے مہرالنساء کو تسلی دی۔ وہ خود کو سنبھالتی منظر سے غائب ہو گئی۔ پر جمیل خان کی نظروں سے نہیں چھپ سکی۔ بیگم جمیل دوسری خواتین سے باتوں میں مصروف تھیں۔ جمیل خان چپکے سے اٹھے اور بیگم فرحت نواز کے پاس آکر بیٹھ گئے۔

"جمیل خان صاحب پروگرام کیسا لگا۔"

"بہت اچھا ہے میں محترمہ مہرالنساء کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں وہ گفتگو کرتے کرتے اچانک چلی گئیں کسی مدد کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔"

"بہت شکریہ بیرسٹر صاحب آپ جو ہماری قانونی امداد کرتے ہیں وہی بہت کافی ہے ہمارے لیے۔ ہم بڑے احسان مند ہیں دراصل مہرالنساء بڑی ہی دکھی خاتون ہیں۔ بے چاری، پچھلے ڈیڑھ دو سالوں میں

پیارے بچوں کے لئے

قصص الانبیاء

قصص الانبیاء

تمام انبیاء علیہ السلام کے بارے میں مشتمل
ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ
اپنے بچوں کو پڑھانا چاہیں گے۔

[illegible]

قیمت -/300 روپے
بذریعہ ڈاک منگوانے پر ڈاک خرچ -/50 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہء عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

انہوں نے بہت بھیانک صدمات سہے ہیں۔ بڑی مشکل سے سنبھلی ہیں اور انہیں سنبھالنے میں ان کے اخبار کے مالک چودھری حمید اللہ صاحب نے بڑی مدد کی ہے ورنہ یہ تو شاید مر ہی جاتیں۔" جمیل خان حیرت زدہ سے یہ سب کچھ سن رہے تھے۔

"ہوا کیا تھا مجھے تفصیل سے بتائیے۔" انہوں نے پوچھا۔

"پہلے ان کی والدہ وفات پا گئیں۔ یہ دنیا میں بالکل اکیلی رہ گئیں تو چودھری حمید اللہ صاحب نے انہیں سمجھا بجھا کر اپنے ایک اچھے جاننے والے صاحب کے بھانجے سے ان کی شادی کرادی شادی کے بعد یہ کراچی آگئیں۔ ان کے شریک حیات بہت عمدہ شخص تھے۔ انہوں نے ان کی ساری محرومیوں کو ختم کر دیا تھا پھر اک دن ایک اور حادثہ ہوا ان کے شوہر ایک بس حادثے میں ہلاک ہو گئے یہ ان دنوں شوہر کے حادثے کی خبر نے انہیں ایسا شاک دیا کہ ان کا بے بی بھی نہیں بچ سکا بڑی مشکل سے بچایا گیا یہ تقریباً" ایک مہینہ ہسپتال میں رہیں۔ نفسیاتی مریضہ بن گئی تھیں بہرحال ڈاکٹروں کی دن رات کی محنت انہیں زندگی کی طرف واپس لائی۔ ان کو سمجھانے اور سنبھالنے میں چودھری حمید اللہ صاحب کا بڑا ہاتھ ہے وہ انہیں بیٹیوں کی طرح چاہتے ہیں۔ کچھ سنبھلنے پر انہیں پھر مصروف کرنے کے لیے ہماری این جی او کو درخواست کی کہ انہیں ایڈجسٹ کیا جائے ہم سب نے انہیں زندگی سے پیار کرنا سکھایا اب آہستہ آہستہ انہوں نے سارا کام سنبھال لیا ہے۔ ہمارے پرچے کے لیے انہوں نے بڑا کام کیا ہے۔ بہت دکھی ہیں بڑی چپ سی ہو گئی ہیں بس کام سے کام رکھتی ہیں۔ ہم انہیں زیادہ ڈسٹرب نہیں کرتے کہ وہ ڈپریشن کا شکار نہ ہو جائیں باقی کام کے معاملے میں وہ پرفیکٹ ہیں۔" جمیل خان گنگ بیٹھے تھے۔ "ہنستی کھیلتی زندگی سے بھرپور لڑکی اتنے تھوڑے سے عرصے میں کہاں سے کہاں جا پہنچی اور میں نے اس سے محبت کا دعوا کرنے کے باوجود ایسی کوئی خبر ہی نہیں رکھی اپنی ہی دنیا میں مست اور مشغول رہا۔

کبھی بھول کر بھی اسے یاد نہ کیا یہ کیسی بے حسی ہے۔" جمیل خان اتنے شرمندہ تھے کہ خود سے نظریں نہ ملا پا رہے تھے ضمیر انہیں ملامت کر رہا تھا۔

"مجھے معاف کر دینا مہو میں تمہارا گناہ گار ہوں میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے راستے کا ایک ایک کانٹا چن لوں گا۔" وہ کتنی ہی دیر خود سے وعدے کرتے رہے پروگرام ختم ہو گیا تھا لوگ واپس جا رہے تھے۔ آنکھوں میں تاسف لیے وہ بھی واپس چل پڑے سارے راستے وہ خاموش رہے۔ عجیب سی اداسی نے انہیں گھیر رکھا تھا۔

"کیا بات ہے خان صاحب آپ پروگرام کے بعد سے بڑے چپ اور اداس ہیں کوئی خاص بات۔" گھر آکر بیگم نے پوچھا۔

"ہوں خاص۔ خاص تو ہے تم سنو گی۔"

"خاص ہے تو پھر ضرور سنوں گی۔"

اور یوں جمیل خان نے مہو کے ٹیلی فون سے لے کر اب تک کی ساری کہانی بیگم کو سنادی وہ بالکل سن بیٹھی اس حقیقی کہانی کو سنتی رہی تھیں۔

"اب تم بتاؤ کہ میں اس دکھی لڑکی کے لیے کیا کروں؟"

"آپ اب بھی اسے چاہتے ہیں۔" بیگم جمیل نے پوچھا۔

"اسے محبت یا چاہنا نہیں کہتے کیونکہ اگر مجھے اس سے محبت ہوتی تو میں اس کی خبر رکھتا لیکن اب اس کی داستان سن کر واقعی دکھی ہوا ہوں اور میں اس کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔"

"مثلاً" کیا۔" بیگم نے پوچھا۔

"تم بتاؤ میں کیا کروں۔ وہ اتنی دکھی ہے کہ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اس کے لیے کیا کروں۔"

"آپ اس سے شادی کر لیں۔" بیگم جمیل نے اچانک ٹھہرے پانی میں پتھر پھینک دیا اک ہلچل سی برپا ہوئی۔

"یہ تم کہہ رہی ہو زارا بیگم جانتی ہو کیا کہہ رہی ہو؟"

"اچھی طرح جانتی ہوں اور اس سے بہتر مدد اور کوئی ہو نہیں سکتی اسے آپ جیسے کسی شخص کے سہارے کی ضرورت ہے۔"

"تم نے بڑی آسانی سے اتنی بڑی بات کہہ دی۔ اس کے اثرات کے بارے میں بھی سوچو۔۔۔ بچے جوان ہیں رشتہ داریاں ہیں تمہارا مستقبل ہے۔ مسائل بڑھ جائیں گے۔"

"دیکھیے جمیل اگر آپ صدق دل سے اس کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو آپ کی دوسری شادی میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں میں سنبھال لوں گی سب کو صرف اتنا کیجیے گا کہ ہمارا حق ہمیں ملتا رہے باقی اللہ آپ کو اس نیکی کی جزا دے آپ سوچیں میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

"چلو مان لیا کہ ہم اسے اپنا فیملی ممبر بنا لیتے ہیں پر اگر وہ راضی نہ ہوئی تو۔"

"یہ کام میں کرلوں گی اس لیے کہ میں آپ کو دکھی اداس اور پریشان نہیں دیکھ سکتی۔" وہ چلی گئیں۔

"یہ عورت بھی عجیب چیز ہوتی ہے۔ کبھی سمجھ میں نہ آنے والی ایک اس لیے آگے نہ بڑھی کہ میری زندگی ڈسٹرب ہو گی اور دوسری اسے میری زندگی میں لانا چاہتی ہے تاکہ میں پریشان نہ رہوں۔ اے عورت تیرے ہزار روپ اور ہر روپ انوکھا' مہو۔۔۔ مجھے معاف کر دینا۔ میں تمہارا مجرم ہوں۔ اب مجھ پر انکشاف ہوا ہے کہ میں تم سے بے پناہ محبت کرتا ہوں اور تم میری زندگی کا حصہ ہو۔"

یہ مہم سات دن جاری رہی۔ بیگم فرحت نواز پیش پیش تھیں بیگم جمیل خان خود مہو سے ملیں مہو نے سختی سے انکار کر دیا تھا میں اپنی بدنصیبی کے سائے کسی ہنستے بستے گھر پر نہیں ڈال سکتی۔

"مہو تم غلط مت سمجھو میں خود تمہیں دلہن بناؤں گی۔ جمیل خان تمہیں تمام حقوق دیں گے۔ میں اس کا وعدہ کرتی ہوں۔"

مہو منکر تھی مگر جمیل خان خود اس سے ملے۔ وہ تھوڑا سا گھبرائی تو تھی پھر سنبھل گئی۔

"مہو مجھ پر شک مت کرو۔ میں تمہارے سارے دکھ لے لینا چاہتا ہوں۔ مجھ پر اعتبار کرو۔" مہو نے آنکھیں اٹھا کر جمیل خان کو دیکھا وہ اپنی شربتی آنکھوں میں امید کے سارے دیے روشن کیے بیٹھے تھے۔

"آپ کو دینے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں جمیل خان۔"

"تم ہو نا بس مجھے صرف میری مہو چاہیے۔ زندگی سے بھرپور ہنستی کھیلتی مہو۔" انہوں نے اس کے کانپتے کمزور ہاتھ تھام لیے۔

"مہو میری طرف دیکھو۔" اس نے بمشکل پلکیں اٹھائیں آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھری تھیں۔

"تو' تو یہ آنسو اب کبھی نہیں بہیں گے تم ضرورت سے زیادہ آنسو بہا چکی ہو۔" سارے آنسو جمیل کے رومال میں منتقل ہو گئے۔ مہو کو یقین آ گیا تھا۔ وہ قدرت کے ان فیصلوں پر حیران تھی آگ کی بھٹی میں سے گزار کر وہ اسے گلزار میں لے آیا تھا مہو نے آنکھیں بند کیں اور اپنا سر جمیل خان کے بازو پر رکھ دیا۔ صدیوں کی مسافت کے بعد اسے آسودگی نصیب ہوئی تھی۔

شازیہ چوہدری
قیمت -/300 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37, اردو بازار، کراچی
فون نمبر:
32735021

شعاع عمیر

کرن کرن خوشبو

فرمان الٰہی

”بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور انہوں نے نماز قائم کی اور جو کچھ ہم نے دیا اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے رہے۔ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو کبھی برباد نہ ہوگی۔ تاکہ وہ ان کا اجر پورا پورا دے اور اپنے فضل سے زیادہ بھی دے۔ بلاشبہ وہ بے حد بخشنے والا ٗنہایت قدر دان ہے۔“

(سورۃ فاطر ترجمہ آیت نمبر 30.29)

ذکر اللہ کی ترغیب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کی ایک جماعت مقرر ہے ٗجو ذکر الٰہی میں مشغول رہنے والوں کی تلاش و جستجو میں زمین پر پھرتی رہتی ہے.... جب وہ ان کو پالیتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آجاؤ ٗتمہارا مقصد حاصل ہوگیا ہے ٗپھر وہ ان کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں.... اس وقت اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے جاننے کے باوجود پوچھتا ہے کہ میرے بندے کیا کررہے تھے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں ٗ تیری تسبیح ٗ تکبیر ٗ تحمید اور تمجید میں لگے ہوئے تھے —— پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ کیا۔ انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں ٗاللہ کی قسم! انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا.... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اور اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو؟ فرشتے کہتے ہیں ٗاگر دیکھ لیتے تو وہ عبادت میں اور بھی زیادہ مصروف ہوجاتے اور زیادہ ذکر کرنے لگ جاتے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ کیا چیز طلب کررہے تھے؟ فرشتے کہتے ہیں جنت کا سوال کررہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں نہیں ٗاللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ اسے دیکھ لیتے؟ تو فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اگر دیکھ لیتے تو ان کی طلب اور رغبت میں مزید اضافہ ہوجاتا.... پھر اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ جہنم سے پناہ مانگ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ کیا انہوں نے اسے دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ دیکھا تو نہیں ہے ٗ لیکن اگر دیکھ لیتے تو اور بھی زیادہ ڈرنے لگ جاتے اور پناہ مانگتے.... پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرشتوں کو مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ اے فرشتو! گواہ ہو جاؤ ٗمیں نے ان تمام ذکر کرنے والوں کو بخش دیا ہے.... ان میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! اس مجلس میں فلاں شخص اپنے کسی کام کے لیے آیا تھا اور یوں ہی بیٹھ گیا تھا.... تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ وہ مجلس ہے کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا۔“

صحیح بخاری

امینہ ملک۔ کراچی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا عدل و انصاف

حضرت علی بن ربیعہ ؒ کہتے ہیں۔ حضرت جعدہ بن ہبیرہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں آکر کہا۔ ”اے امیر المومنین! آپ کے پاس دو آدمی آئیں گے ٗ ان میں سے ایک کو تو اپنی جان سے بھی زیادہ آپ سے محبت ہے یا یوں کہیے ٗاپنے اہل و عیال اور مال و دولت سے بھی زیادہ آپ سے محبت ہے جبکہ دوسرے کا بس چلے تو آپ کو ذبح کردے۔ (نعوذ باللہ) اس لیے آپ دوسرے کے خلاف پہلے کے حق

میں فیصلہ کردیں۔"

اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جعدہ کے سینے پر مکا مارا اور فرمایا۔ "اگر یہ فیصلے اپنے آپ کو راضی کرنے کے لیے ہوتے تو میں ضرور ایسا کرتا، لیکن یہ فیصلے تو اللہ کو راضی کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ (اس لیے میں تو حق کے مطابق فیصلہ کروں گا۔) بے شک وہ فیصلہ کسی کے بھی حق میں ہو جائے۔"

امبر گل۔۔۔ جھنڈو (سندھ)

اقوال علی المرتضیٰ ؓ

○ تنہائیوں میں اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنے سے ڈرو، کیونکہ جو گواہ ہے وہی حاکم ہے۔

○ ظالم کے لیے انصاف کا دن اس سے زیادہ سخت ہوگا جتنا مظلوم پر ظلم کا دن۔

○ حضرت علیؓ سے کہا گیا کہ اگر کسی شخص کو گھر میں چھوڑ کر اس کا دروازہ بند کردیا جائے تو اس کی روزی کدھر سے آئے گی؟ فرمایا۔ "جدھر سے اس کی موت آئے گی۔"

○ اللہ سبحانہ، نے اپنی اطاعت پر ثواب اور اپنی معصیت پر سزا اس لیے رکھی ہے کہ اپنے بندوں کو عذاب سے دور کرلے او جنت کی طرف گھیر لے۔

(نہج البلاغہ سے انتخاب)

کنول شاہین۔۔۔ جلال پور جٹاں

جبرائیل علیہ السلام کی مشقت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا۔ "اے جبرائیل علیہ السلام! کبھی تجھے آسمان سے بڑی مشقت اور تیزی سے زمین پر اترنا پڑا۔"

جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا۔ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ مجھے فی الفور بڑی سرعت سے زمین پر آنا پڑا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا۔ "کس کس موقع پر؟" جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا۔

"ایک تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو میں اس وقت عرش الٰہی کے نیچے تھا۔ مجھے حکم ہوا کہ خلیل کے آگ میں پہنچنے سے پہلے ہی خلیل کے پاس پہنچو۔ چنانچہ میں بڑی سرعت سے خلیل کے پاس پہنچا۔"

دوسری بار جب جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن اطہر پر چھری رکھی گئی تو مجھے حکم ہوا کہ چھری چلنے سے پہلے زمین پر پہنچوں۔ چنانچہ میں نے چھری چلنے سے پہلے زمین پر قدم رکھا اور چھری کو نہ چلنے دیا۔

تیسری بار جب حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنویں میں گرایا تو مجھے حکم ملا کہ کنویں کی تہ تک پہنچنے سے پہلے زمین پر پہنچوں اور کنویں سے پتھر نکال کر حصرت یوسف علیہ السلام کو اس پر بٹھادوں۔ چنانچہ میں نے ایسے ہی کیا۔

اور چوتھی مرتبہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم! جب کافروں نے آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے دانت مبارک کو شہید کیا تو مجھے حکم ہوا کہ میں فوراً زمین پر پہنچ جاؤں اور حضور پاک صلی اللہ علیہ و سلم کے دانت مبارک سے گرنے والا خون زمین پر گرنے سے قبل اپنے ہاتھ پر لے لوں۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم! اللہ نے مجھ سے فرمایا۔ جبرائیل علیہ السلام! میرے محبوب کا یہ خون اگر زمین پر گر گیا تو قیامت تک نہ کوئی سبزی اگے گی اور نہ درخت۔ چنانچہ میں بڑی سرعت سے زمین پر پہنچا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا خون مبارک اپنے ہاتھوں میں سمیٹ لیا۔

کنول شاہین۔۔۔ جلال پور جٹاں

قسمت

چیزیں ہمیشہ ویسی نہیں ہوتیں جیسی وہ نظر آتی ہیں۔

ام موسیٰ سے اپنے بیٹے کو دریا میں پھینکنے کا کہا گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں مرنے کے لیے

چھوڑ دیا گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینک دیا گیا، مگر دیکھیں آخر میں چیزیں ان کے لیے کیسے بدل دی گئیں؟ اللہ نے ہمیشہ ہمارے لیے اچھا رکھا ہوتا ہے۔ شروعات میں شاید اچھا نہ ہو یا شاید ہمیں اچھا ہی نہ لگے مگر اختتام ہمیشہ ہماری توقعات سے بڑھ کر اچھا ہوتا ہے۔

اگر آج آپ کو بہت سی مشکلات کا سامنا ہے تو یقین رکھیے اور آنے والے کل کی بہتری کے لیے دعاگو و پرعزم رہیے۔ معجزات تب ہی رونما ہوتے ہیں جب آپ اللہ تبارک تعالیٰ سے رہنمائی لیتے ہیں۔ تمام طاقت، تمام حکمت، تمام دانائی اسی ایک پروردگار کے لیے ہے۔

نسیم فاروق۔ جام پور

باتوں سے خوشبو آئے

☆ اللہ عزوجل نے تمہارے لیے جو قسمت میں کردیا اس پر راضی رہو۔

سیدنا امام صادق جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

☆ صبر ایسی سواری ہے جو کبھی ٹھوکر نہیں کھاتی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ

☆ اللہ عزوجل کا ذکر کرنے والوں کی ارواح کے سوا تمام روحیں دنیا سے پیاسی نکلتی ہیں۔

سیدنا داؤد طائی رحمتہ اللہ علیہ

☆ جو جنت کی محبت کا دعویٰ کرے، مگر عبادت نہ کرے، وہ جھوٹا ہے۔

امام غزالی رحمتہ اللہ

☆ جنت الفردوس خاص اس کے لیے ہے جو نیکی کا حکم کرے اور برائی سے منع کرے۔

سیدنا کعب الاحبار رضی اللہ عنہ

☆ محبت دور کے خاندانوں کو قریب کردیتی ہے اور عداوت قریبی خاندانوں کو دور کردیتی ہے۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ

☆ غازی کے سامنے سے گزرنے والا جانتا کہ اس پر کیا گناہ ہے تو زمین میں دھنس جانے کو بہتر جانتا گزرنے سے۔

سیدنا کعب الاحبار رضی اللہ عنہ

☆ دنیا کی فکر دل کا اندھیرا ہے اور آخرت کی فکر دل کا نور ہے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

☆ جس طرح جنت میں رونا عجیب بات ہے اسی طرح دنیا میں ہنسنا بھی تعجب انگیز ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ

نشو اسحر۔ گڈو بیراج

”کام کی بات“

ایک بار ایک شخص ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ اپنی بیوی کی بدمزاجی کی شکایت کرسکے، مگر جب وہ آپ کے مکان پر پہنچا تو آپ کی بیوی کے گرجنے برسنے کی آواز سنائی دی جب آپ کے گھر میں وہی حال دیکھا تو مایوس ہو کر لوٹنے لگا۔ بزرگ نے اسے دیکھ لیا۔ آواز دے کر بلایا۔ وہ شخص قریب آیا تو دریافت فرمایا کہ۔ ”اے شخص! تم کیوں آئے تھے اگر ہم سے ملنے آئے تھے تو کیوں جارہے ہو۔“

اس شخص نے عرض کیا۔ ”حضرت! میں اپنی زوجہ کی تنگ مزاجی کی وجہ سے آیا تھا، مگر آپ کے گھر کا حال بھی وہی دیکھا تو واپس جانے لگا۔“

آپ مسکرا دیے اور تحمل مزاجی سے فرمایا ”اے شخص! میری بیوی نے مجھے چار باتوں سے بے نیاز کردیا ہے پہلی یہ کہ اس نے اللہ کے حکم سے مجھے اولاد کی دولت سے نوازا اور پھر ان کی پرورش کی ذمہ داری اٹھائی اور مجھے یہ خوشی دی اور اس ذمہ داری سے بے نیاز کردیا۔

دوسری یہ کہ اس نے میرے دکھ سکھ بانٹے اور تسلی اور ہمدردی کے بولوں سے پریشانی سے بے نیاز کردیا۔

تیسرے یہ کہ اس نے میری عزت و حرمت کی حفاظت کی اور میرے نام کی لاج رکھی، مجھے خوف و کھٹکے سے بے نیاز کردیا۔

چوتھے یہ کہ اس نے مجھے زنا جیسے حرام فعل سے

بے نیاز کر دیا۔

اب اگر اس کے بدلے یہ کبھی کبھار مجھے سخت سست کہہ لے تو کیا عجیب ہے۔"

اس شخص پر آپ کے فرمانے کا گہرا اثر ہوا اور وہ خوشی خوشی گھر لوٹ گیا۔

صائمہ گل۔۔۔۔ سکھر

دوستی

☆ لاکھوں کو دوست بنانا کوئی بڑی بات نہیں، بڑی بات یہ ہے کہ ایسا دوست بناؤ جو تمہارا اس وقت ساتھ دے جب لاکھوں تمہارے مخالف ہوں۔

☆ اچھا دوست چاہے جتنا بھی برا بن جائے، کبھی اس سے دوستی مت توڑنا، کیونکہ پانی چاہے جتنا بھی گندا ہو جائے آگ بجھانے کے کام آتا ہے۔

☆ کامیابی حوصلوں سے ملتی ہے اور حوصلے دوستوں سے ملتے ہیں۔ دوست مقدروں سے ملتے ہیں اور مقدر انسان خود بناتا ہے۔

☆ دشمن سے بچو اور دوست سے اس وقت جب وہ تمہاری تعریف کرنے لگے۔

☆ دوست جو صرف تمہاری اچھی حالت کا دوست ہو اور آڑے وقت کام نہ آئے اس سے بچنا چاہیے، کیونکہ وہ سب سے بڑا دشمن ہے۔

آمنہ ولید۔۔۔۔ لاہور

"بند مٹھی"

نواب شفیع علی خان عرف نواب بڈھن صاحب کے والد مرحوم کے ایک خدمت گار کی لڑکی کی شادی ہوئی، بہت مناسب اور اچھی نسبت تھی۔ ادھر سے فی الفور نکاح اور رخصتی کا تقاضا تھا۔ اس آدمی نے اپنے آقا سے سارا حال بیان کر کے دو سو روپے کی رقم کی استدعا کی، آقا انہوں نے فی الفور حکم صادر کر دیا، لیکن خزانچی کی تحویل میں اتنی رقم نہ تھی۔ انہوں نے ترش روئی کے ساتھ اس غریب کو ٹال دیا۔ صاحب حاجت باؤلا ہوتا ہے۔ اس نے اسی روز شام کو سارا ماجرا نواب کو سنا دیا۔ انہوں نے کچھ سوچا، پھر محل میں تشریف لے گئے۔ ان کی تین بیگمات تھیں انہوں نے تینوں کو یکجا کر کے اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بند کر کے فرمایا کہ "ہم ایک چیز بیچتے ہیں، تم لوگ بولی بولو، لیکن ہر ایک کی رقم فی الفور جمع ہو جائے گی اور کسی کی کوئی رقم واپس نہ ہو گی۔ بولیاں بولی گئیں، چھ سو روپے جمع ہونے کے بعد انہوں نے مٹھیاں کھول دیں اور فرمایا کہ "تم سب کے ہاتھ ثواب بیچا اور وہ چھ سو روپے کی رقم لا کر اس حاجت مند کو پیش کر دی۔"

مرزا جعفر حسین کی کتاب "قدیم لکھنؤ کی آخری بہار کا ایک ورق"

حما واجد۔۔۔۔ کراچی

باتیں ہیں خوشبو جیسی

☆ ہلکی سی رنجش خونی رشتوں کو ختم نہیں کر سکتی، بالکل اسی طرح جیسے تیز دھوپ شجر کو جھلسا دے، مگر اس کی جڑیں محفوظ رہتی ہیں۔

☆ محبت اظہار نہیں مانگتی، مگر کبھی کبھی اظہار کر دینا چاہیے دوسروں کو مطمئن کرنے کے لیے۔

☆ جنہیں ہم کم تر اور حقیر بنائے رکھتے ہیں وہ بھی رفتہ رفتہ ہمیں ایسا ہی بنا دیتے ہیں۔

☆ زندگی کی سب سے بڑی فتح نفس پر قابو پانا ہے، اگر نفس نے دل پر فتح پالی تو سمجھو کہ وہ دل مردہ ہو گیا ہے۔

☆ دل کی سلیٹ پر لکھنے سے پہلے سوچ لیں کہ یہ نقش مٹائے نہیں مٹتے۔

طاہرہ ملک، رضوانہ ملک، جلال پور پیر والا

محبت

☆ محبت مرد کے لیے ایک شغل ہے اور عورت کے لیے ایک زندگی، جذبہ محبت کی ترجمانی کرنے والی اگر کوئی چیز ہے تو وہ صرف آہ۔

☆ محبت ہستی کی وہ جیتی جاگتی تصویر ہے جس میں انسان کا ماضی اور مستقبل جھلکتا ہے۔

* * *

کچھ موتی چنے ہیں

ادارہ

مطالعہ کرتے ہوئے ہم مختلف احساسات سے دوچار ہوتے ہیں۔ کچھ جملے ہمارے فکرو احساس کے دریچوں پر دستک دیتے ہیں۔ کچھ تحریروں میں الفاظ کی خوب صورتی، تشبیہ اور استعارے سحر طاری کردیتے ہیں اور کچھ تحریریں پڑھتے ہوئے مسکراہٹ لبوں سے جدا نہیں ہوتی۔

کچھ موتی چنے ہیں۔ یہ سلسلہ ایسی ہی تحریروں کے لیے شروع کیا جارہا ہے۔ ہم اپنی قارئین سے درخواست کریں گے کہ وہ اس سلسلے میں حصہ لیں اور اپنی پسندیدہ تحریروں سے اقتباس ہمیں ارسال کریں۔

یورپ کی ایمان داری

ایک بڑے میاں بندوق لیے اپنے خربوزوں کے کھیت پر پہرہ دے رہے تھے۔ ایک راہ گیر نے کہا ”کیسے ہیں یہاں کے لوگ؟“ بڑے میاں بولے بڑے ایمان دار ہیں۔ کیا مجال جو میرے خربوزوں کو ہاتھ لگائیں۔“ راہ گیر نے کہا ”یہ بندوق آپ نے کیوں سنبھال رکھی ہے۔“ بڑے میاں بولے ”ان کو ایمان دار رکھنے کے لیے۔“

اس ایک جواب میں یورپ والوں کی ایمان داری کی فلاسفی آجاتی ہے پوری نہیں تو بڑی حد تک۔

(آوارہ گرد کی ڈائری۔ ابن انشا)

ایک شخص کی محبت

ایک شخص سے محبت، انسان کو کتنا مجبور کردیتی ہے۔ میں نے زندگی میں کسی کی پروا ہی نہیں کی اور اب اس شخص کی پروا کی ہے تو مجھے احساس ہوا ہے کہ محبت کرنے کے بعد بندے کو کتنا جھکنا پڑتا ہے۔ صرف اس خوف سے کہ کہیں دوسرا آپ کو چھوڑ نہ دے۔

(شہزادت۔ عمیرہ احمد)

صادق اور امین

”میرا ایک کوئسچن ہے سر۔“ ایک نوعمر لمبا سا لڑکا مائیک پہ آیا۔

”میں نے آپ کے پچھلے لیکچر سے متاثر ہو کر قرآن سیکھنا شروع کیا تھا۔ مگر قرآن پڑھتے اب مجھ پر پہلے والی کیفیت طاری نہیں ہوتی، دل میں گداز نہیں پیدا ہوتا۔ میں قرآن پڑھتا ہوں تو میرا ذہن بھٹک رہا ہوتا ہے۔“

تیمور نے مائیک قریب کیا پھر بغور اس لڑکے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”آپ کہیں جھوٹ تو نہیں بولتے؟؟“

”جی!“ وہ بھونچکا رہ گیا۔

”ایک بات یاد رکھیے گا، قرآن صرف صادق اور امین کے دل میں اترتا ہے۔“

(مصحف۔ نمرہ احمد)

ایک جیسی دلہنیں

بیوٹی پارلرز دلہنوں کا عروسی میک اپ کچھ ایسے پر سرار اور طے شدہ تکنیک اور فارمولے کے مطابق کرتے ہیں، کہ سب دلہنوں کی صورت باخدا بالکل ایک جیسی لگتی ہے۔ میرا یہ تاثر یقین کی حد تک پہنچ گیا ہے

کہ اگر لو میرج تک کی ایسی بیس میک اپ شدہ دلہنوں کو ایک کمرے میں بیٹھا دیا جائے تو کوئی دلہا اپنی متعلقہ دلہن کو نہ پہچان پائے گا۔ اور کسی اور کی دلہن کو ہمراہ لے جائے گا۔

"and they Lived Happily After"

(مشتاق احمد یوسفی)

فلموں میں برسات

برسات کا موسم دراصل "بر۔ ساتھ کا موسم ہوتا ہے اور ہماری فلموں میں بھی بارش کے گیت یوں فلمائے جاتے ہیں فلمیں بھی "بارش" یعنی رش والی ہوں۔ پہلے ہیروئن کو بارش میں بھگوانے کا رواج کم تھا، جس کی وجہ سے شاید یہ ہو کہ ہیروئن اتنی بڑی بلکہ بوڑھی ہوتی تھیں کہ مصنوعی بارش میں انہیں بھگوانے پر بڑا خرچ آتا تھا۔ بندہ ان دنوں "بھیگے بدن" کہتا تو لگتا "دو بیگھے بدن کہہ رہا ہو۔

(مزاحیات۔ ڈاکٹر یونس بٹ)

عورت کی منطق

عورت کے ساتھ کتنی بھی عقل و دانش کی بات کریں، کیسے بھی دلائل کیوں نہ دیں، اگر اس کی مرضی نہیں ہے تو وہ اس منطق کو کبھی نہیں سمجھے گی۔

اس کے اندر اپنی منطق کا ایک ڈرائنگ روم ہوتا ہے جسے اپنی مرضی سے سجاتا ہے اور وہ اسے روشن کرنے کے لیے باہر کی روشنی کی محتاج نہیں ہوتی۔ کسی عقل و دانش اور دلائل کے معاملے میں مانگے کی روشنی پر ایمان نہیں رکھتی اس نے جو فیصلہ کرلیا ہوتا ہے وہی اس مسئلے کا واحد اور آخری حل ہوتا ہے۔

(اشفاق احمد)

ایک حکایت ایک سبق

کسی شخص نے ایک طوطے کو کوے کے ساتھ پنجرے میں بند کردیا۔ طوطا گھبرا گیا۔ وہ نفرت سے بار بار کہتا "الہٰی یہ کیسی کالی کلوٹی بھدی شکل، بھونڈی صورت اور سراپا نفرت مورت ہے۔"

یہ تو طوطے کا حال تھا۔ مگر عجیب بات ہے کہ کوا، بھی طوطے کی ہم نشینی سے سخت تنگ آیا ہوا تھا۔ لاحول پڑھتا اور زمانے کی گردش پر حسرت، افسوس سے ہاتھ ملتے ہوئے کہہ رہا تھا "خدایا مجھ سے ایسا کیا گناہ ہوا ہے، جس کے بدلے، میں ایسے نابکار بے وقوف اور بے ہودہ جنس کی صحبت میں قید کردیا گیا ہوں۔ میرے مناسب حال تو یہ تھا کہ کسی چمن کی دیوار یا منڈیر پر اپنے ہم جنسوں کے ساتھ سیر کرتا پھرتا۔"

یہ حکایت اس لیے بیان کی گئی ہے کہ، جس قدر دانا کو نادانی سے نفرت ہے اس قدر نادان کو داناؤں سے وحشت ہوا کرتی ہے۔

(شیخ سعدی)

جینے کا جواز

آدمی جب سفر کرتے کرتے عمر گزار دے، صدیاں گزر جائیں عرصے بیت جائیں اور اسے محسوس ہو کہ چلتے چلتے عمر کٹ جانے کے بعد بھی سفر نہیں کٹا۔ وقت کٹ جائے اور فاصلہ نہ کٹے تو زندہ رہنے کا کیا جواز ہو سکتا ہے۔

چلتے چلیں منزلیں خود سلام کریں گی۔ دنیا کے خلاف فریاد نہ کریں، کوشش کریں کہ کوئی آپ کے خلاف فریاد نہ کرے۔ دوسروں کو خوش کریں خوشی خود مل جائے گی اور یہی جینے کا جواز ہے۔

(واصف علی واصف)

* *

بُشریٰ محمود

یادوں کے دریچے سے

بیا اُسامہ انجم، کی ڈائری میں تحریر

مرزا غالب کی غزل

کوئی امید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

موت کا ایک دن معیّن ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت اُدھر نہیں جاتی

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں
ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

کیوں نہ چیخوں کہ یاد کرتے ہیں
میری آواز گر نہیں آتی

داغِ دل گر نظر نہیں آتا
بو بھی اے چارہ گر نہیں آتی

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر تہیں آتی

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے پر نہیں آتی

کعبہ کس مُنہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

نازیہ ناز، کی ڈائری میں تحریر

نوشی گیلانی کی نظم

سُنا ہے اس محبت میں
بہت نقصان ہوتا ہے
مہکتا جھومتا جیون
غموں کے نام ہوتا ہے
سُنا ہے چین کھو کر وہ
صبح و شام روتا ہے
محبت جو بھی کرتا ہے
بہت بد نام ہوتا ہے
سُنا ہے اس محبت میں
کہیں بھی دل نہیں لگتا
بنا اس کے نگاہوں میں
کوئی موسم نہیں جچتا
خفا جس سے محبت ہو
وہ جیون بھر نہیں ہنستا
سُنا ہے اس محبت میں
بہت نقصان ہوتلہے

رفعت جبیں، کی ڈائری میں تحریر

سلیم کوثر کی نظم

بڑا دُشوار ہوتا ہے
ذرا سا فیصلہ کرنا
کہ جیون کی کہانی کو
بیانِ بے زبانی کو
کہاں سے یاد رکھنا ہے
کہاں سے بھول جانلہے
اسے کتنا چھپانا ہے
کہاں رو رو کے ہنسنا ہے
کہاں ہنس ہنس کے رونا ہے

کہاں آواز دیتی ہے
کہاں خاموش رہتا ہے
کہاں رستہ بدلتا ہے
کہاں سے لوٹ آتا ہے

نزہت جبین ضیاء، کی ڈائری میں تحریر

امجد اسلام امجد کی غزل

جو آنسو دل پہ گرتے ہیں وہ آنکھوں میں نہیں رہتے
بہت سے حرف ایسے ہیں، جو لفظوں میں نہیں رہتے

کتابوں میں لکھے جاتے ہیں، دنیا بھر کے افسانے
مگر جن میں حقیقت ہو، کتابوں میں نہیں رہتے

بہار آئے تو ہر اک پھول پر اک ساتھ آتی ہے
ہوا جن کا مقدر ہو، وہ شاخوں میں نہیں رہتے

لیے پھرتے ہیں کچھ احباب ایسے مضطرب جذبے
جہاں دریا مل جائے، جینوں میں نہیں رہتے

مہک اور تتلی کا نام بھونرے سے جدا کیوں ہے
کہ یہ بھی تو خزاں آنے پر پھولوں میں نہیں رہتے

نوشابہ منظور، کی ڈائری میں تحریر

وصی شاہ کی غزل

بھنور کی گود میں جیسے کنارہ ساتھ رہتا ہے
کچھ ایسے ہی تمہارا اور ہمارا ساتھ رہتا ہے

محبت ہو کہ نفرت ہو اُسی سے مشورہ ہو گا
مری ہر کیفیت میں استخارہ ساتھ رہتا ہے

سفر میں عین ممکن ہے میں خود کو چھوڑ دوں لیکن
دعائیں کرنے والوں کا سہارا ساتھ رہتا ہے

مرے مولا نے مجھ کو چاہتوں کی سلطنت دے دی
مگر پہلی محبت کا خسارہ ساتھ رہتا ہے

اگر وصی، مرے لب پر محبت ہی محبت ہے
تو پھر یہ کس لیے نفرت کا دھارا ساتھ رہتا ہے

مومنہ مصطفیٰ، کی ڈائری میں تحریر

قتیل شفائی کی غزل

وہ دل ہی کیا جو تیرے ملنے کی دعا نہ کرے
میں تجھے بھول کر زندہ رہوں، خدا نہ کرے

رہے گا ساتھ تیرا پیار زندگی بن کر
یہ اور بات کہ میری زندگی وفا نہ کرے

یہ ٹھیک ہے نہیں مرتا کوئی جدائی میں
خدا کسی کو کسی سے جدا نہ کرے

اگر وفا پہ بھروسا رہے نہ دنیا کو
تو کوئی شخص محبت کا حوصلہ نہ کرے

سنا ہے اس کو محبت دعائیں دیتی ہے
جو دل پہ چوٹ کھائے مگر گلہ نہ کرے

بجھا دیا ہے نصیبوں نے میرے پیار کا چاند
کوئی دیا میری پلکوں پہ اب جلا نہ کرے

زمانہ دیکھ چکا ہے پرکھ چکا ہے اسے
قتیل جان سے جائے یہ التجا نہ کرے

شگفتہ سلیمان

مجھے یہ شعر پسند ہے

نمرہ، اقرأ ——— کراچی

نہ وفا کا ذکر ہوگا نہ وفا کی بات ہو گی
اب محبت جس سے بھی ہوگی مطلب کے ساتھ ہوگی

عائشہ ——— گوجرہ

روٹھ جانے کی ادا ہم کو بھی آ ہی جاتی
منانے والا کاش کوئی ہمیں بھی ملتا

تحریم ——— فیصل آباد

برباد کرنے کے اور بھی راستے تھے فراز
نجانے انہیں محبت کا ہی خیال کیوں آیا

اقصیٰ ناصر ——— کراچی

اب اس کی ہر ادا سے ٹپکنے لگا خلوص
جب ہم کو اعتبار کی عادت نہیں رہی

لائبہ، ایمن ——— مظفر آباد

یہ سوچ کر اس کو میں نے روکا ہی نہیں
دور جاتا ہی کیوں اگر وہ ہمارا ہوتا

صائمہ جیمی ——— کے ڈی اے

بہت پہلے سے ان قدموں کی آہٹ جان لیتے ہیں
تجھے اے زندگی ہم دور سے پہچان لیتے ہیں
طبیعت اپنی گھبراتی ہے جب سنسان راتوں میں
ہم ایسے میں تیری یادوں کی چادر تان لیتے ہیں

ناہید راشد ——— کراچی

یہ عجیب حسن قیاس ہے کہ جو دور ہے وہی پاس ہے
یہ تصورات کے دل ہے میرے دشت غم کے غزال ہے

رضیہ طاہر ——— کراچی

مجھے زندگی کی دعا نہ دے
میری زندگی سے بنی نہیں
کوئی زندگی پہ کرے یقین
مجھے زندگی پہ یقین نہیں

نفضہ ——— محراب پور

دلائل میرے پاس بھی ہوتے ہیں مگر!
تیرے روٹھ جانے کا خوف لاجواب کر دیتا ہے

ندا ——— لاہور

کسی کے ساتھ پیار سے مذاق ضرور کرنا
مگر کبھی کسی کے ساتھ مذاق سے پیار نہ کرنا

عندلیب ——— ڈلوال

میری دعا ہے تو سب سے نیک سیرت ہو
تیری طرح تیرا دل بھی خوبصورت ہو
دعا سے قبل ملے تجھ کو جو تو چاہے
کہ خود دعا کو تیرے ہاتھوں کی ضرورت ہو

عذرا ناصر ——— کراچی

دوستی ان سے ہو گئی ہے عدم
جن کی ہر بات کاروبار ہے

فرحت عالم نیازی ——— دریا خان

مغرور ہی سہی، مجھے اچھا بہت لگا
وہ اجنبی تو تھا مگر اپنا بہت لگا
لپٹا ہوا کہر میں جیسے خزاں کا چاند
میلے لباس میں بھی وہ پیارا بہت لگا

نشوا سحر ——— گدو بیراج

کتنا ویران سا ہو گیا ہے میرے دل کا مکان بھی
کبھی کبھی تو اذیت دیتا ہے مجھے میرا مہربان بھی

سیدہ تسکین زہرا ——— ڈیرہ اسماعیل خان

آنے والا آ گیا ہے اور گہری ہو رہی ہے شام
بے خودی کی انتہا ہے اور گہری ہو رہی ہے شام
تن بدن اپنا سمیٹ اس طرح تو، بکھرے نہیں خوشبو
شام کی پاگل ہوا ہے اور گہری ہو رہی ہے شام

شازیہ اعجاز ——— فیصل آباد
نہیں فرصت یقین مانو ہمیں کچھ اور کرنے کی
تیری باتیں، تیری یادیں بہت مصروف رکھتی ہیں

شمع بتول ——— کراچی
سمو لیے ہیں زمانے کے غم تبسم میں
زمانہ اس پر بھی برہم ہے کیا کیا جائے
عظیم تر ہے عبادت شباب کی لیکن
یہی گناہ کا موسم ہے کیا کیا جائے

سکینہ بلوچ ——— لاڑکانہ
جو آج مجھ سے بچھڑ کر بڑے سکون میں ہے
کبھی وہ شخص میرے واسطے عذاب میں تھا
اسی نے مجھ کو غم سوز جاوداں بخشا
وہ ایک چاند کا ٹکڑا سا جو نقاب میں تھا

فوزیہ ثمر بٹ ——— گجرات
بس یہی اک سبب نہیں اداسی کا
طرح طرح کے دلوں میں ملال ہوا کرتے ہیں
سیاہ رات میں جلتے ہیں جگنوؤں کی طرح
دلوں کے زخم بھی کمال ہوا کرتے ہیں

سدرہ وزیر ——— خوشاب (پیل)
آج ایک حاسد کو راز دار کرنا ہے
کرتے ہیں گلے اس سے رنجشیں بھی رکھتی ہیں
اصل میں محبت کی صورتیں یہی دو ہیں
بے قرار ہوتا ہے اور بے قرار کرتا ہے

امبر گل ——— جھڈو (سندھ)
اسی میں خوش ہوں، مرا دکھ کوئی تو سہتا ہے
چلی چلوں گی جہاں تک یہ ساتھ رہتا ہے
مرے بدن کو نمی کھا گئی ہے اشکوں کی
بھری بہار میں کیسا مکان ڈھتا ہے

مدیحہ فہمید ——— کراچی
پہنچے جو سر عرش تو نادار بہت تھے
دنیا کی محبت میں گرفتار بہت تھے
آسائش دنیا کا فسوں اپنی جگہ ہے
اس دکھ میں مگر روح کے آثار بہت تھے

آسیہ جاوید ——— علی پور چٹھہ
سب کو سراب وفا کرنا خود کو پیاسا رکھنا
مجھ کو لے ڈوبے گا اے دل! تیرا دریا ہونا

صدف عمران ——— کراچی
روٹھو اگر مجھ سے تو ذہن میں رکھنا تم!
منانا عادت نہیں ہے ہماری اور جدا ہم رہ نہیں سکتے

طاہرہ ملک، رضوانہ ملک ——— جلال پور پیر والا
ہم عشق کے اس مقام پر آ پہنچے ہیں
جہاں دل کسی اور کو چاہے تو گناہ لگتا ہے

انوشہ طارق ——— لاہور
محبتوں کا حساب تھا، عداوتوں کا شمار تھا
کبھی رات اس کی عذاب تھی کبھی روح کا وہ قرار تھا
تو بھی دور رہے، میں بھی دور ہوں کیوں الگ ہوئے راستے
میری چاہتوں کا گریز تھا یا میری انا کا حصار تھا

شہلا ——— لاہور
دو قدم کا فاصلہ تھا دو دلوں کے درمیاں
ایک منزل تھی ہماری جس کو سر اس نے کیا

لائبہ، ایمن ——— مظفر آباد آزاد کشمیر
اب بھی اوجھل ہے نگاہوں سے نشان منزل
ایک منزل تھی ہماری جس کو سر اس نے کیا

عالیہ ——— نارتھ کراچی
ہمارے شہر کے لوگوں کا اب احوال اتنا ہے
کبھی اخبار پڑھ لینا، کبھی اخبار ہو جانا

ماہ نور ——— کراچی
پھول سا جسم لیے شہر تمازت میں نہ جا
لوگ کہتے ہیں وہاں سنگ بھی پگھل جاتے ہیں

کرن، بینش ——— کراچی
ہم شہر بے وفا میں وفا ڈھونڈتے رہے
حیرت میں اک جہاں ہے کہ کیا ڈھونڈتے رہے
لمحوں میں بکھر گیا تھا جو برباد بستیاں
ہم مدتوں وہ دست قضا ڈھونڈتے رہے

کرن کا دسترخوان

خالدہ جیلانی

بکرے کے پائے

اشیاء :

بکرے کے پائے	ایک درجن درمیانہ سائز
پیاز	ایک پاؤ (پسی ہوئی)
دار چینی	ایک دو ٹکڑے
گرم مسالا (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچہ
گھی	ایک پاؤ
لونگ	بارہ عدد
نمک، سرخ مرچ پسی ہوئی	حسب ذائقہ
ادرک لہسن پسا ہوا	دو چائے کے چمچے
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی

ترکیب :

پہلے پائے کو خوب اچھی طرح دھولیں اور پھر ان کو بڑے دیگچے میں ڈال کر دو تین کلو پانی ڈال دیجیے۔ اس میں لہسن، پیاز، ادرک، لونگ، دار چینی اور نمک ڈال کر چولہے پر چڑھا دیں۔ ایک ابال آنے کا بعد آنچ دھیمی کردیں اور ڈھکن پر کچھ وزن رکھ دیں کہ بھاپ باہر نہ نکلے اور اس کو کم از کم چار گھنٹے پکنے دیں۔ چار گھنٹے بعد ڈھکن کھول کر دیکھیں اگر پائے گل گئے ہوں تو ایک دیگچی میں گھی کڑکڑائیں اور اس میں ذرا سی پیاز کاٹ کر ڈال لیں۔ پیاز اتنی بھونیں کہ بادامی ہو جائے، پھر سرخ مرچ اور چٹکی بھر ہلدی ڈال کر بھونیں ساتھ ساتھ پائے کی یخنی کا ایک ایک چمچہ ڈالتے جائیں۔ جب مسالا بھن جائے تو اس میں پائے نکال کر ڈال دیں اور تھوڑا بھونیں اور اس میں ساری یخنی الٹ دیں۔ چند منٹ پکائیں جب شوربہ حسب پسند رہ جائے تو ہلکی آنچ پر دم دے دیں تاکہ گھی اوپر آجائے۔ اب اس میں پسا ہوا گرم مسالا اور ہرا دھنیا ڈال کر اتار لیں اور گرم گرم نان کے ساتھ پیش کریں۔

اسپائسی مسالا دوسہ

اشیاء :

دوسے کے لیے:

چاول	ایک کپ
میٹھا سوڈا	ایک چٹکی
ہری مرچیں	دو کھانے کے چمچے (باریک کٹی ہوئی)
کوکنگ آئل	ایک کپ
ماش کی دال	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
پانی	ایک کپ

ترکیب :

چاول اور دال کو صاف کرکے آٹھ سے دس گھنٹے کے لیے بھگودیں۔ پھر اس میں ایک کپ پانی ڈالیں اور بلینڈر میں پیس لیں۔ پھر اس کو مزید دو گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں۔ اس کے بعد نمک، ہری مرچیں، سوڈا ملالیں۔ توے پر تھوڑا سا آئل لگائیں جب گرم ہو جائے تو چمچے کی مدد سے دوسے تلیں یہ پسا ہوا پتلا آمیزہ ہے اس لیے آہستہ آہستہ چمچے کی مدد سے پھیلائیں۔ مناسب سائز کم از کم چائے کی طشتری جتنا ہو جائے تو تھوڑا سے آئل ڈال کر تل لیں۔

دوسہ فلنگ

اشیا :

آلو	آدھا کلو ابال کر میش کرلیں
نمک، ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ

ماش کی دال (بھگو کر توے پر بھون لیں)	ایک کھانے کا چمچہ
رائی	ایک چائے کا چمچہ
کڑی پتا	آٹھ عدد
ہری مرچ	تین عدد (باریک کٹی ہوئی)
چنے کی دال	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
پیاز درمیانے سائز کی	ایک عدد باریک کٹی ہوئی
گھی یا آئل	دو کھانے کے چمچے

ترکیب :

چنے کی دال اور ماش کی دال کو تقریباً" آٹھ دس گھنٹے کے لیے بھگو دیں۔ پھر اس کو تیل یا گھی میں ڈال کر فرائی کریں۔ جب دونوں دالیں گولڈ براؤن ہو جائیں تو اس میں کڑی پتا اور رائی ڈال کر ہلکا سا فرائی کریں۔ اس کے بعد ہری مرچیں، نمک، ہلدی، لہسن، ادرک پیسٹ، پیاز ڈال کر اچھی طرح مکس کریں پانچ منٹ دم دے کر رول کریں اور توے سے اتار کر گرم گرم دوسے چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

دوسے کی چٹنی

اشیا :

نمک	آدھا چائے کا چمچہ
ناریل	آدھا کپ پسا ہوا
املی کا گودا	تین کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
دہی	آدھا کپ
چنے	آدھا کپ بھنے ہوئے پیس لیں
لہسن کے جوے	چار عدد
ہری مرچیں	آٹھ عدد
پودینہ	چند پتے

ترکیب :

املی کو پانی میں بھگو کر بیج نکال دیں نمک، چنے (بھنے ہوئے) ناریل، لہسن کے جوے، املی کا گودا، ہری مرچیں، ہرا دھنیا، پودینہ اور دہی ایک ساتھ پیس لیں۔

چٹنی کے بگھار کے لیے

اشیاء :

لہسن کے جوے	دو عدد باریک کٹے ہوئے
کڑی پتا	چھ عدد
ہری مرچیں	تین عدد
رائی	آدھا چائے کا چمچہ
آئل	دو کھانے کے چمچے

ترکیب :

پین میں آئل گرم کریں۔ اس میں لہسن اور ہری مرچیں فرائی کریں پھر اس میں رائی، کڑی پتا ڈال کر کچھ سیکنڈ فرائی کر کے چٹنی پر بگھار دیں دوسے کے ساتھ پیش کریں۔

چکن فجیتا پزا

اشیاء :

چکن (بون لیس، کیوبز میں کٹی ہوئی)	آدھا کلو
چلی ساس	دو کھانے کے چمچے
کالی مرچ (پسی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	آدھا کھانے کا چمچہ
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ

ٹاپنگ کے لیے:

پزا ساس	ایک کپ
موزریلا یا چیڈر چیز	ایک کپ
اوریگانو	آدھا چائے کا چمچہ
مشروم	ایک کپ
ٹماٹر کیوبز میں کٹے ہوئے	ایک کپ

ڈو بنانے کے لیے:

میدہ	ڈیڑھ کپ
خمیر	ایک کھانے کا چمچہ
(خمیر کو نیم گرم پانی میں ایک کھانے کا چمچہ چینی کے ساتھ ملالیں)	
نمک	آدھا چائے کا چمچہ
انڈا	ایک عدد
آئل	دو کھانے کے چمچے

ترکیب :

ایک پیالے میں چکن میں چلی ساس، کالی مرچ، نمک، سرکہ اور لہسن ڈال کر اچھی طرح تمام اجزا ملالیں اور بیس سے پچیس منٹ کے لیے رکھ دیں۔ اب کڑاہی میں چکن کو درمیانی آنچ پر ہلکا سے گلالیں۔ میدہ میں نمک، انڈا اور چینی ملا خمیر ڈال کر نیم گرم پانی کے ساتھ ڈو کے تمام اجزا کو نرم گوندھ لیں اوون کو 180 ڈگری سینٹی گریڈ پر گرم کرلیں۔ اب ڈو کو تھوڑی دیر کے لیے اوون میں رکھ کر گرم کریں تاکہ وہ پھول جائے اب ڈو کو بیل لیں پھر اسے بیکنگ ٹرے میں رکھ کر ہلکا سا آئل لگائیں اور چمچے کی مدد سے چھوٹے چھوٹے سوراخ کردیں چکن کیوبز، چیز، مشروم، ٹماٹر، شملہ مرچ اور اوریگانو سے ٹاپنگ کرکے بیک کرلیں۔

سانبل (انڈونیشین ڈش)

اشیا :

گوشت	ایک کلو
پیاز ایک کلو (ہلکی براؤن)	
سبز مرچ	ایک پاؤ
ادرک	ایک پاؤ (باریک کٹی ہوئی)
نمک	حسب ضرورت
ہلدی	ایک چٹکی
املی	حسب خواہش
کوکنگ آئل	حسب ضرورت

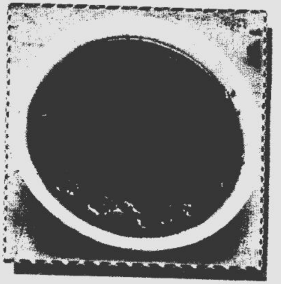

ترکیب :

پہلے گوشت کو دھوکر حسب ضرورت نمک اور تھوڑا سا پانی ڈال کر گلنے کے لیے رکھ دیں جب پانی خشک ہوجائے تو الگ برتن میں کوکنگ آئل میں گوشت اچھی طرح بھونیں ایک الگ برتن میں آئل ڈال کر پیاز کو ہلکا براؤن کرلیں اور سبز مرچ، ادرک کو بھی تل لیں۔ تلے ہوئے گوشت میں ان سب چیزوں کو ملادیں۔ املی کے بھگوئے ہوں دانوں کو مل کر گٹھلیاں نکال کر چھان لیں اور تیار شدہ گوشت میں ڈال کر دس منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ مزے دار سانبل تیار ہے۔

کڑھی

اشیاء :

دہی	آدھا کلو
دہی کو کھٹا کرنے کے لیے دو لیموں کا رس ملادیں	
بیسن	آدھی پیالی
لال مرچ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک لہسن پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ

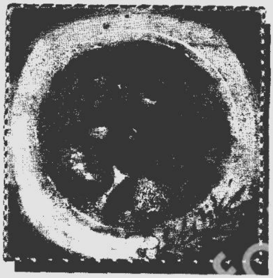

لیموں	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
ہری مرچ	چار عدد
ہرا دھنیا	ایک گٹھی باریک کٹا ہوا
کڑی پتا	چھ عدد
پیاز	ایک ڈلی باریک کٹی ہوئی
بگھار کے لیے	
ثابت دھنیا	بھون لیں ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
میتھی دانہ	چھ عدد
لہسن کے چھلے جوے	چار عدد باریک کٹے ہوئے
لال مرچ ثابت	چھ عدد
کڑی پتا	چار عدد
تیل	ایک پیالی
پکوڑوں کے لیے	
بیسن	ایک پیالی
میٹھا سوڈا	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ	تین عدد باریک کٹی ہوئی
پیاز	ایک ڈلی باریک کٹی ہوئی

ترکیب :

دہی، مرچ، دھنیا، ادرک، لہسن، بیسن اور چار پیالی پانی ملا کر ایک دیگچی میں چھان لیں۔ پھر پیاز، ہری مرچ، کڑی پتا وغیرہ ڈال کر پکنے دیں دس منٹ بعد نمک ڈال دیں، جب مرچیں اچھی طرح گل جائیں تو چولہا آہستہ کر دیں۔

پکوڑوں کے مسالوں کو اچھی طرح ملا لیں اور کڑاہی میں تیل ڈال کر خوب گرم کر لیں، پکوڑے تل تل کر کڑھی میں ڈالتے جائیں۔

بگھار کے مسالے تیل میں ڈال کر سیاہ کر لیں، جب سیاہ ہو جائیں تو کڑھی میں ڈال دیں ڈھکن ڈھانپ دیں۔ سادے چاول کے ساتھ پیش کریں۔

چٹ پٹے کریلے

اشیاء :

کریلے	ایک کلو
پیاز	ڈیڑھ پاؤ
ٹماٹر	ڈیڑھ پاؤ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچے
تیل	ایک کپ

ترکیب :

کریلوں کو چھیل کر کریلوں کے بیچ میں کٹ لگائیں اور اس کے بیج نکال کر الگ رکھ دیں۔ پھر کریلوں کو گول باریک کاٹ لیں۔ اب اس میں تین چار چمچے نمک

لگائیں اور دھوپ میں رکھ دیں، دو تین گھنٹوں کے لیے اب ان کو اچھی طرح دھولیں اور کسی کپڑے میں رکھ کر نچوڑلیں اس طرح بیجوں کو بھی کریں، اب کریلوں کو درمیانی آنچ پر فرائی کریں جب کریلے براؤن ہوجائیں تو ٹماٹر، زیرہ، ہری مرچ باریک کاٹ لیں اور انہیں بھون لیں۔ ساتھ ہی لال مرچ، ہلدی بھی ڈال دیں جب ٹماٹر بھن جانے تو اس میں فرائی کریلے، بیج، لیموں کا رس ڈال کر پکائیں اور اتار لیں۔

انڈوں کی مٹھائی

اشیاء :

انڈے	تین عدد
خشک دودھ	ایک کپ
چینی	آدھا کپ
گھی	آدھا کپ
سبز الائچی	چند عدد دانے

ترکیب :

پہلے انڈے خوب اچھی طرح پھینٹ لیں اس کے بعد گھی میں الائچی کے دانے ڈال کر گرم کریں، پھر اسے چولہے سے اتار کر ٹھنڈا کرلیں۔ اب اس میں خشک دودھ، انڈے اور چینی ڈال کر چمچے سے اچھی طرح ہلائیں اور ہلکی آنچ پہ رکھ دیں۔ چمچے سے برابر ہلاتی رہیں۔ آہستہ آہستہ یہ خشک ہونے لگے گا جب اس کا رنگ براؤن ہوجائے اور یہ گھی چھوڑنے لگے تو اتار کر کسی پلیٹ میں جمادیں۔ ٹھنڈا ہونے پر اس کی ٹکڑیاں کاٹ لیں اور چاندی کے ورق سجادیں۔ مزے دار مٹھائی تیار ہے۔ نہایت فخر سے مہمانوں کو پیش کریں۔

ڈونٹس

اشیاء :

میدہ	250 گرام
انڈہ	ایک عدد
مکھن یا گھی	دو کھانے کے چمچے
خمیر	ایک چائے کا چمچہ
چینی	دو کھانے کے چمچے
تیل	فرائی کے لیے
دودھ کا پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
نمک	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب :

میدے میں خمیر، دودھ کا پاؤڈر، انڈہ، چینی، نمک اور گھی یا مکھن ڈال کر نیم گرم پانی سے گوندھ لیں، اور تقریباً" ایک گھنٹہ کے لیے رکھ دیں تاکہ آٹا پھول کر سائز میں ڈبل ہوجائے۔ اگر آپ کے پاس دودھ کا پاؤڈر دستیاب نہ ہو تو پانی کے بجائے آٹے کو نیم گرم دودھ سے گوندھ لیں۔ جب آٹا پھول جائے تو چھ عدد پیڑے بنالیں اور دوبارہ ڈھک کر رکھ دیں، تاکہ مزید پھول جائیں۔ اب یا تو ڈیڑھ انچ کی موٹائی کی روٹی بیل کر دونٹ کٹر سے کاٹ لیں یا پھر پیڑوں کو ذرا سا دبا کر درمیان سے کسی بوتل کے ڈھکن سے یا کوئی کٹر سے کاٹ لیں۔ پھر مزید تھوڑی دیر کے لیے ڈھک کر رکھ دیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں اور ہلکی آنچ پہ گولڈن براؤن ہونے تک فرائی کرکے نکال لیں اور پھر چاکلیٹ فراسٹنگ ساتھ کھانے کے لیے پیش کریں۔

چاکلیٹ فراسٹنگ ساس

اشیاء :

آئسنگ شوگر	ایک کپ
کوکو پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
مکھن	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب :

ایک پین میں آئسنگ شوگر، کوکو پاؤڈر اور مکھن ڈال کر تھوڑا سا پانی ڈال کر اتنا پکالیں کہ گاڑھی ساس بن جائے، ڈونٹس اس ساس میں ایک سائیڈ سے ڈپ کرکے رکھ دیں تاکہ ساس سیٹ ہوجائے۔

* * *

روبینہ شریف

مسکراتی کرنیں

مشورہ

ایک لڑکی پولیس اسٹیشن گئی اور بولی "سر میرا شوہر دو دن پہلے آلو لینے گیا تھا۔ ابھی تک واپس نہیں آیا۔"

انسپکٹر۔ "تو آپ کچھ اور پکالو۔"

وثیقہ زمرہ۔۔۔ سمندری

آخری خواہش

ایک دفعہ تین آدمیوں کو سزائے موت سنائی گئی تینوں کو تختہ دار پر لے جایا گیا سب سے پہلے مسلمان سے اس کی آخری خواہش پوچھی گئی۔

اس نے کہا کہ وہ دو رکعت نفل ادا کرنا چاہتا ہے لہٰذا اس کی خواہش پوری کرنے کے بعد اسے تختہ دار پر چڑھایا گیا لیکن تختہ خراب ہو گیا اور اس کی جان خلاصی ہو گئی۔

اس کے بعد بنیے سے اس کی آخری خواہش پوچھ کر پوری کی گئی اور اسے تختہ دار پر چڑھا دیا مگر خراب تختے نے اس کی بھی جان بچائی اب سردار جی کی باری آگئی اس کی آخری خواہش پوچھی گئی سردار جی نے جھنجلا کر کہا۔

"ناہنجارو۔ خواہش کو مارو گولی، پہلے تختہ۔ ٹھیک تو کراؤ۔"

رضوانہ ملک، طاہرہ ملک۔۔۔ جلال پور پیروالا

میں الو ہوں

مالک (نوکر سے) "پچاس بار کان پکڑ کر اٹھو اور بیٹھو اور کہو میں الو ہوں۔ ورنہ آج تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔"

نوکر۔ "جناب پچاس بار تو کیا میں سو بار کان پکڑ کر اٹھ بیٹھ سکتا ہوں مگر آپ کو الو کیسے کہہ سکتا ہوں۔"

مدیحہ نورین مہک۔۔۔ برنالی

زخمی

ایک لال بیگ زخمی حالت میں پڑا تھا۔

دوسرا لال بیگ۔ "کیا ہوا، ہٹ لگی ہے یا چپل پڑی۔"

پہلا۔ "نہیں یار یہ لڑکیاں دیکھ کر اتنا چلاتی ہیں کہ دل کا دورہ پڑ گیا۔"

بہن بھائی

شوہر بیوی آپس میں لڑ رہے تھے۔

لڑاکا بیوی کا پارا بہت ہائی ہو گیا اور اس نے اپنے شوہر کو کہا۔

"تم سے تو اچھا تھا کہ میں کسی شیطان سے شادی کر لیتی۔"

شوہر نے حیرانگی سے لمبا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"توبہ توبہ۔ استغفار۔ بھلا بہن بھائی کی بھی شادی ہو سکتی ہے؟"

حما واجد۔۔۔ کراچی

فیصلہ

مولوی صاحب میٹرو بس پر اچھرہ سے شاہدرہ جا رہے تھے۔

پچھلی سیٹ پر ایک عورت بار بار اپنے بچے سے کہہ رہی تھی۔

"بیٹا! یہ سوہن حلوہ کھا لو، ورنہ میں ان مولوی انکل

کو دے دوں گی۔”

جب خاتون نے چوتھی مرتبہ بھی یہ ہی کہا تو مولوی صاحب بولے۔

”بہن جی، جلد فیصلہ کر لو! آپ کی وجہ سے میں پہلے ہی چار اسٹاپ آگے آ چکا ہوں۔”

فرح بشیر۔۔۔ بھاول نگر

دو باتیں

بیوی۔ ”تم مجھے ایسی دو باتیں بولو کہ ایک سے میں خوش ہو جاؤں اور دوسری سے مجھے غصہ آ جائے۔”

شوہر۔ 1۔ تم میری زندگی ہو۔
2۔ اور لعنت ہے ایسی زندگی پر۔

سودا

ایک بندے نے کلاشنکوف کا سودا کیا۔

دکان دار۔ ”یہیں پر لینی ہے تو چالیس ہزار اور اگر گھر پہنچوانی ہے تو ایک لاکھ۔”

گاہک۔ یہ لو ایک لاکھ اور لاہور پہنچا دو۔”

دکان دار۔ ”ٹھیک ہے گھر پہنچ کر فون کرنا۔”

گاہک نے گھر پہنچ کر۔ فون کیا گھر پہنچ گیا ہوں۔”

دکاندار۔ ”ٹھیک ہے کلاشنکوف تمہاری گاڑی کے نیچے بندھی ہوئی ہے۔”

نسرین ناز۔۔۔ گوجرانوالا

ٹیکنالوجی کی جنگ

Google نے کہا ”ایک لفظ لکھو ہزاروں رزلٹ دوں گا۔”

Wikipedia بولا۔ ”ایک لفظ لکھو ہزاروں Pages دوں گا۔”

Internet بولا۔ ”میرے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔”

Computer بولا۔ ”تو کون سا میرے بغیر چل سکتا ہے۔”

یہ سن کر بجلی ہنسی اور بولی۔ ”بولے جاؤ میں چلی آل۔”

نزہت بانو۔۔۔ اسلام آباد

ایمپائر

میرے عشق کی باؤلنگ نے
اس کے دل کی وکٹ تو گرا دی
لیکن
میری تقدیر تو دیکھو! اس کا باپ
ایمپائر نکلا۔

اریشہ محمود۔۔۔ فیصل آباد

امت مسلمہ

ایک لڑکا اپنے دوست سے

”یونیورسٹی میں میرا رزلٹ چیک کر کے بتانا۔ میرے ساتھ ابو ہوں گے۔ اگر ایک مضمون میں فیل ہوں تو کہنا۔ مسلمان کی طرف سے سلام۔ اگر دو میں فیل ہوں تو کہنا۔ مسلمانوں کی طرف سے سلام۔

دوست رزلٹ دیکھ کر آیا اور کہا۔

”پوری امت مسلمہ کی طرف سے سلام۔”

عائشہ بشیر۔۔۔ بھائی پیرو

رشتہ

مرغی کا رشتہ کوے سے ہو گیا۔ جب مرغے کو پتا چلا تو وہ مرغی کے پاس گیا اور بولا۔

”میری آواز پورے شہر میں گونجتی ہے، مرغوں کی یونین کا پریذیڈنٹ بھی ہوں۔”

مرغی۔” میں تمہارے جذبات کی قدر کرتی ہوں لیکن امی ابو کی خواہش ہے کہ
لڑکا ایئر فورس میں ہو۔!”

اریبہ خان۔۔۔ نواب شاہ

خطا

ایک نئے قیدی نے اپنے ساتھی کو بتایا۔

”میں چوری کے جرم میں پکڑا گیا ہوں، ویسے خطا

میری ہی تھی۔"

"وہ کیسے؟" دوسرے قیدی نے پوچھا۔

"وہ ایسے کہ میں نے اس کوٹھی کے کتے سے دوستی کرنے میں پورا ایک مہینہ لگادیا مگر چوری کی رات میرا پاؤں کوٹھی کی بلی پر جاپڑا۔"

ہانیہ ایان ..... کراچی

تیز ترین

ایک امریکی اور پاکستانی بچے کے درمیان لفظی جنگ ہورہی تھی۔ دونوں کا خیال تھا کہ اس کا باپ دنیا کا تیز ترین آدمی ہے۔

"دیکھو! امریکی بچے نے کہا میرا باپ 500 گز دور نشانے پر فائر کرتا ہے اور اس کے ساتھ دوڑ پڑتا ہے۔ گولی کے نشانے تک پہنچنے سے پہلے وہ نشانے تک جاپہنچتا ہے۔"

"بس..... پاکستانی بچے نے کہا۔" میرا باپ سرکاری ملازم ہے۔ دفتر سے ان کی چھٹی چار بجے ہوتی ہے چھٹی کرتے ہی وہ گھر لوٹتے ہیں اور ساڑھے تین بجے گھر پہنچ جاتے ہیں۔"

مومل آفتاب..... کراچی

گیس کا بل

ایک بوڑھی عورت کا گیس کا بل 50 ہزار آگیا۔ بوڑھی عورت بل لے کر گیس کے دفتر پہنچی اور بولی۔

"اوئے بے غیرتوں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ جہنم کی آگ کے لیے گیس کا پائپ کیا میرے گھر سے جارہا ہے۔"

حصہ

طلاق کے مقدمے میں مجسٹریٹ نے عورت سے سوال کیا۔

مجسٹریٹ۔ "اس آدمی میں ضرور کوئی خاصیت رہی ہوگی جس کی وجہ سے تم نے اِس سے شادی کی تھی؟"

عورت "جی ہاں تھی تو لیکن اب وہ سب خرچ ہوچکی ہے۔"

اجر

ایک مولوی صاحب گاؤں کی مسجد میں درس رہے تھے۔

"روزوں کے بدلے جنت میں آپ کو اپنی ہی بیوی حوروں کی سردار بن کر ملے گی۔"

یہ سن کر ایک دیہاتی نے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی کو کہنی ماری اور آہستہ سے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"پتر ہور روزے رکھ!"

رفعت جبین..... ملتان

شبہ

ایک صاحب بہت غصے میں پولیس اسٹیشن پہنچے اور اس ایچ او سے بولے۔

"میں بے حد پریشان ہوں، مجھے دھمکی آمیز خطوط مل رہے ہیں۔"

"یہ تو بڑا جرم ہے، آپ کو کسی پر شبہ ہے؟" ایس ایچ او نے دریافت کیا۔

"شبہ کیسا؟ مجھے یقین ہے کہ یہ خطوط انکم ٹیکس والے بھیج رہے ہیں۔" انہوں نے جواب دیا۔

اتیلا ۔ قصور

سچا مسلمان

ایک آدمی تلوار لیے مسجد میں گیا اور آواز لگائی۔ "آپ میں کوئی سچا مسلمان ہے۔" ایک بزرگ بولے "میں ہوں۔"

آدمی ان کو باہر لے گیا اور ان کے قدموں میں بکرا ذبح کیا پھر مسجد میں گیا تلوار سے خون ٹپک رہا تھا۔ لوگ گھبرا گئے وہ بولا "اور کوئی سچا مسلمان ہے۔"

کسی نے آواز لگائی "مولوی صاحب ہیں۔"

مولوی غصے سے بولے۔ "بکواس کر رہا ہے یہ میں تو

اعلان کروانے آیا تھا کہ پرسوں سے کیبل نہیں آرہی ہے۔"

حنا کرن۔۔۔۔ پتوکی

اچھی بیوی

اچھی بیوی دنیا کے ہر کونے میں مل جاتی ہے۔

مگر مسئلہ یہ ہے کہ۔

دنیا گول ہے اور کونا نہیں ملتا!!!

دھمکی

ہر بیوی اپنے شوہر کو اکثر یہ دھمکی ضرور دیتی ہے۔

"میں تو بچوں کی وجہ سے رکی ہوئی ہوں' ورنہ تمہیں کب کی چھوڑ جاتی۔"

شادی کے 25 سال بعد یہ دھمکی سن کر ایک شوہر بولا۔

"دیکھو! سب بچوں کی شادی ہو گئی ہے' اب تو اپنا وعدہ پورا کرلو۔"

بیوی۔ "میں ذرا پوتے کی شادی تو دیکھ لوں۔"

حنا فرحان۔۔۔۔ راجن پور

احتیاط

نئے پروفیسر نے بوڑھے پروفیسر سے پوچھا۔

"کلاس کو لیکچر کیسے دیا جاتا ہے؟"

"بہت آسان ہے۔ کلاس میں جاکر کھڑے ہو کر آہستہ سے لیکچر شروع کردو۔ جب لیکچر ختم ہو تو احتیاط سے چلتے ہوئے کلاس سے نکل جانا۔"

"احتیاط سے کیوں؟"

"اس لیے کہ کلاس تمہارے پاؤں کی آواز سے جاگ نہ جائے۔"

فرزانہ جاوید۔۔۔۔ کراچی

بیگم کی ہنسی

کل میں نے اپنی بیگم سے فخریہ انداز میں کہا "تم نے دیکھا' کل رات پارٹی میں ایک عورت مجھے دیکھ کر مسکرائی تھی۔"

بیگم نے قطعی برا نہیں منایا اور بولیں۔ "یہ میرے لیے کوئی نئی بات نہیں' جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تو میری بھی ہنسی چھوٹ گئی تھی!"

صحت مند پاگل

ڈاکٹر نے پاگل خانے میں نئے آنے والے ایک مریض کا معائنہ کیا تو وہ اسے دماغی لحاظ سے صحت مند دکھائی دیا۔ ڈاکٹر نے اس سے پوچھا۔ "کیوں میاں' یہاں کیسے پہنچے؟" مریض نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا" "دراصل کچھ عرصے پہلے میں نے ایک بیوہ عورت سے شادی کرلی تھی۔ اس عورت کی ایک جوان بیٹی تھی۔ وہ لڑکی میرے باپ کو پسند آگئی' اور اس نے اس سے نکاح کرلیا۔ یوں میری بیوی' میرے باپ کی ساس بن گئی۔ کچھ عرصے بعد میرے باپ کے گھر بچی پیدا ہوئی۔ یہ رشتے میں میری بہن ہوئی کیوں کہ میں اس کے باپ کا بیٹا تھا۔ دوسری طرف وہ میری نواسی بھی لگتی تھی' کیوں کہ میں اس کی نانی کا خاوند تھا۔ گویا میں اپنی بہن کا نانا بن گیا۔ پھر کچھ مدت بعد میرے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ ایک طرف وہ لڑکی میرے بیٹے کی سوتیلی بہن لگتی تھی' کیوں کہ وہ بچہ اس کی ماں کا بیٹا تھا' اور دوسری طرف وہ اس کی دادی بھی لگتی تھی' کیوں کہ وہ میری سوتیلی ماں تھی۔ چنانچہ میرا بیٹا اپنی دادی کا بھائی بن گیا' اور میں اپنے بیٹے کا بھانجا۔"

ڈاکٹر صاحب نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑلیا اور چیخ کر کہا۔ "چپ ہوجاؤ' ورنہ میں بھی پاگل ہوجاؤں گا۔"

بیا اسامہ۔۔۔۔ فیصل آباد

* *

حسن وصحت

ادارہ

انسانی صحت کے لیے قدرت کا حسین تحفہ

ناریل

قدرت نے ہمیں بات سی نعمتیں عطا کی ہیں۔ ان ہی نعمتوں میں پھل اور سبزیاں بھی شامل ہیں، جو ہماری صحت کے لیے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ہر پھل اور سبزی میں کوئی نہ کوئی ایسی خاصیت ضرور ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ انسانی زندگی کے لیے لازمی بن جاتی ہے۔ ڈاکٹرز بھی اس بات پر متفق ہیں کہ اپنی صحت اور فٹنس کے لیے زیادہ سے زیادہ سبزیوں اور پھلوں پر انحصار کیا جائے۔ آج ہم آپ کے لیے جس پھل کا تذکرہ کررہے ہیں اسے ناریل (کھوپرا) کہتے ہیں۔ ناریل انتہائی خوش ذائقہ اور میٹھا پھل ہوتا ہے جو بہت شوق سے کھایا جاتا ہے اس کا پانی خاص طور بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔

کھانوں میں بہترذائقہ کے لیے ناریل کا استعمال کیا جاتا ہے ناریل کے استعمال سے نہ صرف کھانوں میں ذائقہ بڑھ جاتا ہے، بلکہ یہ ہاضمہ کے نظام کو درست کرنے میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے اس کے استعمال سے آنتوں اور جگر کے افعال میں بھی بہتری پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ بات ہم سب ہی جانتے ہیں کہ ناریل کے پانی کو دنیا کے محفوظ ترین پانی کی حیثیت دی جاتی ہے، اس کا پانی بہت شوق سے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے پانی کو استعمال کرنے سے جگر کی گرمی، تلووں اور ہتھیلیوں کی گرماہٹ کو کم کیا جاتا ہے، یہ جگر، تلووں اور ہتھیلیوں کو ٹھنڈک پہنچانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

ناریل وہ پھل ہے جس نے صدیوں سے انسانوں پر اپنی افادیت ثابت کررکھی ہے۔ بے شمار فوائد رکھنے والے اس پھل کا درخت بھی اپنی مثال آپ ہوتا ہے اسے جنت کا تحفہ بھی کہا جاتا ہے جبکہ بعض لوگ اسے فطرت کی سپر مارکیٹ ـــــ بھی پکارتے ہیں۔ یہ پھل زیادہ تر مرطوب ممالک میں پایا جاتا ہے اور ان ممالک میں اس پھل کو بطور خوراک، مشروب اور صحت بخش چکنائی کے استعمال کیا جاتا ہے اس کے گودے خاص طور پر فائیبر سے بھرپور ہوتے ہیں۔

جس طرح قدرت نے ہر پھل اور سبزی میں کوئی نہ کوئی خاصیت رکھی ہے، اسی طرح ناریل بھی اپنی بہت سی خصوصیات کی وجہ سے قدرت کا ایک ایسا بہترین اور نایاب تحفہ ہے، جو مجموعی طور پر آپ کے پورے جسم کی حفاظت کے لیے بے حد مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ روغن ناریل کے علاوہ ناریل کا پانی اور گودا نہ صرف آپ کی صحت کے لیے ایک انمول تحفہ ہے، بلکہ اس سے تیار کی گئی کریم کو آپ کی خوب صورتی کی ضمانت سمجھا جاتا ہے۔

ناریل کے چند فوائد

☆ ناریل کے پانی کو خاص طور پر گرمی میں باقاعدگی سے استعمال کرنا چاہیے کیونکہ اس کے استعمال کرنے

سے پورے دن آپ کو گرمی کا احساس نہیں ہوتا یہ پورے دن آپ کے لیے پرفیکلی ہیٹ کا کام کرتا ہے۔

☆ ناریل کی یہ خوبی ہے کہ یہ آپ کی جلد کو نہ صرف ٹھنڈک کا احساس دلاتا ہے، بلکہ جسم کے داغ دھبوں کے نشانات کو بھی صاف کرنے میں بھرپور مددگار ثابت ہوتا ہے۔

☆ ناریل کے تیل کو صدیوں سے بالوں کی نشوونما اور صحت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

☆ اب چونکہ زمانہ نے ترقی کرلی ہے لہٰذا مختلف قسم کے شیمپوز اور ہیئر کنڈیشنرز مارکیٹ میں دستیاب ہیں، لیکن ان شیمپوز اور ہیئر کنڈیشنرز کی تیاری میں بھی ناریل کے تیل کو استعمال کیا جاتا ہے۔

☆ ناریل کے تیل میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود ہے کہ یہ آپ کے بے جان اور خشک بالوں میں نہ صرف جان ڈالتا ہے، بلکہ ان کی نشوونما میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

☆ بہت سے لوگوں کا تو یہاں تک خیال ہے کہ ناریل کا تیل بالوں کے ہر مسئلہ کے لیے مفید ثابت ہوتا ہے۔

☆ ناریل کے پانی کو دنیا کا سب سے محفوظ اور صحت بخش مشروب کہا جاتا ہے۔

☆ ناریل کے تیل کی افادیت پر دنیا بھر میں تحقیقات ہو رہی ہیں اور ہر نئے دن اس کی کوئی نہ کوئی خوبی سامنے آتی ہے۔

☆ اس میں شامل Kesha کو بالوں کی نشوونما کے لیے لاجواب قرار دیا گیا ہے۔

○ مشرقی خواتین زیادہ تر اپنے بالوں کی نشوونما کے لیے ناریل کا تیل ہی استعمال کرتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ان کے بال مغربی خواتین کے مقابلے میں زیادہ دلکش دکھائی دیتے ہیں۔

○ ناریل کی یہ بھی خوبی ہے کہ اس کے استعمال سے نہ صرف آپ کی رنگت میں نکھار پیدا ہوتا ہے بلکہ اس کے استعمال سے آپ کا نظام ہاضمہ بھی درست رہتا ہے۔

○ ناریل کی یہ خوبی ہے کہ یہ نہ صرف چربی کو پگھلاتا ہے بلکہ کولیسٹرول کو بھی کنٹرول کرتا ہے۔ یہ جسم کے گوشت کے اندر پوشیدہ زہریلے جراثیم کو بھی ختم کرتا ہے۔

○ ناریل کی پسندیدگی کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ یہ پھل کھانے میں بہت مزے دار ثابت ہوتا ہے۔

ناریل کی مندرجہ بالا خوبیوں کے علاوہ یہ مختلف قسم کی مصنوعات کی تیاری میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے **مثلاً**" صابن، لوشن، کریم، ہونٹوں پر لگانے والا بام وغیرہ کے لیے ناریل سے نکالے جانے والا تیل انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

ناریل کے پھل سے دو طرح کے تیل نکالے جاتے ہیں

Virglinncoconut Oil Vco 1

2 ۔ دوسرا خشک کھوپرے سے نکالا جانے والا تیل جس میں وٹامن "ای" کی خاصی مقدار موجود ہوتی ہے۔

ناریل کے تیل اور کڑی پتا میں یہ خوبی ہوتی ہے کہ یہ سفید ہوتے ہوئے بالوں کے لیے بے حد مفید ثابت ہوتے ہیں ان دونوں کا ملاپ بالوں کے لیے کرشماتی ثابت ہوتا ہے۔

تھوڑے سے کڑی پتے لے کر گرائنڈر میں تھوڑا سا پانی ڈال کر پیسٹ تیار کرلیں پھر اس میں دو کپ ناریل کا تیل ملا کر گرم کرلیں۔ اس وقت تک گرم کرنا ہے جب تک اس سے بھانپ نہ اٹھنے لگے۔ اس کے بعد اسے ٹھنڈا کر کے کسی بوتل میں محفوظ کرلیں اور سفید ہوتے ہوئے بالوں میں لگاتی رہیں اور دیکھیں، کہ قدرت نے ان چیزوں میں کیا خوبیاں چھپا رکھی ہیں۔

بہرحال اس بات میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ ناریل ایک انتہائی صحت بخش اور سودمند پھل ہے جو کسی بھی موسم میں صحت اور تندرستی کے لیے کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔

* *

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

ذوالقرنین

عینی طفیل..... کراچی

س اگر یہ صحیح ہے کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ کانٹوں پر پھول کی صحبت کا اثر نہیں ہوتا؟

ج دونوں میں ضد چل رہی ہے۔ دلائل اگرچہ زوردار ہیں لیکن نہ پھول کانٹوں کا اثر لینے پر رضامند ہیں اور نہ ہی کانٹے۔

منصوری..... کمرشل سینٹر

س آپ اتنے خوب صورت کیسے ہو گئے۔ کہیں یہ سب فیئر اینڈ لولی کا کمال تو نہیں ذوالقرنین جی؟

ج فیئر اینڈ لولی کا اشتہار دیکھ کر تو کسی سیاہ ترین جلد کے مالک کا بھی دل ایسی کریم استعمال کرنے کو نہیں چاہے گا بی بی۔

رضیہ حمید..... شکار پور

س آسمان پر چمکتی کہکشاں اور دلہن کی جھلملاتی مانگ میں سے آپ کو کون سی چیز پسند ہے؟

ج دونوں بہت دور ہیں مجھ سے۔

ثمینہ کوثر..... ملتان

س نین بھیا! آپ کے ہر ناول کا ہیرو سگریٹ یا سگار ہی کیوں پیتا ہے۔ کچھ اور کیوں نہیں؟

ج پاکستان میں ان دو چیزوں کے ساتھ صرف چائے پینے کی اجازت ہے۔

فرح دیبا..... کراچی

س کہیں الو بولتے تو جگہ ویران ہو جاتی ہے۔ اگر ذوالقرنین بولے تو جگہ کا کیا حال ہوتا ہے؟

ج احباب کو گمان ہوتا ہے کہ جشن بہاراں کا سماں ہے۔

شہناز اختر..... ڈلوال

س آہستہ سے بتا دیں۔ جو ناول آپ کے نام سے آ رہا ہے۔ وہ آپ کس سے لکھوا رہے ہیں؟

ج ایک ہے مگر نام ہم تمہیں کیوں بتائیں اس کا۔

شبانہ عینی..... کراچی

س ذوقی بھیا! اتنے اہتمام سے تیار ہو کر کیوں بیٹھے ہو کیا بھابھی کا انتظار۔۔۔؟

ج بات یہ نہیں بلکہ معاملہ یوں ہے کہ تمہاری بھابھی کو ہمارا انتظار ہے۔

مدیرہ کرن

نامے میرے نام

اس ماہ کا بہترین خط

افشاں سمیع... گھونکی

فیض احمد فیض نے کہا تھا نہ حکایتیں نہ شکایتیں، لیکن ہمارے پاس تو حکایتیں بھی ہیں اور شکایتیں بھی ہیں۔ حکایتیں کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں، لیکن شکایتیں ضرور بیان کریں گے۔ کیونکہ شکایتیں اپنوں سے ہی بیان کی جاتی ہیں اور آپ ہمارے اپنے ہی تو ہیں۔ سب سے پہلے تو کرن حاصل کرنے کا مرحلہ ہی آسان نہیں ہوتا۔ بک اسٹال کے چکر لگا لگا کر تھک جاتے ہیں تب کہیں کرن کا دیدار نصیب ہوتا ہے چکر کا مطلب شاید آپ نہ سمجھ پائیں کہ آپ بڑے شہر میں رہتی ہیں جہاں ہم رہتے ہیں وہاں چکر کا مطلب 40 کلو میٹر جی ہاں 20 کلو میٹر دور سے رسالہ ملتا ہے۔ کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم پہنچتے ہیں تو رسالہ ختم ہو چکا ہوتا ہے۔

کرن ہاتھ میں آتا ہے تو دل چاہتا ہے جلدی سے پڑھ لیں، لیکن افسوس کہ وصال یار فقط آرزو کی بات نہیں گھر میں ہمارے ذمے جو کام ہیں وہ تو ہمیں کرنا ہی ہوتے ہیں۔ صبح آٹا گوندھ کر پراٹھے پکانا پھر گھر کی صفائی پھر ٹیوشن کے لیے بچے آجاتے ہیں پھر دوپہر کا کھانا کھا کر نماز اور شام کی چائے تک ہمارا اور کرن کا ساتھ ہوتا ہے۔

غم جاناں اور غم دوراں سے نظر بچا کر کچھ پل کرن کے ساتھ گزارتے ہیں۔ کہیں اشک، کہیں تبسم۔ سچ بات یہ ہے کہ کرن ہمیں اس لیے پسند ہے کہ اس میں ہلکی پھلکی تحریریں ہوتی ہیں، لیکن اب پچھلے چند ماہ سے کچھ تبدیلی محسوس ہوئی ہے۔ اشک زیادہ ہیں۔ تبسم کم ہے۔

کچھ اپریل کے کرن پر بھی اپنی رائے کا اظہار کر دوں۔ سرورق بہت زبردست تھا۔ لینا شاہ، عمران رضوی اور صنم جنگ سے ملاقات اچھی رہی۔ لینا شاہ کا انٹرویو پڑھ کر احساس ہوا کہ پاکستان کی خواتین بھی کسی سے کم نہیں ہیں۔ ایسی خواتین کو دیکھ کر ہم لوگوں کا حوصلہ بلند ہوتا ہے۔ حسن و صحت میں مینی کیور کا طریقہ جس طرح سے اسٹیپ بائے اسٹیپ اتنی تفصیل سے دیا گیا ہے کہ اس کی اہمیت ہم چھوٹے شہروں میں رہنے والوں سے پوچھیں جہاں پارلر جانا بھی ایک دشوار مرحلہ ہوتا ہے۔

"مقابل ہے آئینہ" میں روبینہ لیاقت کے جواب اچھے تھے، لیکن اس کو ذرا اور دلچسپ بنائیں۔

"میں گمان نہیں یقین ہوں" نبیلہ ابر راجہ کی قسط شاندار تھی۔ امیر علی بے شک معذور ہیں، لیکن ان کا دماغ تو کام کر رہا ہے وہ اپنی بیٹی کے بارے میں تو درست فیصلہ کر سکتے ہیں یا بیوی کے ساتھ بیٹی کو بھی بھول گئے۔

فرحین اظفر کا ناول "ردائے وفا" ایک دلچسپ موڑ پر آگیا ہے پر میری اتنی گزارش ہے کہ ہر کردار اس ناول میں پریشان ہے کسی کے ساتھ کچھ اچھا نہیں ہو رہا۔ ایک ماہا خوش تھی تو حسیب کا بیٹا آگیا۔ دنیا میں اب سارے لوگ پریشان نہیں ہیں جہاں کچھ غم ہیں، وہاں خوشیاں بھی ہیں۔

"ایک ساگر ہے زندگی" میں کردار اب کچھ واضح ہوئے ہیں کہانی آگے بڑھی ہے یہ قسط اچھی لگی گزشتہ اقساط میں کہانی ست روی کا شکار تھی۔

پلیز میرا یہ پیغام فاخرہ گل تک ضرور پہنچا دیں کہ خدارا اگر ان کے پاس کوئی کہانی ہے تو آگے بڑھائیں نہیں تو ختم کر دیں۔

صائمہ اکرم کی تحریر اثر انگیز تھی "منتہا" بھی اپنے ماں باپ کی طرح خود غرض تھی، اسے اپنے والدین سے سبق سیکھنا چاہیے تھا اور لوگوں کے طعنوں کا منفی اثر لینے کے بجائے مثبت اثر لیتی، لیکن خوش نصیب تھی کہ اس کا واسطہ اچھے لوگوں سے رہا۔

در ثمن، شہناز صدیق اور شبانہ شوکت کی ہلکی پھلکی رومانوی کہانیوں نے پرچے کو چار چاند لگا دیے۔

عتیقہ ملک نے "دیا" میں حقیقت کی صحیح تصویر کھینچی

ہے۔ ایک غلط عورت کیسے پورے گھر کو تباہ کردیتی۔ سمیرا کا انجام اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ لیکن ارباز درانی کا انجام بھی دکھانا چاہیے تھا۔ سمیرا کو گمراہی کی طرف لے جانے والا وہی تھا، صائم کو اپنے والدین کی نافرمانی کی سزا ملی، لیکن عرفان کا کیا قصور تھا؟

"صلہ" پڑھ کر احساس ہوا عورت اولاد کی خاطر بدترین مرد کو بھی جھیلنے پر مجبور ہوتی ہے چاہے اس کا تعلق کسی بھی طبقے سے ہو۔

"یادوں کے دریچے" میں نئے شعرا کی غزلیات بھی شامل کیجیے۔

"کرن کا دسترخوان" دیکھ کر منہ میں پانی آگیا۔ گرمی کی مناسبت سے دال اور سبزیوں کی مختلف تراکیب دیں کیوں کہ گھر والے ایک ذائقے اور ایک جیسے کھانے کھا کر اوب جاتے ہیں۔

ج ۔ پیاری افشاں! آپ نے کرن کی ہر کہانی، ناول ناولٹ پر تفصیل سے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ بہت اچھا خط لکھا آپ نے.... آپ ہمیں باقاعدگی سے ہر ماہ خط لکھیں تاکہ ہم آپ کی رائے سے آگاہ ہوسکیں۔

شگفتہ مسکان

آج ہم نے ہمت کرکے اپنی خاموشی توڑ ہی دی کیونکہ محبت کو ہمیشہ اظہار کی ضرورت پڑتی ہے۔

ہمیں کرن سارے کا سارا بہت پسند ہے۔ سارے سلسلے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ ہم سب سے پہلے "حمد اور نعت" کے بعد "نامے میرے نام" میں چھلانگ لگا دیتے ہیں کیوں کہ ہمیں ثنا شہزاد اور فوزیہ ثمر کا تبصرہ جو پڑھنا ہوتا ہے، میں، میری بہنیں اور میری خالہ بہت شوق سے کرن پڑھتے ہیں اب تو ہم کرن کی مستقل قاری بن گئی ہیں۔ ہمیں آپ سے یہ پوچھنا تھا کہ کیا "شام آرزو" دوبارہ شائع ہوگا یا نہیں۔ کیونکہ وہ ہمارا فرسٹ فیورٹ ناول تھا۔ "فرحانہ ناز ملک" کی موت کا سن کر دل دکھ سے بھر گیا۔ اللہ انہیں جنت میں جگہ دے۔

ج ۔ اچھی شگفتہ! آپ نے اپنے خط میں صرف محبتوں کا اظہار کیا، کرن کی کسی تحریر، ناول، افسانے پر اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا۔

فرحانہ ناز ملک کی المناک موت پر ہمیں بھی بہت دکھ ہے۔ ان کا ناول دوبارہ کیسے شروع کرسکتے ہیں۔ وہ تو دنیا سے رخصت ہوچکی ہیں انہوں نے صرف ناول ہی ادھورا نہیں چھوڑا اور بھی بہت سے کام ادھورے رہ گئے ہیں۔ ابھی تو انہوں نے اپنے بچوں کو پروان چڑھانا تھا، ان کی خوشیاں دیکھنا تھیں۔ مشیت ایزدی کے سامنے صبر کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔

فائزہ بھٹی..... پتوکی

ہمارے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ خط کو شہر جا کر ڈاک خانے میں ڈالنا پڑتا ہے شہر کافی دور پڑتا ہے۔ خود جانے کی اجازت نہیں ہے اور دوسروں کی منتیں کرنے میں دو دو ماہ گزر جاتے ہیں۔ اب جبکہ امتحانوں کی وجہ سے ایک موقع میسر آیا ہے تو ہم نے پھر دن دیکھا نہ ڈیٹ، دماغ کی بھی ہزار دلیلوں کو رد کرتے ہوئے قلم اٹھایا اور اب ہم ہیں اور آپ اور ہمارے قلم کی روانی۔

یہ جی آپ کی رائٹر ہیں نا، فرحین اظفر بہت باکمال معلوم ہوتی ہیں۔ قارئین کو کس طرح پکڑ کر رکھنا ہے، خوب جانتی ہیں ان کا ناول ابھی سے معلوم ہوتا ہے خوب چلے گا۔ ناول میں سوہا کے دیور صاحب ہمارے فیورٹ کردار بنتے جارہے ہیں۔ ان کی جو "خاموشیاں" ہیں نا بہت متاثر کن ہیں۔

دوسرا سلسلے وار ناول بھی اچھا جارہا ہے۔

آپ جو مکمل ناول دیتے ہیں نا، بہت خوب صورت ہوتے ہیں۔ ناولٹ بھی خوب ہوتے ہیں، قصہ مختصر ہر چیز ہی زبردست ہوتی ہے، مگر سب سے زیادہ "آر جے" لوگوں کے انٹرویو دل کو بھاتے ہیں۔

اتنی تعریفوں کے بعد اب ایک شکایت بھی سنیے میں پہلے بھی تین، چار خط آپ کو بھیج چکی ہوں جن میں سے دو خط سامنے آئے اور اب ایک درخواست، ایک محبت بھرا مکمل ناول نبیلہ عزیز سے بھی لکھوائیں جو کہ صرف مکمل ناول پر مشتمل ہو۔

ج ۔ پیاری بہن! ہمیں اندازہ ہے کہ ہماری جو قارئین دیہی علاقوں میں رہتی ہیں۔ خط پوسٹ کرنا ان کے لیے کتنا مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ آپ کی کرن سے محبت کی ہم دل سے قدر کرتے ہیں۔ خط شائع نہ ہوسکے۔ آپ کی اس شکایت پر ہمیں حیرانی ہوئی۔ ہمیں آپ کے خط موصول ہی نہیں ہوئے۔ موصول ہوتے تو ضرور شائع کرتے۔

نبیلہ عزیز اپنی پھوپھی کی بیماری کی وجہ سے پریشان

ہیں۔ ان کا ناول شعاع میں چل رہا ہے‘ وہ اس کی قسط بھی نہیں لکھ پا رہی ہیں۔ آپ دعا کریں کہ ان کی پھوپھی ٹھیک ہو جائیں۔ پھر وہ آپ کے لیے ناول لکھ سکیں گی۔

عائشہ خان۔۔۔ ٹنڈو محمد خان‘ سندھ

اپریل کا کرن تھوڑا لیٹ ملا‘ اس لیے تبصرہ بھی تاخیر سے بھیج رہی ہوں۔ شائع ضرور کیجئے گا‘ مہربانی ہوگی۔ سب سے پہلے ٹائٹل کی بات ہو جائے بہت ہی اعلا‘ ماڈل کے ڈریس کا کلر تو زبردست ہے۔ میک اپ مہندی۔۔۔ ایوری تھنگ سب ہی پیاری لگی۔

انٹرویوز میں صنم جنگ اور عمران رضوی کا اچھا لگا۔ لینا شاہ مجھے بالکل بھی پسند نہیں۔

”افسانوں میں ”صلہ“ بیسٹ رہا۔ صلہ کہانی ان مردوں کی ہے جو عورت کی خدمت گزاری اپنا حق سمجھتے ہیں۔ جبکہ اگر یہی صورت حال عورت کو درپیش ہو تو مرد نگاہ چرانے لگتا ہے۔ بھلا ہو نگین کے بچوں کا۔۔۔ جو ماں کا خیال کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اولاد کو نیک اور صالح بنائے۔ آمین۔ سویرا فلک اس بار بہت اچھی تحریر لائیں۔ کیپ اٹ اپ۔

درثمن بلال کا ”بچھڑنے کے دن“ ایک پرسوز ملال سے بھرپور لو اسٹوری تھی جس کا اینڈ ہیپی تھا۔ بہت خوب درثمن بلال۔

”مقابل ہے آئینہ میں“ روبینہ لیاقت سے مل کر خوشی ہوئی۔

ج ۔ بہت شکریہ عائشہ!

رضوانہ ملک۔۔۔ جلالپور پیروالا

اپریل کا شمارہ حسب معمول 12 کو ملا‘ خوب صورت‘ نئی ماڈل کو دیکھ کر دل خوش ہو گیا‘ عمران رضوی‘ صنم جنگ اور لینا شاہ سے ملاقات اچھی رہی۔ ”مقابل ہے آئینہ“ میں روبینہ لیاقت کے جوابات اچھے لگے۔

ام طیفور کا افسانہ ”کتھا“ پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا کہ مہرالنساء اپنے بیٹوں کے ہوتے ہوئے بھی تنہا ہی رہیں ماں باپ تو اپنے بچوں کے لیے بہت کچھ کرتے ہیں‘ لیکن پھر بھی اولاد کی طرف سے صلہ نہیں ملتا۔

شبانہ شوکت کا افسانہ بھی بہت اچھا تھا اس میں ذونائشہ نام پیارا لگا اور ہمایوں کی نوک جھونک بھی اچھی لگی۔

درثمن بلال اور سویرا فلک کے افسانے بھی اچھے تھے۔

”ردائے وفا“ میں نائلہ کی شادی حدید سے نہیں ہونی چاہیے تھی اب جب اس کی شادی ہو ہی گئی ہے اور اس کا راز بھی نہیں کھلا تو اسے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے تھا کہ جس نے اسے دوسروں کی نظروں میں گرنے سے بچایا بجائے اس کے کہ وہ انس اور سوہا میں لڑائیاں کروانے میں لگی ہوئی ہے۔ ”اک ساگر ہے زندگی“ میں تھینکس گاڈ کہ نفیسہ سعید نے ماضی سے پردہ اٹھایا۔ نبیلہ ابر راجہ کا ناول ”میں گمان نہیں یقین ہوں“ بہت اچھا ہے ذیان‘ ایبک کی کزن ہے اور لگتا ہے کہ وہ ہی اس کی ہمسفر بنے گی۔ شہناز صدیق کا ناول ”اذن بہار“ بھی اچھا تھا اس میں شاذر کی صبا پر سختی کچھ زیادہ تھی۔ عتیقہ ملک کے ناول میں ”دیا“ کے ساتھ کافی برا ہوا۔ وہ بے چاری تو بہت معصوم تھی‘ لیکن اسے دردناک موت ملی۔ سمیرا کی حقیقت صائم پر آشکار ہونی چاہیے تھی اس نے اپنی ساری زندگی تو عیش میں گزاری‘ لیکن اس کے کیے کی سزا عرفان کو ملی صائمہ اکرم کا ناول بھی بہت اچھا تھا۔ منتہا نے عنایہ کے ساتھ بہت برا کیا اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا‘ وہ تو اس کے ساتھ بہت مخلص تھی اسے اپنی بیسٹ فرینڈ سمجھتی تھی‘ لیکن منتہا نے تو عنایہ سے اس کی محبت بھی چھین لی۔

”کرن کا دسترخوان“ میں ساری ڈشز زبردست تھیں۔

ثمینہ اکرم کے تبصرے بہت اچھے ہوتے ہیں۔

ج ۔ بہت شکریہ رضوانہ۔

وثیقہ زمرہ۔۔۔ سمندری

ماڈل بہت ہی پیاری لگ رہی ہے عمران رضوی اور صنم جنگ کے انٹرویو پسند آئے۔ لینا شاہ کو پہلی بار دیکھا ہے اچھی لگی‘ لیکن میں ریڈیو نہیں سنتی۔

”اک ساگر ہے زندگی“ اچھا جارہا یہ پہلے تو نازیہ کے ماں بننے کا ذکر تو کہیں نہیں آیا کہیں صباحت بھابھی نے تو اپنا بیٹا نہیں دیا اور جھوٹ بولا نازیہ کا بیٹا ہے۔ ”ردائے وفا“ نائلہ بہت ہی بے وقوف ہے۔ کبھی نہ کبھی تو یہ راز کھلے گا‘ اپنے انجام کا سوچ لے جو انس اور سوہا کے درمیان دوریاں پیدا کر رہی ہے۔ صائمہ اکرم کا ”منتہا“ ساری زندگی اداکاری کر کے جیتنے والی آخر حسنات سے ہار گئی۔ اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی اولاد جیسی نعمت سے محروم رہ کر اپنی غلطی مان ہی گئی کہ وہ غلط تھی۔ ”دیا“ صائم تو مر گیا‘

لیکن نمیرا کو سخت سزا ملنی چاہیے تھی ساری غلطیاں تو اسی کی تھیں، قصور تو اس کا تھا اور سزا عرفان کو ملی، ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ نبیلہ ابرا راجہ کی تو کیا ہی بات ہے ابھی تک تو ہٹ جا رہا ہے۔ ناولٹ "سالا خالہ اور اوپر والا" فاخرہ جی اب اسے ختم کر دیں۔ "اذن بہار" شاوزر کی پابندیاں بے جا نہیں تھیں۔

"تیری غفلتوں کو خبر کہاں" زونائشہ اور ہمایوں کی نوک جھونک اچھی لگی۔ در ثمن کا "بچھڑنے کے دن" زرش پر بہت ترس آیا بے چاری چھ سال ظلم سہتی رہی باقی دونوں افسانے بھی پسند آئے۔ "مقابل ہے آئینہ" روبینہ لیاقت سے ملاقات اچھی رہی۔ مستقل سلسلے بھی پسند آئے۔ اچھا جی اب اجازت پھر حاضر ہوں گے ابھی تو ہم گندم کی کٹائی میں مصروف ہونے لگے ہیں۔

ج ۔ پیاری وثیقہ! آپ گندم کی کٹائی کرتی ہیں؟ اتنی گرمی میں اتنی محنت کا کام۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمارے دیہی علاقوں کی خواتین بہت جفاکش اور محنتی ہوتی ہیں۔ ہمارے کسان محنت کرکے پورے ملک کو اناج مہیا کرتے ہیں، پھر بھی انہیں ان کی محنت کا صلہ نہیں ملتا۔

کرن کی پسندیدگی کے لیے ممنون ہیں۔

سدرہ وزیر...(پیل) خوشاب

اس بار کرن 12 کو مل گیا۔ "میری بھی سنیے" میں صنم جنگ کا انٹرویو بہت پسند آیا۔ اس ماہ شہناز صدیق کا ناولٹ اچھا لگا۔ نبیلہ ابر راجہ آپ کی تو کیا بات ہے۔ "میں گمان نہیں یقین ہوں" کا اگلے ماہ بے چینی سے انتظار رہے گا۔ در ثمن معذرت کے ساتھ آپ کا افسانہ کچھ دل کو نہیں لگا۔ مستقل سلسلے اچھے تھے۔ "یادوں کے دریچے" میں اپنا نام پاکر بہت خوشی ہوئی، جن رائٹرز کی مئی میں سالگرہ ہے ان کو بہت بہت سالگرہ مبارک ہو۔ فرحت اشتیاق صاحبہ سے ریکوسٹ ہے کہ پلیز کرن کے لیے کوئی ناول لکھیں ٹی وی ڈرامے تو ان کے چل رہے ہیں۔ پلیز 101 اسلام آباد کے ڈی جے حسنین رضا کا انٹرویو شامل کریں۔ پلیز....

ج ۔ پیاری سدرہ! بہت شکریہ آپ نے ہمیں خط لکھا، آپ کی فرمائش فرحت اشتیاق تک پہنچا رہے ہیں۔

ثناء شہزاد... کراچی

میں اتنی بے زار ہو رہی تھی، مگر کرن کو دیکھ کر میری ساری کوفت رفو چکر ہو گئی۔ جلدی سے "نامے میرے نام" پڑھا، سب کے تبصرے لاجواب تھے بمعہ ثناء شہزاد کے (ہاہاہا) کچھ بہنوں نے میرے تبصرے کی تعریف کی ان کا بہت بہت شکریہ۔ یہ آپ لوگوں کی محبت ہے ورنہ میں اس قابل کہاں۔

سرورق اچھا لگا ماڈل کا ڈریس اور مہندی بہت اچھی لگی۔ انٹرویوز اس بار اچھے نہیں لگے بس ٹھیک تھے، افسانے چاروں ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ "تیری غفلتوں کو خبر کہاں" میں جہاں ہمایوں کی محبت نے ہنسایا وہیں ام طیفور صاحبہ کی "کتھا" نے بہت رلایا۔ "بچھڑنے کے دن نہیں" اور "صلہ" بھی اچھے موضوع پر لکھے گئے افسانے تھے۔ راہم کی محبت کو ملا کر اچھا اختتام کیا۔ "صلہ" میں شوہر کی بے حسی پر غصہ آیا ایک بیوی اپنے شوہر کے ہر سکھ دکھ میں جب اس کا ساتھ دیتی ہے اس کا خیال رکھتی ہے تو شوہر کیوں اپنی بیوی کو اکیلا چھوڑ دیتا ہے۔

"اذن بہار" شہناز صدیق نے بھی اچھا لکھا۔ شاوزر صبا سے اتنی محبت کرتا تھا کہ اس کے انکار نے اس سخت جاں کو توڑ کے رکھ دیا ویسے صبا نے صحیح فیصلہ کرکے اسے برباد ہونے سے بچالیا۔ ویلڈن شہناز صاحبہ۔

سلسلے وار ناول "ردائے وفا" بہت اچھے سے آگے کا سفر طے کر رہا ہے یہ ناول بالکل سادہ ہے اس میں کوئی بھی بات ذہن کو الجھا نہیں رہی۔ نفیسہ سعید کا "ایک ساگر ہے زندگی" بھی بہت زیادہ اچھا ہے، مگر اس کہانی میں ذہن

اعتذار

فاخرہ گل کا ناولٹ "خالہ، سالا اور اوپر والا" کی قسط تاخیر سے موصول ہونے کی بنا پر اس ماہ شامل اشاعت نہ ہو سکی۔ اس کے لیے ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔
ان شاءاللہ آئندہ ماہ آپ یہ قسط پڑھ سکیں گی۔

بعض جگہوں پر آکر الجھ جاتا ہے جیسے کہ اب ہوا ہے۔ ایشال سالار کا بیٹا ہے تو پھر شاہ زین کون ہے اور ابھی پچھلی اقساط میں شاہ زین کی ماں حبیبہ کو دیکھ کر چونکی کیوں تھیں اور اس کا پورا بائیوڈیٹا بھی شاہ زین سے پوچھ رہی تھی آگے جاکر یہ کہانی بہت دلچسپ موڑ لے گی' مجھے ابھی سے اندازہ ہے۔ مکمل ناول زیادہ متاثر نہ کرسکے بس صحیح لگے اور نبیلہ ابر راجہ نے بھی ویسا نہیں لکھا جوان کا خاصہ تھا۔ ابھی تو اتنا خاص نہیں لگ رہا۔ دیکھتے ہیں آگے چل کر کیا رنگ لائے گا۔ “مقابل ہے آئینہ” میں روبینہ لیاقت کے جوابات اچھے لگے۔ کیا میرے جوابات آپ کو پسند نہیں آئے جو مجھے اس سلسلے میں جگہ نہیں مل رہی۔

ج ۔ پیاری ثنا! آپ کو ضرور جگہ ملی گی۔ تھوڑا انتظار کریں۔

آسیہ ارم.... ملیر کراچی

کرن ڈائجسٹ 14 تاریخ کو شوہر صاحب نے لاکر دیا۔ صنم جنگ کا انٹرویو اچھا تھا' معلومات میں اضافہ ہوا۔ صنم جی میک اپ کے بغیر زیادہ اچھی لگتی ہیں۔ “حسن و صحت” میں منی کیور سے بہت ساری چیزیں سیکھنے کو ملیں۔

اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف “اک ساگر ہے زندگی” میں زینب والی کہانی بہت پسند ہے۔ فرہاد پر بہت غصہ آتا ہے۔ بہن کے لیے اتنا شاہ خرچ اور بیوی بچوں کے لیے تنگ دل۔ حبیبہ کا کردار سمجھ نہیں آیا کہ عورت تو بھرے بازار میں سمجھ جاتی ہے کہ کوئی ہے جو مسلسل دیکھ رہا ہے اللہ نے یہ حس رکھی ہے عورت میں' مگر محترمہ اتنی معصوم ہیں کہ شاہ زین کے التفات کو سمجھ کر ہی نہیں دے رہیں۔ “ردائے وفا” میں بھی اس دفعہ مزا نہیں آیا اور معاف کیجئے گا رائٹر صاحبہ آپ نے جو حدید کے بارے میں اس دفعہ یہ بتایا ہے کہ نائلہ اور اس میں ازدواجی تعلقات نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں مجھے تو آج تک ایسا کبھی بھی نظر نہیں آیا کہ بیوی بھلے سے پسند نہیں' مگر اپنا حق لینا کبھی بھی نہیں بھولتا مرد۔ فاخرہ گل کی اچھی کاوش ہے ایسی مزا دیتی کہانیاں ماحول کو ہلکا پھلکا کردیتی ہیں۔ باقی تمام کہانیاں اچھی ہیں۔ آپ سب رائٹر سے گزارش ہے کہ نماز کی طرف زیادہ سے زیادہ مائل دکھایا کریں اپنے کرداروں کو۔ میں پرسنل آپ لوگوں کو بتا رہی ہوں کہ پڑھنے والوں پر اس کا بہت اثر ہوتا ہے جب وہ بار بار نماز کے بارے میں پڑھتی ہیں کہ ہیروئین یا اس کی اماں سب کام چھوڑ کر نماز پڑھنے لگیں تو یقین کریں خود بہ خود اپنے اوپر شرمندگی سی ہونے لگتی ہے فورا” ڈائجسٹ چھوڑ کر نماز کے لیے اٹھتی ہوں۔ ہم لوگ رائٹر کے پھیلائے ہوئے ماحول میں اپنے آپ کو بھی فٹ کرلیتے ہیں۔

“مسکراتی کرنیں” مسکرانے پر مجبور کردیتی ہیں۔ “کرن کا دستر خوان” مزا دے جاتا ہے۔ اب دیکھیں “نامے میرے نام” میں ہمارا نام بھی ہوتا ہے کہ نہیں۔

ج ۔ پیاری آسیہ ہم تو آپ لوگوں کے خطوط کے منتظر رہتے ہیں۔ یہ سلسلہ آپ بہنوں کے خطوط کے لیے ہی شروع کیا ہے۔ بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے خط لکھا۔ آپ کی تعریف و تنقید مصنفین تک پہنچا رہے ہیں۔

امبر گل.... جھڈو' سندھ

گرمیوں کی آمد ہو چکی ہے تو لائٹ کلرز اگر ماڈلز نے پہنے ہوں تو پھر ٹائٹل + ٹائٹل گرل دونوں ہی آنکھوں کو بھاتے ہیں' قصہ مختصر ٹائٹل اچھا تھا۔ فہرست کو دیکھا تو کافی زبردست رائٹر کے نام جگمگا رہے تھے جن میں سرفہرست تو میری بہت پیاری اور عزیز از جان دوست رائٹر “ام طیفور” کا نام تھا۔ جتنا اچھا نام اتنا ہی اچھا کام “کتھا” نے تو سیدھا زخم' جگر' دل' گردے' کلیجے سب کو چھو لیا گویا' حقیقتاً” بہت زبردست لکھا ہے اسپیشلی نظم بہت زبردست لگی اور حقیقتاً” مجھے بیگم کی کہانی نے زاروزار رلا ڈالا' اللہ تعالیٰ کریں زور قلم اور زیادہ.... (آمین)

“تیری غفلتوں کو خبر کہاں” شبانہ شوکت نے بھی اچھا لکھا ہلکی پھلکی سی تحریر کو پڑھ کر مزا آیا۔ سوزا فلک نے بھی “صلہ” تو بہت ہی خوب لکھا' عورت کا اصلی روپ یہی ہے۔

سلسلے وار ناولز میں صرف “ایک ساگر ہے زندگی” پڑھا باقی ابھی کرن تقریبا” سارا ہی پڑھنے والا رہتا ہے۔

انٹرویوز میں سے صنم جنگ کا انٹرویو اس لیے اچھا لگا مجھے شاید کہ وہ خود بہت اچھی لگتی ہیں اور کافی سچی اور مخلص قسم کی' ویسے ان کی باتیں بھی مزے دار تھیں۔ “مقابل ہے آئینہ” میں روبینہ لیاقت کے جوابات بھی اچھے تھے۔ “حسن و صحت” کا سلسلہ ادارے کی جانب سے ایک اچھا تحفہ ہے “نامے میرے نام میں” تقریبا” سب کے تبصرے

ہی زبردست تھے، مجھے شکایت ہے۔ اگر کوئی مستقل قاری کافی عرصے سے تبصرہ نہ کررہا ہو تو کوئی تو ہو جو حال چال پوچھ لے اس کا۔ اور اسپیشلی ویلکم بیک تو میں ”در ثمن بلال“ کو کرنا چاہوں گی کہ چلو جیسے بھی سہی آپ کی واپسی واپسی تو ہوئی ہماری دنیا میں اور اب ہماری دو عدد بہت پیاری تبصرہ نگار اور میری پیاری پیاری دوستوں سدرہ سحر عمران اور ثمرین حبیب آپ دونوں کو اپنی زندگی کا نیا سفر شروع کرنے پر بے حد مبارک باد۔

ج ۔ سدرہ سحر عمران اور ثمرین حبیب کو ہماری طرف سے بھی مبارک باد اور دعائیں پیاری امبر! آپ کے تبصرے تو ہمیشہ ہی بہت اچھے ہوتے ہیں۔ اس بار بھی بہت اچھا تبصرہ کیا۔ خوش رہیں۔

فوزیہ ثمروٹ‘ ام ہانیہ عمران..... گجرات

اپریل کا کرن چودہ تاریخ کو ملا۔ ٹائٹل کچھ کچھ دیکھا ہوا تھا۔ اس لیے مجھے کچھ خاص نہیں لگا۔ کرن کا پہلا اسکیچ اچھا تھا۔ لڑکی کی شرٹ ڈیزائن خوب صورت تھا۔

سب سے پہلے حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبولؐ سے دل و ذہن کو معطر و شاد کیا۔ شاہین صاحبہ اب اچھے اچھے لوگ سے متعارف کروا رہی ہیں۔ ”میری سنیے“ میں صنم جنگ سے ملاقات مزے کی رہی۔ یہ تو میرے پیارے بھائی (عمران صاحب) کی فیورٹ اداکارہ ہے۔

”مقابل ہے آئینہ میں“ روبینہ لیاقت کا دوسرا سوال کا جواب بہت اچھا تھا۔

ایسا آئینہ کہاں سے خریدا جو آپ کو کھری کھری سناتا ہے۔ باقی کے جوابات بھی اچھے تھے۔ کیا میں ہانیہ عمران کے جوابات اس میں شامل کرسکتی ہوں۔ آپ شائع کردیں گی۔ ”حسن و صحت“ سلسلہ ہمیشہ کی طرح اچھا تھا۔

سلسلہ وار ناول۔ ”اک ساگر ہے زندگی“ کو سب سے پہلا پڑھا۔ اس بار کی قسط دلچسپ رہی۔ جب فرہاد زینب سے مس بی ہیو کرتا ہے‘ تو سخت غصہ آتا ہے۔ زینب کی بے بسی پر‘ جہاں تک میرے خیال ہے۔ حبیبہ‘ زینب کی تیسری بیٹی ہے اور آنے والا شخص سالار جو ہے وہ زینب کے پاس آیا ہے۔ آئندہ قسط کا شدت سے انتظار رہے گا۔ میرے خیال کہاں تک درست ہے۔ زین شاہ یا تو سالار کا بیٹا ہے جو اس نے ایڈاپٹ کیا تھا۔

”ردائے وفا“ نائلہ کو شرم نہیں آئی ایسی حرکتیں کرتے ہوئے۔ خدا نے اگر اس کے گناہ کا پردہ رکھا ہے تو اسے خود کو سنبھالنا چاہیے یہ کیا بات ہوئی۔ وہ پھر سے کھوئی محبت کو پانے کے چکروں میں پڑ گئی ہے۔

اور یہ کیا ماہا بے چاری سے اتنا دھوکا ہوا ہے بہار میں خزاں کا موڑ آگیا۔ کیا دونوں بہنوں کو شادی کے بعد مشکلات ہی مشکلات ہیں۔ وہاں نائلہ نے سوہا سے بیر باندھ لیا ہے اللہ ہی حافظ ہے دونوں بہنوں کا۔ تینوں کردار اپنی اپنی جگہ مس فٹ ہیں۔ پتا نہیں کیوں کبھی کبھی اللہ پاک بھی ایسی مس فٹ جوڑیاں کیوں بنا دیتا ہے کہ ساری زندگی ڈر ڈر کے گزرتی ہے۔

مکمل ناول صائمہ اکرم کا ”منتہا“ پڑھا۔ سپر سپر ہٹ تحریر تھی۔ میری‘ یادداشت کے مطابق یہ کافی عرصہ بعد آئی ہیں۔ آئیں اور چھا سی گئیں۔ صائمہ کی تحریریں۔ خوب صورت۔ اور دل و دماغ میں نقش رہ جانے والی ہوتی ہیں۔

”دیا“ عتیقہ ملک کا ناول بھی اچھا تھا۔ بلکہ عبرت ناک تھا۔ صائم کے ایک غلط فیصلے سے کتنی زندگیوں کو خوشیاں نہ ملیں۔

”میں گمان نہیں یقین ہوں“ باقی آئندہ پہ رکھ چھوڑا۔ کیوں کہ دو تین اکٹھی اقساط پڑھ کر ہی کچھ کہانی کا سر پیر پتا چلے گا ناں۔

ناولٹ ”سالا خالا اور اوپر والا۔“ مزاحیہ جملوں اور فقروں کی بھرمار تھی۔ کہیں کہیں تو دل کھول کر ہنسنا چاہتا ہے۔ اور کہیں یہ دل سے پوچھنا پڑتا ہے۔ کیا (ایہ گل تے ہنسنا سی۔) کیا اس بات پہ ہنسنا تھا۔

خالہ کو تو آپ نے ایویں ہی الو بنا رکھا ہے۔ اب جن لوگوں کی شادیاں نہیں ہوتیں کیا وہ عقل سے فارغ ہو جاتے ہیں۔

میرے خیال میں علی اور چندا کی شادی کروا کے چینا کا شادی دفتر بھی بند کروائیں اور اس تحریر کو بھی۔ مجھے بڑی تپ چڑھتی ہے خالہ کی حرکتوں سے۔

”اذن بہار“ یہ تحریر بس سو سو ہی رہی۔ کوئی خاص متاثر نہیں کرسکی۔

بس وہی پرانا شکوہ۔ کہ رائٹر صاحبہ کو ایسے دل لٹانے والے ہیروز کہاں سے مل جاتے ہیں۔

افسانے سب ہی اچھے تھے پہلے آپ کو "کتھا" کے بارے میں بتاتی ہوں۔ ام طیفور۔ آپ نے تو بس رلانے کا ٹھیکا لے رکھا ہے۔ قسم سے جب بھی آپ کی تحریر کو پڑھا ہے۔ آپ تحریر سمیت دل میں نقش ہو جاتی ہیں۔

آپ کی تعریف کرتے کرتے یوں ہی ایک خیال آیا ہے۔ کیا آپ کوئی کامیڈی مزاحیہ سی تحریر لکھ سکتی ہیں ہمارے لیے۔ ایسی تحریر جس میں دکھوں کے نوحے نہ ہوں۔ بلکہ زندگی کی خوشیاں۔ مسرتیں ہوں۔

"بچھڑنے کے دن" درثمن جی واہ جی واہ خوش کیتا اے۔

افسانہ "تیری غفلتوں کی خبر کہاں" یہاں ایک باوفا باکردار ہیرو صاحب تھے۔ جو اپنی ہیروئن کو خوشی خوشی اپنے دل اور اپنے گھر میں بسا کے لے گئے۔

"صلہ" بھی اچھا تھا محنت اور محبت بھی رائیگاں نہیں جانی چاہیے عورت کی ہو یا مرد کی۔

لو جی چودہ تاریخ کو کرن ملا تھا۔ جسے چار دن میں مکا ڈالا ہے۔ ہے ناں ہمت کی بات۔ مستقل سلسلے اچھے تھے۔

"نامے میرے نام"۔ ہمیشہ کی طرح سب کی دلچسپی کا سلسلہ ہے۔ حرا قریشی۔ نشا نورین کا تبصرہ ہمیشہ اچھا لگتا ہے پڑھنا۔ رضوانہ ملک کا یہ کہنا کہ پورا کرن سات' آٹھ گھنٹوں میں پڑھ ڈالا بڑی حیرت ہوئی۔ امبر گل کرن سے اپنی ناراضی چھوڑ دو اور حاضری دو۔ تمہیں سویرا یاد کرتی ہے۔

ج ۔ پیاری فوزیہ! آپ کرن کی مستقل تبصرہ نگار ہیں اور ہمیشہ ہی آپ کے تبصرے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ ہانیہ عمران کے جوابات ضرور لکھیں۔ ہم شائع کریں گے۔

طاہرہ ملک' رضوانہ ملک..... جلال پور پیروالا

میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کہ آپ نے میری پہلی کاوش کو کرن کی زینت بنایا۔

کرن 14 تاریخ کو ملا ٹائٹل گرل نے فوراً ہی توجہ سمیٹ لی ٹائٹل گرل سے ہیلو ہائے کے بعد عمران رضوی' صنم جنگ' لینا شاہ' اور روبینہ لیاقت سے ملاقات کی' اور ہمیشہ کی طرح شاہین رشید کے چمکتے ستاروں سے مل کر بہت اچھا لگا' روبینہ لیاقت آپ کی خوبیاں' خامیاں مجھ سے ملتی ہیں "حسن و صحت" ویلڈن جی آپ نے گھر بیٹھے مینی کیور کرا دیا۔

"اک ساگر ہے زندگی" نفیسہ سعید شکر کہ آپ ماضی سے پردہ اٹھانے کے لیے تیار ہو گئی ہیں۔ زینب بے چاری پہ بہت ترس آتا ہے فرہاد جیسے مرد عورتوں کی زندگی خراب کرتے ہیں۔ بیوی سے 50 روپے کے لیے تفتیش اور بھائی کے لیے دبئی جانے کی کوششیں' شاہ زین کافی اچھا لڑکا ہے حبیبہ کا صحیح حقدار وہی ہے "تیری غفلتوں کو خبر کہاں" شبانہ شوکت بہت اچھا لکھا آپ نے شروع میں ہی لگ رہا تھا' کہ ہمایوں ہی ذونائشہ کا ہم سفر بنے گا' ان کی نوک جھونک کافی اچھی لگی "منتہا" بہت ہی زبردست ناول تھا۔ میں تو پڑھ کے حیران رہ گئی کہ منتہا جیسی سوچ رکھنے والے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ کتنی بدقسمت تھی جسے اتنے پیارے لوگ ملے اور وہ ان کی قدر نہ کر سکی "ام طیفور" جی بہت اچھے موضوع پر لکھا آپ نے۔ آج کل یہی تو المیہ ہے ہمارے معاشرے کا۔

"ردائے وفا" فرحین جی یہ کیا کیا۔ انس' سوہا اور حدید جیسے سلجھے ہوئے اور اچھے لوگوں میں نائلہ جیسی بلا بھیج دی' حدید جیسا لڑکا نائلہ کو تو نہیں ڈزرو کرتا تھا اور نائلہ کو تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ نے اس کا عیب چھپا لیا مگر وہ تو اوروں کی زندگی کو عذاب بنانے پر تلی ہوئی ہے "میں گمان نہیں یقین ہوں" بہت زبردست ناول ہے "دیا" میں بے چاری دیا کے بارے میں پڑھ کر بہت افسوس ہوا معصوم سی لڑکی سمیرا کی خواہشات کی بھینٹ چڑھ گئی لیکن' صائم کو سمیرا کی حقیقت اس کی زندگی میں ضرور پتا چلنی چاہیے تھی۔ عرفان کی حالت پہ بہت افسوس ہوا ماں کے کیے گناہوں کی سزا اسے مل گئی۔ صلہ "سویرا فلک آپ نے عورت کی خود سے منسلک رشتوں کے بارے میں محبت بہت اچھے انداز میں دکھائی۔

ج ۔ طاہرہ اور رضوانہ کرن کی ہر تحریر کے بارے میں آپ نے تفصیلی رائے دی۔ بہت شکریہ۔ آئندہ بھی خط لکھتی رہیے گا۔

☆ ☆

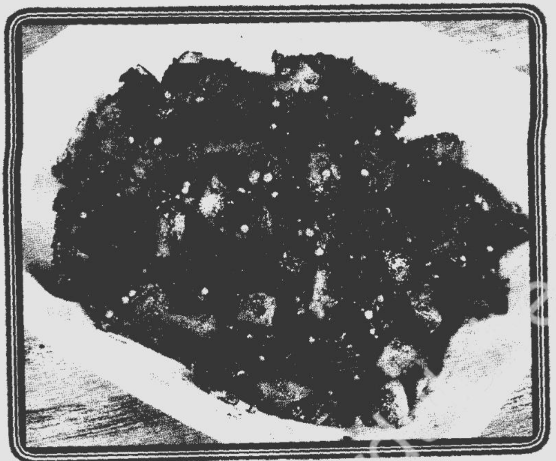

اچار، چٹنیاں، سلاد اور رائتے

اچار، چٹنیاں، سلاد اور رائتہ دسترخوان کا دل پسند جزو ہیں ان کے بغیر دسترخوان ادھورا ادھورا سا لگتا ہے۔ کھانے میں کچھ کمی رہ جائے تو یہ چیزیں ان کمی کو بڑی عمدگی سے پورا کرتی ہیں اور دسترخوان کی زینت بڑھانے میں بہترین معاون ہوتی ہیں۔

اچار

کیری کا اچار

اشیاء :

کیری	ایک کلو
لہسن پسا ہوا	دو سو گرام
نمک	ایک کھانے کا چمچہ
رائی پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
کلونجی	ایک چائے کا چمچہ
دھنیا پسا ہوا	دو کھانے کے چمچے
سرکہ	سو گرام
زیرہ پسا ہوا	دو کھانے کے چمچے
ہلدی پاؤڈر	دو چائے کے چمچے
سرخ مرچ پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
سرسوں کا تیل	دو سو پچاس گرام
میتھی۔ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب :

کیریوں کو ٹکڑوں میں کاٹ لیں اس میں نمک اور سرکہ ملا کر دو تین دن کے لیے دھوپ میں رکھ دیں۔ دو یا تین دن کے بعد جب کیریاں نرم پڑ جائیں تو اس میں لہسن پسا ہوا، پسا ہوا زیرہ، ہلدی پاؤڈر، رائی پاؤڈر، سرخ مرچ پاؤڈر، میتھی پسی ہوئی، دھنیا پسا ہوا اور کلونجی اچھی طرح مکس کر لیں تیل گرم کریں اس میں آدھا چائے کا چمچہ میتھی دانہ آدھا چائے کا چمچہ رائی، آدھا چائے کا چمچہ کلونجی، ایک چائے کا چمچہ ثابت زیرہ، تھوڑی سی ثابت سرخ مرچیں۔ چھ یا سات لہسن کے

جوے ڈال کر بگھار لیں۔ تیل کو ہلکا ٹھنڈا کریں اس میں مسالا ملی ہوئی کیریاں ڈال دیں اور ایک شیشے کے یا چینی کے مرتبان میں محفوظ کرلیں۔ عرصے تک خراب نہیں ہوگا۔

اچار آم نمبر 1

اشیاء :

آم (اچاری)	اڑھائی کلوگرام
کلونجی	75گرام
نمک	ایک پاؤ
ہلدی	50 گرام (پسی ہوئی)
سرسوں کا تیل	ایک کلو
سونف	75 گرام
متبھرے	75 گرام
سرخ مرچ	حسب پسند (پسی ہوئی)

ترکیب :

آموں کو کاٹ کر ایک پاؤ نمک خوب اچھی طرح لگا کر رکھ دیا جائے اور اگلے دن اس کا پانی کسی چھاننے میں ڈال کر نچوڑ لیں۔ سارے مسالے تھوڑے سے تیل میں ملا کر آموں پہ اچھی طرح لگا دیں اور پھر باقی بچا ہوا مسالا بھی آموں کے ساتھ ہی مرتبان میں ڈال کر تیل شامل کردیں۔ آم تیل میں اچھی طرح ڈوبے ہوئے ہونے چاہییں۔ پندرہ بیس دن میں بہترین اچار تیار ہوجائے گا۔ لذیذ ترین اچار ہے۔

اچار آم نمبر 2

اشیاء :

کچے آم	اڑھائی کلو
نمک۔	ایک پاؤ
سونف	آدھا چھٹانک
میتھی کے بیج	ایک چھٹانک
سرخ مرچ	ایک چھٹانک
رائی	آدھا چھٹانک
تیل	حسب ضرورت
کلونجی	آدھا چھٹانک

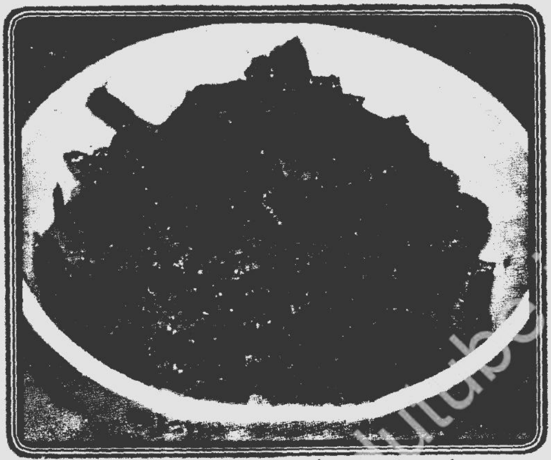

ہلدی	ایک چھٹانک (پسی ہوئی)
ہینگ	آدھا چھٹانک
سونٹھ	آدھا چھٹانک

ترکیب :

سب سے پہلے تمام مسالا جات کو اچھی طرح سے کوٹ لیا جائے، لیکن میتھی کے بیج الگ رکھ لیے جائیں۔ انہیں مسالا جات میں شامل نہ کریں۔ کوٹے ہوئے مسالوں میں تھوڑا سا سرسوں کا تیل ملا کر ان کا ملیدہ سا بنا لیا جائے۔ آموں کو اچھی طرح سے دھو کر ان کی چار چار عدد پھانکیں اس طریقے سے کاٹ لیں کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔ اس کے بعد پھانکوں میں سے گٹھلیاں نکال کر پھینک دیں اور ان کی جگہ تیل ملا ہوا مسالا بھر دیا جائے۔ انہیں کسی برتن میں رکھتے جائیں۔ اب جس برتن میں اچار ڈالنا چاہتے ہیں مسالا بھرے ہوئے آم اس میں ڈال دیے جائیں اور باقی مسالا اور میتھی کے بیج بھی مرتبان میں ڈال کر ڈھکن بند کر کے اس کے منہ پر کپڑا باندھ کر دھوپ میں رکھ دیا جائے تاکہ پانی اچھی طرح سے خشک ہو جائے۔ روزانہ اس کو ہلا کر دیکھتے رہیں اور کم از کم چار دن تک اسے دھوپ میں رکھیں اور جب پانی اچھی طرح سے خشک ہو جائے تو سرسوں کا تیل ڈال دیں۔ تیل اتنی مقدار میں ڈالیں کہ تمام تر آم اس میں اچھی طرح سے ڈوب جانے چاہئیں۔ چار پانچ دن میں یہ لذیذ ترین اچار تیار ہو جائے گا۔ مزے مزے سے تناول فرمائیں۔

گاجر کا اچار

اشیاء :

گاجر	ایک کلو
لال مرچ پسی ہوئی	دو چائے کے چمچے
لہسن کے جوے کٹے ہوئے	135 گرام
(چھوٹے جوے ثابت رہنے دیں اور بڑے جوے کاٹ لیں)	
ہری مرچ لمبی والی	250 گرام

لال سرکہ پھلوں کا	135 ملی لیٹر
ہلدی	ایک چائے کا چمچہ
تیل	225 ملی گرام
نمک	حسب ذائقہ
نمک	گاجر کو لگانے کے لیے

ترکیب :

گاجروں کو چھیل کر لمبائی میں کاٹ لیں پھر ان میں نمک لگا کر رکھ دیں۔ آدھے گھنٹے کے بعد گاجروں کو دھو دیں۔ ہری مرچیں لمبائی میں کاٹ کر بیج نکال لیں۔ انہیں گاجر میں شامل کردیں اور ساتھ ہی نمک، ہلدی، لال مرچ اور لہسن شامل کرکے اچھی طرح ملالیں۔ اب اس میں سرکہ اور بغیر گرم کیا ہوا تیل ملائیں۔ استعمال کرنے سے پہلے اسے چوبیس گھنٹے کے لیے فریج میں رکھیں۔

کھیرے کا اچار

اشیاء :

کھیرا	آدھا کلو
ادرک، لہسن پسا ہوا	کھانے کا ایک ایک چمچہ
رائی	چائے کا ایک چمچہ
لال مرچ	کھانے کا ایک چمچہ
ہلدی	چائے کا ایک چمچہ
شکر	کھانے کے دو چمچے
سرکہ	ایک پیالی
تیل	کھانے کا ایک چمچہ
پیاز	ایک عدد

ترکیب :

تیل گرم کرکے رائی، ادرک، لہسن اور پیاز باریک کاٹ کر ڈال لیں۔ پیاز سنہری ہوجائے تو دیگر مسالے اور کھیرا باریک کاٹ کر شامل کردیں، ساتھ سرکہ بھی ڈال دیں، آنچ درمیانی رکھیں۔ ابال آجائے تو چولہا بند کردیں۔ اچار تیار ہے۔ ٹھنڈا ہوجائے تو کھا کر دیکھیں۔

کھٹا میٹھا لیموں اچار

اشیاء :

لیموں۔ پتلے چھلکے کے	ایک کلو
اجوائن	پندرہ گرام
کالا نمک	ایک چائے کا چمچہ
چینی	دو سو پچاس گرام
نمک	دو سو پچاس گرام
سرخ مرچ پاوڈر	کھانے کا ایک چمچہ

ترکیب :

نمک، اجوائن، سرخ مرچ پاوڈر، کالا نمک اور چینی کو مکس کرلیں۔ ہر لیموں کے چار ٹکڑے کاٹ لیں۔ اس میں مسالا بھردیں۔ انہیں شیشے کے خشک مرتبان میں ڈال دیں اور دس دن کے لیے دھوپ میں چھوڑدیں۔ ایک ماہ کے اندر یہ براؤن رنگت اختیار کرلے گا۔

نوٹ : آپ اسے دو سے تین سال تک کے لیے اسٹور کرسکتے ہیں۔

مکس اچار

اشیاء :

گاجر	سو گرام
مولی	سو گرام
مٹر	سو گرام
لیموں	پانچ سے چھ عدد یا زیادہ
(برائے لیمن جوس)	
نمک اور پانی	حسب ضرورت
شلجم	سو گرام

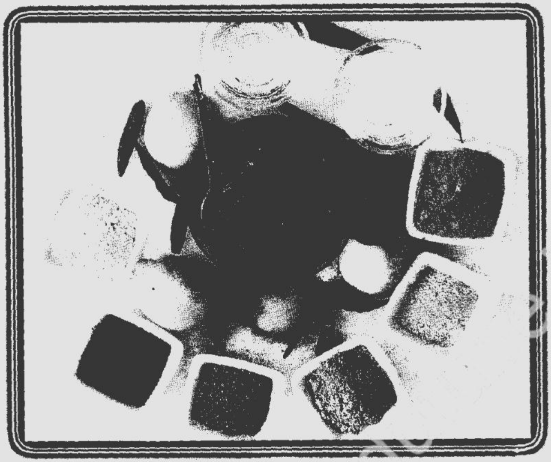

پھول گوبھی	سو گرام
آم کا اچار کا مسالا	سو گرام

برائے تڑکا

تیل	ایک کٹوری
ہینگ	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
رائی	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب :

سبزیوں کو صاف کر کے دھولیں۔ اور برابر سائز میں کاٹ لیں۔ نمک کے پانی میں چوبیس گھنٹے کے لیے بھگودیں۔ اچھی طرح پانی نتھارلیں۔ کسی کپڑے پر پھیلادیں۔ اور ایک دن ہوا میں خشک ہونے کے لیے رکھ دیں۔ ایک برتن میں مسالا لیمن جوس اور سبزیوں کو مکس کرلیں تیل گرم کریں۔ اس میں رائی اور ہینگ ڈال کر کڑکڑالیں۔ سبزیوں میں ڈال دیں۔ اور نمک ڈال کر اچھی طرح سے مکس کرلیں۔ حسب ذائقہ نمک چکھ لیں۔ اگر کم ہو تو اور نمک ملادیں۔ دو دن بعد اچھی طرح سے ملادیں اور دھوپ میں سکھائے ہوئے صاف مرتبان میں منتقل کر کے اسے سیل کردیں یہ اچار کئی ماہ تک خراب نہیں ہوتا۔

بڑے لیموں کا اچار

اشیاء :

بڑے لیموں	ایک کلو
سرخ مرچ پاؤڈر	دو چائے کے چمچے
کلونجی	دو چائے کے چمچے
سرسوں کا تیل	دو کھانے کے چمچے
ہلدی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
رائی پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
ہنگ	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	دو کھانے کے چمچے

ترکیب :

بڑے لیموں کی قاشیں کاٹ لیں۔ تمام مسالے اور تیل ملادیں۔ اچھی طرح مکس کریں۔ کسی مرتبان

میں منتقل کردیں۔ اور دھوپ میں رکھ دیں۔

اچار املی

اشیاء :

املی	ایک چھٹانک
سفوف آم	چار چائے کے چمچے
زیرہ	نصف چائے کا چمچہ
خشک کھجور	دو عدد
مغز پستہ	دس عدد
سرخ شکر	دو کھانے کا چمچے
چینی	دو کھانے کے چمچے
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
سبز مرچ	دو عدد

ترکیب :

املی میں دو کپ پانی کے ڈال دیے جائیں اور کچھ دن تک بھیگی رہنے کے بعد ہاتھ سے مل کر جوس بنالیا جائے۔ دو چمچے گھی اچھی طرح سے گرم کریں اور اس میں زیرہ شامل کردیا جائے اور جب گھی کڑکڑانا بند کردے تو باقی کے تمام مسالا جات ڈال کر خوب اچھی طرح سے پکائیں اور پھر اتار کر ٹھنڈا کرلیا جائے۔ سات دن کے بعد یہ مزے دار اچار تیار ہوگا۔ لذت اور ذائقے میں نہایت ہی لاجواب اچار ہے۔

سبزیوں کا اچار

اشیاء :

پھول گوبھی	ایک عدد۔ پھول الگ کرلیں
آلو	تین عدد۔ چھیل کر چھ ٹکڑے
ہری مرچ ثابت	آٹھ عدد
سیم کی پھلی	دس عدد۔ تین ٹکڑے کرلیں
مٹر	دس عدد۔ چھلے ہوئے

اچار میں ڈالنے والے مسالے

کٹی ہوئی لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
رائی	آدھا چائے کا چمچہ

باریک پیس لیں

سرکہ	ایک چھوٹی بوتل

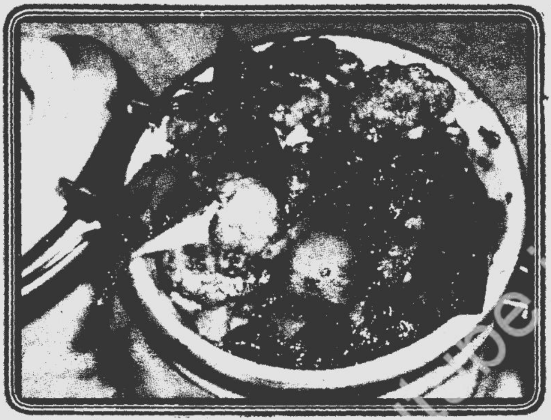

ہلدی	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

ایک دیگچی میں پانی گرم کریں۔ جب جوش آجائے۔ تو سبزیاں ڈال دیں۔ تین منٹ بعد نکال کر چھلنی میں رکھ لیں۔ تاکہ پانی خشک ہوجائے پھر ابلی ہوئی سبزیوں میں سارا مسالا ملادیں۔ ایک دیگچی میں تیل گرم کریں۔

اس میں سبزیاں ڈال کر سرکہ ڈال دیں۔ دس منٹ تک پکا کر اتار لیں۔ اچار تیار ہے۔ ٹھنڈا ہوجائے تو کسی جار میں بند کر کے رکھ دیں۔

مسالا بھری دیگی مرچوں کا اچار

اشیاء :

لال دیگی (کشمیری) مرچ	بارہ عدد
کلونجی	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سرسوں کا تیل	ایک پیالی
ثابت دھنیا	تین کھانے کے چمچے
رائی	ایک کھانے کا چمچہ
سونف	آدھا کھانے کا چمچہ
املی کا گاڑھا گاڑھا رس	چار کھانے کے چمچے

ترکیب :

دھنیا، زیرہ، رائی اور سونف کو اچھی طرح بھون کر باریک پیس لیں پھر چھلنی کے ذریعے چھان لیں۔ جو پاوڈر چھن کے نکلے گا اس میں کلونجی، املی اور نمک لگا کر ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ مرچوں کو اچھی طرح سے دھو کر تھوڑے سے پانی میں ابال لیں، جب یہ پھول جائیں تو نکال کر ذرا خشک کر لیں پھر چیرا لگا کر یہ مسالا ان میں بھر دیں۔ تیل گرم کریں پھر ٹھنڈا کر کے یہ مرچیں اس میں بھگو دیں دو تین دن میں مرچیں تیار ہوجائیں گی۔

اچار بھنڈی

اشیاء :

بھنڈی	ایک کلو

نمک	دس گرام
مرچ	5گرام
رائی	5گرام
ہلدی	5گرام
گرم مسالا	10 گرام

ترکیب :

بھنڈیاں ہمیشہ نرم ہونی چاہئیں۔ انہیں اچھی طرح سے صاف کرلیا جائے اور پھر پانی میں ابال لیا جائے۔ اس کے بعد پانی میں سے نکال کر بھنڈیاں ایک برتن میں ڈالیں اور ان میں نمک، رائی اور ہلدی بھی ملادی جائے اور پھر اس برتن کو خوب اچھی طرح سے ہلایا جائے۔ اس کے بعد تھوڑا سا گرم مسالا بھی ملا لیا جائے۔ تین چار دن تک اسی طرح پڑا رہنے دیں۔ نہایت ہی عمدہ اور ذائقے دار اچار تیار ہوگا۔ محفوظ کرلیں اور حسب خواہش استعمال کرتے رہیں۔

گاجر کا پانی والا اچار

اشیاء :

گاجر	ایک کلو
رائی کٹی ہوئی	چار کھانے کے چمچے
سفید سرکہ	دو کھانے کے چمچے
بغیر چھلا ہوا لہسن	دو ڈلی۔ (باریک چھل لیں)
لال مرچ کٹی ہوئی یا حسب ذائقہ	چار کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
گڑ	ایک کھانے کا چمچہ
پانی	تین سے چار لیٹر

ترکیب :

گاجروں کو چھیل کر بڑے بڑے ٹکڑے کرلیں درمیان میں سے آدھا کرلیں ایک دیگچی میں گاجروں کو پانی میں ڈال کر ہلکی سی بھاپ دے لیں بھاپ لگی گاجروں کو نکال کر ایک ٹرے میں پھیلا کر اوپر دیا گیا آدھا مسالا ملادیں۔ پانی میں آدھا مسالا ڈال کر پانچ سے دس منٹ تک پکالیں۔ دونوں چیزوں کو تقریباً" دو دن الگ الگ دھوپ میں رکھیں۔ دو دن بعد پانی میں رائی کی کھٹاس آجائے گی تو مسالا لگی گاجریں مسالے والے پانی میں ڈال کر اچھی طرح ہلالیں۔ دوبارہ دھوپ میں رکھیں دھیان رکھیں، مٹی کے برتن میں یہ اچار ڈالیں تو مزے دار بھی ہوگا اور زیادہ دن تک رہے گا۔ لکڑی کا چمچہ استعمال کریں۔ چوتھے دن مزے دار گاجر کا پانی والا اچار تیار ہے۔ اسی طریقے سے آپ شلجم کا اچار بھی بنا سکتے ہیں۔

سبز مرچ کا اچار

اشیاء :

مسٹرڈ (ثابت)	ایک چھٹانک
پسا ہوا سفید زیرہ	ایک چھٹانک
ہلدی	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن کے جوئے (چھلے ہوئے)	ایک چھٹانک

سرکہ	دو تہائی پیالی
چینی	ایک تہائی پیالی
نمک	دو چائے کے چمچے
لہسن کے جوے	20 عدد
سبز مرچ	آدھ کلو

ترکیب :

مسٹرڈ اور زیرہ ملائیں۔ سبز مرچ کو لمبائی میں دو حصے کر کے بیج نکال دیں۔ ہلدی، کچلا ہوا لہسن، سرکہ، چینی اور نمک اچھی طرح مکس ہو جائیں۔ فرائنگ پین میں تیل گرم کریں اور مسالا مکسچر کو 5 منٹ کے لیے ہلکی آنچ پر فرائی کریں۔ لہسن کے جوے شامل کریں اور 5 منٹ کے لیے فرائی کریں۔ سبز مرچ ڈالیں اور ان کے گلنے تک پکائیں لیکن رنگ نہ بدلے، ہلکی آنچ پر 30 منٹ کے لیے پکائیں۔ جب اچار ٹھنڈا ہو جائے تو صاف اور ابالے ہوئے جار میں بھر لیں۔

اچار ایک ہفتہ بعد استعمال کریں۔

ہری مرچ اور کلونجی کا اچار

اشیاء :

ہری مرچ	ایک پاؤ (باریک کٹی ہوئی)
ہلدی	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	چار کھانے کے چمچے
کلونجی	ایک چائے کا چمچہ
لہسن کے جوے (بغیر چھلے باریک کٹے ہوئے)	آٹھ عدد
سفید زیرہ (گدرا گدرا پیس لیں)	ایک چائے کا چمچہ
لیموں	تین عدد

ترکیب :

ان سب چیزوں کو اچھی طرح ملا کر دو تین گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ ایک فرائنگ پین میں تیل گرم کریں پھر اس میں ان چیزوں کو ہلکی آنچ میں ہلکا سا فرائی کر لیں ٹھنڈا ہونے پر صاف اور خشک بوتل میں بند کر کے رکھ لیں۔ دھیان رکھیں گیلا چمچہ نہ استعمال کریں۔

مولی کا اچار

اشیاء :

مولی	دو کلو
لہسن	آدھا پاؤ
ہری مرچ	آدھا پاؤ
زیرہ	ایک تولہ
سرکہ	ایک کلو
پیاز	ایک پاؤ
کالی مرچ	آدھا چھٹانک
نمک	ایک پاؤ یا حسب ذائقہ

ترکیب :

پیاز کو چھیل کر کاٹ لیں۔ لہسن چھیل لیں اور مولیاں چھیل کر ان کے گول گول ٹکڑے کر لیں۔ ان ٹکڑوں کو نمک لگا کر رکھیں۔ اور تھوڑی دیر بعد ہاتھوں سے مل کر پانی نچوڑ دیں۔ پھر صاف پانی سے دھو کر خشک کر لیں۔ اس کے بعد ایک اچار کے مرتبان میں سرکہ ڈال لیں اور اس میں زیرہ کالی مرچ (آدھی پسی ہوئی اور آدھی ثابت ہو۔) اور نمک ڈالیں۔ پھر پیاز اور مولی کے ٹکرے ڈال کر اچھی طرح ہلائیں۔ ساتھ ہی لہسن ایک کپڑے میں باندھ کر ڈال دیں۔ اور اچار کے مرتبان کا منہ بند کر دیں۔ چھ دن بعد اس مرتبان کو دھوپ میں رکھیں۔ چھ دن بعد دیکھیں۔ اگر مولی گل گئی ہو تو اچار تیار ہے۔

پھول گوبھی کا اچار

اشیاء :

گوبھی	ایک کلو
چینی	ایک چائے کا چمچہ
کالی مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
سرکہ	تین سے چار کپ

ترکیب :

گوبھی کا پھول والا حصہ کاٹ لیں۔ اور ڈنٹھل علیحدہ کرلیں۔ ایک دیگچی میں اتنا پانی لیجیے کہ تمام پھول ڈوب جائیں۔ اب اس میں چھ کھانے کے چمچے نمک ڈال دیں۔ اور چوبیس گھنٹے کے لیے بھگوئے رکھیں۔ دوسرے دن گوبھی کو پانی سے نکال کر ٹھنڈے پانی سے دھولیں سرکے میں تمام خشک اشیاء کو مکس کرلیں۔ اب مرتبان میں پہلے گوبھی ڈالیں اور پھر سرکہ ڈال دیں۔ تین سے چار روز تک اندھیری اور خشک جگہ رکھیں۔

بیگن کا اچار

اشیاء :

بینگن	ایک کلو
ادرک	ایک کھانے کا چمچہ (پسی ہوئی)
(نمک، سرکہ، ادرک، لہسن کا پیسٹ بنا کر مرچوں میں چیرا لگا کر بھردیں)	
چینی	دو کھانے کے چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سرکہ	ایک چھوٹی بوتل
لہسن	ایک کھانے کا چمچہ (پسا ہوا)
ہری مرچ	دس عدد
لال مرچ	ڈیڑھ کھانے کا چمچہ (پسی ہوئی)
ہلدی	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
کوکنگ آئل	دو پیالی
بگھار کے لیے	
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
کڑی پتا	آٹھ عدد پتے
لہسن کے جوے (باریک کٹے ہوئے)	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک (باریک کٹی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب :

سب سے پہلے بیگن ٹھنڈے پانی میں بھگو کر ہرے ڈنٹھل سمیت چوکور ٹکڑے کاٹ لیں۔ ایک کڑاہی میں کوکنگ آئل گرم کریں۔ جب گرم ہوجائے تو بگھار کے مسالے ڈال کر سیاہ کرلیں۔ پھر ہلدی، مرچ ذرا سے سرکے اور پانی میں ملا کر کڑاہی میں ڈال کر ہلکا سا بھون لیں۔ پھر مسالے بھری ہری مرچیں، بینگن کے ٹکڑے، چینی، نمک، باقی بچا ہوا سرکہ ڈال کر مزید پانچ منٹ تک بھونیں۔ آنچ دھیمی رکھیں۔ اچار تیار ہے۔ بینگن ثابت رہنے دیں۔ اس اچار کو آپ پندرہ دن کے لیے رکھ سکتے ہیں۔ اور اگر زیادہ دن رکھنا ہو تو سب چیزوں کے ساتھ تین کھانے کے چمچے املی کا رس ملادیں۔

چٹنیاں

چٹنی ٹماٹر سادہ

اشیاء :

ٹماٹر	2ر1پاؤ
سرخ مرچ	2عدد (ثابت)
نمک	حسب ذائقہ
لہسن	2عدد جوے
سبز مرچ	3عدد

ترکیب :

سب سے پہلے ٹماٹروں کو اچھی طرح سے دھو کر کاٹ لیا جائے اور پھر لہسن، مرچ، سبز مرچ، نمک ان تمام اشیاء کو باریک پیس لیں اور پھر ٹماٹر بھی ڈال کر

Copyrighted material

پیس لیں۔ سادہ چٹنی تیار ہے۔ یہ بہت ہی مزے دار چٹنی تیار ہوگی اور صرف دو منٹ کے مختصر ترین وقت میں آپ یہ ٹماٹر کی سادہ چٹنی تیار کر سکتے ہیں جو کہ دال چاول وغیرہ کے ساتھ بہت ہی لذت بخش اور ذائقے سے بھرپور ثابت ہوتی ہے۔

لہسن کی چٹنی

اشیاء :

لہسن	4تولے
خشک کٹا ہوا دھنیا	1تولہ
امچور	4ماشہ
نمک مرچ	حسب ذائقہ
سرکہ	تھوڑا سا

ترکیب :

لہسن چھیل کر اس میں خشک کٹا ہوا دھنیا اور امچور نمک مرچ کے ساتھ ڈال کر اچھی طرح پیس لیں تھوڑا سا سرکہ بھی ڈال لیں اور مکس کر کے چٹنی تیار کر لیں۔

یہ چٹنی دل کی خرابی کے لیے نہایت مفید ہے۔

کیری کی میٹھی چٹنی

اشیاء :

کیری، (چھیل کر بالکل باریک کاٹ لیں یا کدوکش کر لیں)	آدھا کلو
گڑ یا چینی	ڈیڑھ پیالی
کشمش	پندرہ عدد (گرم پانی میں بھگو دیں)
ادرک (لمبی باریک کٹی ہوئی)	ڈیڑھ کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سفید سرکہ	آدھی پیالی
کلونجی	ایک چائے کا چمچہ
لال مرچ ثابت	دس عدد
لیموں	دو عدد

ترکیب :

ایک اسٹین لیس اسٹیل کی دیگچی میں سوائے لیموں کے باقی تمام مسالا جات ایک ساتھ ڈال کر لکڑی کے چمچے کے ساتھ ہلکی آنچ میں پکا لیں۔ جب چینی یا گڑ کا شیرا بن جائے تو اتار کر ٹھنڈا کر لیں۔ جب ٹھنڈی ہو جائے تو لیموں کا رس ڈال دیں۔ مرتبان میں رکھ لیں لیموں سے چٹنی محفوظ ہو جاتی ہے۔ اس چٹنی میں کبھی بھی گیلا یا جھوٹا چمچہ نہ ڈالیں۔

پشاوری چٹنی

اشیاء :

سبز مرچیں	2عدد

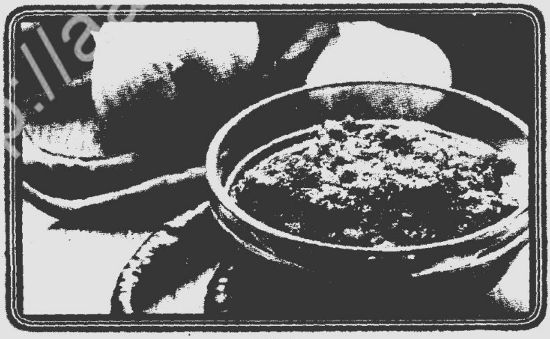

تازہ پودینے کے پتے	10عدد
نمک	حسب ذائقہ
سبز دھنیا	4 کھانے کے چمچے
پیاز	1عدد
ٹماٹر	1عدد
لیمن جوس	1 کھانے کا چمچہ
لہسن کے جوے	3عدد
املی کا رس	2 کھانے کے چمچے
پانی	حسب ضرورت

ترکیب :

اوپر دی ہوئی تمام چیزوں کو ہاون دستہ میں موٹا موٹا کوٹ لیں، دھیان رہے کہ چاپر میں ڈال کر بھی موٹا موٹا ہی پیسنا ہے۔ بہت باریک پیسٹ نہیں بنانی۔ مزے دار سی چٹنی کسی بھی اسنیک کے ساتھ پیش کرسکتے ہیں۔

سرخ مرچ کی چٹنی

اشیاء :

سفید زیرہ	دو چائے کے چمچے
لہسن	ایک کھانے کا چمچہ
کوکنگ آئل	چار چائے کے چمچے
نمک	آدھا چائے کا چمچہ
سرخ مرچ	بیس عدد ثابت

ترکیب :

مندرجہ بالا تمام اشیاء کو کوٹ لیں۔ اور فرائی پین میں تیل ڈال کر بھون لیں۔ لیکن آنچ ہلکی رہے۔ جب تیل اوپر آجائے تو استعمال کریں۔

کیری کی میٹھی چٹنی

اشیاء :

کیری	آدھا کلو (چھیل کر باریک کاٹ لیں یا کدوکش کرلیں)
گڑ / چینی	ڈیڑھ پیالی
کشمش	پندرہ عدد (گرم پانی میں بھگودیں)
ادرک (لمبی باریک کٹی ہوئی)	ڈیڑھ کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سفید سرکہ	آدھی پیالی
کلونجی	ایک چائے کا چمچہ
لال مرچ ثابت	دس عدد
لیموں	دو عدد

ترکیب :

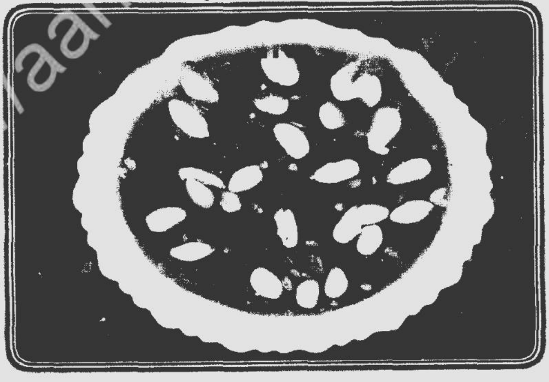

ایک اسٹین لیس اسٹیل کی دیگچی میں سوائے لیموں کے باقی تمام مسالا جات ایک ساتھ ڈال کر لکڑی کے چمچے کے ساتھ ہلکی آنچ میں پکالیں۔ جب چینی یا گڑ کا شیرا بن جائے تو اتار کر ٹھنڈا کریں۔ جب ٹھنڈی ہوجائے تو لیموں کا رس ڈال دیں۔ مرتبان میں رکھ لیں لیموں سے چٹنی محفوظ ہوجاتی ہے۔ اس چٹنی میں کبھی بھی گیلا یا جھوٹا چمچہ نہ ڈالیں۔

آلو بخارے کی چٹنی

اشیاء :

خشک آلو بخارا	1 پیالی
پودینہ	ایک چوتھائی گٹھی (پسا ہوا)
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب :

آلو بخارے کو پانی میں بھگودیں۔ نرم ہوجائے تو پیس لیں۔ پھر اسے ایک پیالی پانی میں پکالیں۔ ساتھ ہی اس میں پودینہ ڈال دیں اور مزید پیسیں۔ پانی ملا کر چٹنی کو پتلا کریں۔ پھر نمک اور سیاہ مرچ ملائیں۔ چٹنی تیار ہے۔

میٹھی چٹنی بنانے کے لیے

کھجوریں	8 عدد
گڑ	1،2 کپ
لال مرچ پاؤڈر	1 چائے کا چمچہ
پانی	آدھا کپ
چاٹ مسالا	1 چائے کا چمچہ
نمک	1 چائے کا چمچہ
املی	1،2 کپ
کالا نمک	1،2 چائے کا چمچہ
ثابت لال مرچیں	8 عدد

ثابت لال مرچوں کو ہلکا سا بھون لیں، املی کو 1،2 کپ پانی میں بھگو کر چھان لیں۔ اب ساری چیزیں بلینڈر میں ڈال کر گرائینڈ کریں اور اس آمیزے کو پین میں ڈال کر اتنا پکالیں کہ تھوڑا گاڑھا ہوجائے تو چولہے سے اتار لیں۔

خوبانی کی چٹنی

اشیاء :

خشک خوبانی	ایک کلو
نمک	حسب ضرورت
ادرک	تیس گرام
چینی	سات سو پچاس گرام
سرکہ	سات سو پچاس گرام
سرخ مرچ	بیس گرام

ترکیب :

خشک خوبانی کو اچھی طرح دھولیں۔ اب ان خوبانیوں کو رات بھر کے لیے بھگودیں۔ اب صبح خوبانی ابال کر اچھی طرح گلالیں۔ پھر اس میں نمک، مرچ، ادرک اور چینی ڈال دیں۔ اور اتنا پکائیں کہ گاڑھا ہوجائے۔ آخر میں سرکہ ملا کر مزید پانچ سے دس منٹ تک پکائیں۔ ٹھنڈا ہونے پر مرتبان یا شیشی میں بھر کر رکھ لیں۔

انار دانہ کی چٹنی

اشیاء :

انار دانہ	1 کپ (رات بھر بھیگا ہوا)
پودینہ	2 کھانے کے چمچے (پسا ہوا)
سرکہ	1 کھانے کا چمچہ
کشمش	1 کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب :

پہلے انار دانہ کو گرائنڈ کریں۔ پھر اس میں پودینہ پسا ہوا ڈال دیں۔ ساتھ ہی سرکہ کشمش، نمک اور سیاہ مرچ ڈال کر ایک بار پھر گرائنڈ کریں۔ تھوڑا سا پانی ملا کر آمیزہ کو پتلا کرلیں۔ لیجیے انار دانہ کی لذیز چٹنی تیار ہے۔

کھٹی میٹھی چٹنی

اشیاء :

املی کا گاڑھا گودا	1کپ
چینی	1/2کپ
پسی لال مرچ	1/2چائے کا چمچہ
پسا زیرہ	1/2چائے کا چمچہ
نمک	1/2چائے کا چمچہ
لہسن کا پیسٹ	1/2چائے کا چمچہ

ترکیب :

1 کپ املی کا گاڑھا گودا، 1/2 کپ چینی، 1/2 چائے کا چمچہ پسی لال مرچ، 1/2 چائے کا چمچہ پسا زیرہ، 1/2 چائے کا چمچہ نمک اور 1/2 چائے کا چمچہ لہسن کا پیسٹ ملا کر پکالیں، یہاں تک کہ وہ گاڑھا ہو جائے۔

پیاز کی چٹنی

اشیاء :

پیاز	1کپ
ہرا دھنیا	1/4کپ
نمک	1چائے کا چمچہ
زیرہ	1چائے کا چمچہ
لہسن	1جوا
ہری مرچ	3-4عدد
املی کا ہلپ	1/4کپ

ترکیب :

پیالے میں 1 کپ پیاز، 1/4 کپ ہرا دھنیا، 1 چائے کا چمچہ نمک 1 چائے کا چمچہ زیرہ، 1 جوا لہسن، 3-4 عدد ہری مرچ اور 1/4 کپ املی کا ہلپ ڈال مکس کر کے گرائینڈ کرلیں۔ مزے دار چٹنی تیار ہے۔

املی اور ٹماٹر کی چٹنی

اشیاء :

ٹماٹر	4عدد
تلہار مرچوں کا پیسٹ	2 کھانے کے چمچے
نمک	1/2چائے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر	2 کھانے کا چمچے
املی کا رس	ایک کپ
چینی	1 کھانے کا چمچہ
بھنا ہوا زیرہ	1 کھانے کا چمچہ
بھون کر پسا ہوا خشک دھنیا	1 کھانے کا چمچہ

ترکیب

ٹماٹر ابلے ہوئے پانی میں ڈال کر چھلکا اتار لیں اور چاپ کر کے ایک پین میں ڈال دیں، ساتھ میں املی کا رس، تلہار مرچ کا پیسٹ، چینی، نمک، زیرہ، لال مرچ پاؤڈر، سوکھا دھنیا اور تھوڑا سا پانی ڈال کر اچھی طرح پکالیں۔ جب آمیزہ گاڑھا ہو جائے تو ٹھنڈا کر کے بلینڈر میں ڈال کر پیس لیں۔ چٹپٹی اور مزے دار چٹنی تیار ہے۔

شملہ مرچوں کی چٹنی

اشیاء :

شملہ مرچ	2عدد
دھنیا پاؤڈر	1چائے کا چمچہ
املی کا پیسٹ	1/2کپ
گڑ	1/2کپ
ہلدی	1/2چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سونف	2چائے کے چمچے
لال مرچ پاؤڈر	1چائے کا چمچہ

تیل	1/2 کپ

ترکیب :

شملہ مرچوں کو آگ پہ رکھ کر تھوڑا سا اتنا پکائیں کہ مرچیں اوپر سے ہلکی سی جل جائیں۔ تھوڑی دیر کے لیے فوائل میں لپیٹ کر رکھ دیں۔ اب مرچوں کو اوپر سے صاف کر کے جلی ہوئی جلد اور بیج نکال دیں۔ مرچوں اور املی کے پیسٹ کو بلینڈر میں ڈال کر بلینڈ کریں۔ ایک پین میں تیل اور سونف ڈال کر دو سیکنڈ کے لیے فرائی کریں پھر گڑ ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور بلینڈ کیا ہوا مرچوں اور املی کا مکسچر ڈال دیں، ساتھ ہی دھنیا پاؤڈر اور نمک ڈال کر ایک منٹ تک فرائی کریں پھر لال مرچ پاؤڈر ڈال کر مکس کریں اور آمیزہ گاڑھا ہونے تک پکائیں۔ پھر ہلدی ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور پھر چولہے سے اتار کر دوبارہ بلینڈر میں ڈال کر بلینڈ کریں۔ مزے دار اور منفرد سی چٹنی مزے سے کھائیں۔ کسی صاف جار میں محفوظ کرلیں۔

آم کی چٹنی

اشیاء :

آم	آدھا کلو
سرخ مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ضرورت
چینی	ایک پاؤ

چٹنی بنانے کے لیے پکے ہوئے اور میٹھے آم کا رس نکال لیں۔ اس میں سرخ مرچیں، چینی اور نمک ملا لیں نہایت لذیز اور چٹ پٹی چٹنی تیار ہے۔

کچے آموں کی چٹنی

اشیاء :

کچے آم (کیریاں)	1 کلو
نمک	حسب ذائقہ
پسی ہوئی کالی مرچ	1 کھانے کا چمچہ

چینی	2 کپ
پسی ہوئی سرخ مرچ	1 چائے کا چمچہ
سفید سرکہ	1 کپ

ترکیب :

آم چھیل کر باریک باریک کاٹ لیں۔ چینی، سرکہ اور 1/2 کپ پانی ڈال کر پکا لیں۔ آم نرم ہو جائیں تو کالی مرچ، سرخ مرچ اور نمک ڈال کر اتار لیں۔ چٹنی تیار ہے۔

گاٹھیا کی چٹنی

اشیاء :

گاٹھیا	1 کپ
پانی	1/2 کپ
نمک	حسب ذائقہ
لہسن کا پیسٹ	1 چائے کا چمچہ
ہری مرچ	4 عدد
دھنیا	1/2 گٹھی
لیموں کا رس	2 کھانے کے چمچے

ترکیب :

بلینڈر میں 1 کپ گاٹھیا 1/2 کپ پانی، حسب ذائقہ نمک، 1 چائے کا چمچہ لہسن کا پیسٹ 4 عدد ہری مرچ، 1/2 گٹھی دھنیا اور 2 کھانے کے چمچے لیموں کا رس ڈال کر بلینڈ کر لیں۔

مزے دار چٹنی تیار ہے۔

شاہجہانی چٹنی

اشیاء :

سرخ و سبز مرچیں	چار چار عدد
پیاز۔ درمیانہ سائز	ایک عدد
لیموں	ایک عدد
ادرک	آدھا انچ کا ٹکڑا

پودینہ	پندرہ سے بیس پتے
نمک	ایک چٹکی

ترکیب :

پیاز ادرک اور پودینے کو باریک کتر لیں۔ اس میں نمک اور لیموں کا عرق شامل کر کے سب چیزوں کو اچھی طرح ملا لیں۔ ذائقے میں لذیذ ہاضمے کے لیے بہترین چٹنی ہے۔

دہی کی چٹنی

اشیاء :

گاڑھا دہی	ایک کپ
بھنا کٹا زیرہ	1/4 کا چمچہ
چاٹ مسالا	1/2 چائے کا چمچہ
نمک	1/4 چائے کا چمچہ
کٹی لال مرچ	1/4 چائے کا چمچہ

ترکیب :

دہی میں نمک، زیرہ، کٹی لال مرچیں اور چاٹ مسالا ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں۔ مزے دار چٹنی تیار ہے۔

ناریل کی چٹنی

اشیاء :

ناریل کدوکش کیا ہوا	ڈیڑھ پیالی
رائی	چائے کا ایک چمچہ
زیرہ	چائے کا ایک چمچہ
کڑی پتا	ایک عدد
ہرا دھنیا، پودینہ	باریک کٹا ہوا ایک پیا
لہسن	چند جوے
لیموں کا عرق	حسب منشا
تیل	کھانے کا ایک چمچہ

ترکیب :

ناریل سمیت تمام مسالے پیس لیں۔ دیگچی میں تیل گرم کر کے پسے ہوئے مسالے ڈال کر چند سیکنڈ پکائیں۔ اب اس میں کڑی پتے کا بگھار دے دیں۔ آخر میں لیموں کا عرق اور نمک ڈال کر ملا لیں۔

دیگی مرچوں کی چٹنی

اشیاء :

دیگی لال مرچیں	6 عدد
زیرہ	1 چائے کا چمچہ
لہسن کے جوے	4 عدد
دہی	250 گرام
نمک	1/2 چائے کا چمچہ
لیمن جوس	4 کھانے کے چمچے

ترکیب :

دیگی مرچوں کو تھوڑی دیر کے لیے پانی میں بھگو دیں تاکہ تھوڑی نرم ہو جائیں۔ پھر مرچیں اور باقی تمام چیزیں بلینڈر میں ڈال کر اچھی طرح بلینڈ کریں۔ مزے دار چٹنی تیار ہے۔

نورتن چٹنی

اشیاء :

سرکہ	ایک کلو
شکر	ایک پیالی
پودینہ	ایک گٹھی
پسا ہوا ادرک	دو کھانے کے چمچے
املی کا گودا	ایک پیالی
لہسن	دو کھانے کے چمچے (پسا ہوا)
کلونجی	دو کھانے کے چمچے
سیاہ مرچ	دو کھانے کے چمچے
نمک	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب :

پودینے کو پیس لیں اور اس میں تمام اشیاء ملا کر ایک ہفتہ دھوپ میں رکھیں۔ پھر استعمال کریں۔

املی کی چٹنی

اشیاء :

املی	آدھا چھٹانک
سرخ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ پاؤڈر	چٹکی بھر

ترکیب :

املی، سرخ مرچ پاؤڈر، نمک اور کالی مرچ پاؤڈر ملا کر پیس لیں۔ چند دانے کشمش بھی شامل کر لیں پھر ذرا سا پانی ڈال کر نکال لیں اور استعمال کریں۔

تل کی چٹنی

اشیاء :

سفید تل	ایک پیالی
(توے کے اوپر ہلکا سا بھون لیں)	
ہری مرچ	آٹھ عدد
لہسن کے جوے	چھ عدد (بغیر چھلے ہوئے)
اوپر ڈالنے کے لیے پیاز	ایک ڈلی (باریک کٹی ہوئی)
ہرا دھنیا	ایک بڑی گٹھی
نمک	حسب ضرورت
املی کا گاڑھا رس	ایک پیالی

ترکیب :

سب سے پہلے ہرا دھنیا، ہری مرچ، لہسن اور نمک ملا کر باریک چٹنی پیس لیں۔ بھنے ہوئے تل الگ سے باریک پیس لیں۔ ایک پیالے میں پسی ہوئی چٹنی پسے ہوئے تل اور املی کا رس ملائیں۔ چٹنی تیار۔ پیش کرتے وقت پیاز ڈال دیں۔

سلاد

ایپل سلاد

اشیاء :

سیب	سات سو پچاس گرام
بند گوبھی	ایک عدد
کھیرا	ایک عدد
دہی	ایک کپ
کریم	ایک پیکٹ
نمک	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
کالی مرچ	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
سفید مرچ	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
لیموں کا رس	تین تا چار کھانے کے چمچے
اخروٹ	ایک چوتھائی کپ
کشمش	ایک چوتھائی کپ

ترکیب :

سیب، بند گوبھی اور کھیرا باریک کاٹ لیں۔ اب اس میں دہی، کریم، نمک، کالی مرچ، سفید مرچ، لیموں کا رس، اخروٹ اور کشمش شامل کر دیں۔ ٹھنڈا کر کے سرو کریں۔ ایپل سلاد تیار ہے۔

میکسیکن سلاد

اشیاء :

آڑو	پانچ سے چھ عدد
کھیرے	دو عدد
ٹماٹر	تین عدد
مکئی	ایک کپ (بھنی ہوئی)
پیاز	ایک عدد (کٹی ہوئی)
چکن	ایک کپ
سجاوٹ کے لیے اشیاء	
مایونیز	ایک کھانے کا چمچہ
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
نمک آدھا کھانے کا چمچہ	
سیاہ مرچ	تین چوتھائی چائے کا چمچہ (پسی ہوئی)

ترکیب :

مایونیز، سرکہ، نمک اور سیاہ مرچ کو باہم ملالیں اور تمام سبزیوں کو کاٹ کر ایک بڑے پیالے میں مکس کرلیں اور ڈریسنگ سجاوٹ کے اشیاء ان پر ڈال دی جائے اور انہیں مکس کرلیں۔ چاروں طرف آڑو سے سجالیں اور پھر مہمانوں کے سامنے پیش کریں۔ بہت ہی عمدہ اور ذائقوں سے بھرا ہوا سلاد ہے جو کہ میکسیکو کی ایک اہم ڈش سمجھی جاتی ہے۔

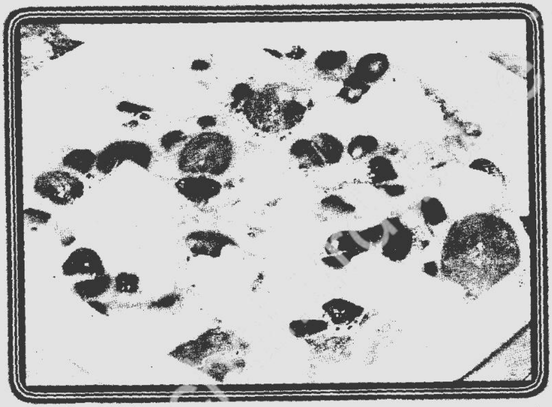

کریمی فروٹ سلاد

اشیاء :

کیلا	چار عدد
سیب	دو عدد
ناشپاتی	دو عدد
آڑو	ایک عدد
انگور	آدھا کپ
انار کے دانے	آدھا کپ
آم	ایک عدد
فریش کریم	ایک کپ
چینی	چار کھانے کے چمچے
نمک	چٹکی بھر
دودھ	چار کھانے کے چمچے

ترکیب :

کیلا، سیب، ناشپاتی اور آڑو باریک باریک کاٹ لیں اور انہیں کسی پیالے میں ڈال دیں، گرائنڈر میں فریش کریم، چینی، نمک اور دودھ ڈالیں اور اسے اچھی طرح مکس کرلیں، جب چینی اور نمک کریم میں اچھی طرح مل جائیں تو اس آمیزے کو پیالے میں ڈال دیں، اس میں انار، انگور اور چوکور شکل میں کٹے ہوئے آم ڈال کر ملالیں اور فریج میں رکھ کر ٹھنڈا کریں۔

چکن میکرونی سلاد

اشیاء :

شیل میکرونی	آدھا پیکٹ
چکن فلے	دو عدد ابلے اور ٹکڑے کیے ہوئے
پائن ایپل	ایک ٹن
کھیرے	دو عدد باریک کٹے ہوئے
سیب	دو عدد باریک کٹے ہوئے
مایونیز	ایک بوتل

مسٹرڈ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
چینی	ایک کھانے کا چمچہ
لیموں	دو عدد
بادام	بارہ عدد ابلے اور کٹے ہوئے
فریش کریم	ایک پیکٹ
کشمش	ایک پیکٹ

ترکیب :

ایک دیگچی میں پانی کو خوب گرم کر کے اس میں شیل میکرونیز ڈالیں۔ ساتھ میں تیل شامل کر کے ابال لیں۔ جب میکرونیز گل جائیں تو پانی نتھار کر ٹھنڈے پانی سے دھولیں اور دوبارہ ذرا سی چکنائی لگادیں۔ پھر ایک خوب صورت سے پیالے میں ابلے ہوئے میکرونیز، ابلے چکن فلے کے چھوٹے ٹکڑے، پائن ایپل کیوبز اور جوس ڈال دیں۔ اس کے بعد باریک کٹے کھیرے، باریک کٹے سیب، مایونیز، مسٹرڈ پاؤڈر، نمک، چینی، لیموں کا رس اور بادام ملادیں۔ آخر میں فریش کریم اور کشمش ڈال کر ٹھنڈا سرو کریں۔

کچومر سلاد

اشیاء :

کھیرا	1/2 چھیل کر چاپ کرلیں
ٹماٹر	دو عدد چاپڈ
سرکہ	ایک چائے کا چمچہ
لیمن جوس	دو چائے کے چمچے
لال مرچ پاؤڈر	1/4 چائے کا چمچہ
پیاز	دو عدد چاپڈ
سلاد کے پتے	ایک کپ چاپڈ
کالی مرچ کٹی ہوئی	1/4 چائے کا چمچہ
نمک	آدھی چائے کا چمچہ

ترکیب :

تمام چیزوں کو اچھی طرح مکس کر کے سلاد باؤل میں ڈال کر فریج میں رکھ دیں، جب اچھی طرح ٹھنڈا ہو جائے تو کھانے کے لیے پیش کریں۔ نہایت سادہ اور مزے دار سلاد آپ کو یقیناً ”پسند آئے گا۔

کول سلاد

اشیاء :

بند گوبھی	1/4 پھول
گاجر	ایک عدد
کشمش	دو چمچے
اخروٹ	دو چمچے
مایونیز	دو چمچے
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ	1/4 چائے کا چمچہ
چینی	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب :

بند گوبھی کو باریک کاٹ لیں۔ ایک عدد گاجر بھی باریک لمبائی میں کاٹ لیں۔ اس کے بعد دو چمچے کشمش پانی میں بھگو کر نرم کرلیں۔

یہ کشمش سبزی میں شامل کرلیں اور اس کے ساتھ دو کھانے کے چمچے اخروٹ چورا کر کے شامل کرلیں پھر ان سب کو مکس کرلیں اور اس کے ساتھ دو کھانے کے چمچے مایونیز کریم، نمک، کالی مرچ پسی ہوئی اور ایک چائے کے چمچے کے برابر چینی شامل کریں۔

یہ ساری چیزیں مکس کریں اور ٹھنڈی ہونے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔

کول سلو سلاد

اشیاء :

بند گوبھی	ایک کپ
میونیز	آدھا کپ
سفید مرچ	آدھا چائے کا چمچہ

نمک	حسب ذائقہ
باریک کٹی ہوئی پیاز	ایک کھانے کا چمچہ
گاجر	ایک عدد
آئسنگ شوگر	ایک کھانے کا چمچہ
کریم	آدھا کپ
کشمش	دو کھانے کے چمچے

ترکیب :

بند گوبھی اور گاجر کو باریک لمبائی میں کاٹ لیں، مونیز، آئسنگ شوگر، سفید مرچ، کریم، نمک، پیاز اور کشمش ڈال کر اچھی طرح مکس کر کے کٹی ہوئی سبزی ڈال کر مکس کریں اور سلاد باؤل میں ڈال کر فریج میں رکھ دیں، جب اچھی طرح ٹھنڈا ہو جائے تو کھانے کے لیے پیش کریں۔

مکس سبزیوں کا سلاد

اشیاء :

مکئی کے دانے	آدھا کپ
ابلی ہوئی گاجر	ایک عدد کٹی ہوئی
پودینہ	دو کھانے کے چمچے چاپڈ
مٹر	آدھا کپ (ابلے ہوئے)
لال لوبیا	ایک کپ (بوائل)
ٹماٹر	ایک عدد
دھنیا	دو کھانے کے چمچے چاپڈ
دہی	آدھا کپ
شملہ مرچ	ایک عدد
سبز مرچ	دو عدد چاپڈ
نمک	حسب ذائقہ
لیمن جوس	ایک عدد لیمن کا

ترکیب :

ایک پیالے میں تمام چیزیں ڈال کر مکس کریں۔ سبزیوں کو چاپ کر لیں اور اچھی طرح مکس کر کے کھانے کے لیے پیش کریں۔

کچی سبزیوں کا سلاد

اشیاء :

گاجریں	ایک پاؤ
ٹماٹر	ایک پاؤ
سبز دھنیا	تھوڑا سا
سلاد کے پتے	چند عدد
سبز مرچ	دو عدد
مولی	ایک عدد (درمیانہ سائز)
کھیرا	ایک عدد
پیاز	ایک عدد

ترکیب :

مذکورہ بالا تمام سبزیوں کو کاٹ کر مکس کر لیں۔ گاجروں کو لمبائی کے رخ میں ٹماٹروں کے سلائس، مولی اور کھیرے کے بھی سلائس، پیاز کو لچھے دار کاٹیں اور سبز دھنیا، سلاد کے پتے، سبز مرچ باریک کاٹ کر اس کے اوپر چھڑک دیں۔ یہ کچی سبزیوں کا سلاد ہر قسم کے کھانوں کے ساتھ تناول فرمائیں۔ صحت کے لیے بہت ہی مفید ترین سلاد ہے۔

سلاد مع فروٹ اسٹک

اشیاء :

مایونیز	تین چائے کے چمچے
گاجر	چار کھانے کے چمچے
لال سیب	ایک عدد چوکور ٹکڑے
کریم	حسب ذائقہ
بند گوبھی	ایک کپ۔ باریک کٹی ہوئی
کشمش	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب :

تمام اشیاء باریک کاٹ کر مایونیز میں ملا دیں۔ تین کھانے کے چمچے کریم بھی ملا دیں۔ اور فریج میں رکھ دیں۔ جب سیٹ ہو جائے تو ایک پلیٹ میں ایک طرف سلاد اور (ایک اسٹک میں موسم کے کوئی بھی فروٹ چکور ٹکڑے کیے ہوئے، پپیتا، آم، سیب، انگور، چیری، اورنج، پائن ایپل، اسٹرابیری، ایک ایک کر کے پرو دیں) سائیڈ میں رکھ دیں۔ سلاد ود فروٹ اسٹک تیار ہے۔

چکن اور میکرونی سلاد

اشیاء :

چکن بریسٹ پیس	دو عدد
(ابال کر چھوٹی چھوٹی بوٹی کرلیں)	
پائن ایپل کیوبز	ایک چھوٹا ٹن
نمک	حسب ذائقہ
چینی	ایک کھانے کا چمچہ
بادام چھلے ہوئے	آدھی پیالی
(دو دو ٹکڑے کرلیں)	
شیل (shell) میکرونی	اپیکٹ
سفید سرکہ	دو کھانے کے چمچے
سفید مرچ پسی ہوئی	آدھا چائے کا چمچہ
سلاد آئل	ایک کھانے کا چمچہ
لیموں	دو عدد

ترکیب :

ترکیب میکرونی کو ابال کر پانی نکال کر ٹھنڈے پانی کے ساتھ دھوئیں۔ ایک گہرے خوب صورت پیالے میں میکرونیز ڈال کر پائن ایپل جوس اور کیوبز ڈال دیں پھر اشیاء میں دی گئی اشیاء ڈال کر مکس کریں اور ٹھنڈا ہونے پر فریج میں رکھ دیں۔ یہ سلاد جتنا ٹھنڈا کر کے کھائیں گے اتنا ہی مزے دار ہو گا۔

ملی جلی سبزیوں کا سلاد

اشیاء :

کھیرا چھوٹا	ایک عدد
ویجی ٹیبل آئل	دو کھانے کے چمچے
مشروم	245 گرام
ناریل کا دودھ	آدھا کپ
سبز تازہ لوبیا کٹا ہوا	100 گرام
گاجر درمیانہ سائز	ایک عدد
سرخ تازہ مرچ کٹی ہوئی	تین عدد چھوٹی
بند گوبھی کے پتے کٹے ہوئے	آدھا کپ
لیمن کا خشک پتا	ایک عدد

ترکیب :

کھیرے اور گاجر کو پتلے ٹکڑوں میں کاٹ لیں، ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ اس میں مرچیں ڈال کر دو منٹ تک فرائی کریں۔ جب تک اس کی خوشبو نہ آئے فرائی کرتے رہیں۔ پھر اس میں ناریل کا دودھ اور لیموں کا پتا ڈال کر ہلائیں۔ ایک منٹ تک حرارت دیں۔

اب اس میں لوبیا، مرچ، کھیرا، گاجر اور گوبھی ملائیں اور ہلکی آنچ پر فرائی کرتے رہیں پھر مشروم شامل کر دیں۔

سفید پلیٹ میں بند گوبھی کے پتوں کو بچھا کر باقی سبزیاں ڈال دیں۔ سلاد تیار ہے۔

گرین سلاد

اشیاء :

بند گوبھی	پتے باریک، کٹے ہوئے
پیاز، چوکور کٹا ہوا	تین عدد
سبز ہری مرچ، چوکور کٹی ہوئی	ایک عدد
سلاد کے پتے	ایک گٹھی

ڈریسنگ کے لیے اشیاء

انڈوں کی کریم	45 ملی گرام
اورنج جوس	15 ملی گرام
نمک	حسب ذائقہ
دہی	30 ملی گرام
مالٹے کا چھلکا	پانچ ملی گرام
کالی مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب :

ایک بڑے باؤل میں ساری سبزیاں تیار کر کے ڈال دیں اور اچھی طرح مکس کرلیں۔ ڈریسنگ کے تمام اشیاء ملا کر پتلی کریم تیار کریں۔ سلاد پر ڈریسنگ کے اشیاء سے تیار کی گئی کریم پھیلا دیں اس سلاد میں دو گرام پروٹین، دو گرام فائبر، تین گرام چکنائی اور وٹامن سی کے اشیاء پائے جاتے ہیں۔ اس میں 100 کیلوریز موجود ہوتی ہیں۔

آلو کا سلاد

اشیاء :

آلو	450 گرام
پیاز تازہ چوکور کٹا ہوا	تین عدد
اجوائن کے پتے	پانچ ملی گرام
کھیرا	سلائس میں
سورج مکھی کے بیج	پندرہ ملی گرام
سلاد کے پتے کٹے ہوئے	تیس ملی گرام

ڈریسنگ کے لیے اشیاء

انڈوں کی کریم	ساٹھ ملی گرام
لیمن جوس	پانچ ملی گرام
دہی	ساٹھ ملی گرام
نمک	حسب ضرورت

ترکیب :

آلوؤں کو چھیل کر کیوب میں کاٹ لیں۔ بڑے ساس پین میں پانی ڈال کر آلو ابال لیں۔ جب ابل جائیں تو پانی سے نکال کر باؤل میں رکھ دیں۔ ڈریسنگ کے تمام اشیاء کو اکٹھا ملالیں اور آلوؤں پر ڈال دیں۔ سلاد کو ٹھنڈا ہونے دیں۔ جب مکمل ٹھنڈا ہو جائیں تو سلاد کے باقی اشیاء بھی ملا دیں۔

سبزیوں کی سلاد

اشیاء :

گاجر	دو عدد
ٹماٹر	دو درمیانے سائز کے
انڈا ابلا ہوا	ایک عدد
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچے
دھنیا پودینہ	تھوڑا سا
کھیرا	ایک
شملہ مرچ	ایک
نمک اور کالی مرچ	حسب ذائقہ
لہسن	تین جوے کٹے ہوئے

ترکیب :

گاجر، کھیرا، ٹماٹر، آلو، شملہ مرچ کو چوکور کاٹ لیں۔ انڈے کے سلائس کرلیں۔ سلاد کی ڈش میں تمام اشیاء ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ اوپر دھنیا اور پودینہ چھڑک دیں۔

ٹماٹر اور کھیرے کا سلاد

اشیاء :

کھیرا، پتلے سلائس میں	280 گرام
ویجی ٹیبل آئل	دو کھانے کے چمچے
لہسن کچلا ہوا	ایک جوا
پنیر کٹا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ
سرخ ٹماٹر پتلے سلائس میں	300 گرام
لیمن جوس	ایک کھانے کا چمچہ
تازہ سلاد، کٹے ہوئے پتے	کھانے کا ایک چمچہ
پودینہ تازہ باریک کٹا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب :

ایک ڈش میں کھیرے اور ٹماٹر کے سلائس کو اس طرح رکھیں کہ ایک سلائس کھیرا اور دوسرا سلائس ٹماٹر کا ہو۔ اسی ترتیب سے سلاد کی ڈش میں سجائیں۔ شیشے کے ایک مرتبان میں تیل، لیمن جوس، لہسن اور سلاد کے کٹے ہوئے پتے ڈال کر اس کا ڈھکن مضبوطی سے بند کر دیں اور اسے زور سے ہلائیں۔ پھر اسے کھول کر کھیرے اور ٹماٹر کے سلائس ڈش پر بکھیر دیں۔ پھر اس پر پنیر پھیلا دیں۔ سلاد کا سارا سامان ایک اسٹیل کی ٹرے یا مضبوط چائنہ کراکری کی ٹرے میں رکھیں۔ جب سلاد پر پنیر بکھیر دیں تو سلاد کی ٹرے کو تین منٹ کے لیے گرل پر رکھیں تاکہ پنیر پگھل جائے۔ پھر اس پر پودینہ بکھیر دیں سلاد تیار ہے۔

آلو، مشروم کا سلاد

اشیاء :

آلو	400 گرام
مشروم (درمیانہ سائز)	200 گرام
سلاد کے پتے	حسب ضرورت
شکرقندی (زرد)	500 گرام
پالک کے پتے	250 گرام
ویجی ٹیبل آئل اسپرے	حسب ضرورت
ڈریسنگ کے لیے سامان	
خشک ٹماٹر	پندرہ گرام
لہسن، کچلا ہوا ایک جوا	
کھٹی کریم	135 ملی گرام
دودھ	135 ملی گرام
سرکہ سفید	دو چائے کے چمچے

ترکیب :

آلو اور شکرقندی کو ایک سینٹی میٹر کے ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔ انہیں ابال لیں جب گل جائیں تو انہیں ایک پلیٹ میں رکھ کر ٹشو پیپر سے خشک کر لیں۔ آلو، شکرقندی اور مشروم ویجی ٹیبل آئل کا اسپرے کریں۔ ان تینوں سبزیوں کو اوون میں ڈال کر گرل کریں۔ الگ الگ رکھیں۔ جب ان کا رنگ براؤن ہو جائے تو اوون سے نکال کر سلاد کی ٹرے میں پھیلا دیں۔ اس پر ڈریسنگ کے اشیاء پھیلا دیں جو کریم کی شکل میں تیار ہوئے ہوں۔

ڈریسنگ

ایک چھوٹے باؤل میں پانی ابال لیں۔ ابلتے ہوئے پانی میں خشک ٹماٹر ڈال دیں۔ بیس منٹ تک ہلکی آنچ پر پکنے دیں۔ جب نرم ہو جائیں تو گرم پانی سے نکال کر نچوڑ لیں۔ ایک باؤل میں دودھ اور کھٹی کریم ملا کر پھینٹیں پھر اس میں سلاد کے پتے اور سرکہ ملا دیں۔ اس مکمل ڈریسنگ کو سلاد پر بکھیر دیں۔

پھول گوبھی کا سلاد

اشیاء :

پھول گوبھی	500 گرام
پارسلے، سلاد پتے	کٹے ہوئے
لیمن جوس	دو کھانے کے چمچے
تازہ پودینہ کٹا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ
اورنج جوس	دو کھانے کے چمچے

ترکیب :

پھول گوبھی کے چھوٹے چھوٹے پھول ڈنٹھل نما ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔ گرم پانی سے ابال لیں۔ جب پک جائیں تو گرم پانی سے نکال لیں۔ پانی نچوڑ لیں اور ٹھنڈا ہونے دیں۔ اب پھول گوبھی، پودینہ اور کٹی ہوئی پارسلے کو ایک باؤل میں ڈال دیں۔ استعمال کرنے سے پہلے اس پر جوس پھیلا دیں۔

مکس فروٹ سلاد

اشیاء :

بند گوبھی	1/2 باریک کٹی ہوئی
چیریز	10 عدد
نمک	1 چٹکی
کریم	آدھا کپ
مکس فروٹ	ایک عدد
چینی	2 کھانے کے چمچے
میونیز	1/2 کپ
کالی مرچ	1 چائے کا چمچہ

ترکیب :

ایک پیالے میں کریم، میونیز چینی، کالی مرچ اور نمک ڈال کر مکس کریں۔ پھر اس میں بند گوبھی، مکس فروٹ ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ سلاد ڈش میں ڈال کر اوپر سے چیریز سے سجا کر کھانے کے لیے پیش کریں۔

رومن سلاد

اشیاء :

کھیرا	ایک عدد
ٹماٹر	ایک عدد
گاجر	ایک عدد
سیب	ایک عدد
بند گوبھی	ایک عدد
کیلا	ایک عدد
ٹماٹو کیچپ	آدھی پیالی
لیموں کا عرق	آدھی پیالی
نمک اور کالی مرچ	حسب ذائقہ
چینی	ایک چمچہ

ترکیب :

تمام پھل اور سبزیوں کو باریک کاٹ لیں۔ پھر اس میں ٹماٹو **کیچپ** ملائیں۔ پھر اس میں لیموں کا عرق ملائیں۔ اب آخر میں نمک اور کالی مرچ ملا کر نوش فرمائیں۔

نوٹ۔ یہ سلاد فوراً" تیار کر کے نوش فرمائیں، زیادہ دیر رکھنے سے اس سلاد کے غذائی اشیاء ختم ہونے لگتے

ہیں۔

نوڈلز اور میکرونی کا سلاد

اشیاء :

نوڈلز	1پیکٹ (ابوائل)
پیاز	1عدد
پائن ایپل	1/2کپ
چینی	1چائے کا چمچہ
میکرونی	1کپ (ابوائل)
ہری پیاز	1عدد (صرف سبز حصہ)
میونیز	1/2کپ
نمک	حسب ذائقہ
شملہ مرچ	1عدد
ٹماٹر	1عدد (بیج کے بغیر)
ٹماٹو کیچپ	1/4کپ

ترکیب :

ایک پیالے میں تمام چیزیں ڈال کر مکس کر لیں۔ سبزیوں کو چاپ کر لیں اور اچھی طرح مکس کر کے کھانے کے لیے پیش کریں۔ یہ سلاد پیزے کے ساتھ بہت مزا دے گا۔

کریمی فروٹ سلاد

اشیاء :

آم، کیلا، انگور، آڑو	3کپ (مکس)
مایونیز	ایک کپ
کریم	آدھا کپ
میکرونی	ڈیڑھ کپ
شکر	3کھانے کے چمچے
وائٹ مرچ	آدھا چمچہ
سلاد پتا، ٹماٹر، کھیرا	گارنش کے لیے
میکرونی	ڈیڑھ کپ
نمک	حسب پسند

میکرونی ابالیں۔ تمام فروٹ کیوبز میں کاٹ لیں۔ اب ایک الگ باؤل میں مایونیز، کریم، شکر، وائٹ مرچ ملائیں۔ میکرونی شامل کریں، مکس کریں۔ اب آہستہ آہستہ چمچے سے فروٹ کو ڈال کر مکس کریں۔ ایک پلیٹ میں سلاد، ٹماٹر، کھیرا لگائیں درمیان میں کریمی فروٹ سلاد ڈالیں۔ اوپر آم یا آڑو سے گارنش دیں۔

جھٹ پٹ اور آسان فروٹ پاستا سلاد

اشیاء :

مکس فروٹ کاکٹیل	1ٹن
ابلے ہوئے آلو	2عدد
سبز دھنیا	1/4گڈی
لیمن جوس	ڈیڑھ کھانے کا چمچہ
کٹی ہوئی کالی مرچیں	1چائے کا چمچہ
پائن ایپل کے سلائس	2عدد
باریک کٹی سبز مرچ	2عدد
مکئی کے دانے	1ٹن
کیچپ	3کھانے کے چمچے
میونیز	آدھا کپ
آئس برگ	1/2باریک کاٹ لیں
انجیر کے دانے	5سے6عدد
ابلی ہوئی میکرونی	1/4پیکٹ
نمک	حسب ذائقہ
کرکرے	1پیکٹ

ترکیب :

اوپر دی ہوئی تمام چیزیں ایک پیالے میں ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ اب سلاد والی ڈش میں ڈال کر اوپر کرکرے ڈال کر مزے دار فروٹ پاستا سلاد کھانے کے لیے پیش کریں۔

گریک سلاد

اشیاء :

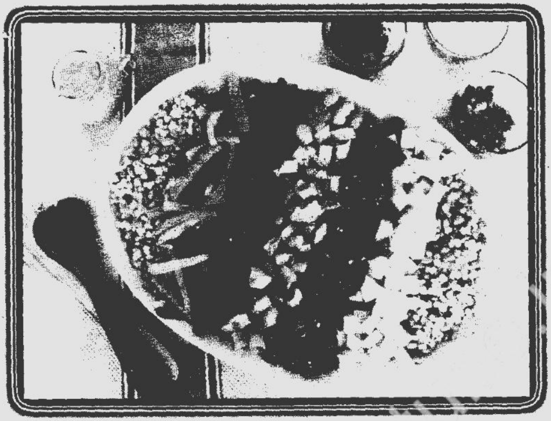

چیز (Greek Feta Cheese)	300 گرام
کھیرے (کیوب کرلیں)	150 گرام
چیری ٹماٹو (آدھے کرلیں)	3 عدد
پیاز (چھلے کرلیں)	3 عدد
زیتون	24
لیمن جوس	20 ملی لیٹر
زیتون کا تیل	50 ملی لیٹر
نمک اور کالی مرچ	حسب ذائقہ
پارسلے	گارنش کے لیے

ترکیب :

ایک پیالے میں چیز، ٹماٹر، کھیرے، پیاز اور زیتون مکس کرلیں۔ پھر ان پر زیتون مکس کرلیں۔ پھر ان زیتون کا تیل اور لیمن جوس چھڑکیں، مکس کریں، نمک مرچ بھی ڈال لیں، ہلائیں اور پارسلے سے گارنش کر کے سرو کریں۔

رشین سلاد

اشیاء :

آلو	2 عدد
گاجر	2 عدد
سیب	1 عدد
اخروٹ	50 گرام
کشمش	50 گرام
مایونیز	1/2 کپ
کالی مرچ	1/4 چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
کریم	4 چمچے

ترکیب :

سیب، گاجر اور آلو ابال کر کیوب بنالیں۔ ایک پیالے میں ابلی ہوئی گاجر، ابلے ہوئے آلو، سیب اخروٹ، کشمش نمک، کالی مرچ، کریم اور سلاد پتا ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں۔ مزیدار رشین سلاد چرغے اور زیرہ پلاؤ کے ساتھ پیش کریں۔

مکسڈ سبزیوں کا رائتہ

اشیاء :

تازہ دہی	دو کپ
گاجر	ایک چوتھائی کپ
چھیل کر چوپ کر لیں	
مٹر، چھلے ہوئے	ایک چوتھائی کپ
آلو	آدھا کپ
چھلکا اتار کر چوپ کر لیں	
نمک، کالی مرچ	حسب ذائقہ
زیرہ پاؤڈر اوپر چھڑکنے کے لیے	ایک چائے کا چمچہ
لوبیا	ایک چوتھائی کپ

ترکیب :

سب سے پہلے تمام سبزیوں کو بغیر پانی ڈالے ہلکی نرم ہونے تک ابال لیں۔ ابالنے کے بعد اسے ٹھنڈا کرنے کے لیے رکھ دیں۔ دہی کو پھینٹ کر اس میں تمام ابلی ہوئی سبزیاں، نمک اور کالی مرچ ڈال کر ٹھنڈا کرنے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ اور زیرہ پاؤڈر ڈال کر پیش کریں۔

ہرے مسالے کا رائتہ

اشیاء :

دہی	آدھا کلو
پودینہ	دس سے بارہ پتے
چھوٹی ہری مرچ	دو عدد
لہسن کا جوا	ایک عدد
نمک	آدھا چائے کا چمچہ
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب :

تمام اشیاء کو بلینڈر میں ڈال کر پیس لیں۔ رائتہ تیار ہے۔

ایرانی رائتہ

اشیاء :

دہی	دو کپ
کھیرا	ایک عدد
ہری پیاز	ایک عدد
پودینے کے تازہ پتے	ایک چائے کا چمچہ
کشمش	دو کھانے کے چمچے
موٹے پسے ہوئے اخروٹ	دو کھانے کے چمچے
نمک، سیاہ مرچ	حسب ذائقہ
کالی تلسی	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب :

کھیرے کو چھیل کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹ لیں۔ ہری پیاز کو باریک کاٹ لیں۔ پودینے کے پتے بھی باریک کاٹ لیں اور کالی تلسی بھی صاف کر کے کاٹ لیں۔ دہی کو پھینٹ کر اس میں نمک، سیاہ مرچ، موٹے کوٹے ہوئے اخروٹ، پودینہ، ہری پیاز، کالی تلسی اور کھیرے کے ٹکڑے ملا کر مکس کریں اور کچھ دیر اسے ٹھنڈا ہونے کو رکھ دیں۔ بے حد لذیذ ایرانی رائتہ آپ کے کھانے کی لذت میں اضافہ کرے گا۔

آلو کا رائتہ

اجزا :

آلو	آدھا کلو گرام
دہی	ایک کلو گرام
نمک و مرچ	حسب ذائقہ و پسند
گرم مسالا (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچہ
پودینہ	حسب پسند
سبز دھنیا	حسب پسند
سبز مرچ	حسب ضرورت

ترکیب :

آلوؤں کو اچھی طرح سے ابال کر چھیل لیا جائے

اور گلاس کے پیندے کی مدد سے باریک پیس لیا جائے۔ اس کے بعد دہی کو خوب اچھی طرح سے پھینٹ لیں اور پھر اس میں تمام مسالا جات پیس کر اچھی طرح سے ملا لیے جائیں۔ اس کے بعد آلو بھی شامل کرلیں اور پھر خوب اچھی طرح سے مکس کرلیں۔ نہایت ہی عمدہ اور لذیز ترین آلوؤں کا رائتہ تیار ہوچکا ہے۔

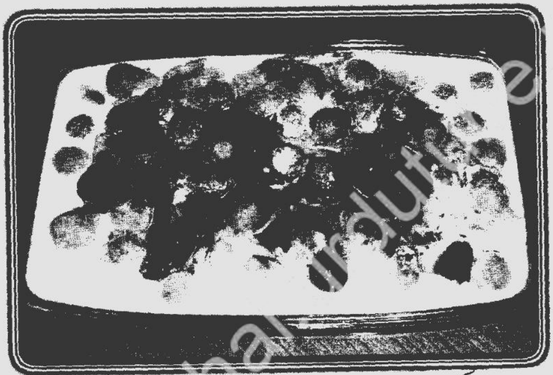

دہی پھلکی رائتہ

اشیاء :

دہی	1/2 کلو
ابلا ہوا آلو	1 عدد چاپڈ
بیسن	1/2 کپ
سفید زیرہ	1/2 چائے کا چمچہ
پودینہ	2 کھانے کا چمچے
پیاز	1 عدد چاپڈ
سبز مرچیں	2 عدد باریک کٹی ہوئیں
کٹی کالی مرچ	1 چائے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر	1/2 چائے کا چمچہ
تیل	فرائی کے لیے
ٹماٹر	1 عدد چاپڈ
بیکنگ سوڈا	1 چٹکی
نمک	1/4 چائے کا چمچہ
بھنا زیرہ	2 چائے کے چمچے

ترکیب :

ایک پیالے میں بیسن، نمک، زیرہ، لال مرچ پاؤڈر اور بیکنگ سوڈا ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور پانی سے پیسٹ بنا کر درمیانی آنچ پر گرم گھی میں پکوڑیوں کی طرح ہلکے براؤن ہونے تک فرائی کر کے نکال لیں، پھلکی تیار ہیں۔

ایک علیحدہ برتن میں دہی، نمک، بھنا زیرہ، سبز مرچیں، آلو، پیاز، پھلکیاں اور ٹماٹر ڈال کر مکس کریں۔ سرونگ ڈش میں ڈال کر اوپر پودینہ ڈال کر چائے کے ساتھ، چاولوں کے ساتھ یہ رائتہ بہت مزا دے گا۔

کھیرے کا رائتہ

اشیاء :

پھینٹا ہوا دہی	250 گرام
زیرہ پاؤڈر	1/4 چائے کا چمچہ

کالی مرچ کٹی ہوئی	1/4 چائے کا چمچہ
پیپریکا پاؤڈر	ایک چٹکی
کھیرا	1/2 کپ (چھیل کر باریک چاپ کر لیں)
نمک	حسب ذائقہ
چینی	1/2 چائے کا چمچہ
سبز دھنیا	1 کھانے کا چمچہ

ترکیب :

دہی کو اچھی طرح پھینٹ لیں، اگر ضرورت سمجھیں تو تھوڑا سا پانی بھی ڈال لیں۔ پھر کھیرا، زیرہ پاؤڈر، نمک، کالی مرچ اور چینی ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں۔ سرونگ پیالے میں ڈال کر اوپر پیپریکا پاؤڈر چھڑکیں اور سبز دھنیا ڈال کر چاولوں کے ساتھ کھانے کے لیے پیش کریں۔

ٹماٹر کا رائتہ

اشیاء :

ٹماٹر	4 عدد
پیاز	1 عدد
نمک	حسب ذائقہ
دہی	2 کپ
لہسن کے جوے	2 عدد
سبز مرچیں	6 عدد
زیرہ بھنا ہوا	1 کھانے کا چمچہ

ترکیب :

ایک پین میں دو کھانے کے چمچے تیل ڈال کر لہسن کو چاپ کر کے ہلکا سا فرائی کریں اور ساتھ ہی کٹی ہوئے ٹماٹر بھی ڈال دیں، ٹماٹروں کو اتنا پکائیں کہ اچھی طرح پیسٹ بن جائے اور پانی خشک ہو جائے۔ چولہے سے اتار لیں۔ اب ایک پیالے میں دہی کو ہلکا سا پھینٹ کر اس میں باریک کٹے ہوئے پیاز، باریک کٹی ہوئی سبز مرچیں، زیرہ اور نمک ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور ٹماٹر کا آمیزہ بھی ڈال کر مکس کریں۔ کسی بھی قسم کے چاولوں کے ساتھ یہ رائتہ بہت مزا دے گا۔

کدو کا رائتہ

اشیاء :

کدو	ایک پاؤ
دہی	آدھا کلو گرام
نمک و مرچ	حسب ذائقہ
گرم مسالا	حسب خواہش (پسا ہوا)

ترکیب :

مذکورہ بالا اشیا کے علاوہ پودینہ، سبز مرچ اور سبز دھنیا بھی لے لیں جو کہ باریک پسے ہوئے ہوں اور پھر کدو کو چھیل کر اچھی طرح سے کدو کش کر لیا جائے اور اس کے بعد ابال لیں۔ ابالنے کے بعد اچھی طرح نچوڑ کر ٹھنڈا کر لیا جائے اور دہی کو خوب اچھی طرح سے پھینٹ لیا جائے اور تمام مسالا جات باریک پیس کر اس میں شامل کر لیے جائیں۔ اس کے بعد اس میں ابلا ہوا کدو اچھی طرح سے ملا لیں۔ لیجیے کدو کا خوش ذائقہ رائتہ تیار ہو چکا ہے۔

پھول گوبھی کا رائتہ

اشیاء :

پھول گوبھی	دو سو گرام (چوپ کی ہوئی)
دہی	ڈیڑھ کپ
ہینگ	ایک چٹکی
لال مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ پاؤڈر
ہری مرچ	ایک عدد
نمک اور کالی مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
ثابت زیرہ	آدھائے چائے کا چمچہ
تیل	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب :

سب سے پہلے دہی کو پھینٹ لیں۔ پھر پھول گوبھی کو نرم ہونے تک ابال لیں اور ٹھنڈا کرنے کے لیے رکھ دیں۔ جب پھول گوبھی ٹھنڈی ہو جائے تو اس میں دہی ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ اب ایک فرائنگ پین میں تیل گرم کر کے اس میں ہینگ، زیرہ، نمک، کالی مرچ اور لال مرچ پاؤڈر ڈال کر فرائی کریں۔ اس کو دہی کے اوپر ڈال کر پوری طرح کور کر دیں۔ دو سے تین منٹ کے بعد اچھی طرح مکس کریں۔ اور سرونگ باؤل میں ڈال دیں۔ ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

مولی کا رائتہ

اشیاء :

دہی	ایک کپ
ہری مرچ	ایک عدد۔ چوپ کی ہوئی
سجاوٹ کے لیے پودینے کے پتے	
مولی چھوٹے سائز کی	ایک عدد
چینی	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
نمک اور کالی مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ

ترکیب :

دہی کو پھینٹ کر اس میں نمک اور چینی شامل کر دیں۔ مولی کو چھیل کر کدوکش کر لیں۔ اور ہاتھوں کے درمیان میں دبا کر اس کا جوس نکال دیں۔ پھر دہی میں مولی، نمک، کالی مرچ، چینی، ہرا دھنیا، ہری مرچ شامل کر دیں۔ اچھی طرح مکس کر کے سرونگ باؤل میں ڈال دیں۔ ٹھنڈا کر کے پودینے کے پتے چھڑک کر پیش کریں۔

چائنیز رائتہ

اشیاء :

شملہ مرچ	آدھی سلائس میں کٹی ہوئی
پیاز	ایک عدد۔ سلائس میں کٹی ہوئی،
بند گوبھی	ایک چوتھائی کپ
دہی	ڈیڑھ کپ
نمک، کالی مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب :

دہی کو اچھی طرح پھینٹ لیں۔ پھر اس میں شملہ مرچ پیاز، بند گوبھی، نمک اور کالی مرچ ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں۔ اور ٹھنڈا کر کے سرو کریں۔

بینگن کا رائتہ

اشیاء :

بینگن	دو عدد (باریک قتلے کاٹ لیں)
نمک	حسب ذائقہ
سفیدہ زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
(بھنا ہوا اور پسا ہوا)	
ہری مرچ	ایک عدد (پسی ہوئی)
لال مرچ	آدھا چائے چمچہ
(پسی ہوئی بگھار کے لیے)	
سفید زیرہ ثابت + لال مرچ (چار عدد)	
دہی	ڈیڑھ پاؤ
پودینہ کترا ہوا	ایک چائے کا چمچہ
کوکنگ آئل	تلنے کے لیے

ترکیب :

ایک فرائی پین میں تیل گرم کر لیں۔ اس میں بینگن کے ٹکڑے ہلکی آنچ پر سرخ کر کے نکال لیں۔ دہی میں نمک، سفید زیرہ لال مرچ، پودینہ اور ہری مرچ ڈال کر خوب پھینٹیں اب اس میں تلے ہوئے بینگن کے قتلے ڈال دیں۔ فرائی پین کے بچے ہوئے تیل میں ثابت زیرہ اور لال مرچ سرخ کر کے رائتے پر بگھار دیں۔ بینگن کا رائتہ تیار ہے۔